فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

اردو ترجمہ

تفسیر عزیزی مجیدی

موسوم بہ

تفسیر فتح العزیز

پارہ تَبَارَكَ الَّذِى

مؤلفہ

عمدۃ المفسرین فخر المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

باہتمام نیازمند حاجی محمد زکی نبیرہ حاجی محمد سعید صاحب غفراللہ لوالدیہ

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

فہرست مضامین

تفسیر فتح العزیز سیپارہ تبارک

مقدمہ

از حضرت مترجم رح

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا وشفیعنا ونبینا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین ؂

حمد اور نعت کے بعد فقیر سراپا تقصیر قلیل البضاعۃ عدیم الاستطاعۃ خادم علمائے زمان احقر العباد محمد حسن خان مصطفےٰ آبادی عرف رامپوری تجاوز اللہ عن ذنبہ المعنوی والصوری خدمتمین برادران دیندار اور محبان تقویٰ شعار کی عرض کرتا ہے کہ قبل اس کے سنہ ۱۲۶۱ ہجری مقدسہ نبویہ میں جب تفسیر فتح العزیز فارسی کے سپارہ عم کا ترجمہ بموجب حکم منہل جود وسخا منبع فیض وعطا محسن دوران فیاض زمان قدر دان علماو شرفا جناب ناذخدا محمد علی بن محمد حسین صاحب روگھی دامت حسناتہم وبرکاتہم کے بزبان اردو عام فہم چھپ کر شائع ہوا اور حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے نہایت مرغوب طبائع ہوا تو ہر شخص بکمال شوق ورغبت کہنے لگا کہ اگر سپارہ تبارک الذی کی تفسیر بھی مثل اس کے اردو زبان میں ترجمہ ہو کر چھپ جائے تو دین کا بڑا فائدہ ہو اور بخوبی ہم لوگوں کی سمجھ میں آئے پس ان کی خواہش اور خواستگاری کے سبب جناب ناذخدا صاحب ممدوح کو منظور ہوا کہ اس کا بھی اردو میں ترجمہ ہو کر چھپے تاکہ کوئی اس فیض سے محروم نہ رہے الحمد للہ کہ حسب اشارہ حسن نیت جناب موصوف کے سنہ ۱۲۶۴ ہجری میں اس کا بھی ترجمہ مطبع محمدی میں چھپنا شروع ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ مقبول فرمائے اور نفع اس کا دینی بھائیوں کو پہونچائے۔

فائدہ معلوم ہو کہ اس ترجمے میں کئی باتوں کی رعایت کی گئی ہے سو دریافت کرنا ان کا مطالعہ کرنے والوں کے واسطے ضروری ہے (۱) اس میں لفظی ترجمہ کا لحاظ نہیں کیا بلکہ اردو محاورے موافق آسانی کے ساتھ مطلب سمجھایا گیا۔ (۲) اصل مضمون میں زیادتی اور کمی نہیں کی ہاں کسی اجمال کی تفصیل میں چند الفاظ بڑھائیے مگر مطلب وہی رہا۔ (۳) جہاں کوئی مطلب دقیق اور مشکل آگیا جس کا سمجھنا کسی دوسرے علم پر موقوف ہے جیسے کوئی قاعدہ علم ریاضی یا حکمت کا ہو تو اسکا فقط ترجمہ کردیا اور اسکی اصطلاحی باتوں کی طول طویل تصریح نہیں کی کہ یہاں تفسیر قرآن شریف کی عام فہم منظور تھی نہ قواعد حکما کی تحقیق (۴) ترجمہ اسکا کلکتہ کی چھپی ہوئی تفسیر عزیزی کے موافق ہے کہ عبارت اسکی نہایت صحت کے ساتھ چھپی تھی۔

احقر العباد
محمد حسن خان مصطفےٰ آبادی

اردو ترجمہ تفسیرِ عزیزی سپارہ تبارک الذی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الملک

سورۃ الملک اس میں تیس[۳۰] آیتیں ہیں اور تین سو پینتیس[۳۳۵] کلمے اور ہیں ایک ہزار تین سو تیرہ[۱۳۱۳] حرف ہیں اور اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت آئی ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور الم تنزیل السجدہ کے بعد مکے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس کے بعد سورہ حاقہ اور سورۂ معارج نازل ہوئی اور حسن بصری رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابیوں کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے اور اس میں تیس آیتیں ہیں۔ موافق صحیح حدیث کے جو صحاح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سورۃ ہے حق تعالیٰ کی کتاب سے جس کی کل تیس[۳۰] آیتیں ہیں۔ ایک شخص گنہگار کی شفاعت میں اس قدر اصرار اور ہٹ کیا اس کو جہنم کے گڑھے سے نکال کے بہشت میں داخل کیا اور وہ سورۂ تبارک الذی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دوست رکھتا ہوں اس بات کو کہ یہ سورہ ہر مسلمان کے دل میں ہووے یعنے اس سورۃ کو چاہیئے کہ ہر مسلمان یاد کرے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہوا ہے کہ مردے کو جب قبر میں رکھتے ہیں اور عذاب کے فرشتے آتے ہیں تو یہ سورۃ اس مردے کی حمایت کرتی ہے۔ اور ان فرشتوں کو منع کرتی ہے اگر وے پاؤں کی طرف سے ارادہ آنے کا کرتے ہیں تو ادھر سے ان کو منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں ادھر سے تم کو آنے نہ دوں گی اس واسطے کہ اس شخص نے

کھڑے ہو کر مجھکو نمازمیں پڑھا تھا۔ پھر اگر دوسری طرف سے ارادہ آنے کا کرتے ہیں تو ادھر سے بھی منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس شخص نے مجھکو اس منہ سے پڑھا ہے سو میں تم کو اس طرف سے بھی آنے نہ دوں گی۔ اور اسی طرح داہنے اور بائیں سے بھی منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ ان دونوں طرف سے بھی تم کو آنے نہ دوں گی اس واسطے کہ اس شخص نے اپنے سینے میں مجھکو یاد رکھا ہے اور حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ عشا کی نماز کے بعد اس سورۃ کو دو رکعت نفل میں بیٹھ کے پڑھا کرتے تھے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب کو سونے کے پہلے اس سورۃ کو ضرور پڑھتے تھے۔ اسی واسطے اس سورۃ کا نام حدیث شریف میں مانعہ اور منجیہ اور واقیہ آیا ہے۔ اس واسطے کہ اپنے پڑھنے والے کو قبر کے عذاب سے بچاتی ہے۔ اور نجات بخشتی ہے اور قیامت کے ہول اور صدموں سے محفوظ رکھتی ہے اور اس سورۃ کی ربط کی وجہ سورہ تحریم سے یہ ہے کہ سورہ تحریم میں گھر کے انتظام اور بندوبست کی شرطیں بیان ہیں کہ آدمی کو اپنی عورتوں اور گھر والوں کے ساتھ کس طرح گزران کرنا چاہیئے۔ اور اگر اس کے اہل و عیال کسی گناہ میں مبتلا ہوں اور وہ دوزخ والوں کے کام کرنا شروع کریں تو اس شخص پر لازم ہے کہ ان کو اس بدراہ سے روکے اور اس راہ پر چلنے نہ دے اور اس سورۃ میں خدائی اور شاہنشاہی کے دستور اور آئین مذکور ہیں اور اس سورۃ میں ایک گھر کی ریاست کا انتظام مذکور ہے۔ اور اس سورۃ میں تمام جہان کی ریاست کا انتظام مذکور ہے۔ اور ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کا قاعدہ اسی بات کو چاہتا ہے کہ وہ سورۃ پہلے ہو اور یہ اس کے بعد ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ اس سورۃ میں دوزخ کی آگ کی صفت اس مضمون سے بیان فرمائی کہ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ یعنے ایندھن دوزخ کا آدمی ہے اور پتھر اور عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ یعنے اس دوزخ پر مقرر ہیں بے رحم اور سخت فرشتے بے حکمی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کی جو حکم کرے ان کو اور اس سورۃ میں اس مضمون کو اس طور سے بیان فرمایا ہے کہ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ یعنی جب ڈالے جائیں گے اسی دوزخ میں سنیں گے اس کی آواز اور وہ جوش میں ہوگی۔ اور یہ بھی مذکور ہے سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ یعنی پوچھینگے نگہبان دوزخ کے کیا نہیں آیا تھا تم پاس ڈرانے والا اور یہ دونوں

مضمون آپس میں بہت قریب ہیں اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا ج فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ یعنی جب چھپا کر کہی نبی نے کسی اپنی بی بی سے ایک بات پھر جب اُسے خبر دی اس کی جتا دیا اللہ نے نبی کو اور اس سورۃ میں مذکور ہے وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ اَوِ اجْہَرُوْا بِہٖ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ یعنی چھپا کر کہو اپنی بات یا ظاہر کر کے کہو مقرر وہ جانتا ہے سینوں کی بات کو اور اس سورۃ میں مذکور ہے وَاِنْ تَظَاھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ یعنی اگر غلبہ کرو گے تم دونوں اس پر تو اس کا مولیٰ یعنی کام بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس سورۃ میں مذکور ہے قُلْ ھُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِہٖ وَعَلَیْہِ تَوَکَّلْنَا یعنی تو کہہ وہ معبود رحمٰن ہے اسی کا ایمان لائے ہم اور اسی پر بھروسہ کیا ہم نے اور یہ بھی اس سورۃ میں مذکور ہے کہ اپنی جوروؤں کی خاطرداری کے واسطے اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو کیوں اپنے اوپر حرام کیا تو نے۔ اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ سلطنت او حکومت بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے پھر اس کے حکموں کے بدلنے میں دوسروں کی پیروی کرنا نہ چاہیئے اس واسطے کہ حکم کرنا بادشاہوں کے واسطے خاص ہے کسی کی خاطر کے واسطے بادشاہوں کے حکم کے خلاف کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔ اب اسی پر قیاس کر کے اگر مناسبت کی وجہوں کو ڈھونڈھیے تو بہت نکل سکتی ہیں۔ اور اس سورۃ کا نام سورۃ الملک اس واسطے رکھا ہے کہ اس میں جو جو چیزیں حقیقی بادشاہت کے واسطے لائق ہیں ان کو اس مالک الملک علی الاطلاق کے واسطے ثابت کیا ہے اور وہ بہت سی چیزیں ہیں۔ چنانچہ خیرات کی کثرت اور انعام اور احسان کی زیادتی سو یہ تبارک کے لفظ سے بوجھی جاتی ہے اور دوسری قدرت کا عام ہونا یعنی سب چیز کا شامل ہونا یہاں تک کہ مارنا اور جلانا بھی اختیار میں ہو جو کسی بادشاہ کی قدرت اور اختیار میں نہ تھا سو یہ مضمون وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کے لفظ سے اور خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ کے لفظ سے بوجھا جاتا ہے اور تیسری اپنی رعایا کے اور منصب داروں اور ملک کے حاکموں کے کاموں سے باخبر رہنا کہ یہ بھی سلطنت کے لوازموں میں سے ہے سو یہ بات لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کے لفظ سے اور اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ کے لفظ سے بوجھی جاتی ہے اور چوتھی غلبہ اور عزت اور مرتبہ ہونا سو عزیز کی لفظ اس پر دلالت کرتی ہے۔ پانچویں بخشش اور گناہوں

کا معاف کرنا جو غَفُوْرٌ کے لفظ سے بوجھا جاتا ہے چھٹی اپنے اہل کاروں اور غلاموں اور نوکروں کے واسطے بڑے بڑے عالیشان مکان تیار کرنا سو یہ مضمون خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا میں پایا جاتا ہے ساتویں اپنی رعایا میں کسی طرح کی کمی بیشی اور تفاوت نہ کرنا جو مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ کے مضمون سے بوجھا جاتا ہے آٹھویں مملکت کے شہروں کو آراستہ کرنا اور شیشے بندی اور روشنی کر کے زینت دینا سو یہ بات وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ کے مضمون سے بوجھی جاتی ہے نویں دشمنوں کے مقابلے کے واسطے لڑائی کا سامان جیسے توپ بندوق گولہ بارود قید خانہ پیادے تیار رکھنا سو یہ مضمون وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ اور سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ میں پایا جاتا ہے دسویں بہت سے اسباب سرفرازی اور رحمت کے اپنے دوستوں اور زمانبرداروں کے واسطے تیار رکھنا جو اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ کی آیت سے بوجھا جاتا ہے اور ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ میں پے در پے تین آیتوں تک یہی دونوں مضمون تاکید کے طور پر بوجھے جاتے ہیں گیارھویں وحشی اور پالتو جانوروں کو توشک خانہ میں رکھنا سو یہ مضمون اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ سے بوجھا جاتا ہے بارھویں ملک میں امن اور غلہ کی ارزانی اور رزق اور روزینے اور درماہے اور سالیانے کی وسعت اور کشادگی کرنا سو یہ مضمون ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ میں اور بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ تک ان سب آیتوں میں یہی مضمون بوجھا جاتا ہے تیرھویں یہ بات کہ کسی کو اس قدر نہ بڑھانا جو اس درگاہ کے مردودوں اور نکالے ہوؤں کو بٹھا دے یا حمایت اور طرفداری کرے یا اس بارگاہ کے محروم اور بے نصیب کو کچھ روزی پہونچائے یا کچھ لوے کر اس کا کوئی کام نکل جاوے یا کسی طرح سے اس کو نفع پہونچا دے سو یہ مضمون اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ کی آیت میں اور بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ تک بوجھا جاتا ہے اور یہ سورۃ رحمانیات کی سورتوں سے ہے یعنی جن میں اسم ذات کے مقام پر رحمٰن کی لفظ کو لائے ہیں جیسے سورہ انبیا اور سورۂ یٰسین اور سورۂ مریم اور سورہ طٰہٰ اور سورہ حاقہ اور سوائے ان کے بھی اور سورتیں ہیں اسی طرح بعضی سورتیں ربانیات ہیں یعنی ان میں اسم ذات کے مقام پر رب کے نام کو لائے ہیں جیسے سورہ ہود اور سورہ یوسف بڑی سورتوں میں اور سورہ والفجر وغیرہ چھوٹی سورتوں میں ہیں واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ بڑی برکت والا ہے نام پاک اس کا جس کے قبضۂ قدرت میں ہے سلطنت آسمان وزمین کی اور جو ان دونوں کے درمیان میں ہے یہاں پر جاننا چاہیے کہ اذکار عشرہ یعنی دس ذکر جیسے تسبیح یعنی سبحان اللہ اور تحمید یعنی الحمد للہ اور تکبیر یعنی اللہ اکبر اور تہلیل یعنی لا الٰہ الا اللہ اور توحید یعنی وحدہٗ لاشریک لہ اور حوقلہ یعنی لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور حسبلہ یعنی حسبی اللہ اور بسملہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور استغفار ت اور تبارک یہ دسوں ذکر ہر شریعت میں مختلف لفظوں سے رائج اور معمول ہیں چنانچہ قرآن شریف میں یہ ذکر یعنی تبارک کا دو سورتوں کی ابتدا میں واقع ہوا ہے ایک یہ سورۃ اور دوسری سورۃ فرقان اور تحمید کا ذکر پانچ سورتوں کی ابتدا میں ہے اول سورۂ فاتحہ دوسری سورۂ انعام تیسری سورۂ کہف چوتھی سورہ سبا پانچویں سورۂ فاطر اور تسبیح کا ذکر سات سورتوں کی ابتدا میں ہے اول سورۂ بنی اسرائیل دوسری سورۂ حدید تیسری سورۂ حشر چوتھی سورۂ صف پانچویں سورۂ جمعہ چھٹی سورۂ تغابن ساتویں سورۂ سبح اسم اور اس ذکر کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کی کثرت کا ملاحظہ کرنا ہے جو ہر ہر ذرہ میں ذات عالم سے جلوہ گر ہیں اور یہ بات ہمیشگی کے ساتھ پائی جاتی ہے کبھی جدا نہیں ہوتی اس واسطے کہ برکت کے مفہوم میں دو نوں چیزیں داخل ہیں ایک خیر کا پایا جانا اور دوسری ہمیشہ اس میں رہنا اسی واسطے جس میں خیر پائی جائے اُس کو مبارک نہیں کہتے ہیں اور جس سے ایک بار یا دو بار خیر پائی جائے اس کو بھی مبارک نہیں کہتے بلکہ مبارک اسی کو کہتے ہیں جسمیں ہمیشہ خیر کا صدور پایا جائے اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ تمام ان بے انتہا عالموں کے اصول یعنی جڑ دو عالم ہیں ایک کا نام مُلک ہے جسکو عالم اجسام کہتے ہیں وہ عرش سے فرش تک ہے اور دوسرے کا نام ملکوت جس کو عالم ارواح کہتے ہیں سو وہ عالم اعلیٰ سے نفس ناطقہ انسانیہ تک ہے اور اس مالک علی الاطلاق کا حکم ان دونوں عالموں میں بادشاہوں اور مالکوں کے مانند جاری ہے سو اس مالکیت اور تصرف کے اعتبار سے عالم ملک اس اپنے مالک کا وصف تبارک کی لفظ سے بیان کرتے ہیں اس واسطے کہ یہ لفظ ہمیشہ کی کثرت خیر پر دلالت کرتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ عالم روز بروز زیادتی اور ترقی پر ہے اور ہر ساعت اور ہر لحظہ میں ترکیبیں

عجیب اور صفتیں غریب اور نادر جو علم الٰہی میں پوشیدہ ہیں ظاہر ہوا کرتی ہیں اور تسخیر اور گھیر لینے کے اعتبار سے عالم ملکوت اپنے ارادے کی خواہش سے اس مالک الملک کا وصف تسبیح کے لفظ سے کرتے ہیں جو تنزیہ اور تقدیس کے معنوں میں ہے یعنی ہر عیب سے اس کی ذات پاک ہے چنانچہ سورۂ یٰسین کے آخر میں فرمایا ہے فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ یعنی پاک ذات ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں ہے حکومت ہر چیز کی اور یہ تسبیح کے لفظ سے ذکر کرنا اس واسطے ہے کہ تنزیہ اور تقدس عالم ارواح کے مناسب ہے اور جب تبارک الذی کے جملے کے بیان کرنے سے قدرت الٰہی کے عجائبات کی طرف جو عالم ملک میں ظاہر اور محسوس ہیں اور امکان کے پردے سے نکل کر وجود کے میدان میں جلوہ گر ہو رہے ہیں اور وے اسقدر ہیں کہ شمار اور گنتی کی حد سے باہر ہیں تمام اشارہ ہو چکا تو اب بیان فرماتے ہیں کہ تصرف اور تدبیر اللہ تعالیٰ کی اس عالم میں جو چیز کہ موجود اور محسوس ہے اسی پر منحصر نہیں ہے بلکہ جس پر صفت امکان کی صادق آسکتی ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ ممکن ہے اگرچہ وہ چیز امکان کے پردے میں چھپی ہو لیکن قدرت اللہ تعالیٰ کی اُس کے ساتھ متعلق ہے یعنی یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس پر قادر ہے چاہے تو ظاہر کردے وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ چیز موجود ہو یا نہ ہو متضاد ہو یا نہ ہو اور یہی وجہ ہے کہ موجودات کی امکانیہ صورتوں کی انتہا نہیں ہے اور اس کی قدرت کے خزانے اس قدر معمور اور پر ہیں کہ ان کی گنتی اور شمار کوئی نہیں کرسکتا چنانچہ دوسری جگہ خود فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ یعنی جو چیز ہے اس کے خزانے ہمارے پاس بھرے پڑے ہیں اور نہیں اتارتے ہم اس میں سے مگر ایک اندازہ کے ساتھ جو معلوم ہے یہاں خوب غور کرکے دیکھا چاہیے کہ یہ کثرت ہر چیز کے خزانوں کی کسی بادشاہ کے واسطے متصور نہیں ہو سکتی چنانچہ یہاں پر کتنے کارخانے اس کی قدرت کاملہ کے بیان کیئے جاتے ہیں ان کو خوب غور اور تامل سے دیکھنا چاہیے کہ کیا کیا اُس کی قدرت کی عجائب اور غرائب نشانیاں ظاہر ہو رہی ہیں تاکہ اُن کو دیکھ اور سمجھ کے اُس کی بادشاہت کی وسعت تمہارے ذہنوں میں کچھ در آوے اور ایک تھوڑی سی معرفت جو اُس جناب پاک کی طرف رجوع اور متوجہ ہونے کا سبب ہو سکے تمکو حاصل ہووے اب اُن کارخانوں میں سے پہلے اپنی نوع اور قسم کے کارخانے کو جو خاص سرکار کے چیلے ہیں خوب غور اور فکر سے

دیکھا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی برکت نے اس بات کو چاہا کہ ایک قسم کو اپنی مخلوقات سے اپنی قدرت اور اختیار کا ظل اور نمونہ بنا دے اور خاص اپنے علم اور شعور کی روشنی سے کچھ اُس کو عنایت کرے تاکہ اپنے اختیار سے ہمیشہ نیک بات کرنے میں اللہ تعالیٰ کے خُلق کی صفت کے ساتھ مشابہت پیدا کرے اس واسطے کہ سوائے انسان کے جتنے اور مخلوقات الٰہی ہیں وے بہت نیک بات کے کرنے میں اس قسم کا اختیار نہیں رکھتے بلکہ اُن سے نیک بات جو ہوتی ہے یا تو وے اسمیں بے اختیار محض ہوتے ہیں جیسے آسمانوں کی گردش اور ستارے اور عناصر اور معادن اور نباتات کی تاثیر کہ یہ بات یعنی تاثیر اُن کے اختیار میں نہیں ہے یا کچھ ضعیف اختیار رکھتے ہیں لیکن وہ اختیار طبیعت اور عادت کے طور پر ہوتا ہے اسی سبب سے وے بھلائی اور بُرائی کے سزاوار نہیں ہوتے ہیں اور نیکیاں اُن کی ہمیشہ نہیں ہوسکتیں جیسے حیوان یا اختیار رکھتے ہیں لیکن اس میں مجبور ہیں اور اپنے خاوند کے سامنے بے اختیار دن کی طرح سے مقہور جیسے فرشتے اور کام کرنے والی روحیں اس سبب سے انسان کی قسم کو حق تعالےٰ نے پیدا کیا اور قدرت اور اختیار اور شعور اور بوجھ جیسی چاہئے ویسی اُس کو دی تا وہ انسان ایسے کام کرے جن کی تاثیر ہمیشہ رہے اور عالم کی آبادی کا سبب ہو پھر ایسی نادر قسم کو پیدا کر کے اپنا خلیفہ کیا اور اُس کو اُسی کے طور پر مختار کر کے چھوڑ دیا پھر اب اُس کے واسطے کوئی چیز ایسی چاہیے جو اس کو نیک بات کی طرف رغبت دلادے اور بری خواہشوں اور برائیوں سے اُس کو باز رکھے سو اللہ تعالےٰ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ ایسا قدرت والا بادشاہ ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ زندگی کے سبب سے تم اختیاری کاموں پر قدرت پاؤ اور موت کے سبب سے اُن کاموں کے نیک آثار ظاہر ہوویں پس یوں بوجھا چاہیے کہ زندگی گویا بیج اور کام کے درخت کی پیدائش کا سبب ہے اور موت اُس درخت میں پھل لگنے اور اُس کے آثار ظاہر ہونے کا سبب ہے اور یہ تدبیر عجیب اور غریب حق تعالیٰ نے اس واسطے کی ہے لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تاکہ تم سب کو جانچے کہ کون تم میں سے بہتر اور اچھا ہے کام کرنے میں اور نیک عمل کے درجوں کے تفاوت کے سبب سے تمہاری مشابہت کے مرتبے بھی اپنے خالق کے ساتھ گھٹ بڑھ جاتے ہیں جس قدر خلوص نیت للہیت نیک کام میں زیادہ ہوگی اُسی قدر اللہ تعالیٰ کی برکت کا ظہور تم میں زیادہ ہووے گا پس اس تدبیر سے برکت کے بیج کو اللہ تعالیٰ نے بویا ہے تاکہ حاصل اس کا ایک عالم کی آبادی کا سبب ہووے اور اس عالم کا نام آخرت

ہے اور یہ تدبیر بلاشبہ ان بڑے خزانے والوں کی تدبیر کے مانند ہے جو چاہتے ہیں کہ اپنے خزانے کو کھیتی یا تجارت سے بڑھادیں تاکہ ایک رنگ دوسرا پیدا ہووے اور صورت دوسری حاصل ہووے لیکن ان دونوں تدبیروں میں فرق اتنا ہے کہ خزانے والے اپنے خزانے کے بڑھانے میں دوسروں کی طرف محتاج ہوتے ہیں اور وہ مالک علی الاطلاق کسی کام میں دوسروں کی طرف احتیاج نہیں رکھتا بلکہ اپنی بعضی مخلوقات کو بعضی سے ترکیب دے کر اس نقش کی صورت ظاہر کر دیتا ہے یہی سبب ہے کہ باوجود اس بات کے کہ اپنے بندے بڑی قدرت اور اختیار والوں کو اس نقش کے حاصل کرنے میں واسطہ گردانا ہے اور اُس کام کو اُن ہی کے طور پر چھوڑ دیا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيهَا عَلَيْكُمْ یعنی سوائے اس کے نہیں کہ یہ تمہارے عمل ہیں جو گنتے ہیں، ہم تم پر لیکن اُس کے غلبے اور عزت میں ہرگز خلل نہیں آیا اسواسطے کہ ہر چیز کے اختیار کی باگ اپنے ہی قبضۂ قدرت میں رکھی ہے وَهُوَ الْعَزِيزُ اور وہی ہے ایسی عزت والا کہ ویسی عزت کسی دوسرے میں متصور نہیں ہوسکتی اور اگر ایسی عزت اُس کی نہ ہوتی تو نافرمانی اور عدول حکمی پر اس مخلوق کو یعنی انسان کو کہ اپنا خلیفہ بنا کر تصرف میں مختار کیا ہے مواخذہ اور تنبیہ نہ کر سکتا جیسے دنیا کے بادشاہ کہ اگر کسی کو اپنا نائب بنا کر اور نیابت کی خلعت پہنا کر بالکل اختیار دیتے ہیں پھر اُس سے اس منصب کا لینا دشوار ہو جاتا ہے اور ہرگز اُسکو موقوف نہیں کر سکتے بلکہ اگر اُس سے کوئی خلاف یا اپنی نامرضی بات ظاہر ہوتی ہے تو اُس پر اُس کو مواخذہ اور غصہ اور عذاب بھی نہیں کر سکتے سوا اللہ تعالیٰ کی ذات اس نقصان سے پاک ہے اور باوجود اس عزت اور غلبے کے کہ اس مالک الملک میں پایا جاتا ہے ایک صفت اور بھی ہے کہ اَلْغَفُوْرُ بخشنے والا اور عیب ڈھانکنے والا ہے یعنی اپنے بندوں کو نافرمانی اور تقصیروں پر جھٹ پٹ نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے پھر اگر انہوں نے اُسی تقصیر پر ہٹ کی اور نافرمانی کو اپنا پیشہ ٹھہرالیا یہاں تک کہ لائق مغفرت کے نہ رہے تو البتہ اُن کو سزا دیتا ہے اب یہاں پر دو سوال ہیں جواب طلب

پہلا سوال یہ ہے کہ موت کو حیات پر کیوں مقدم لائے اس واسطے کہ ظاہر میں پہلے زندگی ہے اُس کے بعد موت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عمل نیک ظاہر ہونے کا سبب حقیقت میں موت ہے اور اس جگہ پر منظور نیک عمل کا امتحان ہے نہ اصل عمل پر مطلع کرنا تو اصل مقصود موت ہوئی اسواسطے کہ مقصد کا سبب ہے اور زندگی اُس کا وسیلہ ہے اس واسطے کہ زندگی اس کام کا سبب ہے جو

وسیلہ ہے وَلِلْمَقَاصِدِ تَقَدُّمٌ رُتْبِیٌّ عَلَی الْوَسَائِلِ وَاِنْ کَانَ لِلْوَسَائِلِ تَقَدُّمٌ زَمَانِیٌّ عَلَی الْمَقَاصِدِ یعنی مقصد کا رتبہ مقدم ہے وسیلہ کے رتبے پر اگرچہ وسیلہ کا وجود مقدم ہوتا ہے مقصد پر اور دوسرا جواب یہ ہے کہ موت عالم ملک میں ذاتی ہے یعنی قائم بالذات ہے اور حیات عرضی یعنی قائم بالغیر اور ذاتی مقدم ہوتی ہے عرضی پر اور تیسرا جواب یہ ہے کہ موت کو حیات پر اسواسطے مقدم کیا کہ موت ہر وقت آدمی کے سامنے رہتی ہے اور وہ کبھی اس سے غافل نہیں ہوتا چنانچہ حدیث شریف میں بھی وارد ہے اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ یعنی بہت یاد کرو اور پیش نظر رکھو نیست کردینے والی لذتوں کی یعنی موت کو اور دوسری حدیث میں بھی ہے کہ بِئْسَ الْعَبْدُ نَسِیَ الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰی یعنی بہت برا وہ بندہ ہے جو بھول گیا قبروں کو اور اسمیں جو آدمی پر گذرتا ہے اسکو یعنی سڑگل جانا اور نیست نابود ہوجانا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ موت سے دنیا کی موت مراد ہے اور حیات سے آخرت کی حیات اور دنیا کی موت پہلے ہے آخرت کی زندگی سے اور بعضے مفسروں سے یوں منقول ہے کہ موت سے مراد نطفے کی حالت ہے اور حیات سے مراد دنیا کی زندگی اور نطفے کی حالت زندگی کے پہلے ہوتی ہے اب اس تفسیر پر لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کے ساتھ مناسبت اس طرح پر بوجھا چاہیے کہ پہلے تم کو مردہ کیا پھر زندہ کیا تو تم کو لازم ہے کہ اس بات کو بوجھ لو کہ تمکو ہر موت کے بعد زندگی ہے اور اپنے نیک عملوں کا فائدہ اس زندگی میں تم کو پہنچنا ہے اور بدعملوں کی سزا میں گرفتار ہونا ہے سو تم کو چاہیے کہ اس بات کو سوچ کے نیک عمل کے کرنے میں کوشش کرو اور بدعملوں سے اپنے تئیں دور رکھو اور **دوسرا سوال** یہ ہے کہ موت کے پیدا کرنے کے کیا معنی اس واسطے کہ موت نام ہے زندگی کے جانے کا اور جانا ہر چیز کا نیست ہوجانا اس چیز کا ہے اور یہ مخلوق نہیں ہے پس پیدا نہ کرنا ایک چیز کا یہی اُس کے نیستی کے بیان میں کافی ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ موت اور حیات کے درمیان میں نسبت عدم اور ملکے کی پائی جاتی ہے اسواسطے کہ اپنی خواہش اور ارادے سے حرکت کرنے کا نام حیات ہے اگرچہ وہ حرکت اُس کی بیقراری سے ہو جیسے دم کہ خود بخود دہتر جاتا ہے اور اوپر آتا ہے اور جو چیز کہ لیاقت حرکت کی رکھتی ہو پھر اُس سے حرکت اپنے ارادے سے نہ ہوسکے اُس کا نام موت ہے اسی واسطے لکڑی اور پتھر کو مُردہ نہیں کہتے ہیں اور ملکے کا عدم ہونا اس طور سے ہے کہ بالکل عدم ہو نہیں سکتا بلکہ کچھ وجود کا شائبہ اور لوا اُس میں باقی ہوتی

ہے یہی سبب ہے کہ جو محل اُس کی قبولیت کی لیاقت نہیں رکھتا اس میں موت نہیں پائی جاتی پھر
جب اسمیں شائبہ وجود کا پایا گیا تو قابلیت مخلوق ہونے کی بھی اس میں پائی گئی جیسے حیات میں اور دوسرا
جواب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ موت اور حیات کی خلقت سے ان دونوں
کی صورت مثالیہ مراد ہے اسواسطے کہ عالم مثال میں موت کو چت کبری بکری کی صورت پر پیدا کیا ہے کہ
جب کسی چیز پر اُسکا گذر ہوا اور اُس کی بو اُس کے دماغ میں پہونچی ہے اسی وقت وہ مرجاتی ہے اور حیات کو
ابلق گھوڑے کی صورت پر پیدا کیا ہے کہ جب کسی چیز پر اُسکا گذر ہوا اور اُس کی بو اُس کے دماغ میں پہنچی
تب ہی وہ زندہ ہوگئی اور یہی وجہ ہے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قیامت کے دن بعد داخل ہونے
بہشتیوں کے بہشت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں موت کو بکری کی صورت پر لاکر ذبح کر ڈالیں
گے تاکہ دوزخ والوں کو غم دونا ہووے اور بہشتیوں کو بے انتہا خوشی حاصل ہووے اور سامری کے
قصے میں بھی واقع ہے کہ اُس نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ابلق گھوڑی پر سوار دیکھا اور اُس کے سُم
کے نیچے سے ایک مٹھی خاک اٹھالی تھی اور اُس کو بچھڑے میں جو قبطیوں کے زیور سے بنایا تھا ڈالدی
تھی اور اُس کو ایک طلسم بناکر اپنا معبود قرار دیا تھا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کو پڑھا اور اس لفظ تک پہنچے کہ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً تو آپؐ نے
اُس کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَقْلاً وَّاَوْرَعُ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰہِ وَاَسْرَعُ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ
یعنی کون تم میں سے نیک ہے عقل کا اور بہت ڈرنے والا اللہ تعالیٰ کے محارم سے اور جلدی کرنیوالا
اللہ تعالیٰ کی بندگی میں یعنی نیک عمل سے لفظوں کی کثرت مراد نہیں ہے بلکہ آداب کی رعایت کرنا
اور اپنے نفس کو ممنوعات سے باز رکھنا مراد ہے اس واسطے کہ گناہ جب عبادت میں پایا جاتا ہے
تو اس عبادت کے اثر کو ضعیف کر دیتا ہے پھر اب اُس سلطنت کی عمارتوں کو اور عالی بناؤں
کے کارخانے کو غور سے دیکھا چاہیے اور وہ ظاہر ہے کہ عالم ملک میں نہایت کمال درجے کی پیدائش
آسمان ہے اسواسطے کہ کوئی چیز ایسی مضبوط اور سڈول اور آراستہ سب قرینے سے برابر دنیا میں پائی
نہیں جاتی سو وہ اللہ تعالیٰ اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ایسا بادشاہ قدرت والا ہے جس نے پیدا کیا
سات آسمان تاکہ ہر آسمان سے ایک فیض خاص عالم پر نازل فرماوے اور اس فیض کو آدمی اس
آسمان کی طرف یا ستاروں کی طرف یا اُن روحوں کی طرف جو اس آسمان سے تعلق رکھتی ہیں نسبت کریں

اور اُس مالک علی الاطلاق کا فعل اس پردے میں چھپا ہوا رہے جس طرح ظاہری بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے کاموں کو اہلکاروں سے لیا کرتے ہیں اور اپنے فعل کو اُن کے پردے میں چھپا رکھتے ہیں اور جاننا چاہیے کہ جو نعمت دنیا میں پائی جاتی ہے اس کا اصل اور مبدا کسی آسمان سے علاقہ رکھتا ہے اور اُس آسمان کے رہنے والے اُس نعمت کے پہنچانے کے واسطے پڑے ہیں اور ان آسمانوں کو جدا جدا بنایا تاکہ لوگوں پر فیض پہنچنے میں اختلاف نزدیکی اور دوری کا واقع ہو بلکہ کیا ان ساتوں آسمانوں کو طِبَاقًا طبقے طبقے یعنی ہر آسمان اپنے نیچے والے آسمان کو محیط اور گھیرے ہوئے ہے اور جو فیض کہ اوپر کے آسمان سے نازل ہوتا ہے وہ اس آسمان پر جو اس کے نیچے ہے اول ہوتا ہے پھر جو اس کے نیچے ہے اسی طرح ہر نیچے کے آسمان پر نازل ہوتا ہوا بلکہ ہر آسمان کے فیض کو شامل ہوتا ہوا زمین پر نازل ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ ساتوں آسمانوں کو آپس میں مطابق ایک دوسرے کے بنایا تاکہ اس آپس کی موافقت کے سبب سے کسی طرح کا خلل اور فساد دنیا کے حکموں میں راہ نہ پاوے اور یہ تدبیر عجیب کائنات کے نیک عملوں کی تمامی کا سبب ہووے یہی سبب ہے کہ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ نہیں دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں نہ عالم علوی اور نہ عالم کون و فساد میں یعنی دنیا میں مِنْ تَفٰوُتٍ کسی طرح کا تفاوت اور نقصان نہ حکمت کی رعایت میں اور نہ آراستگی میں اور نہ کسی چیز سے تاثیروں کے صادر ہونے میں جو مطلوب ہیں مگر جو تفاوت کہ ظاہر میں پایا جاتا ہے سو وہ صور نوعیہ کی طبیعتوں کے مختلف ہونے کے سبب سے اور اختیار والوں کے ارادے اور خواہش مختلف ہونے کے سبب سے ہے اور یہ تفاوت عین حکمت اور جہاں داری کا مقتضا ہے اگر یہ تفاوت نہ ہوتا تو عجیب عجیب آثار اور نادر نادر ترکیبیں ظاہر نہ ہوتیں سوائے سننے والے اگر اس امر میں تجھ کو کچھ بھی شک اور شبہ ہووے اور اس تفاوت کو اُس کی حکمت کی رعایت کے نقصان کا تو سبب سمجھے تو فَارْجِعِ الْبَصَرَ پس پھیر اپنی آنکھ کو عالم علوی کی طرف اس واسطے کہ اصل اور مبدا ہونے والی اور فاسد ہونے والی چیز کا وہی ہے اور جب تک چیز کی اصل میں خلل نہیں آتا ہے تب تک اُس چیز میں کسی طرح کا نقصان متصور نہیں ہو سکتا هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ کیا دیکھتا ہے تو عالم علوی میں کوئی شگاف یا دراڑ جو اُس کی حکمت کے نقصان پر دلالت کرے اور اگر ایک مرتبے کے دیکھنے میں تجھ کو تشفی اور خاطر جمعی حاصل نہ ہوا اور تو کہے کہ پہلی نظر کا اعتبار نہیں تو ثُمَّ ارْجِعِ

البَصَرَ پھر پھرا اپنی عقل کی آنکھ کو اور اس عالم کے احوال کو دیکھ کَرَّتَیۡنِ دو ہرا کر یعنی مکرر دیکھ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا پھر آوے گی نظر تیری تیری طرف ہانکی ہوئی اور کھدیڑی گئی گویا اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی دلیلوں میں نقصان تلاش کرنے والے کو ہانکتے ہیں وَّهُوَ حَسِيۡرٌ اور وہ نظر تھک گئی اور عاجز ہوئی پس یہ امر صریح دلیل ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں حکمت کو دوست رکھتا ہے تو تمہارے اختیاری کاموں میں بھی اسی بات کو دوست رکھتا ہے کہ اچھی وجہ سے جس قدر کہ ممکن ہے واقع ہوویں اور پائے جاویں اور کسی طرح کا نقصان اور رخنہ جو حکمت کیخلاف ہو پایا نجاوے تاکہ اپنے خالق سے حتی المقدور مشابہت حاصل کرو اور اس آیت میں اسم ذات کی جگہ رحمٰن کے لفظ کو اس واسطے لائے ہیں کہ عالم کی پیدائش میں حکمت کی رعایت کرنا سب نعمتوں کا مبدا رہے اور یہ انعام کا عام ہونا رحمانیت کی صفت کا اثر ہے جو عموم رحمت کے معنوں میں ہے اور اس جگہ پر جاننا چاہیے کہ آسمان کا جوہر بسیط ہے یعنی مرکب نہیں ہے عناصر اور مرکبات عنصریہ کے جوہروں کے سوائے سو جس طرح پانی اور آگ اور ہوا اور خاک کو نہیں کہہ سکتے ہیں کہ فلانی چیز سے مرکب ہیں اسی طرح آسمان کو بھی نہیں کہہ سکتے کہ فلانے جوہر سے مرکب ہے اور جو روایتیں کہ حضرت کعب الاحبار وغیرہ سے آئی ہیں کہ دنیا کا آسمان پانی کی موج ہے کہ بے لگاؤ کھڑا ہے اور دوسرا آسمان سفید موتی کا ہے اور تیسرا آسمان لوہے کا ہے اور چوتھا آسمان تانبے کا ہے اور پانچواں آسمان چاندی کا ہے اور چھٹا آسمان سونے کا ہے اور ساتواں آسمان یاقوت سرخ کا ہے سو یہ سب مشابہت اور تمثیل کے طور پر ہیں یعنی اگر آسمانی جوہروں کو دنیا کے جواہر معلومہ سے تطبیق اور تمثیل دیویں تو یہ جوہر فلانے آسمان کے ساتھ مشابہ ہوگا اور یہ فلانے کے ساتھ چنانچہ اسی طور کی تطبیق اور تشبیہ کے سبب سے آفتاب کو زریں یعنی سنہرا اور چاند کو سیمیں یعنی روپہلا خیال کرتے ہیں اور دن کو اشہب یعنی سفید اور رات کو ادہم یعنی سیاہ کہتے ہیں اور جب حکمت کی رعایت کے بیان سے اور عالم علوی اور عالم سفلی کی عمارت کے کارخانے کی عمل کی مضبوطی کے بیان سے فراغت پائی تو اتنا معلوم کر لینا ضرور ہے کہ عالم علوی کی بنائیں بادشاہی توزک کے قائم مقام ہیں اور عالم سفلی کی بنائیں جو کائنات اور فاسدات کو شامل ہیں سو عالم علوی کی نسبت سے شہر کے رعایا کے گھروں کے قائم مقام ہیں تو اب ان

سب بیانوں کے بعد فرماتے ہیں کہ اس عمارت کے حسنِ ذاتی کی تکمیل میں اور ہر کام کو اُس کی پوری حکمت کے ساتھ ادا کرنے میں کوئی نقصان باقی نہیں رہا خصوصاً عارضی بھلائیوں اور زینتوں کو بھی کمال کو پہنچایا ہے ہم نے اور اُن ہی زینتوں اور نکوئیوں کو دشمنوں پر عذاب کا سبب اور چوروں کے واسطے نگاہبانی کا سبب کیا ہے کہ اس سبب سے چور اور ٹھگ ہرگز اس محل خاص کے نزدیک نہیں ہو سکتے اور یہ ایک عجیب تدبیر ہے جو کسی بادشاہ کو میسر نہیں ہوئی یعنی ایک ہی چیز ہے کہ اس کو سلطنت کی زینت اور رونق اور اسی کو دشمنوں پر قہر اور عذاب اور چوروں اور مفسدوں پر سیاست اور نگاہبانی کا سبب کر دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا اور تحقیق زینت دی ہم نے دنیا کے آسمان کو جو زمین کے نزدیک ہے اور چاند اس میں پایا جاتا ہے بِمَصَابِيحَ بہت چراغوں سے جو اس آسمان کے اوپر درجہ بدرجہ اپنے اپنے مقام مناسب پر لٹکے ہوئے ہیں چنانچہ ثوابت یعنی وے ستارے جن کو حرکت نہیں ہے وے سب کرسی میں معلق ہیں اور زحل ساتویں آسمان میں اور مشتری چھٹے میں اور مریخ پانچویں میں اور سورج چوتھے میں اور زہرہ تیسرے میں اور عطارد دوسرے میں اور چاند پہلے میں اور ان سب کی روشنی نے پہلے آسمان کو یعنی جو دنیا کے قریب اور سب کے نیچے ہے روشن کر رکھا ہے اور زینت دے رکھی ہے۔ یہاں پر جاننا چاہیے کہ کسی مکان کو چراغوں سے زینت دینا اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ سب چراغ اسی مکان میں رکھے ہوویں بلکہ اوپر سے رسیوں اور زنجیروں کو لگا کر قندیلوں کو لٹکا دینا اسطور سے کہ اس کی روشنی سے وہ سب مکان روشن ہو جاوے اسی کا نام زینت ہے اور اگر بہت سے چراغ اس مکان میں رکھ دیے جاویں تو اُن کی روشنی اکثر باہر جاوے گی اس مکان کی چنداں زینت نہ ہووے گی تو اب اس آیت سے سب ستاروں کا دنیا ہی کے آسمان پر پایا جانا سمجھنا عرف کے خلاف ہے اور حقیقت میں سب ستاروں کے سبب سے زینت اسی دنیا کے آسمان کو ہے اس واسطے کہ یہ سب کے نیچے ہے اور سب کی چمک اسی پر پڑتی ہے خصوصاً زمین والوں کے دیکھنے میں کہ سب آسمانوں کی شفافیت اور صفائی کے سبب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب ستارے اسی آسمان میں ہیں اور زینت میں وہی امر معتبر ہے جو سب آدمیوں کے دیکھنے میں آوے نہ وہ جو واقعی امر ہو جیسے چاندی پر سونے کا ملمع کر دیتے ہیں تاکہ دیکھنے میں اچھا معلوم ہووے اور ایک چراغ کو ہزار میں

کے شیشے میں رکھتے ہیں تاکہ بہت چراغ معلوم ہوویں اور زینت حاصل ہووے اور دنیا کے آسمان کو اس واسطے خاص کر کے ذکر فرمایا کہ یہ آسمان عالم علوی کے دروازے کے قائم مقام ہے جو بادشاہی توزک کا حکم رکھتا ہے اور دروازے کو زیب اور زینت دے کر آراستہ کرنا اور نگاہبان اور چوکیداروں کو دروازے پر مقرر کرنا بادشاہی توزک کے موافق ہے اور اس زینت کے بیان میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آدمی کو بھی ایسے مرتبے دے کر ہم زینت دیتے ہیں جو اس وقت اس کی قدر سے زیادہ ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وے مرتبے اُس کے اوپر والوں کے مرتبے ہیں جو اس میں ظاہر ہوتے ہیں تاکہ جو کچھ اس میں استعداد سپرد کی گئی ہے آخر حال میں ظاہر ہووے وَجَعَلْنٰهَا اور کر دیا ہم نے ان چراغوں کو توپ کے گولے کی طرح رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ سنگسار کرنے کو شیطانوں کے جو خبروں کے سُننے کے لیے اور عالم علوی کی تدبیروں کی جاسوسی کے واسطے جاتے ہیں تاکہ اُن خبروں اور تدبیروں کو زمین والوں پر پہنچاویں اور اس سبب سے اُن کے عملوں کو فاسد کریں اور اپنے تئیں اُن آدمیوں کے نزدیک تدبیر آلہیہ کا شریک اور غیب کا جاننے والا ظاہر کریں اور اُن لوگوں سے اپنی پرستش کراویں اور نذر نیاز اپنی اور اپنے پجاریوں کی اُن سے لیویں اور ستاروں سے شیطانوں کو سنگسار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا کے آسمان کے ستاروں کی روشنی سے فرشتے انگار اسلگا لیتے ہیں اور جو شیطان خبر دریافت کرنے کو آسمان کے قریب پہنچتا ہے اُس کو اُس انگارے سے مارتے ہیں اور آسمان دنیا کی خصوصیت اس کام کے واسطے اس سبب سے ہے کہ اوپر کے آسمانوں میں ایسا جسم کوئی نہیں پایا جاتا جو اس کیفیت کو قبول کرے اور ستارے کی روشنی اس جسم میں تاثیر کر کے اُس کو روشن کر دے اور اس جسم کو مثل انگاری کے کر دے اس واسطے کہ کوئی فاعل بدون قابل کے تاثیر نہیں کرتا بخلاف دنیا کے آسمان کے کہ یہاں ہوا لطیف اور پاکیزہ اور بخارات اور چڑھے ہوئے جو اس کیفیت کو قبول کریں اور ستاروں کی روشنی اُنمیں تاثیر کر کے اُن کو انگار اسا بنا دے بہت سے موجود ہیں اور یہی باعث ہے کہ آفتاب کی شعاع اور تابش زمین اور پتھر پر زیادہ تاثیر کرتی ہے اور گرم کر دیتی ہے بخلاف آسمانوں کے جسموں کے بلکہ ہوا کے کرّے کے طبقوں میں بھی اتنی تاثیر نہیں کرتی اور اُس کی گرمی ظاہر نہیں ہوتی اسواسطے کہ وے جسم یہ قابلیت نہیں رکھتے تو اب اگر کہا جاوے کہ زمین اور پتھر کو استعداد اور قابلیت اُس کی دی

ہے کہ آفتاب کی تابش سے گرم ہو جاویں باوجود آفتاب کے دور ہونے کے توضیح ہووے گا اور جو حکیموں نے کہا ہے کہ اصل ان انگاروں کی جو آسمان پر گرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں یہی بخارات زمین کے ہیں جو اوپر جا کے اس طرح کے معلوم ہوتے ہیں سو اس کے معنی یہ ہیں کہ تاثیر کے قابل بھی بخارات ہیں کہ ستاروں کی روشنی سے فرشتے اُن کو روشن کر دیتے ہیں یہ معنی اس کلام کے نہیں کہ ستاروں کی روشنی کو یا فرشتوں کو اُن کے روشن کرنے میں کچھ دخل نہیں ہے اس واسطے کہ اگر وے بخارات آگ کے کرے میں داخل ہو کر خود بخود روشن ہو جاتے تو اوپر چڑھنے میں اُن کو اور قوت حاصل ہوتی اور خطِ مستقیم سے بھی گذر جاتے اسواسطے کہ اس حالت میں اُن کی حرکت محیط طبعی کی طرف ہوتی یعنی کرۂ ناری کی طرف اور حال یہ ہے کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ وے بخارات بعد روشن ہونے کے کبھی نیچے اور کبھی بائیں اور کبھی داہنے جاتے ہیں اور حرکت عارضی اُن میں صریح دریافت ہوتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کسی دوسری چیز کے سبب سے اُن میں پائی جاتی ہے چنانچہ جن کو اس امر میں کچھ دخل ہے اور انہوں نے تجربہ بھی کیا ہے اُن پر یہ بات خوب طرح سے ظاہر ہے وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ اور تیار کیا ہے ہم نے ان شیطانوں کی دوسری نافرمانیوں پہ جو اس چوری کے سوائے ہیں اس واسطے کہ مقصود ان کا اس سے گمراہ کرنا بنی آدم کا ہے عَذَابَ السَّعِيْرِ عذاب دوزخ کی آگ میں جلنے کا اگرچہ یہ بھی آگ سے پیدا کیے گئے ہیں لیکن اُن کے مادے کو یعنی اصل کو جو آگ ہے اُن کی صورت پر یعنے ترکیب پر مسلط اور غالب کر کے عذاب کریں گے اس واسطے کہ جب تک صورت مادے پر غالب ہے تب ہی تک بہتری ہے اور طبیعت کے موافق ہے اور جب مادہ صورت پر غالب ہوا تو بنیاد اور سب کاموں میں خلل واقع ہوا چنانچہ یہ امر مرض کے پیدا ہونے میں تجربے اور امتحان میں آچکا ہے کہ خون یا بلغم یا سودا یا صفرا کے غلبے سے آدمی کا مزاج بدل جاتا ہے اور مرض پیدا ہوتا ہے اور سب کاموں میں خلل آجاتا ہے باوجود اس امر کے کہ اصل آدمی کے بدن کی بھی چار خلط ہیں باقی رہے یہاں پر کتنے سوال جنکا جواب ضروری ہے پہلا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ کے شروع سے یہاں تک حق تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کو غائب کے صیغے سے یاد فرمایا یعنی وہ اللہ ایسا اور ایسا ہے اور اس آیت میں غائب سے متکلم کی طرف التفات فرمایا اور یوں ارشاد ہوا کہ ہم نے ایسا اور ایسا کیا اس عبارت کے اسلوب

اور طرز بیان کے تغیر اور پھیرنے میں کیا نکتہ ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اس سورۃ کے شروع
سے ایسے وصف بیان فرمائے ہیں جنکا ظاہر ہونا مخلوقات سے کسی طور پر متصور نہیں ہے جیسے
زندگی اور موت کا پیدا کرنا اور آسمانوں کا بنانا تو وہاں پر متکلم کے صیغے سے بیان کرنے کی کچھ حاجت
نہ تھی اسواسطے کہ سب دانا اور عقلمند اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ کام سوائے اس ذات پاک کے
کوئی نہیں کرسکتا اور اس آیت میں ایسے کام ذکر کیے ہیں کہ جن میں آدمی کو بھی دخل ہے اور وے کام
آدمی بھی ظاہر کرسکتا ہے جیسے قندیلوں اور چراغوں سے مکانوں کو آراستہ کرنا اور دشمنوں کو سنگسار کرنا
اور دشمنوں کی خرابی کا اسباب موجود رکھنا کہ یہ سب کام آدمی بھی کرتے ہیں تو یہاں پر متکلم کا صیغہ جو
معرفہ کی قسموں میں انتہا درجے کی تعریف کو پہنچا ہے ذکر کرنا ضرور ہوا تاکہ کسی طرح کا شبہ باقی نہ رہے
اور سب تفسیروں سے عجائب اور غرائب ایک تفسیر اس آیت کی ہے جو بعضے نرے فقیہوں سے
ذکر کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ رجوماً واہی گمانوں کے معنی میں ہے جیسے بولتے ہیں کہ فلانا
رجماً بالغیب کہتا ہے یعنی بے اصل بات کہتا ہے اور اُس کا گمان فاسد ہے اور شیاطین سے مراد
نجومی ہیں کہ اپنی جھوٹی باتوں سے آدمیوں کے دلوں میں وہم اور وسواس ڈالتے ہیں اور جس کی تقدیم
لازم ہے اُس کی تاخیر اور جس کی تاخیر لازم ہے اُس کی تقدیم میں آدمیوں کو گرفتار کرتے ہیں تو معنی اس
آیت کے اس تفسیر کی رو سے یوں ہوں گے کہ ہم نے ان ستاروں کو بنایا ہے نجومیوں کے جھوٹ
بولنے کا اسباب اور اُن کے غیب دانی کے دعوے پر اور ستاروں کی تاثیروں کے معتقد ہونے
پر چلنے کا عذاب اُن کے واسطے تیار کیا ہے ہم نے وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ اور ان لوگوں کے
واسطے جو ان شیطانوں کے بہکانے سے اپنے رب سے منکر اور کافر ہوئے ہیں ایک دوسرا
عذاب ہے جسمیں طرح طرح کی مصیبت اور تکلیف بھری ہوئی ہے اس واسطے کہ اُن لوگوں نے
بھی اپنے پروردگار کے انکار اور کفر سے قسم قسم کی برائیاں اپنے میں جمع کی تھیں اور وہ عذاب
عَذَابُ جَهَنَّمَ دوزخ کا عذاب ہے جس میں ہر قسم کا عذاب موجود ہے چنانچہ آگ کی سوزش
اور زمہریر کی سردی اور سانپ بچھوؤں کا کاٹنا اور زنجیر اور طوقوں کا پہننا اور سیہنڈ اور پیپ کا
کھانا اور گرم پانی اور زخموں کا زرد پانی بہا ہوا پینا اور آگ کے پہاڑ پر جسکا نام صعود ہے چڑھنا
اور سوائے اُس کے بہت قسم کے عذاب ہیں وَبِئْسَ الْمَصِيرُ اور وہ دوزخ بری جگہ ہے

پھر جانے کی اس واسطے کہ مکان کی برائی دو قسم سے ہوتی ہے یا اس مکان ہی کے سبب سے ہوتی ہے جیسے تنگ مکان جس میں ہوا نہ آوے کہ یہ برائی اس مکان کی ذات میں پائی جاتی ہے یا اس مکان کے رہنے والوں اور مالکوں کے سبب سے ہوتی ہے جیسے ایک مکان کھلا ہوا اور کشادہ ہو لیکن دیو یا بھوت وہاں رہتا ہو کہ جو اس مکان میں جاوے اس کو ایذا دیوے سو دوزخ میں دونوں قسم کی برائیاں پائی جاتی ہیں یعنی دوزخ کی ذات وہاں کے جانے والوں کے ساتھ اس طرح سے پیش آوے گی کہ اِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا جب یہ کافر اس دوزخ کے سامنے لائے جاویں گے اسمیں ڈالنے کے واسطے تو مرحبا اور استقبال اور تعظیم کی جگہ سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا سنیں گے اس دوزخ سے ایک آواز بہت بڑی جیسے گدھے کی آواز لیکن اُس آواز اور اس آواز میں یہ فرق ہوگا کہ گدھا بول کر چپ رہتا ہے وَّهِيَ تَفُوْرُ اور وہ دوزخ اور زیادہ جوش میں آوے گی جیسے دیگ کا جوش کہ زیادہ ہوتا جاتا ہے اور اس آواز کرنے اور جوش مارنے سے غصہ اور غضب اس کا کچھ کم نہ ہوگا بلکہ ان کافروں کے دیکھنے سے اسقدر اُس کو غصے کی زیادتی ہوگی کہ تَكَادُ تَمَيَّزُ نزدیک ہوگی کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاوے اور کافروں پر آپڑے مِنَ الْغَيْظِ نہایت غصے سے اسواسطے کہ یہ کافر بھی اس دوزخ کے پروردگار کو غصے میں لائے تھے اور رسولوں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے جو پیغام اُن کے پاس بھیجا تھا سو اسکے سننے سے اُن کو بھی نہایت غصہ آیا تھا اور اپنے بتوں پر اور اپنی رسم اور آئین پر نہایت گھمنڈ کر کے جوش و خروش میں آئے تھے اور جوش و خروش کی حالت میں غصے کے زیادہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ غصے میں دل کا خون جوش میں آتا ہے اور یہ دستور ہے کہ جب خون جوش کرتا ہے تو جسم اُسکا بڑھ جاتا ہے اور اُس کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور ہر عضو پھول جاتا ہے یہاں تک کہ قریب پھٹنے اور تڑخنے کے ہو جاتا ہے چنانچہ خون کی زیادتی سے جو ورم ہوتے ہیں اُن میں یہ بات بخوبی بوجھی جاتی ہے اور اس دوزخ کے نگہبان اس طرح کے بدخلق اور طعنہ مارنے والے ہیں کہ ایک مرتبے کے طعنہ دینے اور سرزنش کرنے پر اکتفا نہ کریں گے بلکہ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ جب ڈالے جاویں گے دوزخ میں کوئی گروہ جو ایک گناہ میں شریک تھے اور اس نبی کی فرمانبرداری میں قصور اور اس کے دین کے دستور و آئین کے خلاف کرتے تھے اور اگرچہ اس قسم کے گروہ دوزخ میں بہت جمع ہوں گے لیکن ڈالنے میں دوزخ کے اندر آگے پیچھے ہوں گے اسواسطے کہ بعضے تقدیم کے

مستحق ہوں گے اور بعضے تاخیر کے اور بعضے نیچے کے طبقے کے اور بعضے اوپر کے طبقے کے سزاوار رہوں گے حاصل کلام کا یہ ہے کہ دوزخ کے نگاہبان مجرمان کے گرنے کے دوزخ میں بدون اس بات کے کہ اُن کو مہلت اور فرصت دیویں طعن تشنیع سے پیش آویں گے اور سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ پوچھیں گے ان سے محافظ اور نگاہبان دوزخ کے کیا دنیا میں کوئی ڈرانیوالا اور نصیحت کرنیوالا تمہارے پاس نہ آیا تھا جو اس بلا سے تمکو خبردار کر دیتا اور تم اپنے بچاؤ کی فکر کر لیتے اسواسطے کہ عاقل اور دانا لوگ کوئی خوف کی بات اگر عوام بلکہ ادنیٰ کے مُنہ سے بھی سنتے ہیں تو اُس سے بچاؤ کی تدبیر حتی المقدور کر رکھتے ہیں اور اگر کوئی معتبر شخص سے ایسی بات سُنتے ہیں پھر تو ضرور اُس کی تدبیر کرتے ہیں اور اُن نگاہبانوں کا قصد اس پوچھنے سے یہ ہوگا کہ اگر یہ لوگ رسولوں کے آنے کا انکار کریں تو ہمارا غصہ اور زیادہ ہو اور اُن کو خوب مار دھاڑ کریں اور کافر بھی یہ بات قرینے سے دریافت کریں گے کہ پوچھنے سے غرض اُن کی یہ ہے ناچار ہوکر سچ بول دیں گے قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ کہیں گے ہاں آیا تھا ڈرانیوالا ہمارے پاس اور بہت لوگ ہم میں سے اُس کی بات سچی جان کر اُس کے ساتھ ہو لیے تھے اور ہم کو بھی وہی لوگ ڈراتے اور سمجھاتے تھے اور اُن کا نام ہم نے ملا اور واعظ اور ناصح رکھا تھا فَكَذَّبْنَا پھر جھٹلایا ہم نے اُن سب کو باوجود اس بات کے کہ اُن کے ساتھ دلیلیں اور معجزے بھی تھے اور ایک کلام یعنی کتاب بھی ہم کو بتلاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ نے اُتارا ہے اور اس میں دوزخ کے عذاب سے تم سب کو ڈرایا ہے لیکن ہم نے ان کی بات کو نہ مانا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اور کہا ہم نے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نہیں اتارا ہے نہ کسی کام کرنے کا حکم کیا ہے اور نہ کسی کام سے منع کیا ہے اور نہ کسی اچھی بات پر ثواب کا وعدہ دیا ہے اور نہ کسی بُری بات پر عذاب کا اور نہ کچھ پند اور نصیحت کی ہے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ تم لوگ نہیں ہو مگر بڑی گمراہی میں پھنسے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو اسواسطے کہ آدمی حق تعالیٰ کی طرف جھکیں اور اس کی عبادت میں مشغول ہوویں اور دنیا میں برائی نہ رہے اور فتنہ اور فساد اور لڑائی اور جھگڑے سب جاتے رہیں اور اس جھوٹ باندھنے کو تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس میں ہمسے راضی ہوگا اس واسطے کہ یہ بات ہم اسی کے واسطے کرتے ہیں اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور یہ نہیں بوجھتے کہ جھوٹ باندھنا بہت بُری چیز

ہے جس نیت سے ہوا اور اب ہم کو معلوم ہوا کہ ہمارا گمان غلط تھا اور ہم ہی گمراہی میں پھنسے تھے جو سچوں کو جھوٹا جانا اور نصیحت کرنیوالوں اور دوستوں پر بدگمانی کی اور وے لوگ جو ہماری بہتری کی بات کہتے تھے اُس کو ہم نے نہ سُنا اور کچھ بھی اپنی عقل کو دخل ندیا اور اُن لوگوں کے حال میں ہم نے کچھ غور اور فکر نہ کی کہ وے لوگ جھوٹ سے بہت دور تھے وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اور کہیں گے کہ اگر ہم لوگ اُن کی بات سُنتے اور جو معجزے اُن کی سچائی پر گواہی دیتے تھے اُن کو مانتے اور خوشخبریاں اور خوف کی باتیں اور شرع کے حکم جو وے کہتے تھے اُن کو سچا جانتے اَوْ نَعْقِلُ یا بوجھتے ہم کہ پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھی اور سچی باتیں ہمکو پہنچائی ہیں۔ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ نہ ہوتے ہم دوزخ کے رہنے والوں میں جو ہم پر تم ایسے ظلم کرتے اور اللہ تعالیٰ کی تکلیفوں اور حکموں کی دلیلیں بھی دو قسم کی ہیں یعنی سمعی یا عقلی یعنی جو کان سے سُنی جاتی ہے یا عقل سے دریافت کی جاتی ہے اسی سبب سے ان دونوں چیزوں میں یعنی سمعیات اور عقلیات میں تامل اور فکر نہ کرنے سے افسوس کریں گے اور بعضے مفسروں نے نَسْمَعُ کو تقلید پر اور نَعْقِلُ کو تحقیق اور اجتہاد پر حمل کیا ہے کہ ان دونوں لفظوں سے یہی مراد ہے اس واسطے کہ یہ دونوں نجات کی راہیں ہیں اور صاحب کشاف نے کہا ہے وَمِنْ بِدَاعِ التَّفَاسِيْرِ اَنَّ الْمُرَادَ لَوْ كُنَّا عَلٰى مَذْهَبِ اَهْلِ الْحَدِيْثِ اَوْ مَذْهَبِ اَصْحَابِ الرَّاْيِ مَا كُنَّا فِيْ جَهَنَّمَ یعنی نادر ہے اس آیت کی یوں تفسیر کرنا کہ مراد اس آیت سے یہ ہے کہ اگر ہوتے ہم محدثوں کے مذہب پر یا عقل والوں کے یعنی فقیہوں کے مذہب پر تو نہ ہوتے ہم دوزخ میں پھر اس کے بعد اعتزال کے تعصب سے یعنی معتزلی مذہب کی جانب داری کے سبب سے اس تفسیر کے باطل کرنے میں بہت سے ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور بڑی لمبی چوڑی تقریر کی ہے لیکن وہ سب جانب داری اور ناانصافی سے بھری ہوئی ہے قابل اس کے نہیں ہے کہ علما اُس کی طرف دیکھیں یعنی ایسی پوچ تقریر ہے کہ علما کے دیکھنے اور جواب دینے کے قابل نہیں ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ وے کافر دوزخ میں پڑیں گے بعد پیغمبروں کی سچائی اور اپنی گمراہی کا اقرار کریں گے فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ پھر قائل ہوئے اپنے گناہ پر اور اقرار کیا کہ ہم نے پیغمبروں اور واعظوں کو ناحق جھٹلایا اور بڑے بڑے معجزے جن میں کچھ شک اور شبہہ نہ تھا ان سے بے وجہ انکار کیا اور

عقل کی بات سے بھی دور رہے اور جو بات کی عقل کے خلاف کی لیکن اس وقت ان لوگوں کا ڈرنا اور قائل ہونا کچھ اُن کے کام نہ آوے گا فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ پھر اب بہت دوری ہے آگ والوں کو نجات اور خلاصی سے اور اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت اس اقرار کرنے اور ڈرنے سے ہرگز اُن کے حال پر متوجہ نہ ہوگی اور اُن کے گناہوں کی ہرگز بخشش نہ ہوگی البتہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ بیشک جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے غائبانہ بن دیکھے دوزخ کے عذاب کے اور بدون سُنے اُس کے جوش اور خروش کے اور بے دیکھے گرفتاری اور دھر پکڑ دوزخ کے موکلوں کی ابتدا اس دیکھنے کی موت کے وقت سے شروع ہوتی ہے اور ہر چند کہ خواہش اور غصۂ نفسانی کے غلبے سے بُرے کام اُن سے ہوئے ہوں گے لیکن اُس ڈرنے کی سبب سے جو ڈر کے وقت یعنی دنیا میں کہتے تھے اور وہی ڈر اس بُرے کام کرنے کے بعد ندامت اور شرمندگی کا سبب پڑتا تھا اور اُن کو ندامت کے دریا میں ڈبو دیتا تھا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ اُن کے واسطے بخشش ہے اُن گناہوں سے جو خواہش اور غصے کے غلبے سے اُن سے ہو گئے تھے وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ اور ثواب ہے بہت بڑا اُس اُن کے ڈرنے پر اور بُرائی سے شرمندہ ہونے پر چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ یعنی اور جو شخص ڈرا کھڑا ہونے سے سامنے اپنے پروردگار کے اس کے واسطے دو باغ ہوں گے اور حقیقت میں ذات پاک پروردگار کی اسی لائق ہے کہ بن دیکھے اس سے ڈرا چاہیے اس واسطے کہ پوشیدہ ہونا کسی شخص سے اسوقت امن اور بے خوفی کا سبب ہوتا ہے کہ اُس شخص کو اُس کے قول اور فعل پر پوشیدگی کیحالت میں خبر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے کوئی چیز چھپی ہو یا کھلی اس سے غائب نہیں ہے اس کا علم سب کو گھیرے ہوئے ہے وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اور پوشیدہ کرو اپنی بات کو اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ یا پکار کر کہو اس بات کو اللہ تعالیٰ دونوں کو جانتا ہے اور سُنتا اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بیشک وہ اللہ جانتا ہے سینے کی باتوں کو بہت مفسروں نے روایت کی ہے کہ قریش کے کافر بُرائیاں اور بدگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور اسلام اور قرآن کی اپنی مجلسوں اور محفلوں میں طعن کے طور پر بیان کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی یا الہام سے وے سب باتیں معلوم ہوتی تھیں اور جب اُن کافروں سے ملاقات ہوتی تھی تو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم اُن سے کہتے کہ تم نے فلانے روز فلانی مجلس میں ایسی بُری بات ہم کو کہی تھی یہ بات تم کو مناسب نہ تھی ایسی باتیں سُن کر کافر حیران ہوتے تھے پھر آپس میں تقیید کیا کہ جب کچھ ذکر اس قسم کا منظور ہو تو پکار کر مت کہا کرو بلکہ آہستہ آپس میں کہا کرو اُن کافروں کو گمان اس بات کا تھا کہ کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست داروں میں سے ہماری مجلس میں ہوتا ہے اور وہ اس بات کو ان تک پہنچا دیتا ہے حق تعالیٰ جل شانہٗ نے یہ آیت بھیجی اور ارشاد فرمایا کہ یہ حق تعالیٰ کا علم ہے کہ چھپا اور کھلا آہستہ اور پکار کر کہنا سب اُس کے نزدیک برابر ہے بلکہ جو تم دل میں کچھ منصوبہ کرتے ہو وہ بھی حق تعالےٰ جانتا ہے اور اگر اس بات کو تم اچنبھا جانتے ہو اور یہ خیال آتا ہے کہ بے نزدیک اور حاضر ہونے کے کس طرح کوئی ہمارے قول اور فعل کو معلوم کرے گا خصوصاً وے چیزیں جو ہم دل میں سوچتے ہیں اور ہرگز اُن کو زبان پر نہیں لاتے وے باتیں کس طرح کسی کو معلوم ہوں گی تو ہم کہتے ہیں اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ کیا نہیں جانتا ہے وہ جس نے اُس سوچ اور فکر کو تمہارے دلوں میں پیدا کیا اور باتوں کو تمہاری زبان سے نکلوایا اور اُٹھنا بیٹھنا چلنا تمہارے ہاتھ پیر کو سکھلایا بلکہ وہ جانتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ پیدا کرنا کسی چیز کا بدون اس کے احوال کی تفصیل جانے ہووے ممکن نہیں ہے اور اگر وے یہ کہیں کہ ان چیزوں کو ہم نے آپ پیدا کیا ہے نہ خدا نے جیسا معتزلیوں اور حکماؤں کا مذہب ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اس بات کے تو خود معتزلہ اور حکما بھی قائل ہیں کہ جو چیزیں واقع اور ظاہر ہونے والی ہیں اُن کا علم مجرد اُن کو ضروری ہے وَهُوَ اللَّطِيفُ اور اللہ تعالیٰ سب مجردات سے زیادہ لطیف ہے کہ کسی طرح مادّے سے علاقہ نہیں رکھتا پھر اس قسم کے مجرد کو نفس الامر واقع ہونے والی حقیقتوں کا علم نہ ہو کسی طرح متصور نہیں البتہ اتنا ہے کہ متوجہ ہونا اور التفات کرنا ان حقیقتوں کی طرف اُن کے حاضر کرنے کے واسطے ضروری اور شرط ہے سو وہ اللہ تعالیٰ الْخَبِيرُ بڑا خبردار ہے کہ ہر ذرے کے احوال کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کسی وقت کسی ذرے کے احوال سے اُس کو غفلت نہیں ہوتی پھر دوسرے اُس کے کارخانے کی طرف جو اس کی بادشاہت کے کارخانوں میں سے ہے نظر اور غور کرو کہ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا وہ اللہ تعالیٰ ایسا فیاض اور فیض بخش ہے کہ کر دیا تمہارے واسطے زمین کو تابعدار اور تم کو زمینداروں اور جاگیرداروں کے مانند اس زمین پر آباد کیا اور جو کچھ زمین میں ہے جیسے کانیں جواہرات کی اور چشمے اور بڑھانے والی قوتیں

اور جانور جو تمہارے کام آویں جیسے گائے بیل اونٹ گھوڑا گدھا ان سب کو تمہارے قبضے میں کر دیا
تاکہ تم ان جانوروں کو اپنے کام میں لاؤ اور کھیتی اور باغ بغیچے سبب سے تیار کرو اور کنویں اور چشمے
کھودو اور بناؤ اور پانی اُن سے نکالو اور عمارتوں کو آراستہ کرو فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا پھر چلو اُس
زمین کے کندھوں پر سوداگری کے واسطے اور ایک ملک کی چیز دوسرے ملک میں لے جانے کے
واسطے اور سیر اور تماشے اور ہر ملک کے خواص اور پانی اور ہوا پہچاننے کے واسطے وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ
اور کھاؤ اللہ تعالیٰ کے رزق دیے ہوئے سے جو زمین سے تم کو نکال دیتا ہے سو تم سب اِس
معاملے میں کسانوں اور عملداروں اور پٹیلوں کے قائم مقام ہوئے کہ تمہاری تنخواہ تمہارے ہی ہاتھ
کے کام سے نکلتی ہے لیکن باوجود ان سب باتوں کے تم لوگوں سے مطلوب یہ ہے کہ بادشاہ کا
حق بھی ادا کرتے رہو اور مسکینوں اور محتاجوں اور یتیموں اور اپاہجوں کو بھی دیتے رہو کہ یہ لوگ بھی
تنخواہ داروں کے مانند ہیں اور بادشاہی سند کے وسیلے سے تم سے اپنی تنخواہ مانگتے ہیں سو تم
کو چاہیے کہ اُن کو محروم اور بے نصیب مت رکھو اس واسطے کہ عملداری کی مدت تمام ہونے کے
بعد آخر تم کو بھی اس زمین کو چھوڑ جانا ہے اور اُس کے حاصل اور نفع سے ہاتھ اٹھانا ہے وَاِلَیْہِ
النُّشُوْرُ اور اسی کی طرف زندہ ہو کر اٹھ جانا ہے پھر ایک ایک جو کا تم سے حساب سمجھے گا اور
جو جو کہ حق تلفیاں تم سے ہوئی ہوں گی اُن پر تم کو پکڑے گا اور اس پر غرور مت کرنا اور دھوکا مت
کھانا کہ تم کو زمین کا مالک اور مختار کر دیا ہے اور زمین کو تمہارے طور پر چھوڑ دیا ہے کہ جو چاہو سو
کرو اور یہ بھی مت سمجھنا کہ لشکر اُسکا یعنی تدبیر کرنے والی روحیں اور فرشتے آسمانوں پر ہیں اور
آسمان ہم سے ہزاروں برس کی راہ دور ہیں اگر وے فرشتے اور روحیں ارادہ کریں کہ ہمارے
گناہ پر ہمکو تنبیہ کریں اور کچھ سزا دیویں تو بسبب دوری کے ایسا نہ کر سکیں گے اگرچہ اللہ تعالے
کا حکم بھی ہماری تنبیہ کے واسطے صادر ہووے ءَاَمِنْتُمْ کیا نڈر ہو گئے مَّنْ فِی السَّمَآءِ اُس
شہنشاہ سے جس کی سلطنت کا ظہور اور اُس کے فرماں بردار خادم آسمان پر ہیں اور تم لوگ
زمین پر اور اتنی دور سے کس طرح تمہارا انتظام کر سکیں گے سو یہ خیال تمہارا فاسد ہے نڈر مت
ہو اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ اس بات سے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں جس طرح اب
زمین پر حاکم بنے پھر رہے ہو اور نہیں بوجھتے کہ جس نے تم کو زمین پر سوار کیا ہے وہ چاہے تو زمین کو

تم پر سوار کر دے فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ پھر یکایک وہ زمین ہلنے اور دریا کی طرح موج مارنے لگے اور
تم کو اپنے اندر لے کر موج کے تھپیڑوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے پھر بالکل نیست اور نابود
ہو جاؤ اور اگر باوجود ایسی دلیل روشن کے پھر بھی تم اپنی نادانی سے آسمان کی دوری کے سبب
سے زمین پر اسکے حکم کے جاری ہونے میں کچھ شک اور شبہ رکھتے ہو تو ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اَمْ
اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۤءِ کیا نڈر ہو گئے تم اس شاہنشاہ سے جس کی سلطنت کا ظہور آسمان
پر ہے اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا اس بات سے کہ بھیجے تم پر بدلی پتھر برسانے والی یعنی
جس طرح اب بدلی سے پانی برستا ہے اور اس کے سبب سے تمہارے واسطے رزق کی پیدائش
ہوتی ہے اسی طرح وہ چاہے تو پانی کی جگہ پتھر برساوے جو تمہاری ہلاکت کا سبب پڑے اور
اگر فرض کیا ہم نے کہ اس شاہنشاہ نے تم کو دنیا میں چھوڑ دیا فَسَتَعْلَمُوْنَ پھر نزدیک ہے
کہ جان لو گے یعنی مرنے کے وقت جو پہلی منزل آخرت کے سفر کی ہے کہ كَيْفَ نَذِيْرِ
کیسے سچے تھے ہمارے ڈرانے والے اور اگر یہ کافر اس ڈرانے کی خبر تم سے سن کر یقین نہ لاویں
اور کہیں کہ زمین کا دھنسنا اور آسمانوں سے پتھروں کا برسنا عادت کے خلاف ہے کبھی ایسا
نہیں ہوا تو تم یقین جان لو کہ یہ کافر تمہارے جھوٹا کرنے پر اڑ گئے ہیں وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ اور البتہ جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے ایسے عذاب کو جو عادت
کے خلاف ہے جیسے قارون اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ
پھر کیسی ہوئی انکار ہماری کہ قارون کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور قیامت تک دھنستا چلا
جاوے گا اور زمین نے اس کے واسطے دریا کا حکم پایا ہے یعنی اُس کو غرق بھی کر دیا اور موج
کے تھپیڑوں سے اسکو اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر کرتی جاتی ہے اور حضرت لوط کی قوم پر کھنگر کی
قسم کے پتھر برسے کہ جس کے سر پر گرتے تھے تو اُس کے نیچے سے نکل جاتے تھے اور اُس کو ہلاک
کرتے تھے اور اگر یہ لوگ باوجود ان قصوں کے سننے کے نہ ڈریں اور تمہارے خوف دلانے کو باور
نہ کریں اور کہیں کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ ۔ تو تم یقین جان لو کہ یہ سب نہایت نادانی اور غفلت
میں پھنسے ہوئے ہیں اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ کیا نہیں دیکھتے ہیں اڑنے والی چڑیوں کی طرف
ہوا میں جو بھاری پن میں پتھر سی ہیں اسواسطے کہ اصل اُن کی بھی مٹی ہے اور جو چیز مٹی سے پیدا

ہوتی ہے وہ ثقل اور بھاری پنے کے سبب سے حرکت کے وقت نیچے ہی گرنے کو چاہتی ہے لیکن یہ چڑیاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے فَوْقَهُمْ ان کے سروں پر رہتی ہیں اور وے چڑیاں کچھ ایک ایک دو دو نہیں ہوتیں تاکہ اُن کے دل میں شبہہ گزرے کہ شاید ہوا کے زور سے چھوٹی ٹھیکریوں کی طرح اڑ گئی ہوں گی بلکہ صَافَّاتٍ صف باندھے سیکڑوں اور ہزاروں اڑا کرتی ہیں جیسے کبوتر اور مرغابی اور کلنگ کہ ان کا صف باندھ کر اڑنا سب دیکھتے ہیں اور اگر یہ لوگ پھر کہیں کہ یہ چڑیوں کے پروں کی خاصیت ہے کہ ہوا میں ٹھہرتی ہیں اور تیرتی ہیں جیسے دوسرے جانور پانی میں تیرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اڑنے کی حالت میں کبھی پروں کو کھولتی بھی ہیں وَيَقْبِضْنَ اور کبھی پروں کو بند بھی کر لیتی ہیں پھر اس حالت میں بھی زمین پر نہیں گرتی ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کا ہوا پر ٹھہرنا جو اُن کی طبیعت کے خلاف ہے فقط اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ نہیں تھامتا ہے اُن کو ہوا پر مگر وہ ذات جو رحمانیت کی صفت سے موصوف ہے اور یہی صفت چاہتی ہے کہ اُن کے نفع کی چیزیں اُن کو پہنچیں سو وے نفعے ہوا کے طبقوں میں سپرد ہیں تو جب تک اُن کو ہوا میں نہ رکھیں وے نفعے اُن کو کس طرح سے پہنچیں سو حق تعالیٰ اُن کی حاجتوں کو دیکھتا ہے اور ایک غیبی تدبیر سے اُن نفعوں کو ہوا میں اُن کو پہنچا کر نگاہ رکھتا ہے إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور نفع اور ضرر ہر چیز کا جانتا ہے اور نفع لینے اور نقصان دور کرنے کی تدبیریں اُن کو سکھلاتا ہے پس ان چڑیوں کو جنکی اصل خاک ہے ہوا پر تھامے رکھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے دونوں چیزوں پر یعنے دھنسنے اور پتھر کے برسنے پر اسواسطے کہ دھنسنے کی حقیقت یہی ہے کہ ہوا زمین کے ٹکڑوں میں در آتی ہے اور اُن کو ہلا کر دبا دیتی ہے اور آسمان سے پتھر برسنا بھی موقوف ہے اس بات پر کہ پہلے زمین سے اُن چڑیوں کو جو پتھر ہو جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں ہوا کے زور سے اوپر لے جانا پھر اُن کو اُس جگہ تھامے رکھنا یہاں تک کہ بھاری پن میں پتھر کے مانند ہو جاویں پھر اُن کو اُن کی اصل طبیعت کی طرف پھیرنا تاکہ اپنی طبیعت کی خواہش سے زمین پر گریں بلکہ اگر تامل اور غور کیا جاوے چڑیوں کے احوال میں تو معلوم ہو جاوے کہ اُن کا حال ان دونوں سے عجیب تر ہے اس واسطے کہ اگر کوئی شخص اپنے تئیں ہوا کے کرے میں خیال کرے اور ہوا میں جانوروں کے اڑنے کو غول باندھ کر اور علیحدہ علیحدہ ایک کے بعد ایک کو ملاحظہ کرے تو یہی اس کو یقین

ہوگا کہ زمین سے بدلی اٹھی ہے اور پتھر برساتی ہے اور زمین کے ٹکڑے آسمان کی طرف دوڑے آتے ہیں اور اس طرح کے عجائب اور غرائب زمین کے دھنسنے اور آسمان سے پتھر برسنے میں نہیں پائے جاتے اس واسطے کہ اُن دونوں صورتوں میں زمین کے جز نیچے کی طرف حرکت کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اس زمین اور آسمان کے شاہنشاہ کی پکڑ سے اُن کا بے خوف اور بے دہشت ہونا کچھ اُس کی عاجزی کے وہم سے نہیں ہے بلکہ اُن کو اس بات کا وہم سمایا ہے کہ ہم اسکا مقابلہ کر سکتے ہیں سو اب اُن سے پوچھا چاہیے کہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ بھلا ایسا کون شخص ہے کہ وہ تمہارا لشکر ہو سکے اور نوکروں کی طرح تمہارے دشمن کے مقابلے میں ہر وقت حاضر ہو کر یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ مدد کرے تمہاری رحمٰن کے مقابلے میں آکر اور اگر یہ لوگ اپنی بیوقوفی اور نادانی سے کہہ بیٹھیں کہ ہاں ہمارے معبودوں اور شیطانوں کا ایک لشکر ہے کہ جب کام آپڑے گا تو حق تعالیٰ کے عذاب کو ہم سے دفع کر دیگا تو یقین جان لینا کہ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ نہیں ہیں کافر مگر فریفتگی میں پھنسے ہوئے کہ حقیقت کو چھوڑ کر ظاہر پر فریفتہ ہوئے ہیں اور اسباب کو مسبب کے مقابلے میں کرتے ہیں اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ بھلا کون ہے ایسا شخص جو روزی دے تم کو اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ج اگر بند کر دے حق تعالیٰ اپنے رزق کو یا رزق کے اسباب کو جیسے پانی کا برسنا اور ہوا کا چلنا اور سورج کی گرمی اور چاند کی ٹھنڈک اور بیج اور جانور جنسے کھیت کو جوتتے اور سینچتے ہو اور یہ بات ظاہر ہے سب جانتے ہیں کہ اگر ایک بھی سبب رزق کا ان اسبابوں سے بند ہو جاتا ہے جیسے پانی اگر نہ برسے تو ہرگز اُن کے بُت اور معبود اُس کو برسا نہیں سکتے اور اُن کی مصیبت میں کام نہیں آسکتے اور اُن کی فریادرسی نہیں کر سکتے پھر اور اسباب کب ہو سکتے ہیں بس معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے مقابلہ کا جو اُن کو وہم ہے وہ باطل ہے کوئی اس درگاہ کے مردود کو مقبول نہیں کر سکتا لیکن یہ احمق اپنی بے اصل باتوں کو جھوٹ نہیں جانتے اور اپنی بیہودہ گوئی کو نہیں بوجھتے بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ بلکہ اڑ رہے ہیں شرارت اور سرکشی میں اور نفرت کرتے ہیں حق بات کے قبول کرنے سے اور اصل اس بات کی یہ ہے کہ سیدھی راہ یہ لوگ بھول گئے ہیں اور سفلی اسباب پر اپنی نظروں کو روک رکھا ہے اور مسبب الاسباب سے بالکل غافل ہو گئے ہیں تو

اب اُن سے پوچھا چاہیے کہ اَفَمَنْ يَّمْشِىْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ کیا پھر وہ شخص جو اوندھا اپنے مُنہ کے بل چلتا ہے اور نیچے کی چیزیں جیسے زمین اور جو زمین پر ہے اُس کے سوائے کچھ نہیں دیکھتا اَهْدٰٓى ہے بڑا راہ پانیوالا ہے اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا یا وہ شخص جو سیدھی راہ چلتا ہے کھڑے ہوکر اور آسمان اور ستارے اور نشان اور منارے سَب اُس کی نظر میں ہیں چنانچہ یہ بات موحد کو حاصل ہے کہ ہر چیز کو مسبب الاسباب سے جانتا ہے سو وہ اس سبب سے عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ثابت ہے سیدھی راہ پر اور اسباب کو اسمائے الٰہیہ کے مظاہر یعنی جائے ظہور جانتا ہے اور حق تعالیٰ کو بے اسباب کے مؤثر جانتا ہے اور اُس کی تاثیر کو اسباب کے ہونے پر موقوف نہیں رکھتا اسی واسطے سب کاموں کی تدبیر میں حکمت کی رعایت کرتا ہے اور اُن کے اسباب کی تلاش کرتا ہے لیکن تدبیر اور اسباب پر اعتماد نہیں کرتا ہے بخلاف اس شخص کے کہ فقط مسبب پر بھروسا کر کے تدبیر اور اسباب کو بیکار محض جان کر چھوڑ بیٹھا ہے تو گویا وہ شخص اُس کی حکمت کے کارخانے کو نہیں بوجھا ہے اور راہ متوسط چھوڑ دی ہے پھر اگر یہ کافر ایسی واضح دلیلوں کے بیان کرنے سے بھی راہ پر نہ آویں اور اپنی کج فہمی سے اصل مطلب کو نہ سمجھیں تو دوسری طرح سے اُن کو سمجھاؤ اور قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ کہہ کہ وہ اللہ تعالیٰ ایسا مسبب الاسباب ہے جس نے پیدا کیا تم کو اور نیستی کے پردے سے نکال کر اس عالم میں لاکر موجود کیا اُس نیستی کے عالم میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو تمہارے وجود کے ظہور کی خواہش کرتی اسواسطے کہ دنیا میں لڑکے کی پیدائش کے بڑے اسباب ماں باپ کا وجود ہے اور اُن کا آپس میں صحبت کرنا اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ لڑکے کی پیدائش میں ماں باپ کی صحبت کو کچھ تاثیر نہیں ہے بہت لوگ برسوں صحبت کیا کرتے ہیں اور اولاد کی آرزو میں رہتے ہیں لیکن یہ آرزو میسر نہیں ہوتی اور لڑکے کے سب اعضائ درست کرنے میں اور ہر ایک عضو کو اُس کے مناسب قوت دینے میں اور اُس کی شکل اور صورت ٹھیک کر دینے میں ماں باپ کی صحبت کو کچھ بھی دخل نہیں ہے بس وہی خالق ہے کہ جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمکو پیدا کیا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ اور کر دیے تمہارے واسطے کان سُننے کو آنکھ دیکھنے کو اور دل بوجھنے کو سو اُن ہی تینوں چیزوں سے تم نے تمام دنیا کی چیزوں کو دریافت کرنا شروع کیا اور ہر چیز کے سبب کو پہچانا اگر یہ تینوں چیزیں نہ

ہوتیں تو ہرگز تم کسی سبب کو معلوم نہ کرسکتے بس حقیقت میں ان سببوں کو تم نے مسبب گردانا ہے والا حق تعالیٰ کے کام ایک کے بعد ایک ہوتے چلے جاتے ہیں کوئی سبب وہاں درکار نہیں ہے قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ بہت تھوڑا تم شکر کرتے ہو اس واسطے کہ یہ دونوں حاسے یعنی آنکھ اور کان اور دل جو عقل اور شعور کا مکان ہے اسواسطے تم کو دیے تھے کہ اس کی توحید کا حق ادا کرو اور موثر حقیقی فقط اسی کو جانو اور اسباب کو اس کی حکمت کے ظہور کا مقام معلوم کرو لیکن تم نے اپنی ناقہمی سے ایسی عمدہ چیزوں کو یعنی آنکھ کان دل کو اسباب ہی کے دریافت کرنے میں گنوایا اور اس قدر اسباب کے دریافت میں زیادتی کی کہ اس کی توحید سے بھی محروم رہے اور اس کو تاثیر میں منفرد نہ جانا اور اگر اس طور کے سمجھانے سے بھی یہ لوگ راہ پر نہ آویں اور اپنی بداعتقادی سے اسباب ہی کو موثر حقیقی جانیں اور اس اعتقاد سے نہ پھریں تو دوسرے طور سے ان کو سمجھاؤ اور جو ان کی بات سے ان پر لازم ہوتا ہے اس کو اختیار کرو اور ان کو الزام دو اور قُلْ کہہ کہ اگر جو تم کہتے ہو وہ صحیح ہے تو تمہارے کام بھی تمہاری جزا کا سبب پڑیں گے اس واسطے کہ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَکُمْ وہ اللہ تعالیٰ ایسا قدرت والا ہے کہ تم کو پیدا کرکے بکھیر دیا ہے فِی الْاَرْضِ زمین میں تاکہ طرح طرح کے کام تم سے زمین پر صادر ہوویں وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ اور اسی کی طرف جمع کیئے جاؤ گے تاکہ اپنے کیے کا عوض پاؤ تو اس سے معلوم ہوا کہ تمہارے کام بھی ان ہی اسباب میں سے ہیں پھر ان کو کیوں بیکار اور بیفائدہ چھوڑتے ہو اور برے کاموں سے ڈرتے نہیں ہو وَیَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں اس الزام کے جواب میں کہ اس واسطے ہم ان اپنے عملوں کو معطل اور بیکار چھوڑتے ہیں اور ان کے سبب ہونے کا اعتقاد ہم کو نہیں آتا کہ ہزاروں برس اور قرن گزر گئے اور ان عملوں کی تاثیریں کچھ بھی ظاہر نہ ہوئیں لیکن تم لوگ ان عملوں کی تاثیروں کے ظہور کا وعدہ بہت دور اور دراز کرتے ہو سو جب تک اس اپنے وعدے کا ایک وقت مقررہ نہ کروگے تو ہم کب ایسے وعدے کو یقین کریں گے مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم لوگ سچے ہو اس واسطے کہ اگر حشر اور جزا اس وعدے کے موافق واقع ہووے تو تم کو سچا جانیں گے اور اگر تمہارے کہنے کے موافق نہ ہوئی تو تمہارا جھوٹ ظاہر ہو جاوے گا سو ان کی اس بات کے جواب میں قُلْ تو کہہ کہ ہم اس وعدے کو معین نہیں کرسکتے اس واسطے کہ اللہ

تعالیٰ نے ہم کو اس کا علم نہیں دیا بلکہ اس وعدے کو مبہم اور پوشیدہ رکھا ہے اور اُس کے مبہم اور پوشیدہ رکھنے میں ایک بڑی حکمت ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس کے پہلے آنیوالی چیزوں پر نگاہ کر کے جو بعد مرنے کے ہر شخص کو پیش آویں گی اس کو نزدیک بیان کرتے اور ہر شخص کو اُس کی موت کا ایک نشان مقرر کر کے بتلا دیتے تو دنیا کا کارخانہ نہ چلتا اور سب کام معطل ہو جاتے اور موت کے خوف سے ہر شخص اپنے ہوش وحواس بجا نہ پاتا اور اگر اس وعدے کی انتہا یعنی خاص قیامت کے دن پر نظر کر کے اُس کے آنے کو دور بیان کرتے تو آدمی بے دہشت اور نڈر ہو جاتے اور بُرے کاموں پر جرأت اور دلیری کرتے اس واسطے کہ انسان کی جبلی اور پیدائشی یہ خصلت ہے کہ اپنے زمانے سے دور والی چیز پر التفات نہیں کرتا اور اس کا ڈر اس کے دل میں اثر نہیں کرتا سو اسی واسطے اس کا علم کسی مخلوق کو عنایت نہیں ہوا بلکہ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ نہیں ہے اس واقعے کا علم مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلکہ ہر شخص کی موت کا علم بھی اُسی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے سوائے اُس کے کوئی نہیں جانتا وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اور نہیں ہوں میں مگر ایک ڈرانیوالا کھول کر یعنی قطعی دلیلوں اور سچے معجزوں سے اُس کے واقع ہونے کو ثابت کرتا ہوں اس کے باوجود ایسی دلیلوں اور ایسے معجزوں کے دیکھنے کے مجھے سچا نہ جانتا بلکہ میری سچائی کو اُس کے وقت کے بیان کرنے پر موقوف رکھنا بڑی نادانی اور حماقت ہے سوائے اس کے اس وقت کا دریافت کرنا اور جاننا کافروں کے حق میں بہت بُرا ہے چنانچہ جب اس وعدے کا وقت آویگا اور کافر بھی اُسوقت زندہ کیے جاویں گے فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً پھر جب دیکھیں گے کہ وہ وعدہ نزدیک آپہنچا سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بدشکل کر دیے جائیں گے چہرے اُن لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا تھا اور سیاہی اور تاریکی اور غبار آلودگی اُن پر چھائیگی وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ اور کہا جائے گا یہ وہ چیز ہے جس کو تم بڑی خواہش سے طلب کرتے تھے اور اگر یہ کافر کہیں کہ یہ واقعہ جس کی تم خبر دیتے ہو اگر جس طرح تم کہتے ہو اسی طرح ہوا تو ہم اور تم سب کے سب اُس دن گرفتار اور ہلاک ہوں گے اور سب کی روحیں قبض ہونگی تو قُلْ اَرَءَيْتُمْ کہہ کیا دیکھا اور فکر کیا تم نے اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ کہ اگر ہلاک کرے مجھ کو اللہ تعالیٰ اور اُن لوگوں کو جو میری ساتھ ہیں موت سے یا پہلی بار کے صور پھونکنے سے یا

ہمارے گناہوں کی شامت سے آخر میں اَوْ رَحِمَنَا یا رحم کرے ہم پر اور اپنی مہربانی سے بعد موت کے راحت نصیب کرے اور پہلی بار کے صور پھونکنے تک زندہ نہ رکھے اور آخرت میں سب تقصیریں ہماری معاف کر دے اور ہمارے گناہوں پر ہم کو نہ پکڑے پھر تم کو اس سے کیا فائدہ تمہارا ڈر ان چیزوں سے جانے کا نہیں تم کو چاہیے کہ اپنے بچاؤ کی فکر کرو اس واسطے کہ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکٰفِرِیْنَ پھر کون ہے جو پناہ دے گا کافروں کو مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ دُکھ والے عذاب سے قُلْ کہہ تو کہ یہ سب باتیں جو میں نے بیان کی ہیں سو فقط تمہارے انکار کرنے کے لحاظ سے نہیں تو مجھ کو اُس کی درگاہ سے نجات اور ثواب کی بڑی امید ہے اسواسطے کہ هُوَ الرَّحْمٰنُ وہ ذات پاک بڑی رحم والی ہے ہرگز اُس کی طرف سے وہ بات جو رحمت کے خلاف ہے ظاہر نہ ہوگی ہاں البتہ اگر ہماری طرف سے کفر اور سرکشی پائی جائے اور اُس کی رحمت کو ہم غضب سے بدل ڈالیں یا اُس کی توحید اور مؤثر حقیقی ہونے کے ہم قائل نہ ہوں اور بتوں کی شفاعت پر یا دوسرے وہمی سببوں پر اعتماد کر کے اُس کی نامرضی باتوں کو بے باک ہو کے کرنے لگیں ہم تو البتہ اُس کے غضب کے سزاوار ہوں گے سو ان چیزوں میں سے ہم میں ایک بھی پائی نہیں جاتی بلکہ اٰمَنَّا بِهٖ ہم تو ایمان لائے ہیں اُس پر وَعَلَیْهِ تَوَکَّلْنَا اور اسی پر اعتماد اور بھروسا کیا ہے ہم نے اور اسبابوں میں سے کسی سبب پر ہم اعتماد نہیں کرتے فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ سو اب قریب ہے کہ جان لوگے کہ کون ہے ظاہر گمراہی میں پھنسا ہوا ہم یا تم اور اگر یہ کافر کہیں کہ گمراہی ظاہر یہی ہے کہ تم مسلمان لوگ اسباب کو بیکار جانتے ہو اور ہم لوگ اسباب کی تاثیر کے قائل ہیں تو قُلْ اَرَءَیْتُمْ کہہ کیا تم فکر کر چکے ہو اور سوچ چکے ہو کہ کوئی سبب آسمانی ہو یا زمین کا وقت پر کچھ کام آتا ہے سو اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا اگر صبح کرے پانی تمہارے چشموں اور کنوؤں اور دریاؤں کا زمین میں دھنسا ہوا یعنے اگر سب پانی زمین میں غائب ہو جائے اور کوئی چیز اُس پانی کو زمین سے کھود کر نکال نہ سکے فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ پھر کون لا دے گا تمکو پانی جاری جو چشمے کے ملنے سے ملتا ہے اور حال یہ ہے کہ پانی ایسی چیز ہے کہ ہر وقت درکار ہے اور جب کوئی سبب عالم اسباب سے خواہ وہ سبب آسمانی ہو یا زمین کا ایسے ضروری کام کے حاصل کرنے میں کام نہ آیا اور بیکار محض ہوا تو پھر کس طرح ہم

اسباب پر اعتماد کریں اور کیونکہ اسباب کے معطل اور بیکار ہونے کے ہم قائل نہ ہوں بعضے لوگوں سے یہ حکایت منقول ہے کہ ایک نادان حکیم نے یہ آیت سنی اور کہا کہ اگر ایسا اتفاق ہووے تو ہم پھاوڑے اور کدالی کے زور سے پانی زمین سے نکال لیویں یہ بات اس کے منہ سے نکلتے ہی نزلے کا پانی کالا اس کی آنکھوں میں اتر آیا اور دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں اور ایک غیب سے آواز آئی کہ پہلے یہ کالا پانی اپنی آنکھ سے دور کر اور بینائی کا سفید پانی اس کی جگہ لے آ پھر زمین سے کنواں یا چشمہ کھود کر پانی نکالنا اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اس اخیر کی آیت کو پڑھے اس کو چاہیئے کہ بعد اس کے یہ کلمہ کہے اَللّٰہُ یَاْتِیْنَا بِہٖ وَ ھُوَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ لادے گا ہم کو پانی اور وہ پرورش کرنے والا ہے تمام عالم کا۔ اب اس سورت کی تفسیر میں کئی سوال جو عربی کے دقیق اور باریک مطلبوں کے دریافت کرنے والے عالموں نے کیے ہیں باقی رہ گئے ان میں سے پہلا سوال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جو کلمہ کہ فرشتوں کی زبان سے نکلا اس کو یوں بیان فرمایا کہ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَذِیْرٌ اور اس کے جواب میں دوزخ والوں نے جو کہا اس کو یوں بیان فرمایا کہ قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ اور اتیان اور مجی دونوں لفظیں آپس میں مرادف ہیں یعنی دونوں کے ایک ہی معنی ہیں پھر فرشتوں کے کلام کو اتیان سے اور دوزخیوں کے کلام کو مجی سے بیان کرنے میں کیا نکتہ ہے جواب اس سوال کا جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں جس کا نام اتقان ہے بیان کیا ہے اور اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظیں اگرچہ اصل معنوں میں متحد ہیں لیکن استعمال میں ان دونوں لفظوں کے فرق ہے اور وہ فرق کئی وجہوں سے ہے سوان آیتوں کی مطابقت ہر ایک وجہ کے ساتھ بیان کرنے کو بڑی تفصیل اور طویل عبارت چاہیے اور عبارت اس تفسیر میں کہ ابتدا سے اس کی بنیاد اختصار پر ہوئی ہے گنجائش نہیں رکھتی لیکن تھوڑا سا مضمون جو اس تفسیر کے لائق ہے اور مطلب سمجھ لینے کو کفایت کرتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اتیان کی لفظ ہر چیز میں مستعمل ہو سکتی ہے وہ چیز محسوس ہو خواہ غیر محسوس حقیقت میں پائی جاتی ہو خواہ فرض کر لیا ہو بخلاف مجی کی لفظ کے کہ اکثر اس کا استعمال ان چیزوں میں ہوتا ہے جو محسوس ہوتی ہیں اور خارج میں پائی جاتی

ہیں اور یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ کی تجلی دنیا میں جو عزت کے پردے میں چھپی ہوئی ہے اتیان کی لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے جیسا کہ فرمایا ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ یعنی کیا منتظر ہیں کہ آوے اُن کے پاس اللہ تعالیٰ پردوں میں بدلیوں کے اور حق تعالیٰ کی تجلی قہری کو جو آخرت میں بے پردہ ہوگی مجی کی لفظ سے بیان فرمایا ہے قال اللہ تعالیٰ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا یعنی اور آیا رب تیرا اور فرشتے صف کی صف باندھے اور اکثر مقدر عذاب کو اتیان کی لفظ سے بیان فرمایا ہے جیسے اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ یعنی آپہنچا حکم اللہ کا پھر اُس کی جلدی مت کرو اور جو عذاب کہ حقیقت میں آیا اور ظاہر ہوا ہے اس کو اکثر مجی کی لفظ سے بیان فرمایا ہے جیسے فَلَمَّا جَآءَ هُمْ اَمْرُنَا وَجَآءَ هُمْ بَاْسُنَا یعنی جب آیا اُن پاس حکم ہمارا یا آیا ان پاس عذاب ہمارا سو ان آیتوں میں ملائکہ کے کلام کو عام لفظ سے ارشاد فرمایا یعنی کیا تم پاس کوئی ڈرانے والا محسوس یا غیر محسوس حقیقت میں یا فرضی نہ آیا تھا اس واسطے کہ اس قدر میں الزام حجت کا ہو جاتا ہے اور مطلب دلیل سے ثابت ہو جاتا ہے اور بےخبری اور ناوانی کا عذر دور ہو جاتا ہے اور دوزخیوں کے کلام کو مجی کی لفظ سے جو نہایت حسرت اور بڑے گناہ اور انتہا درجے کی خطا کے ظہور پر دلالت کرتی ہے بیان فرمایا یعنی ڈرانیوالا ظاہر میں ہم پاس پہنچا تھا لیکن ہم نے اُس کو دیکھ سُن کے نہ مانا اور اس فرق کی تائید کرتا ہے جو سورۂ مریم میں ان دونوں لفظوں کا استعمال آیا ہے اور حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے کلام کو اس سورت میں حکایت کے طور پر نقل فرمایا ہے يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ اے باپ میرے مجھ کو آئی ہے خبر ایک چیز کی جو تجھ کو نہیں آئی اور اسی طرح سورۂ مومنون میں واقع ہوا ہے قال اللہ تعالےٰ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی کیا آئی ہے اُن پاس خبر جو نہیں آئی تھی اُن کے باپ دادوں کے پاس جو پہلے گذر گئے ہیں اور ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جابجا اس طور کے استعمال کو اختیار کرنا لفظ کے سلامت رہنے کے واسطے ہو اس واسطے کہ ہمزہ متحرک ابتداء کلام میں اور ہمزہ ساکن انتہائے کلام میں ثقیل ہوتا ہے چنانچہ جن کے ذہن صحیح اور سلامت ہیں ان پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے اور دوسرا سوال یہ ہے کہ سورۂ انعام میں حق تعالیٰ نے فوقانی عذاب کو تحتانی

عذاب پر مقدم کیا ہے اور فرمایا کہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ یعنی وہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے یعنی آسمان سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یعنی زمین سے اور اس سورت میں تحتانی عذاب کو فوقانی عذاب پر مقدم کیا ہے اور فرمایا ہے ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ اور پھر اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا سو ان دونوں سورتوں میں اس تقدیم اور تاخیر میں فرق ہونے کی کیا وجہ ہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سورۂ انعام میں اس آیت کے پہلے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً یعنی وہ اللہ غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر اپنے نگاہبان سو اس آیت کے مضمون کی رعایت سے فوقانی عذاب کا مقدم لانا وہاں مناسب ہوا اور اس سورۃ میں اس آیت کے پہلے حق تعالیٰ فرمایا ہے کہ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اور اس آیت کے مضمون کی رعایت سے تحتانی عذاب جو زمین سے علاقہ رکھتا ہے اس کا مقدم لانا بہت مناسب ہوا اور تیسرا سوال یہ ہے کہ صَآفَّاتٍ وَّيَقْبِضْنَ یہ دونوں لفظیں ترکیب میں طیر کی لفظ سے حال پڑی ہیں پھر ایک حال کو اسم فاعل کے صیغے سے مفرد لانا اور دوسرے حال کو مضارع کے صیغے سے جملۂ فعلیہ لانے کی کیا وجہ ہے کہ يَصْفُفْنَ وَيَقْبِضْنَ کیوں نہ ارشاد ہوا یا صَآفَّاتٍ وَّقَابِضَاتٍ کیوں نہ فرمایا تاکہ دونوں میں مطابقت پائی جاتی اس فرق کی کیا وجہ ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ہوا میں اڑنا پانی میں تیرنے کے مشابہ ہے اور ان دونوں کاموں میں ہاتھ پیر اور بازو کا کھولنا ہوتا ہے تاکہ چیرنا اور جدا کرنا پانی اور ہوا کا آسان ہو جاوے اور اس حالت میں سمیٹ لینا ہاتھ پیر یا بازو کا ضرورت کے واسطے ہوتا جاتا ہے تاکہ طبیعت کو ہر وقت آرام حاصل ہوتا رہے اور نئی قوت پیدا ہوتی جاوے جس طرح لومڑی یا بلی یا دوسرے جانور جست کرنے اور کودنے کے وقت سمٹ جاتے ہیں اور اسم فاعل کا صیغہ ہمیشگی اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ مضارع کے صیغے سے تجدد اور حدوث پر تو گویا اس طرح ارشاد ہوا کہ چڑیاں ہوا میں صف باندھے اڑا کرتی ہیں اور پر اپنے کھولے رہتی ہیں اور کبھی کبھی پر سکیڑ بھی لیتی ہیں تاکہ پر کھولنے

اور اڑنے کی اور زیادہ قوت حاصل ہووے جیسے پانی کے تیرنے والے کہ اُن کا بھی یہی حال رہتا ہے سو یہ فرق بغیر دونوں حال کے صیغے متغیر کیے ہوئے بوجھا نجاتا۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ قبر کے عذاب سے نجات حاصل ہونے کے واسطے اس سورۃ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قبر کا عذاب اکثر بداعتقادی کے سبب سے ہوتا ہے خصوصاً قبر کے سوال اور اپنے بد عملوں کی پرسش سے غافل ہونا اور دن رات نفس کی خواہش میں پھنسے رہنا اور نجاستوں سے اپنے کو نہ بچانا کہ یہ چیزیں قبر کے عذاب کی سبب پڑتی ہیں اور جو شخص کہ اس سورت کو معنی سمجھ کر پڑھتا ہے اس کو پورا یقین ہوتا ہے کہ موت کے بعد جو دنیا میں کیا ہے اُس کا حساب ہونا ہے اس واسطے کہ حق تعالیٰ کا قول خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اسی بات پر دلالت کرتا ہے اور اس بات کا بھی اُس کو یقین ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ سینے کے بھیتر کے بھید اور دل کے پوشیدہ خیالات سے واقف ہے کچھ اس پر چھپا نہیں ہے اس واسطے کہ اس آیت سے وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ یہی بات بوجھی جاتی ہے سو جس شخص کو ان چیزوں کا یقین ہو جاتا ہے تو البتہ اُس کے جوہر نفس پر بُرے خیالوں کی تاثیر کم ہوتی ہے اور بالکل اُس کو خراب نہیں کر سکتی اور یہ بھی ہے کہ قبر میں جاتے ہی پہلا صدمہ جو آدمی کو پہنچتا ہے وہ ضغطۂ قبر کا ہے اور اُس کا دبانا یعنے مُردے کے قبر میں پہنچتے ہی زمین میں حرکت پیدا ہوتی ہے جیسے دریا میں موج اور اُس حرکت اور موج کے تھپیڑوں سے مُردے کا حال تباہ ہو جاتا ہے سو جب اس آیت کا مضمون یعنی ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ آدمی کے خیال میں رہتا ہے اور تلاوت اُس کی کیا کرتا ہے تو یہ خوف ہمیشہ اُس کے سامنے رہتا ہے اور حق تعالیٰ کے قول کے بموجب جو دوسری جگہ فرمایا ہے اور اُس کے سچے وعدے کے بموجب کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ یعنی تحقیق جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ان کو بخشش ہے اور ثواب بڑا وہ شخص مستحق بخشش اور معافی کا ہوتا ہے اور آخر سورت کی آیت یعنی اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ اور درمیان کی آیت یعنی اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یہ دونوں آیتیں اس مضمون سے خوب مناسبت رکھتی ہیں چنانچہ یہ بات تامل اور فکر کرنے سے پوشیدہ نہ رہے گی اور آیت هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا بھی قبر کی راحت پر دلالت کرتی ہے بعضے معنوں سے اور اس سورۃ میں عذاب قبر کے دفع ہونے کے مقدمے میں دوسرے بھید بھی ہیں سو وے توضیح اور تشریح پر موقوف ہیں اس مختصر میں اُس کا بیان گنجائش نہیں رکھتا لیکن اتنا بطور اشارے کے کہا جاتا ہے کہ تبارک کی لفظ میں تامل اور غور کرنا چاہیے کہ اس میں ہمیشگی کی خیر کا اور انعام اور احسان کا معاملہ بعد موت کے بھی جاری رکھنے کا اشارہ بوجھا جاتا ہے اور آسمان کا ستاروں کی قندیلوں سے روشن کرنا اور اس کی روشنی کے سبب گرد و نواح آسمان سے شیطانوں کو ہانکنا صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آسمانی کیفیتیں اور اُس کے احوال قبر کی تاریکی کو روشن کر دیں گے اور شیطانوں کی شرارت سے بچالیں گے اور اس تشویش کو دور کریں گے بلکہ اگر ان معنوں میں خوب غور اور تامل کیا جاوے تو بخوبی ظاہر ہو جاوے کہ قبر کے داخل ہونے کے بعد زمین کا اوپر کا طبقہ قبر والے کے حق میں دنیا کے آسمان کا حکم پیدا کرے گا اس واسطے کہ وہ طبقہ ہدایت کے چراغوں سے روشن اور آراستہ ہو رہا ہے اور وہ چراغ انبیا اور اولیا کی نورانی روحیں ہیں جن کی روشنی کی چمک سے زمین منور ہو رہی ہے اور شیطانوں کے دفع کے واسطے نیچے کے آدمیوں سے مدد پہنچاتے ہیں۔

سُوۡرَۂ نُوۡن

اس میں باون آیتیں اور تین سو چھ کلمے اور ایک ہزار دو سو پچانوے حرف ہیں اور پہلی آیتیں اس سورت کی بلاشبہ مکی ہیں لیکن بعض آیتوں میں اختلاف ہے کہ مکی ہیں یا مدنی اور صحیح شمار میں اس کی آیتیں پچاس ہیں بلا خلاف اور باون ہونے میں اختلاف ہے اور اس سورت کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلعت نبوت سے سرفراز ہوئے اور آپ پر وحی آنا شروع ہوئی اور وضو اور نماز کا طور آپ کو غیب سے سکھلایا گیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حق کا ظاہر کرنا شروع کیا اُسوقت حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکر اور حضرت علی اور حضرت زید آپ کے متبنّٰی جس کو ہندی میں پالک کہتے ہیں اور حضرت ام ایمن آپ کی خادمہ رضی اللہ عنہم یہ سب ایمان لائے اور نماز پڑھنا آپ کے اہل بیت میں رائج ہوا اور یہ باتیں نئی نئی جو مکے والوں نے کبھی نہ دیکھی تھیں ہر مکان اور ہر مجلس میں نقل ہونے لگیں اور اس بات کا چرچہ پھیلا بعضے بے ادب کافروں نے کہنا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانہ ہو گیا ہے اور تمام اپنے گھر والوں کو بھی دیوانہ کر ڈالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کے سننے سے نہایت رنج اور ملال ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاطر مبارک کی تسلی کے واسطے یہ سورت نازل فرمائی اور دو مرتبہ قسم یاد فرما کے ارشاد کیا کہ تو ہرگز دیوانہ نہیں ہے بلکہ تیری عقل تمام مخلوقات کی عقل پر ترجیح رکھتی ہے کسی کی عقل تمہاری عقل کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچتی اور اس سورت کے ربط کی وجہ سورۂ ملک سے یہ ہے کہ سورۂ ملک میں اُس شہنشاہ حقیقی کے اکثر کارخانوں کا ذکر جو سلطنت سے تعلق رکھتے ہیں بیان فرمایا ہے چنانچہ اوّل[۱] خیرات کی کثرت دوسرے[۲] قادر ہونا سب چیز پر یہاں تک کہ مارنے اور جلانے پر بھی تیسرے[۳] ہر شخص کے کاموں سے خبردار ہونا یہاں تک کہ پوشیدہ بات سے بھی سو چھپی ہوئی دل کی بات بھی اُس درگاہ میں پوشیدہ نہیں ہے چوتھے[۴] غالب ہونا سب پر پانچویں[۵] بخشنا اور معاف کرنا باوجود قدرت کے چھٹے[۶] بڑے بڑے مکان عالیشان اپنے خادموں کے واسطے تیار کر دینا ساتویں[۷] رعایا میں تفاوت اور جانبداری نہ کرنا آٹھویں[۸] اپنے ممالک محروسہ کے ملکوں کو زیب اور زینت

ف خاصنہ یعنی دائی ۱۲

سے آباد اور معمور رکھنا نویں دشمنوں کے ذلیل اور خوار کرنے کے اسباب تیار رکھنا دسویں فرمانبرداروں کے واسطے بخشش اور انعام کے اسباب موجود رکھنا گیارھویں امن اور چین کا ہونا یعنے ایسا انتظام ملک میں کرنا کہ سب رعایا امن اور چین سے رہیں بارھویں سب چیزوں کا نرخ سستا رکھنا تیرھویں اپنے مخالفوں کو کمزور کر رکھنا تاکہ دشمنوں کی حمایت نہ کر سکیں اور اس درگاہ کے محرموں کو رزق نہ پہنچا سکیں سو یہ سب کارخانے عمدہ ہیں کہ اُن کے جمع ہونے سے سلطنت رونق اور توت پکڑتی ہے باقی رہا یہاں پر بیان ایک بڑے کارخانے کا کہ یہ سب کارخانے اُسی سے تعلق رکھتے ہیں سو اُس کارخانے کا ذکر اس سورت میں نہ ہوا اس واسطے تتمہ کے طور پر اس سورت میں اُس کو بیان فرمایا سو وہ کارخانہ دفتر والوں اور متصدیوں اور اہل قلم کا ہے پس یہ سورت گویا مملکت کے خطی وجود کا بیان ہے سب کارخانوں کے ساتھ اور خطی وجود خارجی وجود کا ظل ہے اور ان دونوں کے درمیان میں حکایت اور محکی عنہ کا علاقہ ثابت ہے سو اس واسطے کہ ظل کا مرتبہ اصل کے مرتبے سے متاخر ہے اس کارخانے کو اس سورت میں یعنی سورۂ نون میں جو سورۂ ملک کے پیچھے ہے بیان فرمایا تاکہ اس بیان میں ظل اور اصل کے مرتبوں کے تفاوت کی طرف بھی اشارہ ہو یعنی ظل کا مرتبہ اصل کے بعد ہے اسی واسطے اہل قلم کے کارخانے کو دوسرے کارخانوں کے بیان کے ساتھ پہلی سورت میں بیان نہ فرمایا اور سوائے اُس کے ان دونوں سورتوں کے مضمون میں بھی جابجا مناسبت ثابت ہے چنانچہ پہلی سورت میں فرمایا ہے لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا اور اس سورت میں فرمایا إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ اور اس سورت میں کافروں کا عذاب دوزخ میں اور اُس کے موکلوں کی جھڑکی حکومت اور بادشاہت کے طور پر مذکور ہے اور اس سورت میں وے سب مضمون متصدی گری کے طور پر بیان فرمائے ہیں جیسے أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ یعنی کیا کریں گے ہم مسلمانوں کو مثل گنہگاروں کے کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو کیا تم نے ہم سے قسمیں لیں ہیں پوری پہنچتی پس یہ مضمون صریح سوال میں لکھا پڑھی اور قول و قرار کے دستاویز طلب کرنے سے اور یہ طور دفتر کے متصدی گری کے قاعدے سے تعلق رکھتا ہے اس واسطے کہ جب کسی گاؤں کے زمین دار یا کھیتی والے اپنے معمول کے خلاف کرتے ہیں اور حاکم کے تنخواہ داروں

کو واجبی حق نہیں دیتے تب وہ گانوں اُن کے قبضے سے نکال کر سرکار میں ضبط کرتے ہیں اور بالکل اُن کے مال کو قرق کرتے ہیں اور اس سورت میں بھی اسی قسم کے قصّے عبرت اور ڈر کے خوف دلانے کے واسطے سلطنت اور حکومت کے طور پر بیان فرماتے ہیں جیسے هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا اور ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ اور اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا یعنے وہ رب ایسا ہے جسنے کر دیا تمہارے واسطے زمین کو پست اور کیا نڈر ہو گئے تم اس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنسا وے تم کو زمین میں اور کیا نڈر ہو گئے تم اُس سے جو آسمان میں ہے کہ ڈالے تم پر پتھر اور اس سورت میں ایک دریا کی مچھلی کا مذکور ہے جو سب مخلوقات کے طبقوں کے نیچے تہ نشین ہے اور حکم الٰہی کی ایسی فرمانبردار ہے کہ ایک پیغمبر جلیل القدر کو اپنے پیٹ کے قید خانے میں لے کر احتیاط سے رکھا کہ اُن کے بدن پر کچھ آسیب نہ پہنچا اور اس سورت میں بھی پرند جانوروں کا مذکور ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم سے ہوا میں ٹھہرے ہوئے ہیں یہ سب گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مُرغ سے ماہی تک ہمارے تابعدار اور فرمانبردار اور عاجز اور سرنگوں ہیں اور اسی پر قیاس کر کے اگر آدمی غور کرے تو مناسبت کی وجہیں ان دونوں سورتوں میں بہت پائی جاتی ہیں اور اس سورت کا نام سورۂ نون رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ نون کے عدد جمل کے حساب سے پچاس ہیں اور اس سورت کی آیتیں جن پر اتفاق ہے وے بھی پچاس ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ بھی پچاس برس کامل ہوا اس طور سے کہ بعد نبی ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تینتیس برس زندہ رہے اور مسند نبوت آپ کی ذات پاک سے مزین رہی پھر بعد آپ کے ستائیس برس تک خلفاء راشدین اُسی قانون اور آئین پر اس طور سے عمل کرتے رہے کہ ایک بال کی برابر بھی شریعت کے احکام میں تفاوت نے راہ نپائی اور سب فرمانبردار اور تابعدار رہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ستائیسویں سال میں وقت کے خلیفہ کو حکومت سے باز رکھنے کے سبب سے فتنہ برپا ہوا اور نافرمانی شروع ہوئی اور وقت کے خلیفہ کو معزول سمجھا اس سبب سے گویا نبوت کا دورہ منقطع ہوا اور زمانہ سلطنت اور بادشاہت کا قریب آپہنچا کہ پیغمبر کے خلیفہ کی تابعداری میں قصور ہوا اور اُس کا حکم جاری نہ ہوا اگرچہ خلیفہ برحق کے موجود ہونے کے

سبب سے اصل خلافت کا نام تیس برس تک باقی رہا لیکن جب پیغمبر کے خلیفہ کا حکم جاری نہ ہوا تو گویا نبی کا حکم جاری نہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا نشان ہی مٹ گیا اسواسطے کہ نبوت کا حکم اسوقت اُسی خلیفہ کی ذات میں منحصر تھا اور یہ بھی ہے کہ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت اور دیوانگی کی نفی آپ کی ذات ستودہ صفات سے بہت واضح کرکے بیان فرمائی ہے اور حرف نون نبوت کی لفظ کا پہلا حرف ہے اور یہ بھی ہے کہ جتنے عمدہ مطلب اس سورت میں بیان ہیں اُن میں نون کے حرف کو بڑا دخل ہے اس واسطے کہ اوّل اس صورت میں اپنی نعمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان فرماکے دیوانگی کی نفی کی ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور آپ کے دشمنوں کو مفتون فرمایا یعنے راہ سے بچلے ہوئے پھر دین کی بات میں کافروں سے سستی کرنے کو منع فرمایا علی الخصوص اس کافر سے جس کے دل میں اللہ جل شانہٗ کی اہانت بس گئی ہے اور چغل خوری اور نیک چیز سے ہر شخص کو روکنا اُس کی عادت ہوگئی ہے اور باوجود ان سب باتوں کے وہ ولدالزنا بھی ہے اور اپنے مال اور اولاد کی زیادتی پر مغرور بھی ہے پھر اُس کے بعد اُن باغ والوں کا قِصّہ بیان فرمایا جو اپنی نیت کے بدلنے سے اور مسکینوں کو حق نہ دینے سے اور انشاءاللہ تعالیٰ کے نہ کہنے کے سبب سے خرابی میں پڑے اور رات کو وے سوتے ہی رہے اور باغ جل گیا اور پچھلی رات کو خوشی خوشی اُٹھ کر باغ کو گئے تاکہ کسی مسکین کو خبر نہ ہو اور وہاں جاکر دیکھا تو باغ سب جلا ہُوا پایا پھر اپنے تئیں آپ ندامت کرنے لگے پھر اُس کے بعد کافروں سے سند طلب کرنے کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی سند اُن کے پاس ہے جس سے کہتے ہیں کہ جیسا ہم چاہیں گے ویسا ہی اللہ تعالیٰ ہم کو دیگا یا اللہ تعالیٰ نے ان سے قسم کھائی ہے کہ جو تم چاہو گے وہی ملے گا پھر اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ میرا داؤ بڑا زبردست ہے کہ کوئی اُس سے بچ نہیں سکتا پھر اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ اس طور سے مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کو پکارا اور اُس قادر علی الاطلاق نے اُن کی فریادرسی کی دُعا کے سبب سے اُن کو اس بلا سے نجات دی اور اُس حرف نون کی تفسیر میں جو اس سورت کے اوّل میں واقع ہے اور اس سورت کا نام بھی وہی ہے مفسروں نے بہت سا اختلاف کیا ہے

ف یہاں بیان ہے اس حرف نون کا جو اس سورت کے اول میں آیا ہے ۱۲

حضرت عبداللہ ابن عباس اور قتادہ اور سدی اور مقاتل اور کلبی رضی اللہ عنہم سے اور اُن کے سوائے دوسروں سے بھی ایسا نقل کیا گیا ہے کہ اس نون سے مراد وہ مچھلی ہے جس کی پیٹھ پر ساری زمین ہے اور اس کا نام بہموت یا لیوثا یا بلھوت یا لوتیا ہے اور ان بزرگوں سے ایسی روایت آئی ہے کہ حق تعالیٰ نے جب آسمان اور زمین کو پیدا کیا تو اس وقت اپنے عرش معلّٰی کے نیچے سے ایک فرشتے کو حکم فرمایا کہ ساتوں تہ زمین کے نیچے جاکر ساری زمین کو اپنے کندھے پہ رکھے سو اس فرشتے نے آکر سب زمین کو اپنے اوپر اٹھا لیا دونوں ہاتھ اُس کے کُھلے ہیں ایک مغرب میں ہے اور دوسرا ہاتھ مشرق میں پھر اس فرشتے کو دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ نہ تھی تب حق تعالیٰ نے جنۃ الفردوس سے ایک بیل کو بھیجا جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اور چالیس ہزار پاؤں اُس بیل کے کوہان پر اُس فرشتے نے دونوں پاؤں اپنے رکھے لیکن اُس کے پاؤں ٹھہرتے نہ تھے تب فرشتوں کو حکم ہوا تو ایک ٹکڑا زمرد سبز کا جنۃ الفردوس سے لاکر اُس بیل کے کوہان سے کان تک رکھ دیا پھر اس فرشتے کے پاؤں اُس پتھر پر ٹھہر گئے اور اس بیل کے سینگ زمین کے چاروں طرف سے نکل آئے ہیں اور دونوں نتھنے اس بیل کے کھارے دریا کے اندر ہیں جس وقت وہ بیل دم باہر نکالتا ہے تو دریا میں مد ہوتا ہے جس کو بنگالے میں جوار اور بمبئی میں بھرتی کہتے ہیں اور اس وقت دریا میں کف یعنے پھیں بہت نکلتا ہے اور جس وقت وہ بیل دم بھیتر کو کھینچتا ہے تو اس وقت دریا میں جذر ہوتا ہے جس کو بنگالے میں بھاٹا اور بمبئی میں اوٹ کہتے ہیں پھر اس بیل کے پاؤں کے ٹھہرنے کے واسطے حق تعالےٰ نے ایک پتھر پیدا کیا جس کا موٹاپا ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے برابر ہے اس پتھر پر وہ بیل کھڑا ہے اور یہ وہی پتھر ہے جس کو حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی نصیحت میں سوائے آسمان اور زمین کے ذکر کیا ہے چنانچہ بطور حکایت کے حق تعالیٰ فرماتا ہے یَا بُنَیَّ اِنَّھَا اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَۃٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَأْتِ بِھَا اللّٰہُ یعنی اے بیٹے میرے اگر کوئی چیز ہوگی برابر رائی کے دانے کے پھر وہ پتھر میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں لاوے گا اُس کو اللہ تعالیٰ اور اس پتھر کے ٹھہراؤ کے واسطے ایک بڑی مچھلی حق تعالیٰ نے پیدا کی ہے سو یہ پتھر اُس کی پیٹھ پر دھرا ہے اور باقی بدن اس

مچھلی کا خالی ہے اور وہ مچھلی دریا پر ہے اور دریا ہوا پر اور ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تھمی ہوئی ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جاوے کہ اُس عالم کی بنیاد برباد ہے اور حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ابلیس لعین تحت الثریٰ کو پہنچکر اس مچھلی تک پہنچا اور اُس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ کس واسطے اتنا بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے رنج میں گرفتار ہے ذرا اپنے بدن کو جنبش دے کہ تمام آسمان اور زمین اور پہاڑ تیری پیٹھ پر سے گر پڑیں اور تو اس بوجھ سے خلاصی پاوے اس مچھلی نے چاہا کہ حرکت کرے بمجرد اس قصد کے حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک جانور کو بھیجا وہ جانور اُس مچھلی کی ناک سے پیٹھ کر دماغ کو پہنچا مچھلی کی حالت تباہ ہوئی اور بیقرار ہو کر جناب باری میں اس کی شکایت کی حق تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ یہ سزا اُس شیطانی وسوسہ کی ہے جس کو تو نے قبول کیا تھا پھر اُس جانور کو حکم ہوا کہ اُس مچھلی کے کان کی راہ سے نکل کر اُس کے مُنہ کے سامنے حاضر رہ تاکہ اگر دوسری مرتبہ پھر وہ مچھلی ایسا ارادہ کرے تو پھر تو اُسکے دماغ میں گھس جانا اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ اس نون سے مراد وہ مچھلی ہے جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نگل لیا تھا اور تیس روز یا چالیس روز اپنے پیٹ میں رکھا تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد وہ مچھلی ہے کہ جس کے خون میں نمرود مردود کا تیر ڈوب کر آیا تھا اسواسطے کہ یہ دونوں مچھلیاں اپنی جنس میں ایسی بزرگی رکھتی ہیں جو اور مچھلیوں میں نہیں پائی جاتی ایک مچھلی ایسے پیغمبر جلیل القدر کے قید کرنے پر مسلط ہوئی تھی اور اتنی ادب کی رعایت کی کہ پیغمبر کے بدن پر کسی طرح کی ایذا اور تکلیف نہ پہنچی اور اس دوسری مچھلی نے آپ کو اللہ تعالےٰ کے واسطے فدا کیا اور اپنی جان کو اس پاک پروردگار کے دشمن کے تیر کے مقابلہ میں نشانہ بنایا جس طرح کوئی شخص لڑائی میں اپنے تئیں سردار کے سامنے کرکے دشمن کو اور گولی کا نشانہ بن جاوے اور سردار پر کسی طرح کا آسیب نہ آنے دے تو وہ شخص تمام فوج میں ممتاز ہوتا ہے اور سردار کے نزدیک سرفراز اور ضحاک اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نون سے مراد دوات ہے چنانچہ ایک شاعر قدیم نے کہا ہے کہ اِذَا مَا الشَّوْقُ بَرَّحَ بِیْ اِلَیْھِمْ + اَلْفَتُ النُّوْنَ بِالدَّمْعِ السُّجُوْمِ یعنی جس وقت کہ غلبہ کرتا ہے اشتیاق اُن کا مجھ پر الفت دیتا ہوں میں دوات کو آنسو بہنے والے کے ساتھ یعنی بھر دیتا ہوں میں دوات کو اور یہ تفسیر قلم کی لفظ کے

ساتھ بہت مناسبت رکھتی ہے اور تائید دینے والی اس تفسیر کی ایک حدیث مرفوع ہے یعنی اَوَّلُ شَیْءٍ خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ ثُمَّ خَلَقَ النُّوْنَ یعنی الدَّوَاۃ ثُمَّ قَالَ اُکْتُبْ مَا ھُوَ کَائِنٌ مِنْ عَمَلٍ اَوْ اَثَرٍ اَوْ رِزْقٍ اَوْ اَجَلٍ فَکَتَبَ مَا کَانَ وَمَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ خُتِمَ عَلَی الْقَلَمِ یعنی فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ قلم ہے پھر پیدا کیا نون کو یعنی دوات کو پھر حکم ہوا قلم کو کہ لکھ جو چیز ہونے والی ہے عمل اور نشان اور رزق اور اجل سے پھر لکھا قلم نے جو چیز تھی اور جو ہونیوالی ہے قیامت تک پھر مہر کردی گئی قلم پر اور معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت آئی ہے کہ اَلنُّوْنُ لَوْحٌ مِّنْ نُّوْرٍ یَکْتُبُ فِیْہِ الْمَلٰئِکَۃُ مَا یُؤْمَرُوْنَ بِہٖ یعنی نون ایک تختہ ہے نور کا لکھتے ہیں اس میں فرشتے جو ان کو حکم ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ نون ایک نہر کا نام ہے لیکن ان تفسیروں پر ایک اعتراض جو علم نحو سے علاقہ رکھتا ہے وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام قاریوں کے نزدیک اس حرف پر وقف لازم ہے اور جب یہ تفسیر ہوئی تو وقف نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ نون کا لفظ اگر اسم جنس ہے تو جر اور تنوین اس کا حرف قسم اور لام کی تقدیر سے ہوتا اور علم منصرف ہوتا تو جر اور تنوین اس پر آتا اور اگر غیر منصرف ہوتا تو حرف قسم کی تقدیر اس کے فتحے کے واسطے ضرور ہوتی اور جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ اس لفظ کا ذکر اس مقام پر کنایہ ہے قسم سے صریح قسم نہیں ہے اور حرف قسم کی تقدیر اور اس کا عمل دینا اس لفظ میں صریح قسم کو لازم ہے کنایہ کو لازم نہیں اور عطا اور بعضے دوسرے مفسروں سے منقول ہے کہ یہ نون اشارہ ہے حق تعالیٰ کے ناموں سے دو ناموں کے پہلے حرف کی طرف یعنی نور اور ناصر اور محمد بن کعب قرظی نے کہا ہے کہ نون اشارہ ہے مومنین کی نصرت کی طرف اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس نون سے یہی دریا کی مچھلی مراد ہے اور اس کو عارفوں اور کاملوں سے بہت مناسبت ہے اس واسطے کہ تمام عمر پانی میں رہتی ہے اور کبھی اس کا جی پانی سے نہیں بھرتا اور اس کو پانی سے سیری حاصل نہیں ہوتی اور اگر ایک دم بھر پانی سے علیحدہ ہوتی ہے تو بیقراری سے اپنی جان دیتی ہے اسی طرح عارف لوگ عمر بھر حقیقت کے دریا میں غواصی کرتے ہیں اور غوطے لگاتے ہیں لیکن سیر فی اللہ کے مرتبوں سے کبھی سیر نہیں ہوتے اور اگر کبھی ایک لمحہ اس کی یاد سے دور ہوئے تو وہی سبب ہلاکی کا ہوتا ہے

اور کیا اچھی بات کہی ہے مولانا روم علیہ الرحمۃ نے ؎ ہر کہ جز ماہی ز آبش سیر شد + وانکہ بے روزیست روزش دیر شد + یعنی عشق حقیقی ایک دریا ہے جس کی انتہا نہیں ہے سو جو عاشق کامل کہ اس دریا کی مچھلی بنا اُس کو چاہیے کہ سیری سے ہاتھ دھووے اور ہمیشہ پیاسا رہے اور اسی حالت میں مرے اور جو متوسط حال ہے وہ اپنی پیاس کو بجھاوے اور کمال سے باز رہے اور جو شخص بے نزیعنی بے عشق کی لذت کے زندگانی کرتا ہے اُس کو غم اور اندوہ میں گزرتا ہے اور رنج کے دن دیر میں کٹتے ہیں سو حرف نون کا لانا شروع میں اس سورت کے سب مطلب سے پہلے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم جو نہایت اشتیاق ہماری طرف رکھتے ہو اور ہر دم اور ہر لحظہ وہی بات کرتے ہو جس میں ہمارا ذکر ہو اور ہر کام میں یعنی اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے اور بات چیت میں ہمارا ہی دھیان رکھتے ہو اور نادانوں کی عادت کے خلاف کرکے ہمارے واسطے اپنے تئیں ہنساتے ہو اور بے ہمارے شغل اور بے ہماری یاد کے تم رہ نہیں سکتے سو اسواسطے یہ کافر تمہارے تئیں مجنون اور دیوانہ کہتے ہیں چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے اُذْکُرُوا اللّٰہَ حَتّٰی یُقَالَ مَجْنُوْنٌ یعنی یاد کرو اللہ تعالیٰ کو یہاں تک کہ لوگ تم کو مجنون کہنے لگیں اور یہ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ مچھلی کو دریا سے بھی یہی مناسبت ہے کہ ایک دم بے پانی نہیں رہ سکتی پھر اگر تم کو بھی اپنے محبوب سے یہی حالت بہم پہنچی ہو کہ بے یاد اُس کی ایک دم قرار نہ ہو تو کچھ جگہ تعجب کی نہیں اس حالت کو جنون اور دیوانہ پن کہنا ان کی نادانی ہے اور حضرات صوفیہ قدس اللہ اسرارہم نے بھی فرمایا ہے کہ نون سے مراد نفس کلیہ ہے جس کو لوح محفوظ اور وحی کا مبداء کہتے ہیں اور قلم سے مراد قلم اعلیٰ ہے یعنی عقل اوّل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مبداء ہے لوح محفوظ میں اور بعضے صوفیہ نے فرمایا ہے کہ نون سے مراد النفس رحمانی ہے جو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا مبداء ہے اور قلم سے مراد قلم اعلیٰ ہے جو اس روحانیت کے وجود کا مبداء ہے اور بعضوں نے نون سے ولایت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو مراد لیا ہے کہ ظہور اُس کا قیامت تک باقی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ۤن ۵ یعنی تیری نبوت بیشک اور بے شبہہ ثابت ہے اور تیرا نور تمام عالم میں پھیلے گا اور تیری ہی ۶

فتح ہوگی اور پچاس برس تک تمام نفع روز بروز ترقی اور زیادتی میں رہے گا اس جگہ پر جاننا چاہیے
کہ نون کا حرف اُن حرفوں میں سے ہے جو اپنی شکل کے اعتبار سے اصل ہیں دوسرے حرفوں کی شکل[مقه]
ان ہی حرفوں کی شکل سے نکلی ہے جیسے الف ایک کھڑے خط کا نام ہے اور جب اس کے ساتھ تین
نقطے نیچے کی طرف ملا دیے اس طور سے (ٮ) تو لام ہوگیا اور یہ ایک خط ہے مسطح یعنی بچھا ہوا کہ تے اور
ثے اور فے نے ایک یا دو نقطوں کی زیادتی کے سبب سے اس سے علیحدہ ہو کے دوسرا نام پیدا
کیا ہے اور نون بھی ایک خط ہے ٹیڑھا کمان کے طور پر کہ ص اور ض اور س اور شین اور قاف اسی
کی تشاخیں ہیں اور تھوڑے ٹیڑھے خط کے ملنے سے یا ایک دو نقطے کے بڑھانے سے دوسرا نام
اور دوسری شکل ہو جاتی ہے سو اس نون کے حرف کو نبوت سے بہت مناسبت ہے اور
وے حروف جو اس سے نکلتے ہیں وے اشارہ اور علامت ہیں اُن چیزوں کی جو نبوت کے لوازمات
میں سے ہیں جیسے قاف کہ اشارہ ہے قربت بندوں کی حق تعالیٰ کی جناب سے اور صاد اشارہ ہے
اُن کی دنیا اور آخرت کی صلاحیت کی طرف اور سین سے اشارہ ہے سیاست الٰہیہ کی طرف خلافت
کے طور پر اور شین اشارہ ہے اچھے اور بُرے عملوں کی شہادت پر اور ضاد اشارہ ہے جھوٹی اور بُری
باتوں کی ضد پر سو یہ سب حرف اسی نون کے ظہور اور علامات سے ہیں اور یہ بھی ہے کہ نون کا
حرف اُن تین حرفوں میں سے ہے جن کو دوائر کہتے ہیں یعنی جب ان حرفوں کا نام لیا جائے تو آخر
میں وہی حرف خود آوے جیسے واو اور میم لیکن واو کے شروع میں زبر ہے اور میم کے شروع میں زیر
اور نون کے شروع میں پیش ہے اور مدے کے حرف یعنی الف اور یے اور واو ان تینوں
حرفوں کے درمیان میں اسی ترتیب سے آئے ہیں سو یہ تینوں حرف ایسی چیز پر دلالت کرتے ہیں
جس کی ابتدا انتہا کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور ابتدا اور انتہا کے جو درمیان میں ہے وہ نیست اور
نابود کا حکم رکھتی ہو اسواسطے کہ مدے کے حرفوں کا گویا وجود نہیں ہے نقط حرکت کے ظاہر
کرنے کو آتے ہیں اس کے سوائے اور کچھ فائدہ نہیں لیکن واو ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جو کھلی
اور کشادہ ہو اور میم ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جو مرتبے میں کم ہو اور بلندی سے پستی کی طرف آوے
اور نون ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جو بلند اور اونچی ہو اور حروف تہجی میں کوئی حرف ایسا نہیں
ہے کہ اُس کا اول مضموم ہو یعنی شروع میں پیش ہو سوائے نون کے تو اس حرف کو بڑی مناسبت

مقه جیسے الف اور بے اسواسطے شکل کے اعتبار سے یہ حروف اور حرفوں کی شکل کی اصل ہیں ۱۲

نبوت کے مرتبے کے ساتھ پیدا ہوئی کہ سلوک الٰہی کے طریق کا مبدا بھی یہی حرف ہے اور منتہا بھی یہی ہے اور سب ولایتیں اسی مرتبے سے شروع ہوئی ہیں اور اسی مرتبے پر رجوع بھی کیا ہے بلکہ ابتدا ہدایت مطلق کی بغیر کسی قید کے انبیاء کی ذات سے ہے اور انتہا ہدایت کی یعنی جنت میں اپنے اپنے مرتبوں کے لائق مکانوں میں پہنچنا بھی انبیا کے وسیلے سے ہوگا اور یہ نون ایسا حرف ہے کہ عرب کی لغت میں ہر متمکن اسم کے ساتھ ملتا ہے اور جب تک یہ اس کو نہ ملے تب تک اس کے اعراب تمام نہیں ہوتے اور یہی حال ہے نبی کا کہ بنی آدم کے فرقے میں بادشاہ اور ولی اور حکیم سے لیکر دھنیے جولاہے بھنگی تک کوئی ہو جب تک کسی ایک نبی کی طرف انبیاؤں سے رجوع نہ کرے گا تب تک اس کا دین دنیا کا کام بن نہ پڑے گا اور کسی طرح کا کمال تمام نہ ہوگا اور عرب کی لغت میں اس حرف نون کے عجیب اور غریب خواص ہیں فعل کے آخر میں تاکید کے واسطے آتا ہے اور حرف کے آخر میں ترنم اور آواز کی تحسین بڑھانے کے واسطے آتا ہے اور اسم کے آخر میں اعراب کے ظاہر کرنے کے واسطے جیسے انبیا کہ ان کی نبوت کے سبب سے فرشتوں کو جو افعال الٰہی کے قائم مقام ہیں قرب کے مرتبوں کی تاکید حاصل ہوتی ہے اور جنوں اور آدمیوں کو کہ اسمائے منفرفہ کے قائم مقام ہیں اپنے کمال کے مرتبے حاصل ہوتے ہیں جو نمونے ہیں اعراب کے اور دوسری مخلوقات کو جیسے حیوان اور اگنے والی چیزیں اور کان میں پیدا ہونے والی چیزیں کہ بجائے حرف کے ہیں انبیا کا وجود ان کے واسطے فخر اور زینت کا سبب ہوتا ہے اسی واسطے انبیاؤں کا وسیلہ ڈھونڈنے میں سبقت کرتے ہیں اور ان کے کہنے کو قبول کرتے ہیں اور ان کی تعظیم اور تکریم میں قصور نہیں کرتے اور یہ بھی ہے کہ علم حرف کے جاننے والے جو آسمانوں اور عناصر پر حرفوں کو قسمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ افلاک اور عناصر کے کارکن حرفوں کے حقائق ہیں اور کہتے ہیں کہ آسمان گیارہ ہیں سات ساتوں ستاروں کے واسطے اور آٹھواں آسمان کرسی اور نواں آسمان عرش اور دسواں آسمان لوح اور گیارہواں آسمان قلم ہے اور ا! یا مقرر ہے کہ نون فلک قمر کا حرف ہے جو عالم وحی اور تنزیل سے عبارت ہے اور اس کو سفلیات میں کوئی حرف نہیں ہے چنانچہ فلک لوح کو بھی کہ عالم حیات سے عبارت ہے سفلیات میں کوئی حرف نہیں ہے اور باقی آسمانوں اور عناصر کو کہ نیز ہیں علویات میں بھی حرف ہیں اور سفلیات میں بھی سو نون کو نبوت کے ثابت کرنے کے مقام پر

ف جو اعراب اور تنوین کو جگہ دے اسی کو اسم متمکن کہتے ہیں ۱۲۔

انا بہت مناسبت رکھتا ہے اس واسطے کہ نبوت کی حقیقت وحی اور تنزیل کے سوائے کوئی دوسری چیز نہیں ہے وَالْقَلَمِ اور قسم کھاتا ہوں میں قلم کی جو انسان کے غیب کے عالم کی پوشیدہ باتیں ظاہر کرتا ہے تاکہ جتنے لوگ دور پڑے ہوئے ہیں خواہ زمانے کے سبب سے دوری ہو خواہ مکان کے سبب سے اُس بات پر مطلع اور خبردار ہو جاویں اور یہی معنی ہیں نبوت اور پیغمبری کے کہ حق تعالیٰ کے حکم کرنے اور نہ کرنے کے اُس کے بندوں کو جو بشریت کے جال میں پھنسے ہوئے دور پڑے ہیں پہنچاتے ہیں اور حق تعالیٰ کے کلام کو اس کے سب بندوں پر پڑھتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ اگر ایک شخص کی حرکت اور اسکی غرض سے واقف اور خبردار نہ ہو اور اچانک اس کو کسی لکھنے والے کے ہاتھ میں دیکھے کہ سفید کاغذ کو بے سبب لکیریں کر کر کے سیاہ کر رہا ہے اور خود بخود کبھی ٹیڑھا ہوتا ہے اور کبھی دوات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کبھی پھر کاغذ کی طرف پھرتا ہے تو یقیناً اس کو مجنون اور دیوانہ جانے گا کہ اس طرح کا بے فائدہ کام کر رہا ہے اور حقیقت میں اس کی ہر حرکت اور ہر ٹیڑھے پن میں عجیب اور غریب نکتے اور دقیقے لپٹے ہوئے نکلتے ہیں اس واسطے کہا ہے کہ اَلْخَطُّ هِنْدَسَةٌ رُوْحَانِيَّةٌ ظَهَرَتْ بِاٰلَةٍ جِسْمَانِيَّةٍ یعنی خط ایک روحانی رقم ہے جو آلہ جسمانی سے ظاہر ہوئی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اَلْقَلَمُ لِسَانُ الْيَدِ سَفِيْرُ الضَّمِيْرِ مُسْتَوْدَعُ الْاَسْرَارِ وَمُنْبَسِطُ الْاَخْبَارِ وَحَافِظُ الْاٰثَارِ یعنی قلم ہاتھ کی زبان ہے اور دل کا درمیانی اور مترجم ہے اور بھیدوں کا خزانہ ہے اور خبروں کا ظاہر کرنیوالا ہے اور نشانیوں کا یاد رکھنے والا ہے اور قلم کے عجائبات سے ایک یہ بھی ہے کہ دوات سے سیاہی کو لیتا ہے اور کاغذ پر لکھتا ہے اور آدمی کے دل میں اسی کو نور اور روشنائی کر کے پہنچاتا ہے اور ایک یہ بھی ہے کہ قلم کو نہایت مشابہت پیغمبروں کے ساتھ ہے اس بات میں کہ حرکت اور سکون اس کا یعنی ہلنا اور ٹھہرنا بولنا اور چپ رہنا قلم کا اُس کے خاوند کے ہاتھ میں ہے یہ آپ سے نہ حرکت کرے نہ دم مارے اور یہی حال ہے پیغمبروں کا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ قدرت کا اُن کے ہاتھوں پر ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی نہیں بولتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے نہیں ہیں وہ بولتے مگر وحی سے جو وحی کی جاتی ہے اور یہ بھی ہے کہ قلم کو اپنی حرکتوں میں جیسے رکوع اور سجدہ و قیام اور بار بار اپنے منہ کو دوات کے چشمے سے دھونا اور پاکی حاصل کرنا اور پانچ انگلیوں کے درمیان میں ہمیشہ رہنا ان سب چیزوں میں

پانچوں وقت کی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ مشابہت تمام پائی جاتی ہے اسی واسطے بعضے شاعروں نے اس کی تعریف میں دو بتیں کہی ہیں عربی زبان میں پہیلی کے طور پر یہ ہیں وَذِی اصْطِبَارٍ رَاکِعٍ سَاجِدٍ ٭ اَخِیْ نُحُوْلٍ دَمْعُہٗ جَارِیْ ٭ مُلَازِمُ الْخُمُسِ لَاوْقَاتِھَا مُعْتَکِفٌ فِیْ خِدْمَۃِ الْبَارِیْ یعنی صاحب صبر کا رکوع اور سجدہ کرنے والا بھائی لاغری کا آنسو اُس کے جاری ہیں لازم پکڑنے والا پانچوں انگلیوں کو اپنے وقتوں پر یعنے لکھنے کے وقت قائم ہونیوالا خدمت میں اپنے مالک کی اور یہ بھی ہے کہ قلم کو چار مرتبے رنج کھینچنا ضروری ہے تاکہ اپنے خاوند کے ہاتھ چومنے کے قابل ہو اور اُسکی روح پاک کی ترجمانی کا مرتبہ حاصل کرے اور ان چاروں کو لکھنے والوں کی اصطلاح میں فتح اور نحت اور شق اور قط کہتے ہیں یعنی اوپر سے تراشنا اور نیچے سے اور شگاف کرنا اور قط لگانا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چار مرتبے رنج سینہ مبارک کے شق ہونے کا حاصل ہوا یہاں تک کہ معراج کی ملاقات کی قابلیت حاصل ہوئی اور حق جل وعلا کی ترجمانی مطلق کے منصب سے مشرف ہوئے اور یہ بھی ہے کہ بنی آدم کی دین و دنیا کی بہتری قلم ہی سے علاقہ رکھتی ہے اس واسطے کہ دین کے جتنے حکم ہیں سب قلم ہی کے سبب سے محفوظ رہتے ہیں اور آدمیوں کے حق جیسے قرض وغیرہ سب اسی کے سبب سے لکھے جاتے ہیں اور بھولنے سے بچتے ہیں اور اسی طرح اگلے زمانے کی خبریں اور پہلی امتوں کے احوال اسی کے وسیلے سے دریافت ہوتے ہیں اسی واسطے کہا ہے کہ قِوَامُ اُمُوْرِ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا بِشَیْئَیْنِ اَلْقَلَمُ وَالسَّیْفُ وَالسَّیْفُ تَحْتَ حُکْمِ الْقَلَمِ یعنی دین اور دنیا کے کاموں کی مضبوطی اور ٹھہراو دو چیزوں کے سبب سے ہے ایک قلم اور دوسری تلوار لیکن تلوار قلم کے حکم کے نیچے ہے اور اس مضمون کو بعضے عرب کے شاعروں نے کئی بتیوں میں بہت اچھی طرح سے باندھا ہے اور وے بتیں یہ ہیں اِنْ یَّخْدُمِ الْقَلَمُ السَّیْفَ الَّذِیْ خَضَعَتْ لَہُ الرِّقَابُ وَدَانَتْ حِذْرَہُ الْاُمَمُ ٭ فَالْمَوْتُ وَالْمَوْتُ لَاشَیْئٌ یُغَالِبُہٗ مَازَالَ تَتْبَعُ مَا یَجْرِیْ بِہِ الْقَلَمُ ٭ لِذَا قَضَی اللہُ لِلْاَقْلَامِ اِذْ بُرِیَتْ ٭ اِنَّ السُّیُوْفَ لَھَا مُذْ اُرْھِفَتْ خَدَمُ یعنی اگر کاٹتا ہے قلم تلوار کو جس کے سامنے جھک گئی ہیں گردنیں اور پرہیز کرتے ہیں اُس کی نزدیکی سے خلق اللہ پس موت اور موت ایسی چیز ہے کہ اس پر کوئی چیز غالب نہیں ہے لیکن ہمیشہ تابعداری کرتی ہے جو لکھتا ہے قلم اسی واسطے حکم جاری ہے اللہ تعالیٰ کا قلموں کو جب

تراشے گئے کہ بے شک تلواریں جب تنگ ہو جاتی ہیں تو خادم ہو جاتی ہیں قلم کی یعنی اسی طرح سے آدمیوں کی دنیا اور آخرت کی بہتری پیغمبری کی ذات پر موقوف ہے اسواسطے کہ تمام دین کے حکم ان ہی پیغمبروں سے معلوم ہوتے ہیں اور حشر اور نشر کے احوال ان ہی کی زبان سے سنے جاتے ہیں اور نیک اور بد کاموں کے مرتبے ان ہی کے بیان کرنے سے دریافت ہوتے ہیں اور تمام فرقے بنی آدم کے اعلیٰ سے ادنیٰ تک یعنی بادشاہ سے خاکروب تک ان ہی کے فرمان بردار رہتے ہیں وَ مَا یَسْطُرُوْنَ اور قسم کھاتا ہوں میں اس کی جو لکھنے والے قلم سے لکھتے ہیں کہ نہایت عجائب اور غرائب اس تحریر میں پائی جاتی ہیں اس واسطے کہ قلم کی کئی قسمیں ہیں ایک قلم اعلام کا ہے اور ایک قلم احکام کا پھر اعلام یا تکوین اور ایجاد سے متعلق ہے یا تشریح اور ارشاد سے اور ہر قلم کے واسطے لکھنے والے ہیں علوی یا سفلی علوی جیسے فرشتے اور سفلی جیسے آدمی اور جن اور ہر مقدمے میں قلم علوی اصل ہے اور قلم سفلی اس کا ظل اور فرع ہے پھر اگر علوی سفلی کے مطابق ہوا تو صواب اور بہتر ہوا اور اگر مطابق نہ پڑا تو خطا کی اور یہ اختلاف صواب اور خطا کا ان چاروں قسموں سے تین قسم میں متصور ہے چوتھی قسم میں یعنی ان احکام میں جو تکوین اور ایجاد کے متعلق ہیں ہرگز متصور نہیں ہے اس واسطے کہ وہاں سوائے مطابقت کے اختلاف نہیں ہو سکتا اور اگر ان چاروں قسموں کی شرح تفصیل سے اس مختصر میں بیان کی جاوے تو یہ مختصر مختصر نہ رہے اور منظور اس میں اختصار ہے اسواسطے لیکن نمونے کے طور پر تھوڑا اہم بیان کرتے ہیں تاکہ قلم کی عظمت اور بزرگی ہر شخص کے دل میں ثابت ہو جاوے سو جاننا چاہیے کہ قلم اعلام کا جو تکوین اور ایجاد سے متعلق ہے وہ عالم علوی میں ایک قلم ہے جس نے خلق کی پیدائش کے پہلے تمام مخلوقات کا احوال لکھا ہے اور علم الٰہی کے مرتبے کے ظہور کا سبب پڑا چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰی عِلْمِ اللّٰہِ یعنی خشک ہوا قلم علم الٰہی پر یعنی قلم نے معلومات الٰہی کو لکھا اور وہ قلم خشک ہوا اب وہ لکھا متبدل نہیں ہو سکتا اور اس عالم سفلی میں نجومیوں کا قلم ہے جو ہر سال اور ہر قران میں اس برس اور اس قران کے حکم تقویموں میں لکھتے ہیں اور رمالوں اور جفر والوں کا قلم بھی اسی میں داخل ہے اور اخبار نویس اور خفیہ نویس اور تاریخ اور سیر نویسوں اور اگلے بادشاہوں کے لکھنے والے اور ملک اور راہ اور پہاڑ اور دریا اور چشمے اور کنویں اور بستی اور اجاڑ زمین کے حال لکھنے والوں کا قلم بھی اسی قلم کا ایک شعبہ یعنی شاخ

ہے اور کان اور پہاڑ اور جانور اور مفرد دوائی اور مرکب ان سب کے خواص اور تاثیر لکھنے والوں کا قلم بھی اسی قلم کی ایک شاخ ہے اور اسی سے پھل پایا ہے اور فیض کو پہنچا ہے بلکہ زمین اور آسمان کے درمیان کی مخلوقات سے بحث کرنے والے اور عناصر کے طبقے اور آسمانوں کی شکلیں اور رصد کا حال اور ستاروں کی صورت کے لکھنے والے یہ سب اپنے علم کو اسی قلم سے نکالتے ہیں اور آنے والوں کے واسطے لکھتے ہیں اور قلم اعلام کا جو تشریع اور ارشاد سے علاقہ رکھتا ہے سو عالم علوی میں ملاء اعلیٰ کا قلم ہے یعنی ان فرشتوں کا جنہوں نے ہر زمانے اور ہر قوم کی استعداد کے بموجب ایک شریعت لکھ رکھی ہے اور شرائع خمسہ کو اُس کے تمام حکموں کے ساتھ جو ہر شریعت میں تفصیل سے بیان ہوتے ہیں اور اس شریعت کے مجتہدوں کے حکم نکالے ہوئے سب کے سب تفصیل سے لکھ رکھے ہیں اور عالم سفلی میں چاروں مذہبوں کے فقیہوں کا اور اولیاء اللہ کے مختلف طریقوں کے شغل اور وظیفے جمع کرنے والوں کا قلم ہے اور قلم احکام کا جو تکوین اور ایجاد سے متعلق ہے وہ عالم علوی میں رزق اور موت لکھنے والوں کا قلم ہے یعنی حضرت میکائیل علیہ السلام کا دفتر جس میں تمام مخلوقات کا رزق لکھا جاتا ہے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام کا دفتر جس میں ہر ایک کی اجل اور مصیبت لکھی جاتی ہے وہ بھی اسی میں داخل ہے اور عالم سفلی میں ان دونوں قلموں کے شعبے بہت ہیں ایک ان میں سے بخشیگری کا قلم ہے کہ لشکر والوں کا رزق سوار ہوں یا پیادے اس سے متعلق ہے اور ایک ان میں سے صدارت کا قلم ہے کہ مستحقوں اور محتاجوں کا رزق اُس سے متعلق ہے اور ایک اُن میں سے استیفے کا قلم ہے کہ زمین کا محصول اور خراج لینا اس سے علاقہ رکھتا ہے اور ایک اُن میں سے کوتوالی اور سیاست والوں کا قلم ہے کہ ہر ایک مجرم اور گنہگار پر عذاب کرنا جیسے قتل کرنا اور قید کرنا اور مارنا اور باندھنا یہ سب اُسی سے علاقہ رکھتے ہیں اور اسی طرح دوسرے بھی قلم ہیں اور قلم احکام کا جو تشریع اور ارشاد سے متعلق ہے وہ عالم علوی میں ملاء اعلیٰ کا قلم ہے یعنی دفتر حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جو تازہ بتازہ حق تعالیٰ کے حکم لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے ہیں اور یہ وہ قلم ہے جس کی آواز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات کو سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر سُنی تھی چنانچہ معراج کی حدیث میں واقع ہے کہ فَظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ یعنی پھر ظاہر ہوا ایک میدان سنی میں نے اُس میں قلموں

کی آواز اور عالم سفلی میں قاضیوں کا قلم ہے سجل اور حکم نامے لکھتے ہیں اور مفتیوں کا قلم ہے ہر واقعہ کی روایت نکال کر فتوی لکھتے ہیں اور فرائض لکھنے والوں کا قلم ہے وارثوں کے حصے مقرر کرنے میں یہ سب اسی قلم کے شعبے ہیں سو جو شخص ان سب لکھنے والوں کی تحریر کو ایک نظر اجمالی سے دیکھے اور اپنے خیال میں لاوے اس کو پورا الیقین اس بات میں حاصل ہو جاوے کہ علم اور معرفت کا نزول ہر وقت اور ہر لحظہ حق تعالیٰ کی طرف سے جہان والوں پر ہو رہا ہے اور نئے نئے حکم اس جناب اقدس سے ہر ہر فرد پر عالم کے ادنیٰ سے اعلیٰ تک دم بدم پہنچ رہے ہیں پھر نبوت کی حقیقت اور سچائی میں اس کو کچھ شک اور شبہہ نہ رہے اور نبیوں کے قول اور فعل کو جن میں بالکل اُن ہی حکموں کی تبلیغ اور ان ہی علموں کی القا ہے جنون اور دیوانگی کی طرف نسبت نہ کرے اسی واسطے اس کے بعد دو قسموں کو ارشاد فرماتے ہیں کہ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ نہیں ہے تو اے محمدؐ اپنے پروردگار کے فضل اور کرم سے نادان اور دیوانہ جیسا کہ یہ کافر تجھ کو کہتے ہیں اور اس سورت کے آخر میں اس کلام کو کافروں کی زبانی بھی نقل فرمایا ہے اب یہاں ایک سوال ہے جس کا جواب دینا ضروری ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ کافروں کے کلام کو جس میں جنون کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بوجھی جاتی ہے حق تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں نقل فرمایا ہے اور جنون کی نفی کو جو اس کلام کی رو ہے اُس کو اس جگہ اول سورت میں بیان فرمایا اور عرف میں مشہور یوں ہے کہ پہلے مخالف کے کلام کو نقل کرتے ہیں پھر اُس کو رد کرتے ہیں سو اس ترتیب متعارف کے متغیر کرنے میں کیا نکتہ ہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی زبان سے اس کلام کے سُننے کے سبب سے بہت رنج اور ملال حاصل ہوا تھا اس واسطے پہلے جنون کی نفی کرنا اور جنون کے نقصانوں کو بیان کرنا ضرور ہوا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک کو تسلی حاصل ہو پھر اس گمان کے رد کرنے کے بعد تفصیل سے جو تمام اس سورت میں بیان ہے اُس کلام رد کیے ہوئے کو آخر سورت میں نقل فرمایا تاکہ غافلوں کے مضحکہ کا سبب ہووے اور اس طور سے دشمن کے کلام کو رد کرنا عاقل اور دانشمندوں کے نزدیک بہت دلچسپ اور ذہن نشین ہوتا ہے اور اس جگہ پر جاننا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنون کی نفی کرنے میں ایک اجمالی دلیل کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس دلیل سے

ہزاروں تفصیلی دلیلیں نکل سکتی ہیں اور وہ دلیل اجمالی حق تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئی ہیں ملاحظہ کرنا ہے جیسے فصیح ہونا اور عقل میں کامل ہونا اور ذہن تیز ہونا اور ولایت کا رتبہ ملنا اور سب خلق اللہ کا ہادی ہونا اور سب اچھے خلقوں کا جامع ہونا سو گویا اس طرف اشارہ ہوا کہ ان کافروں کے اس گمان کے باطل کرنے کی دلیلیں تیری ذات میں اس قدر موجود ہیں کہ اُسکا شمار ممکن نہیں ہے مگر اسی اجمال کے طور سے اور حقیقت میں جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہا درجے کی عقلمندی کو آپ کی سیرتوں اور خصلتوں میں دیکھے اور عرب کے وحشیوں اور جنگلیوں کے دل ہاتھ میں لانے کو اور اُن کی خاطرداری اور تسلی کے واسطے جو جو تدبیریں آپ نے کی ہیں اُن کو تامل اور غور سے ملاحظہ کرے کہ کس طرح سے ان جنگلیوں کو اپنا مطیع اور تابعدار کر لیا تھا کہ اپنے خویش و اقربا سے آپ کی حمایت اور طرفداری میں لڑائیاں کیں اور اُن کو مارا اور آپ مر گئے اور اپنے وطن اور دوستوں کو آپ کی محبت میں چھوڑ دیا بدون اس بات کے کہ کچھ پہلے سے تعرف یا پہچان یا کچھ بھی علاقہ آپ سے رکھتے ہوں تو اس شخص کو اس بات کا یقین حاصل ہوگا کہ آپ کے برابر عاقل کوئی دنیا میں پیدا نہیں ہوا اور جو حضرت وہب ابن منبہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے اس میں کچھ شک اور شبہہ نہیں ہے اور وہ بات یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اکثر کتابیں اگلے نبیوں کی پڑھی ہیں ان سب میں یہ مضمون پایا کہ ابتدائے دنیا کی پیدائش سے قیامت تک جو کچھ حق تعالیٰ نے اپنے کارخانے بے انتہا سے عقل کی نعمت دوسرے عاقلوں کو عنایت کی ہے وہ سب آپ کی عقل کے مقابلے میں ایک ذرے کے برابر ہے تمام دنیا کے ریگستان کی نسبت سے چنانچہ ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن عساکر نے بھی اسی سے روایت کی ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں جس کا نام عوارف المعارف ہے ایک بزرگ سے روایت کی ہے کہ حق تعالیٰ نے عقل کے سو حصے کیے ننانوے حصے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائے اور ایک حصہ تمام مخلوقات پر تقسیم فرمایا اور جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دانائی کی باتیں اور حکایتیں دریافت کرنا منظور ہو اس کو چاہیے کہ سیر اور تاریخ کی کتابوں کو خوب غور اور تامل سے مطالعہ کرے تاکہ آپ کی دانائی کا کمال اُس پر ظاہر ہو جاوے اور اُن سب دانائی کی باتوں اور

قصوں کا بیان تفصیل سے اس کتاب میں ہو نہیں سکتا لیکن نمونے کے طور پر کئی قصے یہاں بیان کیئے جاتے ہیں اسی پر اور باتوں کو قیاس کر لینا چاہیے پہلا قصہ ف یہ ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھ میں چار خصلتیں بہت بُری ہیں ایک تو زنا کرنا دوسرے چوری تیسرے شراب پینا چوتھے جھوٹ بولنا سو ان چاروں چیزوں کا ایکبارگی مجھ سے چھوٹنا ممکن نہیں ہے ان چاروں میں سے ایک جو چیز آپ فرماویں اُس کو میں چھوڑ دوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو جھوٹ بولنا چھوڑ دے اس نے اس کو آسان سمجھ کر مان لیا اور اپنے گھر میں گیا جب رات ہوئی تو ارادہ کیا کہ شراب پیئے اور زنا کرے لیکن اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اگر آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ آج کی رات تو نے شراب پی یا زنا کیا پھر اگر سچ کہوں گا تو فضیحت ہوں گا اور حد شراب اور زنا کی مجھ پر جاری ہوگی اور اگر انکار کروں گا تو جھوٹ ہوگا اور جھوٹ سے میں نے توبہ کی ہے آخر ان دونوں چیزوں کو چھوڑا پھر جب رات بہت آئی اور سب لوگ شہر کے سونے میں مشغول ہوئے اُس وقت اُس نے ارادہ چوری کا کیا لیکن اُس کے ساتھ ہی دل میں وہی خیال پھر آیا کہ اگر اس چوری کا حال مجھ سے پوچھیں گے پھر میں نے اگر اقرار کیا تو فضیحت ہوا اور ہاتھ کاٹا گیا اور اگر جھوٹ بولا اور انکار کیا تو توبہ کے خلاف ہوگا حاصل کلام کا اس سے بھی ہاتھ اٹھایا اور صبح کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں مشرف ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ نے ایسی چیز کی مجھ سے توبہ لی کہ جتنی بُری خصلتیں مجھ میں تھیں خود بخود مجھ سے چھوٹ گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت خوش ہوئے اور دوسرا قصہ آپکی دانائی کا یہ ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک دوسرے شخص کو گرفتار کیئے ہوئے لایا اور عرض کیا کہ اس شخص نے میرے بھائی کو مار ڈالا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خون بہا اس سے لیلے اُس نے عرض کیا کہ یہ بات مجھے قبول نہیں ہے پھر آپ نے فرمایا کہ بخشدے تاکہ تجھ کو آخرت میں ثواب ملے اس نے کہا کہ مجھ کو یہ بھی منظور نہیں ہے پھر آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے عوض میں اس کو مار ڈال اس واسطے کہ یہ شخص خود قتل کا اقرار کرتا ہے پھر وہ اس کو مارنے کو لے چلا تب آپ نے اور اصحاب سے جو وہاں حاضر تھے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شخص

ف پہلا قصہ آپ کی دانائی کا۔

اس کو مار ڈالیگا تو یہ بھی اسی کے مانند ہو جاوے گا لوگوں نے اسی وقت اس شخص سے جا کر کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا کلام تیرے حق میں فرمایا ہے اس نے اس بات کے سنتے ہی خون بخش دیا اور اس کو چھوڑ دیا لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا تب سب کو معلوم ہوا کہ آپ کی غرض اس کلام سے یہ تھی کہ اگر وہ اس کو مارے گا تو وہ بھی ایک جان کا قتل کرنے والا ہوگا نہ یہ کہ گنہگار ہوگا اور تیسرا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ہمسایہ نہایت موذی اور شریر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو جا اور اپنے گھر کا اسباب نکال کر راستے میں ڈال دے اور اگر لوگ راستے والے تجھ سے پوچھیں کہ تو یہ کیا کرتا ہے تو ان سے کہنا کہ میرا ہمسایہ بہت موذی تھا میں نے اس کی شکایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی آپ نے مجھ کو ایسا ارشاد فرمایا ہے الغرض وہ شخص اپنے گھر میں گیا اور گھر کا اسباب نکال کر راستے میں ڈال دیا لوگ وہاں جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ تجھ کو یہ کیا ہوا اس نے وہی کلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہا کہ اس سبب سے میں نے یہ کام کیا تب لوگوں نے اس کے ہمسایہ کو لعنت ملامت کرنا شروع کیا اور تمام گلی اور کوچے اور بازار میں یہ خبر مشہور ہو گئی آخر کو اس کا ہمسایہ اس کے پاس آکر کہنے لگا کہ خدا کے واسطے مجھ کو اس قدر فضیحت اور رسوا مت کر اور اپنا اسباب اپنے گھر میں لے جا اور عہد کیا کہ پھر تجھ کو ایذا نہ دوں گا اور چوتھا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے پہلے ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں ایک سیل یعنی ریل آئی تھی کہ تمام دیواریں بیت اللہ شریف کی جنبش کر گئی تھیں اور حجر اسود اپنی جگہ سے اکھڑ گیا تھا اس سیل کے جانے کے بعد قریش کے سب سرداروں نے جمع ہو کر بیت اللہ شریف کو بنانا شروع کیا جب حجر اسود کے رکھنے کی نوبت آئی تب آپس میں جھگڑا شروع ہوا اس واسطے کہ ہر سردار یہ کہتا تھا کہ حجر اسود کو میں اپنے ہاتھ سے رکھوں گا اور یہ جھگڑا بہت طویل ہوا آخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جھگڑے کے فیصلے کے واسطے حکم مقرر کیا اور کہا کہ ایسا جوان عاقل تمام قریش کے قبیلے میں کبھی پیدا نہیں ہوا اس مقدمہ میں جو یہ فیصلہ کر دیں وہ ہم سب کو قبول ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اسوقت میں پچیس برس کی تھی آپ نے یہ حکم کیا کہ حجر اسود کو ایک بڑی چادر میں رکھو اور اس چادر کے کونوں کو ہر ایک سردار اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اس کے رکھنے کی جگہ پر لاؤ اور سب مل کے مجھ

کو اپنا وکیل کر دیتا کہ میں وکالت کے طور پر اس کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دوں تو میرا رکھنا گویا تم سب کا رکھنا ہوگا سب سردار اس فیصلے سے راضی ہوئے اور حجر اسود آپ کے دست مبارک سے رکھا گیا پانچواں قصہ یہ ہے کہ غزوہ حدیبیہ میں جب کافروں سے صلح کا اتفاق ہوا تو ظاہر میں مغلوبیت مسلمانوں کی ہوتی تھی اس واسطے کہ کافروں نے یہ شرط کی تھی کہ اگر کوئی مسلمان تمہاری طرف سے بھاگ کر ہم میں آ ملے گا تو ہم اس کو پھر نہ دیں گے اور اگر کوئی ہماری طرف سے جا کر تم میں ملے گا تو ہم اس کو پھیر لیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو قبول کر لیا صحابہ نے جو یہ حال سنا تو ان کو نہایت رنج ہوا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ آپ کس طرح اس شرط کو قبول فرماتے ہیں کہ اس میں دونوں طرح سے ہماری ذلت ہے اگر وے کافر اپنا آیا ہوا ہم سے پھیر لیں گے تو ہم بھی اپنا گیا ہوا ان سے پھیر لیں گے تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس بات کو سوچو اور غور کرو اس واسطے کہ جو ہم میں سے بھاگ کر ان میں جا ملے گا وہ نہ ہوگا مگر منافق جس کے دل میں کفر کی محبت اور کافروں کی رفاقت بھری ہوگی سو ایسے شخص کا ہم میں نہ ہونا بہتر ہے بلکہ ہم کو چاہیے کہ اس کو اپنے میں سے نکال دیں پھر اگر ایسا شخص آپ ہی خود بخود چلا جاوے تو اس کو پھر پھیر لینا کیا فائدہ ہے اصحاب نے جو یہ نکتہ سنا تو نہایت خوش ہوئے اور آپ کی عقل اور دانائی پر صد ہا تحسین و آفرین کی اور چھٹا قصہ یہ ہے کہ غزوہ احزاب میں یعنی جنگ خندق میں جب کافروں نے چار طرف سے آ کر مسلمانوں کو گھیر لیا اور آنے جانے کی راہ بند کی اور کئی دن تک اسی طرح گھیرے پڑے رہے آخر ایک دن سب نے مل کر یہ صلاح کی کہ فجر کو دھاوا کر کر مسلمانوں پر جا گر پے اور کافر قریب بارہ ہزار کے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اول تین ہزار آدمی ہوئے تھے لیکن کھانے اور پانی کی قلت کے سبب اور بہت دنوں تک گھیرے رہنے کے سبب سے بہت چلے گئے تھے اور تھوڑے سے لوگ آپ کے ہمراہ رہ گئے تھے اور طاقت مقابلہ کی اس انبوہ کثیر کے ساتھ نہ رکھتے تھے پس جس دن یہ بات ٹھہری کہ کل صبح کو سب مل کر حملہ کیجئے اس رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو جاسوسی کے طور پر کافروں کے لشکر میں بھیجا اور فرمایا کہ قریش کے ہر ایک سرداروں سے علٰحدہ علٰحدہ مل کر یوں سمجھانا کہ صبح کو دھاوا ہوگا

لیکن سب نے یہ صلاح کی ہے کہ تم کو سب کے آگے کریں اس واسطے اس قصے اور فساد کی اصل تم ہی لوگ ہو اور دوسرے گروہ جتنے ہیں وے سب تمہارے پیچھے رہیں اور مسلمان بھی اپنی جان دینے پر مستعد ہیں حتی المقدور لڑنے میں کسی طرح قصور نہ کریں گے اور جو اُن سے بن پڑیگی اُس میں کسی طرح پہلوتہی نہ کریں گے پھر یہ سوچ لو کہ دونوں طرف سے جو آفت آوے گی سو اُسی قریش کے قبیلے پر اور جتنے مارے جاویں گے یا زخمی ہوں گے سو اسی قبیلے سے اور دوسرے قبیلے جتنے ہیں سب بچ جاویں گے اور محفوظ رہیں گے پھر بعد اُس کے دونوں صورت میں یعنی تمہاری فتح ہو یا شکست سستی اور ضعف تمہارے ہی قبیلے میں ہوگا اور اسی قبیلے کے لوگ تھوڑے رہ جاویں گے پھر تم سب سے کم زور ہو جاؤ گے اس بات کو خوب سوچ کر کام کرنا تاکہ آئندہ کو ندامت نہ ہو حذیفہ نے آپ کے ارشاد کے بموجب سب کو سمجھا یا وے سب اس بات کے سُنتے ہی گھبرائے اور فکر مند ہوئے اور حملہ کرنے کو موقوف رکھا آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ سب لشکر والوں کے دلوں میں نفاق ظاہر ہوا اور بدون کسی سبب ظاہری کے سب اپنے اپنے گھروں کو کوچ کر گئے اور اس طرح کا فتنہ اٹھا ہوا ایک بات میں اڑ گیا حاصل کلام کا یہ ہے کہ جو شخص اس طرح کا عاقل اور دانا ہو اس کو دیوانہ اور سودائی گمان کرنا گویا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے بلکہ آفتاب کو باوجود اس روشنی کے تاریک گمان کرنا ہے اور یہ ان کا کہنا کس طرح صحیح ہو ہے کہ تو دیوانہ ہے وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ اور بے شک تیرے واسطے ایسا ثواب ہے کہ قیامت تک منقطع اور موقوف ہونے والا نہیں ہے اس واسطے کہ تیرے ہاتھ سے پرلے درجے کی ہدایت تمام عالم کو ہوگی اور وہ ہدایت قیامت تک باقی رہے گی اور دیوانے کو اپنے کاموں کی آپ ہی خبر نہیں ہوتی ہے دوسرے کو ہدایت کیا کرے گا اور دیوانے کا کوئی کام ثواب کی لیاقت نہیں رکھتا ہے اس واسطے کہ بے عقلی کے سبب سے ہر کام اُس کا نیت سے خالی ہوتا ہے اور بے نیت ثواب نہیں ملتا پھر بے انتہا ثواب ملنے کا کیا ذکر ہے اور جب غیر منقطع ثواب کے معنے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اس مقام پر وعدہ کیا گیا ہے معلوم ہو چکے کہ آپ کی اُمت کے عملوں کا ثواب مراد ہے جو قیامت تک منقطع ہونے والا نہیں ہے تو وہ اعتراض جو اس مقام پر وارد ہوتا تھا خود بخود اٹھ گیا اور اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ

سورۂ انشقاق اور سورۂ تین میں اجر غیر ممنون کا ہر مومن کے واسطے وعدہ کیا گیا ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کے مقام پر اس کے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے اور اس اعتراض کے دور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو ہر مومن کے واسطے وعدہ کیا گیا ہے سو وہ ثواب ہے جو بہشت میں ملے گا اور ہمیشہ رہے گا اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے خاص ہے وہ قیامت تک عملوں کے ثواب کا منقطع نہ ہونا ہے جس کا منشا ہدایت عامہ کلیہ ہے جو قیامت تک منسوخ ہونے والی نہیں ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات سے ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہر نبی کو اس کی امت کے ایمان والوں کے نیک عملوں کا ثواب ملتا ہے اس واسطے کہ جو وہ نیک عمل کرتا ہے وہ اسی نبیؐ کی دلالت اور ارشاد سے کرتا ہے اور آپ نے فرمایا ہے اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ یعنی نیک بات بتلانے والے کو ثواب اس کے کرنے والے کے برابر ہوتا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ جتنے اگلے انبیا گذرے ہیں ان کا دین انکے بعد کے نبی کے دین سے منسوخ ہوتا چلا آیا یہاں تک کہ آخر سب کے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین تھا سو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے منسوخ ہو گیا اور منسوخ دین پر عمل کرنے کا کچھ ثواب نہیں ہے بس یہ بات بلاشبہ ثابت ہوئی کہ اجر اور ثواب اگلے نبیوں کا منقطع ہو چکا اور قیامت تک نہ رہا بخلاف خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اجر اور ثواب کے کہ وہ قیامت تک باقی ہے اور ہرگز منقطع ہونے والا نہیں ہے اور دوسرے یہ ہے کہ کس طرح سے یہ لوگ تجھ کو دیوانہ گمان کرتے ہیں وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اور بے شک تو ہر آئینہ بڑے خلق پر ثابت ہے اور دیوانے کو کچھ بھی خلق نہیں ہوتا ہے کہ جس پر اعتماد کیا جاوے اس واسطے کہ رنگ برنگ ہونا احوال کا اور وہموں اور خیالوں کا متبدل ہونا دیوانگی کو لازم ہے اور جب اس طرح کا تغیر اور تبدل ہوا تو خلق کا ثابت رہنا کسی طور سے متصور نہیں ہو سکتا اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خلق تھا جس کی حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں تعریف کی ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن تھا یعنی

جس چیز کو حق تعالیٰ نے اچھا فرمایا ہے وہی آپ کی طبیعت چاہتی تھی اور جس چیز کو حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں برائی سے یاد کیا ہے اُس سے آپ کی طبیعت کو نفرت تھی اور بعضے عالموں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم وہ ہے جو حق تعالیٰ نے اس آیت میں تعلیم فرمایا ہے کہ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ یعنی لازم پکڑ معاف کرنے کو اور حکم کر نیک کام کا اور کنارہ کر جاہلوں سے اور حقیقت میں اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے میں اور دین حق کی تائید کرنے میں اس سے سخت تر کوئی چیز نہیں ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق عظیم یہ تھا کہ ظاہر میں خلق سے ملے رہتے تھے اور دین کی تعلیم کیا کرتے تھے اور باطن سے حق تعالیٰ کی یاد میں چین سے مشغول رہتے تھے اور ہمیشہ ظاہر اور باطن کی کشش میں اوقات گذارتے تھے اور یہ بات بہت مشکل اور سخت ہے اس واسطے کہ جب ظاہر اور باطن ایک طرف متوجہ ہو تو کام سہل ہو جاتا ہے بخلاف دونوں طرف کے
ح مشغول ہونے کے اور حدیث شریف میں وارد ہے إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ یعنی میں اس واسطے مبعوث ہوا ہوں کہ اگلے تمام پیغمبروں کی بزرگی اور اچھائیوں کو تمام اور پورا کروں جیسے صفوت حضرت آدم علیہ السلام کی اور فہم حضرت ادریس علیہ السلام کا اور شکر حضرت نوح علیہ السلام کا اور جود حضرت ہود علیہ السلام کا اور عبادت حضرت صالح علیہ السلام کی اور خُلّت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور عزم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا اور عدل حضرت داؤد علیہ السلام کا اور تمکین حضرت سلیمان علیہ السلام کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو حضرت یحییٰ علیہ السلام رکھتے تھے اور زہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف خلق عظیم کر کے فرمایا اس واسطے کہ ان سب بزرگوں کے اوصاف آپ میں پائے جاتے تھے ع
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آیت خُذِ الْعَفْوَ کی نازل ہوئی تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اُس کی تفسیر پوچھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ أُوتِيتَ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ أَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ یعنی یہ آیت سب بزرگ خلق تجھ کو تعلیم کرتی ہے سو ان ہی مکارم اخلاق

میں سے یہ ہے کہ مل اُس سے جو تجھ سے کاٹے اور دے اس کو جو تجھ کو محروم رکھے اور نہ دے اور درگذر کر اُس سے جو تجھ پر ظلم کرے سو جو شخص کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے خوب طرح سے واقف ہو جاوے اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب مرتبوں کو انتہا کے درجے کو پہنچایا تھا کہ اس سے زیادہ کسی بشر کی طاقت نہیں ہے کہ کر سکے اور آپؐ کے معاملات جو دشمن کافروں کے ساتھ ہوئے ہیں ان میں سے ایکؐ یہ ہے کہ جب جنگ احد میں کافروں نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے شہید کیا اور اُن کے جگر کو نکال کر چبا کر پھینکدیا اور دوسرے ستر عمدہ عمدہ آپ کے صحابیوں کو شہید کیا اور ان سب کو مُثلہ کر ڈالا یعنے اُن کے کان اور ناک کاٹ ڈالے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو زخمی کیا اور دندان مبارک کو شہید کیا یہاں تک کہ خون آپ کے سر اور منہ پر جاری تھا اصحاب اس حالت کو دیکھ کر بہت ہی مضطرب اور بیتاب ہوئے ! اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ان کافروں کا ظلم اور ستم اور بے ادبی حد سے گذر گئی اب اُن کے واسطے آپ بد دعا کیجئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو بد دعا کرنے کے واسطے نہیں بھیجا ہے بلکہ رحمت اور ہدایت کے واسطے بھیجا ہے اور یہ دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي وَاهْدِ قَوْمِي فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی یا اللہ بخش دے میری قوم کو اور ہدایت کر میری قوم کو پس بے شک یہ لوگ نہیں جانتے ہیں اور نادانی سے یہ باتیں کرتے ہیں اس قصّہ کو ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح میں معتبر سند سے ذکر کیا ہے اور دوسرے محدثوں نے بھی اس قصّہ کو روایت کیا ہے اور طبرانی اور حاکم اور ابن حبان اور بیہقی اور دوسرے محدثوں معتبروں نے ایک یہود کے عالم کی زبانی روایت کی ہے جس کا نام زید بن تعنہ تھا کہ وہ کہتا تھا کہ میں نے اگلی کتابوں میں رسول آخر الزماں کی تعریف دیکھی تھی اور وے سب وصف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے تھے مگر دو وصفوں کا حال مجھے معلوم نہ تھا ایک یہ کہ غصّے پر حلم غالب ہو اور دوسرا یہ کہ سخت بات سُننے سے غصّہ نہ آوے بلکہ اور نرمی زیادہ ہو سو میں چاہتا تھا کہ ان دونوں باتوں کو کسی طرح سے آزماؤں مدت تک اُس کی انتظاری میں رہا اتفاقات سے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے

خرمے قرض مول لیئے اور اُس کے ادا کرنے کی ایک مدت مقرر کی میں اُس مدت سے دو تین دن پہلے آپ کے پاس گیا اور تقاضا اپنے روپوں کا شروع کیا پھر دیکھا میں نے کہ آپ سُن کے چُپ چپ ہو رہے اور یہ بھی نہیں کہتے ہیں کہ ابھی تمہارا وعدہ نہیں ہوا تم تقاضا کیوں کرتے ہو پھر میں نے سخت تقاضا کیا اور میں نے دیکھا کہ لوگ آپ کے اصحاب بہت سے جمع ہیں اس واسطے اور بھی سخت باتیں میں نے کہیں کہ شاید ان لوگوں کو دیکھ کے کچھ حیا سے غصہ آوے اور کوئی سخت بات مجھ سے کہیں لیکن آپ کو ہرگز غصہ نہ آیا یہاں تک کہ میں نے یہ بھی کہا کہ تمہارے خاندان میں اسی طرح قرض ادا کرنے میں حیلہ حوالہ کیا کرتے ہیں کسی قرض خواہ نے تم سے اپنا قرض آسانی سے نہ پایا ہوگا اس بات کے سننے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آیا اور میں اٹھ کے آپ کا پیراہن شریف اور چادر مبارک ہاتھ سے پکڑ کے اپنی طرف کھینچنے لگا اور غصے کی آنکھوں سے میں نے آپ کی طرف دیکھا اور کہا کہ ابھی اٹھو اور میرا قرض ادا کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمرؓ بیقرار ہو کے تلوار لے کر میرے سر پر آپہنچے اور کہنے لگے کہ اے دشمن خدا کے تو باز نہیں آتا ہے ابھی تیرا سر اڑائے دیتا ہوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ مجھ کو تم سے یہ توقع نہ تھی تم کو چاہیے تھا کہ مجھ کو سمجھاتے کہ اس کا قرض اچھی طرح آسانی سے ادا کیجئے اور اس کو سمجھاتے کہ آہستگی سے تقاضا کرو سو اس کے خلاف یہ کیا بات ہے جو تم کہتے ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت شرمندہ ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ اس سے زیادہ مجھ میں صبر نہیں ہے اگر آپ فرمائیے تو میں اس کا قرض ادا کر دوں آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس کا جتنا قرض ہے وہ دو اور بیس صاع اس سے اور زیادہ اس کو دو تا کہ تمہاری اس بدسلوکی اور سخت گوئی کا عوض ہو جائے وہ شخص کہتا ہے کہ میں اس بات کے سُنتے ہی ایمان لایا اور آپ کی پیغمبری کا قائل ہوا اور صحیح روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے کچھ باتیں کر رہے تھے پھر وہاں سے اُٹھ کر گھر کو تشریف لے چلے میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا راستے میں ایک بدو یعنی گنوار جنگل کا رہنے والا ملا اور اُس نے آپ کی چادر آپ کے سر سے زور سے کھینچی یہاں تک کہ آپ کی گردن مبارک سُرخ ہو گئی اور قریب تھا

کہ آپ کا سر مبارک دیوار سے جا لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گنوار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تیرا مطلب کیا ہے تو کہہ اُس نے کہا کہ یہ دونوں میرے اونٹ غلہ سے بھر دے اسواسطے کہ جو تیرے پاس مال ہے وہ مال خدا کا ہے کچھ تیرا اور تیرے باپ کا نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ تو سچ کہتا ہے یہ مال حق تعالیٰ کا ہے میرا اور میرے باپ کا نہیں ہے لیکن یہ جو تو نے میری چادر زور سے کھینچی اور مجھ کو رنج پہنچایا یہ تو میرا حق ہے اس کا عوض تو میں تجھ سے لونگا اس نے کہا کہ میں ہرگز اس کا عوض نہ دونگا آپ یہ کلمہ فرماتے تھے اور نہایت خوشی سے مسکراتے جاتے تھے اور وہ بھی جواب دیتا جاتا تھا جب اسی گفتگو میں تھوڑی دیر گذری تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بلا کر فرمایا کہ اُس کے ایک اونٹ پر خرمے اور دوسرے اونٹ پر جو بھر کر اس کے حوالے کر دو اس حدیث کو ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے اور تمام تاریخ والے اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے منافقوں کے ساتھ اس قدر سلوک کرتے تھے کہ ہرگز کوئی شخص اپنے دشمنوں کے ساتھ اس قدر سلوک نہیں کرسکتا ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے باوجود اس کے کہ ارحم الراحمین ہے آپ کو کافروں اور منافقوں کے ساتھ سختی کرنے کی تاکید فرمائی اور یہ آیت نازل کی یَاۤ اَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ یعنی اے نبی جھگڑ کافروں اور منافقوں سے اور سختی کر اُن پر اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے بارہا فرمایا ہے کہ لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ وَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ یعنی نہ حد سے بڑھاؤ مجھ کو تعریف کرنے میں جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کی تعریف میں مبالغہ کر کے بشریت کی حد سے نکال دیا سو میری تعریف میں اسی قدر کہا کرو کہ بندہ خدا کا اور رسول اس کا ہے اسواسطے کہ حق تعالیٰ کی بندگی اور عبادت میرے واسطے بس ہے اور صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی عمر بھر میں اپنے غلاموں کو یا لونڈیوں کو یا خدمتگاروں کو نہیں مارا اور ترمذی میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اپنے خادم کو سخت آواز سے نہیں جھڑکا اور اپنے بدلہ لینے کے واسطے کسی کو ایذا نہیں پہنچائی اور یہ بھی صحاح میں روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجلس میں

اصحاب کے سامنے پاؤں مبارک کو نہیں پھیلایا اور اگر کوئی آپ کی ملاقات کو آتا تھا جب تک وہ بیٹھا رہتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے نہیں اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور کبھی آپ کے دونوں زانوں بیٹھے میں کسی کے زانوں سے مقدم نہیں ہوتے تھے اور جو کوئی آپ کے اہل بیت یا آپ کے اصحابوں سے آپ کو یارسول اللہ کرکے پکارتا تھا تو آپ اُس کے جواب میں لبیک کے لفظ کو فرماتے تھے اور تاریخ طبری میں مذکور ہے کہ ایک روز سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آج ایک بکری کے کباب بنانا چاہتا ہوں، سب نے عرض کی کہ بہت بہتر پھر ایک نے اُن میں سے کہا کہ میں ذبح کرتا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں کھال کھینچتا ہوں اور تیسرے نے کہا کہ گوشت کا درست کرنا اور کوٹنا میرا ذمہ ہے اور چوتھے نے کہا کہ اس کا پکانا میرا ذمہ ہے حاصل کلام کا سب نے ایک ایک کام اپنے ذمہ پر کرلیا تاکہ جلد کباب تیار ہوجاویں اصحاب سب اس کام میں مشغول ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چپکے سے اٹھے اور جنگل سے ایک گٹھا لکڑی کا تھوڑی دیر میں لے آئے صحابہ نے دیکھا تو عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ نے کیوں اتنی تکلیف کی یہ بھی ہم میں سے کوئی کرلیتا آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ اس بات کو مکروہ جانتا ہے کہ کوئی شخص اپنے یاروں میں ممتاز ہوکر بیٹھے اور یاروں میں شریک نہ ہو اور بخاری میں مذکور ہے کہ کوئی لونڈی مدینہ کی لونڈیوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں چاہتی تھی اپنے کام کے واسطے لے جاتی تھی آپ انکار نہیں کرتے تھے اور اس کا کام کر دیتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت تھی کہ اُس کی عقل میں کچھ خلل ہوگیا تھا اکثر وہم اور خیالات فاسد اُس کو آیا کرتے تھے اور ان خیالوں کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے میں شرم کرتی تھی سو بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی تھی اور اکیلی آپ کے پاس بیٹھ کے وہ طرح طرح کی واہیات باتیں کہا کرتی تھی اور جب کسی کو دور سے آتے ہوئے دیکھتی تو وہم اُس پر غالب ہوتا اور آپ سے کہتی تھی کہ اب یہاں سے اٹھو دوسری جگہ پر چل کے بیٹھو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی ان سب واہیات باتوں کو برداشت کرتے تھے اور کچھ نہ کہتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یوں تھا کہ جب آپ فجر کی نماز سے فراغت پاتے تھے تو اُس وقت لونڈیاں اور غلام مدینے والوں کے برتن میں پانی لے کر آتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اس پانی کو اپنے دست مبارک سے چھوبیویں تاکہ وہ پانی متبرک ہوجاوے اور اس کو اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں میں ڈالیں اور کبھی سردی کا موسم بھی ہوتا تھا اور برتن بہت سے ہوتے تھے سب میں ہاتھ ڈالنے سے آپ کو تکلیف بھی ہوتی لیکن باوجود اس رنج اور تکلیف کے آپ کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے اور سب برتنوں میں اپنا دست مبارک ڈالتے تھے اور خوش خلقی آپ کی اس درجے کو پہنچی تھی کہ چھوٹے چھوٹے لڑکوں سے بھی آپ ان کی خوشی کی بات فرماتے تھے چنانچہ ایک لڑکا تھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی اس نے ایک چڑیا پالی تھی جس کو عربی زبان میں نغیر اور ہندی بولی میں لال کہتے ہیں اتفاق سے وہ چڑیا مر گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گویا تعزیت کے طور پر اس بچے کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا یا اَبَا عُمَیْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ یعنی اے ابو عمیر کیا کیا لال نے یہ اس واسطے فرمایا کہ اس کلمے مقفا کے سننے سے وہ بچہ خوش ہو اور رنج نہ کرے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے کہا ہے کہ میں نے دس برس آپ کی خدمت کی اس دس برس میں کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا تو نے اور یہ کام کیوں کیا تو نے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے دن میزان میں ایمانداروں کے عمل نیک جو تولے جاویں گے تو سب سے بھاری عمل نیک خلق ہوگا اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے اصحاب سے پوچھا کہ تم کو کچھ معلوم ہے کہ دوزخ میں بہت لوگ کس سبب سے جاویں گے سب نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کو خوب جانتا ہے تب آپ نے فرمایا کہ دو چیز کشادہ کے سبب سے ایک منہ اور دوسری شرمگاہ کہ یہی دونوں چیزیں دوزخ میں جانے کی زیادہ سبب پڑیں گی پھر آپ نے فرمایا کہ تم کو کچھ معلوم ہے کہ بہشت میں کس سبب سے بہت لوگ جاویں گے سب نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول خوب اس بات کو جانتا ہے آپ نے فرمایا کہ ایک تقوے کے سبب سے یعنی پرہیزگاری سے اور دوسرے نیک خلق سے اور یہ بھی آیا ہے کہ ایماندار آدمی نیک خلق کے سبب سے صَائِمُ الدَّهْرِ اور قَائِمُ اللَّيْلِ کے درجے کو پہنچے گا یعنی جو لوگ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نماز پڑھتے ہیں ان کا سا ثواب نیک خلق والے کو ملے گا پھر سبب جنون کے گمان کے باطل کرنے سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کافر کرتے تھے فراغت پائی اس طور سے کہ باوجود ایسے نیک عملوں اور انتہا درجے کی ہدایت کے

دیکھنے سے جو ثواب بے انتہا اور اجر غیر منقطع کا سبب ہے اور باوجود آپ کے اخلاق کریمہ پر واقف ہونے کے جو عقل کے کامل ہونے پر دلالت کرتے ہیں پھر آپ کی طرف دیوانگی کی نسبت کرنا سراسر باطل اور نامسموع ہے اب ارشاد ہوتا ہے کہ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ سو قریب ہے کہ تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے جس وقت تیرے نیک خُلقوں کی کشش اور ہدایت کی نشانیاں دنیا میں ان کو راہ پر لاویں گی اور تیرا کمال ان کی نظروں کے سامنے جلوہ گر اور ظاہر ہوگا اور موت کے بعد اچھی طرح سے دیکھ لیں گے اسواسطے کہ اسوقت یہ غفلت کا پردہ اٹھ جائے گا اور ہر ایک کی دانائی اور عقل کا مرتبہ ظاہر ہو جائے گا کہ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ اور کون تم میں سے مجنون ہے اور پگل رہا ہے تو مجنون ہے جو ملک اور ملکوت کے چھپے بھید جوامع الکلم کے ضمن میں اُن کو بتاتا ہے یا یہ مجنون ہیں جو اپنی ذات کی حقیقت اور حق تعالی کی نشانیوں سے جو ان کی ذات میں روشن اور ظاہر ہیں نادان اور ناواقف ہو کے دیوانے اور باؤلوں کی طرح پتھر اور لکڑیوں کی عبادت میں فریفتہ اور مجنون ہو رہے ہیں اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ تحقیق رب تیرا وہی خوب جانتا ہے اس کو جو حقیقت میں مجنون اور دیوانہ ہے اور اس کی عقل غفلت کے پردوں میں چھپی پڑی ہے یہاں تک کہ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ گمراہ ہوا اور بہکا اپنے خاوند اور مالک کی راہ سے اور جانور سے کمتر ہو گیا رتبے میں جو اپنے مالک کے گھر کو پہچانتا ہے وَهُوَ اَعْلَمُ اور وہی خوب جانتا ہے دا[illegible] صحیح عقل والوں کو جن کے حق میں کہا جاتا ہے بِالْمُهْتَدِيْنَ راہ پانے والے جنہوں نے اپنے مالک کی راہ پہچانی ہو اور اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور جو ان دونوں فرقوں میں جدائی اور دور[illegible] پرلے درجے کی ہے تو چاہیے کہ ظاہر میں بھی تو اُن سے اپنے نیک خُلق کے سبب سے موافقت اور میل نہ کر جس طرح تو باطن میں اُن سے علیحدہ ہے اور موافقت نہیں رکھتا ہے اس واسطے ظاہری موافقت اور ملنا باطنی موافقت کا نشان اور علامت ہے فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ سو کہا نہ مان جھٹلانے والوں کا اور ان کی تابعداری مت کر کہتے ہیں کہ ولید ابن مغیرہ اور ابوجہل ا[illegible] اسود بن عبد یغوث اور اخنس بن شریق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو[illegible] اور کہا کہ اگر تجھ کو سودا و[illegible] خلط ان حرکتوں اور ان باتوں کا باعث ہوتا ہے تو ہم سے کہہ د[illegible] اس واسطے کہ ہم بھی تمہارے خویش اور اقربا ہیں سو ہم تمہارا علاج کر دیں اور اگر عیش و عشرت کی خواہش

بھی کہدے تاکہ اچھی خوبصورت عورتیں اور خاطرخواہ پوشاکیں اور مزیدار کھانے اور بہت مال و اسباب تمہارے واسطے ہم موجود کردیں اور اگر حکومت دریاست کی خواہش ہے تو بھی ہم کو خبر کردو کہ ہم سب سردار تمہارے فرمانبردار اور تابعدار رہیں تم حکومت کی مسند پر بیٹھو اور حکم جاری کرو اس واسطے کہ تم عقل اور دانائی اور حسب اور نسب میں ہم سب سے زیادہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان باتوں میں ایک بھی بات مجھے منظور نہیں ہے مجھ کو فقط حق تعالیٰ کی بندگی اور اس کی فرمانبرداری منظور ہے تب اُن سب نے کہا کہ اگر یہ تم کو منظور ہے تو بہت خوب ہے ہمارے سر اور آنکھوں پر لیکن ایک بات ہم تم کو کہتے ہیں وہ بات ہماری مان لو کہ ہمارے بتوں کو بُرا مت کہو اور اُن کی عبادت سے ہمکو منع مت کرو اور تم آپ حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہو ہم تم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے منع نہیں کرتے اور تم پر طعن اور تشنیع بھی نہ کریں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا اور یہ آیتیں نازل ہوئیں اور حکم ہوا کہ بتوں کی برائی اور اُن کی عبادت کی بُرائی کے بیان کرنے میں چپ مت رہو اور اس مقدمے میں اُن کی باتوں کو مت سُنو وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ وے چاہتے ہیں کہ کاش کے تو اپنے آئین اور وضع سے سستی کرے پھر وے تو سست اور بے حمیت ہیں غرض اس کلام سے یہ ہے کہ حقانی آدمی کو مخالفوں کی بات ہرگز سُننا نہ چاہیے اور اُن کی رضامندی کو منظور نہ رکھنا چاہیے اس واسطے کہ آخر کو یہ بات دین کی سستی کا سبب پڑتی ہے لیکن مدارات یعنی تواضع اور خلق نیک ہر شخص سے بہتر ہے مگر اس قدر کہ اپنی وضع اور آئین میں فتور نہ پڑے اور دین میں سستی نہ ہونے پائے اور یہ مقام نہایت مشکل ہے اور مدارات اور مداہنت میں فرق کرنا بہت دشوار ہے اکثر لوگ اس جگہ پر لغزش کھا جاتے ہیں بعضے خلق اور چاپلوسی اور خاطرداری میں اس طرح ڈوب جاتے ہیں کہ دین کی باتوں میں صراحۃً سستی اور ڈھیل کرنے لگے اور بعضے تعصب اور دین کی پابندی میں اس قدر بڑھ چلے کہ سخت گوئی اور گالی اور بدخلقی کو عین عبادت سمجھے سیدھی راہ شریعت کی پہچاننا موقوف ہے مدارات اور مداہنت کے بوجھنے پر سوا اپنے حق کو چھوڑ دینا جیسے تعظیم اور بزرگی اور احسان کسی سے نہ چاہنا اور جس قدر ہو سکے ہاتھ اور زبان سے عیب سب کے چھپانا اور خلق اللہ کی خیرخواہی کرنا اس کو مدارات کہتے ہیں اور یہ بات بہتر ہے اور دین کے حق لینے

فائدہ وعظ شرعی در مدارات اور مداہنت کے مضمون کا بیان

دیکھنے سے جو ثواب بے انتہا اور اجر غیر منقطع کا سبب ہے اور باوجود آپ کے اخلاق کریمہ پر واقف ہونے کے جو عقل کے کامل ہونے پر دلالت کرتے ہیں پھر آپ کی طرف دیوانگی کی نسبت کرنا سراسر باطل اور نامسموع ہے اب ارشاد ہوتا ہے کہ فَسَتُبۡصِرُ وَيُبۡصِرُونَ سو قریب ہے کہ تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے جس وقت تیرے نیک خُلقوں کی کشش اور ہدایت کی نشانیاں دنیا میں ان کو راہ پر لاویں گی اور تیرا کمال ان کی نظروں کے سامنے جلوہ گر اور ظاہر ہوگا اور موت کے بعد اچھی طرح سے دیکھ لیں گے اسواسطے کہ اسوقت یہ غفلت کا پردہ اٹھ جائے گا اور ہر ایک کی دانائی اور عقل کا مرتبہ ظاہر ہو جائے گا کہ بِأَيِّكُمُ الۡمَفۡتُونُ اور کون تم میں سے مجنون ہے اور بچل رہا ہے تو مجنون ہے جو ملک اور ملکوت کے چھپے بھید جوامع الکلم کے ضمن میں اُن کو بتاتا ہے یا یہ مجنون ہیں جو اپنی ذات کی حقیقت اور حق تعالی کی نشانیوں سے جو ان کی ذات میں روشن اور ظاہر ہیں نادان اور ناواقف ہو کے دیوانے اور باؤلوں کی طرح پتھر اور لکڑیوں کی عبادت میں فریفتہ اور مجنون ہو رہے ہیں اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ تحقیق رب تیرا وہی خوب جانتا ہے اس کو جو حقیقت میں مجنون اور دیوانہ ہے اور اس کی عقل غفلت کے پردوں میں چھپی پڑی ہے یہاں تک کہ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ گمراہ ہوا اور بہکا اپنے خاوند اور مالک کی راہ سے اور جانور سے بھی کمتر ہو گیا رتبے میں جو اپنے مالک کے گھر کو پہچانتا ہے وَهُوَ اَعۡلَمُ اور وہی خوب جانتا ہے دانا اور صحیح عقل والوں کو جن کے حق میں کہا جاتا ہے بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ راہ پانے والے جنہوں نے اپنے مالک کی راہ پہچانی ہو اور اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور جو ان دونوں فرقوں میں جدائی اور دوری پرلے درجے کی ہے تو چاہیے کہ ظاہر میں بھی تو اُن سے اپنے نیک خُلق کے سبب سے موافقت اور میل نہ کر جس طرح تو باطن میں اُن سے علیحدہ ہے اور موافقت نہیں رکھتا ہے اس واسطے کہ ظاہری موافقت اور ملنا باطنی موافقت کا نشان اور علامت ہے فَلَا تُطِعِ الۡمُكَذِّبِيۡنَ سو کہا نہ مان جھٹلانے والوں کا اور ان کی تابعداری مت کر کہتے ہیں کہ ولید ابن مغیرہ اور ابوجہل اور اسود بن عبد یغوث اور اخنس بن شریق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اگر تجھ کو سودا (؟) خلط ان حرکتوں اور ان باتوں کا باعث ہوتا ہے تو ہم سے کہہ دے اس واسطے کہ ہم بھی تمہارے خویش اور اقربا ہیں تمہارا علاج کر دیں اور اگر عیش و عشرت کی خواہش ہو

ہی اسد ے ناکہ اچھی خوبصورت عورتیں اور خاطر خواہ پوشاکیں اور مزیدار کھانے اور بہت مال و اسباب تمہارے واسطے ہم موجود کر دیں اور اگر حکومت و ریاست کی خواہش ہے تو بھی ہم کو خبر کرو کہ ہم سب سردار تمہارے فرمانبردار اور تابعدار ہیں تم حکومت کی مسند پر بیٹھو اور حکم جاری کرو اس واسطے کہ تم عقل اور دانائی اور حسب اور نسب میں ہم سب سے زیادہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان باتوں میں ایک بھی بات مجھے منظور نہیں ہے مجھ کو فقط حق تعالیٰ کی بندگی اور اس کی فرمانبرداری منظور ہے تب اُن سب نے کہا کہ اگر یہ تم کو منظور ہے تو بہت خوب ہے ہمارے سر اور آنکھوں پر لیکن ایک بات ہم تم کو کہتے ہیں وہ بات ہماری مان لو کہ ہمارے بتوں کو برا مت کہو اور اُن کی عبادت سے ہم کو منع مت کرو اور تم آپ حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہو ہم تم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے منع نہیں کرتے اور تم پر طعن اور تشنیع بھی نہ کریں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا اور یہ آیتیں نازل ہوئیں اور حکم ہوا کہ بتوں کی برائی اور اُن کی عبادت کی برائی کے بیان کرنے میں چپ مت رہو اور اس مقدمے میں اُن کی باتوں کو مت سنو وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ وے چاہتے ہیں کہ کاش کے تو اپنے آئین اور وضع سے سستی کرے پھر وے تو سست اور بے حمیت ہیں غرض اس کلام سے یہ ہے کہ مسلمانوں دین کو مخالفوں کی بات ہرگز سننا نہ چاہیے اور اُن کی رضامندی کو منظور نہ رکھنا چاہیئے ہوا آخر کو یہ بات دین کی سستی کا سبب پڑتی ہے لیکن مدارات یعنی تواضع اور خلق نیک نفس سے بہتر ہے مگر اس قدر کہ اپنی وضع اور آئین میں فتور نہ پڑے اور دین میں سستی نہ ہونے پاوے اور یہ مقام نہایت مشکل ہے اور مدارات اور مداہنت میں فرق کرنا بہت دشوار ہے اکثر لوگ اس جگہ پر لغزش کھا جاتے ہیں بعضے خلق اور چاپلوسی اور خاطرداری میں اس طرح ڈوبے ہیں کہ دین کی باتوں میں صراحۃً سستی اور ڈھیل کرنے لگے اور بعضے تعصب اور دین کی تندی میں اس قدر بڑھ چلے کہ سخت گوئی اور گالی اور بدخلقی کو عین عبادت سمجھے سیدھی راہ سنت کی پہچاننا موقوف ہے مدارات اور مداہنت کے بوجھنے پر سو اپنے حق کو چھوڑ دینا جیسے نفع اور بزرگی اور احسان کسی سے نہ چاہنا اور جس قدر ہو سکے ہاتھ اور زبان سے عیب سب کے چھپانا اور خلق اللہ کی خیرخواہی کرنا اس کو مدارات کہتے ہیں اور یہ بات بہتر ہے اور دین کے حق لینے

وعظ شرعی در تحقیق مدارات اور مداہنت کے مضمون کا بیان

میں سستی کرنا جیسے اچھی بات کو نہ کہنا اور بُری بات سے منع نہ کرنا اور شرع کی حد جاری کرنے میں سستی کرنا اور حق بات کے بیان کر دینے میں اگرچہ کسی کو بھی بُری معلوم ہووے غفلت کرنا اس کو مداہنت کہتے ہیں اور یہ بات بہت بُری ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ منکروں کے ساتھ موافقت رکھنا اگرچہ ظاہر میں ہو ہدایت عامہ کلیہ میں خلل ڈالتا ہے اور اجر غیر مقطوع کے مستحق ہونے سے باز رکھتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اِذَا لَقِيْتَ الْفَاجِرَ فَالْقَهٗ بِوَجْهٍ خَشِنٍ یعنی جب ملاقات کر تو فاجر کی یعنی مشرک یا بدعتی کی تو ملاقات کر ترش روئی سے اور حقائق التنزیل میں مذکور ہے کہ سہل بن عبد اللہ تستری کہا کرتے تھے کہ مَنْ صَحَّحَ اِيْمَانَهٗ وَاَخْلَصَ تَوْحِيْدَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَاْنِسُ اِلٰى مُبْتَدِعٍ وَلَا يُجَالِسُهٗ وَلَا يُوَاكِلُهٗ وَلَا يُشَارِبُهٗ وَيُظْهِرُ لَهٗ مِنْ نَفْسِهِ الْعَدَاوَةَ وَمَنْ دَاهَنَ بِمُبْتَدِعٍ سَلَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ يُحِبُّ اِلٰى مُبْتَدِعٍ نُزِعَ نُوْرُ الْاِيْمَانِ مِنْ قَلْبِهٖ یعنی مرد صحیح الایمان کو چاہیے کہ بدعتی لوگوں سے محبت اور الفت نہ رکھے اور اُن کے ساتھ بیٹھنے اور کھانے اور پینے کی عادت نہ ڈالے اور دل سے اُن کے ساتھ عداوت رکھے اور جو شخص بدعتی لوگوں سے ملتا ہے اور اُن کی خاطر سے دین کی بات میں سستی کرتا ہے تو اُس سے ایمان کی حلاوت اللہ تعالیٰ لے لیتا ہے اور جو بدعتی لوگوں سے دل سے دوستی رکھتا ہے تو اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیا جاتا ہے علی الخصوص ایسے منکروں سے جن کے نفس رذیل ہیں یعنی شریر اور بدخلق ہیں ان سے ہرگز موافقت نہ رکھے اگرچہ ظاہری ہی موافقت ہو اس واسطے کہ ان سے ظاہری بھی موافقت رکھنا نیک خلق کے کمال کے نقصان کا سبب پڑتا ہے پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ توفیق نیک عنایت کرے اُس شخص کو ایسے لوگوں سے حذر کرنا اور بچنا ضرور ہے تاکہ صحبت ہمنشینی اور مصاحبت ایسے بدبختوں اور رذیل نفسوں کی اُس کے نیک اخلاق میں نقصان نہ ڈالدے چنانچہ حکم ہوتا ہے وَلَا تُطِعْ اور کہنا نہ مان اور تابعداری مت کر ان سب منکروں میں سے كُلَّ حَلَّافٍ ہر بڑی قسم کھانے والے کی جو ہر بات میں خدا کی قسم کھاتا ہے اس واسطے کہ بہت قسم کھانا نفس کی رذالت کی دلیل ہے دو وجہ سے اول یہ کہ اپنے مالک کی عظمت اور بزرگی کی قدر نہیں جانتا ہے جو اس کے نام پاک کو ایسا ذلیل کرتا ہے اور اس کی ربوبیت کے بھید سے غافل ہے اور نفس کی حرمت اپنے بزرگوں کے ح

سمجھنے سے ہے اور نفس کی رذالت اور کمینہ پن اُن کے حقوق کی غفلت سے اور یہی سبب ہے
کہ رذیل قوم والے یعنی کمینے ماں باپ کا نام تعظیم سے نہیں لیتے ہیں اور کوئی شخص دنیا میں اس قدر
حقوق کسی بندے کی نسبت سے نہیں رکھتا جتنے اپنے خالق اور مالک کے رکھتا ہے اور جب
اس طرح کے حقوق کو نہ پہچانا اور اس کی قدر نہ جانی تو یہ انتہا درجہ کی رذالت اور کمینہ پن کی دلیل
ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص قسم بہت کھاتا ہے وہ اکثر جھوٹا ہوتا ہے اور جھوٹ بولنا بڑی
حقارت کا سبب ہے لوگوں کے نزدیک پھر ایسی حقارت کو جان بوجھ کے ہر وقت اپنے اوپر گوارا
کرنا نفس کی رذالت کی دلیل ہے اور بالکل کمینہ پن ہے اور اس مقام پر ایک اعتراض بہت زبردست
ہے اور اُس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بہت قسم کھانا برائی اور عیب ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
کلام میں کس واسطے بہت قسم آئی ہے اور اکثر باتوں میں آپ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ فرماتے تھے
یعنی قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں جان میری ہے اور جواب اُسکا یہ ہے
کہ قسم کی کثرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں آپ کی قدر اور مرتبے کی زیادتی کا سبب
ہے کئی وجہوں سے اول تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی یاد کو نہیں
بھولتے تھے اور یہ بڑے درجے کی محبت کی علامت ہے موجب اس قول کے مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا
اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ یعنی جو شخص دوست رکھتا ہے کسی چیز کو تو زیادہ کرتا ہے ذکر اُس کا اور دوسری
وجہ یہ ہے کہ جس طرح بانسری بجانے والے کے اختیار میں ہوتی ہے اسی طرح سے آپ اپنے تئیں
ہر وقت ہر بات میں حق تعالیٰ کے اختیار میں سمجھتے تھے اسی واسطے قسم کے مقام پر اکثر نفسی بیدہٖ
کے لفظ کو فرماتے تھے سو یہ بات عبودیت کے صحیح اور ثابت کرنے کے واسطے انتہا درجے کے
مرتبوں میں ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ وے مضمون جن پر آپ قسم یاد فرماتے تھے وے اکثر ایسے
مضمون ہوتے تھے کہ عوام کی عقل اور فکر میں نہیں آسکتے تھے اس واسطے تاکید کی احتیاج پڑتی
تھی تو قسم کے لانے میں دعوت الی اللہ کی تاکید حاصل ہوتی تھی اسی سبب سے دنیا کے کاموں
یعنی بلانا اللہ کی طرف ۱۲
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم کھانے کا اتفاق نہیں ہوا اور جو قسم آپ نے کھائی ہے
سو یا شرعی حکموں کے بیان میں ہے یا حق تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے کے واسطے ہے بخلاف
دوسرے لوگوں کے جو قسمیں بہت کھاتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں اُن کے کلام میں نہیں پائی جاتی

ہیں اور بعضے عالموں نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں قسم کی کثرت کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے نبی ہونے سے پہلے لوگوں کی زبانوں پر ایسی قسمیں جو شرع میں درست نہیں ہیں جاری تھیں جیسے باپ کی قسم بیٹے کی قسم فلانے بزرگ کی قسم فلانے پیشوا کی قسم اپنی آنکھ کی قسم اپنے کان کی قسم لات اور عزی اور دوسرے بتوں کی قسم ان سب قسموں کی وہاں کے لوگوں کو عادت پڑ گئی تھی سو اس عادت کے چھڑانے کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور ہوا کہ اپنے کلام میں بار بار ایسی قسمیں جو شریعت میں درست ہیں استعمال کریں اور لوگوں کو طریقہ قسم کھانے کا سکھلادیں اور ان کی بری قسموں کی عادت کو چھڑا دیں اور اس بات کے واسطے فقط آپ کا منع کر دینا کفایت نہیں کرتا تھا اس واسطے کہ پڑی ہوئی عادت کا چھوٹنا بہت مشکل ہوتا ہے یہ وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں قسم کی کثرت کی حاصل کلام یہ ہے کہ بہت قسم کھانا اس شخص کا بہت معیوب ہے جو یہ صفت بھی رکھتا ہو یعنی پست ہمت اور رذیل طبع ادنی امطلب اور نکمی چیز کے واسطے قسمیں کھاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ کیسے بزرگ نام کو کس خسیس چیز کا وسیلہ کرتا ہے بلکہ یہ اس کی قسموں کی کثرت اس کے نفس کی رذالت اور ذلت کی دلیل ہے اس واسطے کہ اشراف آدمی بزرگ کی قدر پہچانتا ہے اور ہر عزت والے کی عزت اور ادب کی رعایت کرتا ہے اور ذلیل شخص ہر چیز کو اپنے اوپر قیاس کر کے ذلیل سمجھتا ہے ہر چند کہ اس طرح رذیل النفس جو حق تعالی کے نام کی عزت نہ کرے جو کوئی ہو اس سے کنارہ کشی اور احتراز بہتر ہے لیکن اکثر مفسروں نے لکھا ہے کہ اس جگہ ولید بن مغیرہ کے حال سے اشارہ ہے کہ مالدار بھی تھا اور بہت اولاد والا بھی چنانچہ اس کے مال اور اولاد کی تفصیل سورۂ مدثر میں مذکور ہے پھر باوجود اس کے وہ رذالت اس کے نفس کی نہیں جاتی تھی اور اپنے پروردگار کے نام کی عزت اور ادب نہیں کرتا تھا کاش اسی کمینہ پن پر اکتفا کرتا لیکن باوجود اس کمینہ پن کے یہ صفت بھی رکھتا تھا کہ ھَمَّازٍ طعنہ کرنیوالا اور خلق اللہ کو عیب لگانے والا کہ لوگوں کے منہ پر بھی طعن اور تشنیع کرتا اور پیٹھ پیچھے بھی ان کو برا کہتا اور لوگوں کے حسب اور نسب اور خلق اور عادت میں عیب لگاتا گویا ایک کتا تھا بھونکتا ہوا کہ لوگ اس کی صورت سے بیزار تھے اور یہ بھی نہایت کمینہ پن کی دلیل ہے اس واسطے کہ جو سب کی آبرو گنوا دیگا وہ اپنی آبرو پہلے کھو دیگا تو گویا اس کو اپنی آبرو کی کچھ پروا نہیں اور پھر طرفہ یہ ہے کہ لوگوں کی آبرو

پینے میں فقط طعن اور تشنیع پر اکتفا نہیں کرتا تھا بلکہ مَشَّآءٍ بِنَمِيمٍ اپنے پاؤں سے چل کر چغلی کھاتا تھا یعنی ایک کی بات دوسرے کو پہنچاتا تھا تاکہ آپس میں رنج کھا کر لڑ پڑیں اور ایکدوسرے کی آبرو دے اور آپ بھی ایسی حرکتوں سے خفیف اور رسوا ہوتا اس واسطے کہ داناؤں کے نزدیک چغل خوری کرنا بڑی حقارت کی بات ہے چنانچہ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎ ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد شمرد + بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد۔ یعنی جو لوگوں کے عیب تیرے پاس لاوے گا تو تیرے عیب بھی لوگوں کو پہنچاوے گا یہ جو بیان ہوئیں وے اذیتیں ہیں جس میں حق تعالیٰ کی بے ادبی اور لوگوں کی ہتک حرمت اور آبرو گنوانا ثابت ہوتا ہے اور وے اذیتیں جن میں لوگوں کا مال تلف ہو جاوے اور دین دنیا کے فائدے اور حق لوگوں کے نیست اور نابود ہو جاویں وے آگے ہیں چنانچہ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ بہت منع کرنیوالا نیک چیز کا یعنی ہرگز اس بات کا روادار نہیں کہ کوئی کسی سے بھلائی کرے یہاں تک کہ اپنے لڑکوں اور غلاموں اور نوکروں سے کہا کرتا تھا کہ اگر تم میں سے کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور ان کی باتیں سنیں تو اس کا جو مقرر ہے روزینہ یا درماہہ وہ موقوف کر دوں گا اور اس کے خویش و اقربا میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اس کے ساتھ برادری کی راہ سے جو سلوک کرتا تھا وہ موقوف کر دیتا تھا مُعْتَدٍ ظلم اور تعدی کرتا اور لوگوں کے حق جو لازم ہیں وہ نہ دیتا جیسے نوکر کی نوکری اور مزدور کی مزدوری اور کسی معاملہ والے کا حق ادا نہ کرتا اَثِيمٍ بڑا گنہگار کہ شراب بھی پیتا ہے اور زنا اور لونڈے بازی بھی کرتا ہے تو اپنی جان پر بھی ظلم کرتا ہے کہ اس کو ہمیشہ کی ہلاکت میں ڈالتا ہے اور باوجود ان باتوں کے ایک وصف اور بھی رکھتا ہے کہ عُتُلٍّ گردن کش اور طبیعت کا سخت، اور بدخو کہ کسی کی نصیحت اور سمجھانے سے وہ راہ پر نہیں آتا اور خودپسندی کے جال میں گرفتار ہے اگر کسی کی بات سنتا تو امید ہوتی کہ شاید اس کی ان سخت بیماریوں کو کوئی دوا یعنی کسی کی بات مفید ہو جائے گی سو وہ کسی کی بات نہیں سنتا تو اس کا علاج سے اچھا ہونا بھی ممکن نہیں ہے بَعْدَ ذٰلِكَ بعد ان سب عیبوں کے جو اس میں پائے جاتے ہیں زَنِيمٍ ولدالزنا ہے یعنی حرام زادہ ہے کہ اٹھارہ برس تک کوئی اس کا باپ مقرر نہ تھا بعد اٹھارہ برس کے مغیرہ نے کہا کہ یہ میرے نطفے سے پیدا ہوا ہے اس کی ماں سے میں نے برا کام کیا تھا اور بَعْدَ ذٰلِكَ کی لفظ

میں اشارہ ہے اس بات کا کہ یہ صفت برائی میں دوسری سب برائیوں سے بڑھ کے ہے کہ ترقی کر کے سب صفتوں کے بعد اس طرف عقل انتقال کرتی ہے والا اس کا ولد الزنا ہونا خارج میں سب صفتوں سے مقدم تھا اس وجہ سے کہ جب نطفہ خبیث ہوتا ہے اور خلاف شرع حرام طور سے نکلتا ہے اور حرام جگہ میں جا ٹھہرتا ہے تو سب خبیث ہی خلق پیدا کرتا ہے بس گویا یہ صفت جتنے خلق بد ہیں سب کو جامع ہے جیسے جھاڑو کا بندھن کہ سب سینکوں اور کاڑیوں کا جامع ہے اور بعد شمار کرنے ان سب برے خلقوں کے یہ خاطر میں آتا ہے سو کاش کے باوجود ان سب بدخلقوں اور کمینہ پن کے کچھ تھوڑی سی عقل بھی رکھتا کہ اس کے سبب سے یہ سب عیب اس کے چھپتے اور اس قدر فضیحت نہ ہوتا سو عقل سے بے نصیب ہے کہ اَنْ کَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِیْنَ اس سبب سے کہ ہے بہت مال والا اور بہت اولاد والا سو اس پر نازاں اور مغرور ہو کے جھٹلانے اور انکار کرنے میں اسقدر بڑھ چلا کہ جس نے یہ مال اور اولاد دی ہے اسی کا مقابلہ کر بیٹھا اور اسی کی آیتوں کو جھٹلانا شروع کیا یہاں تک کہ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا جب پڑھی جاتی ہیں اس پر آیتیں ہماری تو باوجود اس بات کے جاننے کے اس طرح کا کلام مخلوقات کے مقدور سے خارج ہے اور بے شبہ یہ کلام خالق کا ہے اور وہ ایسا خالق ہے کہ مجھ سے بے حقیقت شخص کو جس کا نہ حسب درست ہے نہ نسب پھر بدخلقی اور بدخصلتیں علاوہ اس کے اس کو کس طرح کی نعمتوں سے یعنی بے انتہا مال اور اولاد کی کثرت اور سرداری سے سرفراز کیا ہے تو مجھ کو لازم ہے کہ ایسے خالق کی شکر گزاری دل اور جان سے کروں سو ان سب باتوں کو جان بوجھ کے ایکطرف رکھ دیا اور ناشکری کر بیٹھا یہاں تک کہ قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہتا ہے کہ جھوٹے قصے ہیں پہلوں کے جو لکھ کر رکھ گئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے سو ایسے موذی بدبخت نافرمان ناشکرے کے واسطے قیامت کے آنے کا بھی انتظار نہ کریں گے جو ہر نیک اور بد کے جزا اور سزا دینے کا دن مقرر ہے بلکہ سَنَسِمُہٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ قریب ہے کہ داغ دیں گے ہم اس کی سونڈ پر یعنی ناک پر جو آدمی کے فخر اور تکبر کرنے کا عضو ہے اور آبرو کا جائے ظہور بھی وہی ناک ہے تاکہ بڑے گنہگاروں کے مانند نکٹا پھرے حضرت عبداللہ بن عباس اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت آئی ہے کہ جنگ بدر کے دن کسی ایک انصاری کی تلوار

اس کی ناک پر لگی اور اُس کی ناک زخمی ہوئی پھر جب لوٹ کر مکہ میں آیا تو کتنی ہی اُس زخم کی دوا
کی لیکن وہ اچھا نہ ہوا اور اس میں خارشت ہوگئی یہاں تک کہ اُسی مرض میں جہنم واصل ہوا علما نے
کہا ہے کہ ولید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک طعن کی تھی یعنی مجنون کہا تھا سو حق تعالیٰ نے
نے دس طعنیں اس پر کیں یعنی دس عیب اُس کے بیان فرمائے اب اس جگہ سے دریافت کیا
چاہیے کہ حقتعالیٰ نے عدل اور انصاف کی راہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذا دینے
والوں کو ایک ایذا کی عوض میں دس سزا دیں پھر جو لوگ کہ آپ کی محبت اور خدمت اور جان نثاری
میں عمر بھر مصروف رہے ہیں اُن کو کم سے کم ایک نیکی کے عوض میں دس انعام سے تو سرفراز کریگا
اسی واسطے حدیث شریف میں آیا کہ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا یعنی آنحضرت ح
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایک مرتبے مجھ پر درود بھیجے گا تو حق تعالیٰ دس مرتبے اُس
کو اپنی رحمت سے نوازے گا اور خرطوم کی لفظ لانے میں جو لغت میں ہاتھی اور سور کی ناک کو کہتے
ہیں کمال حقارت اس کی منظور ہے گویا وہ شخص انسانیت سے نکل کر خسیس ہونے میں مثل سور کے
اور تکبر اور غرور میں مثل ہاتھی کے ہوگیا ہے اور اصحاب فیل کا قصہ بھی اُس نے دیکھا اور سُنا تھا اس
قصے کی طرف بھی اشارہ منظور ہے یعنی ہم وہ ہیں کہ ہاتھیوں کی سونڈوں کو کاٹ ڈالتے ہیں باریک بین
عالموں نے لکھا ہے کہ ہر جانور کی ناک اوپر کی طرف اٹھی ہوتی ہے لیکن ہاتھی اور سُور کی ناک نیچے
کی طرف جھکی اور لٹکی رہتی ہے سو خرطوم کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی تمام ہمت پستی کی
طرف رجوع تھی گویا ترقی معکوس یعنی الٹی ترقی کی تھی اور مرغ کے مانند کہ جتنا بڑا اور موٹا ہوتا ہے اُسی
قدر اُس کی فلاں تنگ ہوجاتی ہے یہی حال اس پست ہمت کا تھا کہ جس قدر اُس کے مال اور اولاد
کی کثرت ہوتی جاتی تھی اسی قدر یہ خساست اور رذالت میں زیادہ بڑھتا جاتا تھا اور یہی خاصہ ہے
رذیل اور پاجیوں کا اور اگر کسی شخص کو اس ولید پلید اور دوسرے اس کے ساتھیوں کا قصہ سُننے سے کہ
اس پاک زمین مکہ معظمہ کو اپنی نجس ریاست سے آلودہ کر رکھا تھا اور وہاں کی حکومت اور فرماں روائی
کا منصب حاصل کیا تھا یہ خاطر میں گزرے کہ اس طرح کے کافروں اور پاجیوں کو کس واسطے بڑھانا
تھا اور ایسی متبرک جگہ کی ریاست اور حکومت کیوں دینا تھی تاکہ وے اس قسم کی برائیاں اور قباحتیں
ظاہر کریں اور لوگ چار ناچار اُن کے طریقے کی پیروی میں گرفتار ہو کے گمراہی کے بھنور میں ڈوب کر

ہلاک ہوویں اور ایسے پیغمبر جلیل القدر کو اُن کے سبب سے ایذا پہنچے اس کے جواب میں فرماتے ہیں
کما بَلَوۡنَا ہُمۡ بیشک ہم جانچتے ہیں اُن مکے کے بداخلاق لوگوں کو مال اور ریاست دیکے تاکہ ہم
دیکھیں کہ یہ لوگ ظاہری مال اور مرتبے کی پیروی کرتے ہیں اور اُن ہی پاجی کافروں کے حکم اور مشورے
پر چلتے ہیں اور رسول کے حق کو یعنی اُس کی تعظیم اور تابعداری کو چھوڑتے ہیں تاکہ اُس کی سزائیں قحط
اور سرداروں کے قتل اور مال کے نقصان اور فوجوں کی دہشت میں گرفتار ہوویں یا حق کو پہچانتے
ہیں اور حق اللہ تعالیٰ اور حق الرسول کو اپنے سرداروں اور مالداروں کی تابعداری پر مقدم کرکے ادا کرتے
ہیں تاکہ اس حق شناسی کے وسیلے سے دارین کی سعادت کو پہنچیں اور سب ملکوں اور شہروں
پر غالب ہو کے فتح حاصل کریں اور بے گنتی خزانوں کے مالک ہوویں کَمَا بَلَوۡنَا جیسا کہ جانچا تھا ہم نے
اسی طرح اَصۡحَابَ الۡجَنَّۃِ باغ والوں کو جو باغ ضروان کر کے مشہور تھا اور وہ ایک باغ تھا صنعا
شہر کے متصل جو دار السلطنت یمن کا ہے اس شہر سے تین کوس پر سر راہ اس باغ کا مالک تھا ایک
شخص بنی ثقیف میں سے اس باغ میں میوہ دار درخت لگائے تھے اور وہ کھیتی جس کا محصول بہت
ہو وہاں کرتا تھا اور اس کو اس باغ سے ہر فصل میں بہت کچھ حاصل ہوتا تھا اور اس نے اپنے اوپر
ایسا مقرر کیا تھا کہ میوہ چننے اور کھیت کاٹنے سے جو کچھ باقی رہتا تھا وہ فقیروں کو دیتا تھا اور کھلیان
اٹھانے کے وقت جو کچھ ہوا سے ادھر ادھر ہو جاتا تھا وہ بھی فقیروں کو دیتا تھا اور میوہ جھاڑنے میں
جو کچھ فرش سے باہر گرے وہ بھی فقیروں کو دیتا تھا اور اس باغ کے حاصل کو جب گھر میں لاتا تھا
تو دسواں حصہ اُسکا بھی فقیروں کو دیتا اور اسی طرح جب اس آٹے کی روٹی پکتی تو دس روٹیوں
میں سے ایک روٹی فقیروں کو دیتا تھا جب وہ شخص مرا تو اس کے تین بیٹے تھے وے وارث
ہوئے اور انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ہم سب اہل وعیال والے ہیں جورو اور بچے رکھتے ہیں
ہمارے باپ کے ایک گھر تھا اب ہمارے تین گھر ہوئے تو جتنا ہمارا باپ فقیروں کو دیتا تھا ہم
اتنا نہیں دے سکتے ہیں اس کی کیا تدبیر کیا چاہیے منجھلے بھائی نے کہا کہ کچھ تدبیر مت کرو اور اپنے
باپ کے طریقے پر چلے جاؤ حق تعالیٰ اسی میں برکت دے گا ان دونوں بھائیوں نے اس کی بات نہ سُنی
اور آپس میں یہ صلاح کی کہ میوہ توڑنے اور کھیت کاٹنے کے وقت فقیروں کو آنے نہ دیں گے بلکہ
بے خبر باغ میں جا کر میوہ توڑ کر کھیت کاٹ کر گھر میں لے آدیں گے اور فقیروں کا حصہ جُدا نہ کریں گے

ہاں اگر کوئی فقیر ہمارے کھانے کے وقت آجائے گا تو کوئی ٹکڑا روٹی کا اس کو بھی دے دیں گے
اور اس منجھلے بھائی کو بھی کچھ ملامت کر کے اور دھمکا کے چپ کیا اِذْ اَقْسَمُوْا جب آپس میں اُن تینوں
بھائیوں نے قسمیں کھائیں اس مضمون کی کہ لَیَصْرِمُنَّھَا مقرر کاٹیں گے میوہ اور کھیتی اس باغ کی
مُصْبِحِیْنَ صبح ہوتے تاکہ کسی فقیر اور مسکین کو خبر نہ ہو اور اُن کا باپ دن چڑھے میوہ اور کھیت
کاٹتا تھا تاکہ سب فقیر جمع ہو کے اپنا حق لے لیں وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ اور ہرگز کسی نے انشاءاللہ نہ
کہا تاکہ اُن پر قسم نہ پڑنے کا بھی احتمال ہو سکتا اسواسطے کہ شرع کا حکم ایسا ہے کہ اگر کوئی کسی چیز پر
قسم کھاوے اور اس کے ساتھ ہی انشاءاللہ بھی کہے تو وہ قسم اس کے ذمہ پر لازم نہیں ہوتی چاہے
اس قسم کے موافق کرے چاہے نہ کرے اور انہوں نے اس واسطے انشاءاللہ نہ کہا کہ منجھلے بھائی کا
کہنا جو اس بات پر راضی نہ تھا کسی طرح منصور نہ ہو سکے اور خواہ مخواہ قسم کے موافق کرنا پڑے اور
جس رات کو انہوں نے یہ ارادہ کیا اور آپس میں اس ارادے پر عہد و پیمان مضبوط کر کے سوئے اس
رات کو حکم الٰہی دوسرے رنگ پر نازل ہوا یعنی فَطَافَ عَلَیْھَا پھر گرد پھر گیا اس باغ اور کھیت کے
طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّکَ پھرنیوالا تیرے رب کی طرف سے اور وہ ایک آگ تھی آسمان پر سے گری اور
اس باغ کے درخت اور مکان اور بیل اور مالی اور کسانوں کو بالکل جلا دیا وَھُمْ نَآئِمُوْنَ اور وے
سوتے تھے جس طرح مکے والے قحط کے آنے اور بدر کی شکست اور دوسری لڑائیوں سے غافل
ہیں اور تیرا حق یعنے تجھ کو پیغمبر سمجھ کے تعظیم اور تابعداری کرنا اور حق تعالیٰ کی آیتوں کا حق یعنی اس پر
ایمان لانا اور ان کو سچا جاننا ادا نہیں کرتے فَاَصْبَحَتْ پھر صبح کو ہو گیا اُن کا باغ کَالصَّرِیْمِ جیسے
کھیت کٹا ہوا کہ کچھ بھی کھیتی اور درختوں کا نشان اس میں باقی نہ رہا اور وے صبح ہوتے اس غفلت
کی نیند سے اُٹھے اور اپنے باغ کے حال سے بے خبر تھے فَتَنَادَوْا مُصْبِحِیْنَ پھر آپس میں پکارا
ان تینوں بھائیوں نے صبح ہوتے اَنِ اغْدُوْا عَلٰی حَرْثِکُمْ کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر اِنْ
کُنْتُمْ صَارِمِیْنَ اگر تم ہو آج کھیتی کاٹنے والے اسواسطے کہ اگر دیر کرو گے تو فقیروں کے ہجوم
سے کھیتی کا کاٹنا آج نہ ہو سکے گا پھر کل پر رہے گا اور یہ نہیں جانتے تھے کہ ہمارے جانے سے پہلے
کھیتی کٹ کے دونوں حصے مالک کی سرکار میں ضبطی ہو گئے فَانْطَلَقُوْا پھر چلے وے تینوں بھائی
نوکروں اور مزدوروں کو لے کر وَھُمْ یَتَخَافَتُوْنَ اور وے آپس میں چپکے چپکے کہتے تھے اور چھپے

چھپے کوچے اور گلیوں سے جاتے تھے اور مطلب ان کا اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ یہ تھا کہ آنے نہ پاوے اس باغ میں آج تمہارے پاس کوئی فقیر اور مسکین اسواسطے کہ اگر کوئی فقیر اس باغ میں آجائے گا تو شرماشرمی کچھ نہ کچھ دینا پڑے گا سو اس کی تدبیر یہ ہے کہ دروازے پر آدمیوں کو بٹھا دیا چاہیے تاکہ کسی فقیر کو باغ کے اندر آنے نہ دے چنانچہ مکے والے بھی یہی کرتے تھے کہ شہر کے غریبوں اور ضعیفوں کو اسلام میں داخل ہونے نہ دیتے تھے وَغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ اور صبح کو سویرے پہنچے فقیروں کے منع کرنے پر مستعد اور ہٹ کرنیوالے ہوکر فَلَمَّا رَاَوْهَا پھر جب دیکھا اس باغ کو جلا ہوا اور اس کے مکان ڈھے پڑے اور درخت اور کھیتی سب نیست اور نابود ہوئی تو نہ پہچانا کہ یہ ہمارا باغ ہے اور قَالُوْٓا کہنے لگے آپس میں کہ ہم کہاں آگئے یہ تو ہمارا باغ نہیں ہے اِنَّا لَضَآلُّوْنَ مقرر ہم راہ بھولے ہیں اور پہلی صبح کے اندھیرے کے سبب سے کہیں دوسری طرف آگئے پھر جب داہنے بائیں خوب غور کر کے دیکھا اور اپنے باغ کی نشانیاں پہچانیں تب کہنے لگے کہ ہم راہ نہیں بھولے بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ بلکہ ہم حق تعالیٰ کی درگاہ سے محروم کیئے گئے اور نصیب ہمارے پھوٹے کہ بدون کسی ظاہری سبب کے ایسا باغ ہمارا پھلا ہوا جو ہماری گذران کی پونجی تھی سو خاک سیاہ ہوگیا اسی طرح مکے والے قحط اور بدر کی لڑائی کو دیکھ کر پہلے کہیں گے کہ یہ قحط نہیں ہے تھوڑے دنوں پانی برسنا تھم گیا ہے آگے چل کے برسے گا اور یہ شکست بدر کی کچھ عذاب الٰہی کی علامت نہیں ہے اگر اب کی شکست ہوئی ہے پھر آگے چل کے ہماری فتح ہوگی مگر جب دیکھیں گے کہ قحط پر قحط اور شکست پر شکست ہوتی چلی جاتی ہے تب جانیں گے کہ ہمارے نصیب پھوٹے اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے بے نصیب ہوئے جیسا کہ ان باغ والوں نے اسوقت جانا پھر ہاتھ ملنے لگے اور افسوس کرنے لگے تب قَالَ اَوْسَطُهُمْ کہا ان کے منجھلے بھائی نے جب دیکھا کہ اپنی بے نصیبی پر افسوس کر رہے ہیں اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو اس کے پہلے کہ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ کیوں نہیں پاک جانتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس سے کہ اپنے وعدے میں خلاف کرے اور فقیروں کو زکوٰۃ اور خیرات دینے سے مال میں برکت نہ کرے اور کیوں بدگمانی کی اللہ تعالیٰ پر کہ فقیروں کے دینے سے ہم کو فقر میں گرفتار کردے گا اور ہم محتاج ہوجاویں گے

اس جگہ سے معلوم ہوا کہ بخیل ضرور اللہ تعالیٰ سے بدگمان رہتا ہے اسی واسطے حدیث شریف
میں آیا ہے کہ اَلْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِّنَ ح
النَّارِ یعنی بخیل دور ہے اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے دور ہے لوگوں سے دور ہے بہشت سے
نزدیک ہے دوزخ سے اور سخی کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور بخشش پر اعتماد کرنا اور اس کے
وعدے کو سچا جاننا لازم ہے اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰہِ ح
قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ یعنی سخی نزدیک ہے اللہ تعالیٰ کی
درگاہ سے نزدیک ہے لوگوں سے نزدیک ہے بہشت سے دور ہے دوزخ سے اور یہ بھی
حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزوں پر میں قسم کھا کر کہتا ہوں
اس واسطے کہ ظاہر میں عقل سے دور معلوم ہوتی ہیں اوّل یہ کہ مَا نَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِّنْ مَّالٍ یعنی ہرگز
کم نہیں کرتا ہے دینا مال کو اگرچہ ظاہر میں تمہاری سمجھ میں نقصان معلوم ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ
مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ یعنی ہرگز اللہ تعالیٰ کے واسطے کوئی جھکتا نہیں مگر اللہ ح
تعالیٰ اس کے مرتبہ کو بلند کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے واسطے جھکنا ہے اوّل قرآن کے حافظ کی
تعظیم کرنا اور اس کے معنی جاننے والے کی اور اس پر عمل کرنیوالے کی دوسرے بڈھے مسلمان
کی تعظیم کرنا تیسرے ماں باپ کی تعظیم اور تیسرے یہ کہ مَا زَادَ عَبْدٌ بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا یعنی نہیں زیادہ ح
ہوتی ہے بندے کو درگذرنے سے مگر عزت یعنی جو شخص باوجود قدرت کے اپنا عوض دوسرے
سے نہ لے اور اس کو معاف کر دے تو البتہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو عزت بخشتا ہے اگرچہ ظاہر میں
بدلہ نہ لینا ذلت معلوم ہوتا ہے پھر جب وے دونوں بھائی اور ان کے صلاح دینے والے منجھلے
بھائی کی نصیحت سے خبردار ہوئے تو اس سب خرابی کے بعد قَالُوْا بولے کہ اب ہم بھی معتقد
ہوئے کہ سُبْحَانَ رَبِّنَا پاک ہے ہمارا پروردگار اس بات سے کہ اپنے وعدے کیخلاف
کرے اور ان سخی جوانمردوں کو جو اس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں برکت نہ دے اِنَّا کُنَّا
ظٰلِمِیْنَ بے شک ہم تھے ظلم کرنیوالے کہ فقیروں کے حق میں نیت بدکی اور اپنے باپ کے
طریقے کو چھوڑ دیا اور اعتماد اور بھروسا اللہ تعالیٰ کے سچے وعدے پر نہ کیا اور جب اپنی تقصیر اور
گناہوں کا اقرار کیا فَاَقْبَلَ بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ پھر متوجہ ہوئے اور منہ پھیرا

ایک نے دوسرے کی طرف آپس میں ملامت کرنے اور اولاہنا دینے کو چنانچہ ایک بھائی نے دوسرے بھائی سے کہا کہ پہلے تو نے یہ مشورہ دیا تھا کہ فقیروں کو نہ آنے دیا چاہیے اور صبح کو سویرے چلیے اس نے اس کو ملامت کی کہ پہلے تو نے مجھ کو مفلسی سے ڈرایا تھا اور کہا تھا کہ ہمارے اہل عیال جورو لڑکے بہت ہیں اور مجھ سے ان کی تدبیر پوچھی تھی پھر وے دونوں بھائی اپنے صلاح کاروں کی طرف پھرے اور ان کو ملامت کرنے لگے آخر بعد اس تھکا فضیحتی کے جب دیکھا کہ اب ملامت کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا تب مضطر اور حیران ہو کر قَالُوا بولے سب ملکر یَا وَیْلَنَا اے خرابی ہے ہماری اِنَّا کُنَّا طَاغِیْنَ بیشک ہم سب تھے سرکش حد سے بڑھنے والے اس واسطے کہ ہم کو اس بات میں مشورہ لینا کیا ضرور تھا اس لیے کہ نیک بات میں مشورہ لینا نہ چاہیے اور ہمارے مشورہ دینے والوں کو یہ کیا مناسب تھا کہ حق تعالےٰ کو بالکل موقوف کرنے کی صلاح دی اور اب ہم کہ اپنی اس ظلم اور نافرمانی پر نادم اور شرمندہ ہوئے ہیں عَسٰی رَبُّنَا امید رکھتے ہیں اپنے پروردگار سے اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَا اس کی کہ بدلے میں وے ہم کو اس سے بہتر باغ اور دوسری طرح سے اس سال کی روزی ہم پر کشادہ کرے اس واسطے کہ ہم نے پہلے اگرچہ اُس کے کرم پر بھروسہ نہ کیا لیکن اب باوجود اس بلا کے دیکھنے کے اُس کی مہربانی سے ناامید نہیں ہیں اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ بیشک ہم اپنے پروردگار کیطرف بڑی آرزو رکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ حق تعالےٰ نے اس اخلاص کے کلمے کو اُن سے پسند کیا اور جب وے تینوں بھائی افسوس کرتے ہوئے شہر کو پہنچے اس شہر کے بادشاہ نے یہ انکا حال سُنا تو اپنے باغوں میں سے ایک باغ بہت خوب جس کا نام حیوان تھا اُن کو عنایت کیا اس باغ میں انگور کا خوشہ اتنا بڑا ہوتا تھا کہ ایک خوشہ ایک خچر کا بوجھ ہوتا تھا اسی طرح بہت لوگ مکے کے اپنے ماں باپ اور خویش و اقربا کے مارے جانے کے بعد اور مال اور اسباب لڑائیوں میں لٹ جانے کے بعد اور سات برس قحط میں مبتلا ہونے کے بعد جس میں مردوں کی ہڈیاں جوش کر کے اور مردار چمڑا بھون کر کھایا اور اونٹ کے اوجھ کا پانی پیا آخر کو نادم اور پشیمان ہو کر چار ناچار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی جو بہت بڑی نعمت تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی قدر اور قرآن مجید پر ایمان لانے کی نعمت کو پہچانا اور راہ پر آئے

اور اپنی سرکشی کے قائل ہوئے اور ایمان لائے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو نوازا اور چھ سو چھپن[۶۵۶] برس
تک تمام روئے زمین کی خلافت اور سلطنت سے سرفراز کیا اور ہر طرف کی فتحیں اور خزانے بیشمار
اور ہزاروں شہر آباد اور فضا والے اور باغات عمدہ بہار دار دل لگن اُن کو عنایت فرمائے آخر کو
چھ سو چھپن[۶۵۶] برس کے بعد چنگیز خانیوں کے ہاتھ سے اُن کی ریاست برباد ہوئی اور پھر آج تک
اُن پاس نہ آئی اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ
دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اب حق تعالیٰ اس بیان کے بعد یعنے مکے والوں
کا حال باغ ضروان کے مالکوں کے مطابق ہی فرماتا ہے كَذٰلِكَ الْعَذَابُ اسی طرح آتا
ہے عذاب یعنی مکے والوں کا ان آفتوں میں مبتلا ہونا یہ دنیا کا عذاب ہے جیسے باغ ضروان
کے مالک ایک دنیا کی آفت میں مبتلا ہوئے تھے لیکن اس عذاب کے بعد بہتری کی امید باقی
رہتی ہے اور توبہ کرنا اور شرمندہ ہونا اور اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ایسے عذاب کے دفع کرنے کے
واسطے بہت مفید ہوتا ہے وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ اور البتہ عذاب آخرت کا بہت
سخت ہے اُس کو دنیا کے عذاب پر قیاس کرنا نہ چاہیے اس واسطے کہ حق تعالیٰ کا غضب اُس
وقت میں نہایت شدت پر ہوگا اسقدر کہ اس عذاب کے بعد امید نہ رہے گی اور توبہ اور
استغفار اور شرمندگی اور گناہ کا اقرار اس عذاب کے دفع کرنے میں کچھ کام نہ آوے گا لیکن اتنا
البتہ ہوگا کہ ایماندار گناہگاروں کو اُن کے گناہ کے موافق تنبیہ کے بعد بہشت میں داخل کریں گے اور
وہ اُن کی تنبیہ حقیقت میں عذاب نہیں ہے بلکہ گناہوں کی گندگی سے اُن کو پاک کرنے کے واسطے
ہے تاکہ بہشت کے جانے کے لائق ہو دیں جس طرح کسی غریب گوڈری پہنے ہوئے گرد و غبار میں
آلودہ سفر کے مارے ہوئے کو جب بادشاہ کے سامنے لے جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو پہلے اُسکو
گرم حمام میں لے جا کر حجامت بنوا کر حمامی کھیسے والوں سے اُس کے بدن کو ملوا کر گرم پانی سے
خوب غسل کرواتے ہیں تاکہ حمام کی گرمی اور گرم پانی سے اُس کے بدن کا میل اور بدبو بالکل جاتی
رہے اور بادشاہ کی مجلس کے حاضر ہونے کے قابل ہووے لیکن ان باتوں کو وے سمجھتے ہیں
جو ہر چیز کی حقیقت کو پہچانتے ہیں اور آخرت کی حقیقت کو دنیا کی حقیقت پر بڑھ کر جانتے ہیں
اور یہ کافر بھی ان چیزوں کو بوجھتے لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اگر ان چیزوں کی حقیقت کو جانتے

اور آخرت کے معاملات کو دنیا کے احوال پر قیاس نہ کرتے لیکن یہ ایسے نادان اور بے تمیز ہیں کہ
کہتے ہیں جس طرح باغ ضروان کے قصے میں منجھلا بھائی اُنکا باوجود منع کرنے اور راضی نہ ہونے
کے بھی اسی آفت میں گرفتار ہوا اور باغ میں سے اُس کا بھی حصہ جل گیا اور اسی طرح مکے کے
ایماندار بھی ہمارے ساتھ قحط میں شریک ہوئے اور بھوک پیاس کی بلا میں گرفتار ہوئے تو اسی طرح
آخرت کے عذاب میں بھی سب نیک اور بد شریک ہوں گے اور وہاں بھی کچھ فرق نہ ہوگا سو
یہ قیاس کرنا ان کا غلط ہے اور دنیا اور آخرت کے احوال میں بڑا فرق ہے اس واسطے کہ اِنَّ
لِلْمُتَّقِيْنَ بے شک پرہیزگاروں کے واسطے اگرچہ دنیا میں رنج اور تکلیف بہت پہنچی جیسے
باغ کا جل جانا اور مال اور اسباب کا برباد ہو جانا اور قحط میں مبتلا ہونا لیکن اُن کو عِنْدَ رَبِّهِمْ
اُن کے پروردگار کے نزدیک اس دنیا کی تکلیف اور رنج کے بدلے ہیں جَنّٰتِ النَّعِيْمِ باغ
ہیں نعمت سے بھرے ہوئے تو دنیا کی مصیبتوں میں ان لوگوں کا کافروں اور گنہگاروں کے ساتھ
شریک ہونا گویا اُن کے واسطے عبادت اور ریاضت کی قسم سے ہوا اس واسطے کہ اُن کا دنیا کے
رنج میں شریک ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُن کے مرتبوں کی ترقی کا سبب ہوتا ہے اور یہ فرق
ظاہر ہے اس واسطے کہ متقی پرہیزگار ہمیشہ اپنے مالک کے حکم کے تابعدار ہیں اور کافر بدکار ہمیشہ ہے
مالک کے حکم سے سرکش اور نافرمان بردار اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ کیا پھر کریں گے
ہم مسلمانوں اور تابعداروں کو جو ہر حکم کو ہمارے مانتے رہے ہیں گنہگار اور بدکاروں کے مانند جو ہمیشہ
ہمارے حکم کا انکار ہی کرتے رہے مَا لَكُمْ کیا ہوا ہے تمکو باوجود عقل اور دانائی کے كَيْفَ
تَحْكُمُوْنَ کیسا حکم کرتے ہو کہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان میں کچھ فرق نہیں ہے اور حال یہ
ہے کہ ہر ایک تم میں سے لونڈی اور غلام اور خدمتگار رکھتا ہے پھر ان میں سے جو تابعدار اور حکم
بردار ہوتا ہے اس کو سرکش حکم نہ ماننے والے کے برابر نہیں کرتے ہو بلکہ تم اپنی بزرگی اور بڑائی
پر مغرور ہو کے یہ دعوی کرتے ہو کہ اگر قیامت کے دن مسلمانوں پر عنایت اور بخشش ہوگی تو تم پر
... سے بھی ... بزرگی چنانچہ مقاتل سے روایت آئی ہے کہ مکے کے کافروں نے اس
... کے بعد مسلمانوں سے کہا تھا کہ حق تعالیٰ نے دنیا میں تم پر ہمکو بزرگی دی ہے تو
آخرت میں بھی ضرور ہم کو تم پر بزرگ کرے گا تب حق تعالیٰ نے اُن کے اس فاسد خیال کو باطل

کر کے فرمایا کہ برابری درمیان تابعدار اور گنہگار آدمی کی پیدائشی دانست اور بوجھ کے خلاف ہے پھر تابعدار پر گنہگار کی ترجیح کا کیا ذکر ہے اس واسطے کہ یہ بات عقل کے بالکل خلاف ہے اور اگر یہ کافر کہیں کہ آخرت کے کاموں کو عقل پورا قیاس نہیں کر سکتی اس واسطے کہ وے کام محض توقیفی ہیں یعنے شارع کے بتانے پر موقوف ہیں اُن کی وجہ عقل میں نہیں آسکتی تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اس صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے کہ فِيهِ تَدْرُسُونَ اس کتاب میں تم پڑھتے ہو کوئی دلیل ظاہر کو اس واسطے کہ خفی یعنی پوشیدہ چیز پڑھی نہیں جاتی بلکہ کلام سے بوجھ لی جاتی ہے اور اُس ظاہر دلیل کا مضمون یہ ہے کہ اِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ مقرر تمہارے واسطے اس کتاب میں وعدہ دیا ہے کہ جو کچھ بہتر اور اچھا جان کر تم اپنے واسطے پسند کر کے مانگو گے وہ تم کو ہم دیں گے اور اگر تم کہو کہ ہمارے پاس اگرچہ اس طرح کی کوئی کتاب نہیں ہے لیکن حق تعالیٰ کا معاملہ ہم لوگوں سے ابتدائے پیدائش سے اب تک اسی قسم کا رہا ہے اور حق تعالیٰ اپنے معمول کے خلاف نہ کریگا تو ہم کہیں گے کہ بھلا ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا کیا تمہارے لیے ہمارے ذمے پر قسمیں ہیں یعنی ہم نے کیا تم سے قسمیں کھائی ہیں اور وے قسمیں بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ پہنچنے والی ہیں قیامت تک یعنی تمہاری ابتدائے پیدائش سے قیامت کے دن تک ہم تمہارے ساتھ یکساں معاملہ کریں گے اور ہرگز کچھ بھی تغیر اور تبدل اس معاملہ میں نہ ہونے پاوے گا اس واسطے کہ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ان قسموں کا مضمون یہ ہے کہ بے شک تم کو ہم دیں گے جو تم حکم کرو گے اور یہ بات ظاہر ہے کہ چند دنوں کا معمول جب تک عہد و پیمان اس کے درمیان میں نہ ہو تب تک اس پر اعتماد اور بھروسا کرنا نہ چاہیے اور اگر تعنت کی راہ سے یعنی تم کو ذلت دینے کے واسطے یہ کافر کہیں کہ ہاں اس طرح کا عہد و پیمان حق تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس ہے تو سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيمٌ پوچھ ان سے کہ کون ان میں سے اس طرح کی قسم ثابت کرنے کا ذمہ کرتا ہے اور ضامن ہوتا ہے اور اگر یہ کافر کہیں کہ ہمارا اعتقاد حق تعالیٰ کے کرم پر نہیں ہے اور نہ اُس کی طرف سے کوئی سند اس عہد کی ہمارے پاس ہے لیکن ہمارا اعتماد اور بھروسا ان لوگوں پر ہے جن کی ہم نے عمر بھر عبادت کی ہے اور اُن ہی کی فرمانبرداری میں اپنی عمر گذاری

ہے اور وے لوگ حق تعالیٰ کی درگاہ میں اس طرح کے مقرب اور رتبے والے ہیں کہ کوئی کام بدون ان کی صلاح اور مشورہ لیے ہوئے اور ان کو شریک اور شامل کیے ہوئے نہیں کرتے ہیں اگر کبھی حق تعالیٰ ہم پر غصہ بھی کرے گا تو وے معبود اور پیشوا کچھ عرض اور معروض کرکے سمجھا لینگے لیں گے اور ہمارا معاملہ جس طرح دنیا میں ہے اسی طرح برقرار رہے گا اور اس میں کسی طرح سے نقصان اور خرابی آنے نہ دیں گے تو ہم کہتے ہیں کہ اب ان سے پوچھا چاہیے کہ اَمْ لَھُمْ شُرَکَآءُ کیا ان کے واسطے اس طرح کے شریک ہیں فَلْیَاْتُوْا بِشُرَکَآئِھِمْ پھر چاہیے کہ لے آویں اپنے شریکوں کو حق تعالیٰ کے مقابلے میں خصوصاً جس وقت ان پر قحط پڑتا ہے اور مسلمانوں کی لڑائیوں کے وقت کہ پے در پے ہوتی جاتی ہیں اور ان کی شکست پر شکست ہوتی جاتی ہے اِنْ کَانُوْا صٰدِقِیْنَ اگر یہ لوگ ہیں سچ بولنے والے کہ ہمارے معبود دل کو حق تعالیٰ کے کارخانوں میں دخل ہے اور بدون ان کے مشورے کے دنیا میں کچھ نہیں ہوتا اور کشاف والے نے اس آیت کے ایک عجیب معنے کہے ہیں کہ وے بھی لطافت سے خالی نہیں ہیں یعنی اَمْ لَھُمْ شُرَکَآءُ اَیْ نَاسٌ یُشَارِکُوْنَھُمْ فِیْ ھٰذَا الْقَوْلِ یعنی کوئی اور بھی لوگ اس بات میں ان کے شریک ہیں اور اس تفسیر پر اس آیت کے معنے یوں ہوں گے کہ اگر ان کا فر دل کو اپنے وعدے پر (یعنی تابعدار اور گنہگار کی برابری پر یا گنہگار کی فضیلت مسلمان پر) کوئی دلیل عقلی یا نقلی میسر نہیں ہوتی ہے تو اب ان سے پوچھا چاہیے کہ کوئی عاقل جہان میں اس بات اور اس مذہب میں ان کے ساتھ شریک ہے اس واسطے کہ دانا کی بات کے ساتھ بات کا ملنا بھی ایک دلیل ہے سو اگر کوئی دانا اس بات میں ان کے ساتھ شریک ہو تو ان کو چاہیے کہ اس اپنے شریک کو بحث اور مناظرے کے وقت مقابلے میں لے آویں اور جو نہیں لاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ کوئی دانا اور عاقل اس بات میں ان کا شریک نہیں ہے اور اس واہی مذہب کو کسی نے قبول نہیں کیا ہے سب عاقلوں سے یہ علیحدہ ہیں اور جب کوئی دلیل عقلی یا نقلی اس وعدے پر ان کو نہ ملی اور کسی عاقل کا قول ان کے قول کے ساتھ نہ ملا تو معلوم ہوا کہ ان کا یہ قول بے اصل اور جھوٹا ہے لیکن مشہور معنے شرکاء کی لفظ کے تمام قرآن مجید میں جھوٹے معبودوں کے ہیں اور مشہور کے خلاف قرآن شریف کے لفظوں کی تفسیر کرنا اچھا نہیں ہے اور اگر یہ کافر کہیں کہ ہم

معبود حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کے مظاہر ہیں یعنی جائے ظہور ہیں اور اس کے ساتھ اتحاد رکھتے ہیں اور جو نسبت مظہر کو ساتھ ظاہر کے ہے وہی اُن کو حاصل ہے کچھ اُن کے اور حق تعالیٰ کے درمیان غیریت نہیں ہے اور نہ مقابلہ تاکہ اُن کو اس جھگڑے اور اپنے غلبے کے واسطے حق تعالیٰ کی جناب میں مقابلے کو لاویں اور ہماری عبادت اپنے معبودوں کی عین خدا کی عبادت ہے اور ہمارا دیکھنا اور نظر کرنا اپنے معبودوں کی طرف عین خدا کی طرف نظر کرنا ہے ہم تو اُن کو اپنی عبادت میں واسطہ جانتے ہیں اور دیکھنے میں عینک کی طرح اُن کو جانتے ہیں اس واسطے کہ تنزیہ صرف کے مرتبے کی عبادت کرنا اور اس مرتبے کا دیکھنا نہ ظاہر کی آنکھ سے ہم کو حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل کی آنکھ سے ان دونوں طرح سے عجز ہم کو حاصل ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی خیال تمہارا باطل اور جھوٹا ہے اسواسطے کہ اگر تمہارے معبود عبادت میں واسطہ اور دیکھنے میں عینک کے مانند ہوتے تو تمہاری سب عبادت اور نظر کرنا حق تعالےٰ کی ذات پاک تک پہنچتا اور اس عبادت اور توجہ کا اثر عملوں کے آثار ظاہر ہونے کے دن یعنی قیامت کے دن ظاہر ہوتا لیکن تم کو یہ عبادت ہرگز فائدہ نہ بخشے گی اور اس توجہ اور نظر کا اثر کچھ بھی ظاہر نہ ہو گا یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ جس دن ظاہر کیا جائے گا اور پردہ کھولا جائے گا اس حقیقت سے جس کا نام ساق یعنی پنڈلی ہے اور اس کی نسبت تمام الٰہیہ حقیقتوں کے ساتھ ایسی ہے جیسے پنڈلی کی نسبت آدمی کے سب اعضاؤں کے ساتھ ہے اس جگہ پر جاننا چاہیے کہ حقائق الٰہیہ عبارت ہیں کمال الٰہی کے جہات سے جو عالم میں ظہور کرتے ہیں اور یہ حقائق صفات کے سوائے ہیں اس واسطے کہ کمال کی صفتیں بالکل ان حقائق میں مجتمع ہیں اس لیے کہ جو کمال الٰہی ہے وہ سب صفات کمال کو لیے ہوئے ہے صفتوں کو جُدا جُدا عالم میں ظہور نہیں ہے جیسے علم بے قدرت کے اور قدرت بے ارادے کے اور یہ تینوں بیحیات کے ظہور نہیں کرتی ہیں بخلاف جہات کمال کے کہ وہاں ہر جہت ظہور میں مستقل اور منفرد ہے اور جو یہ حقائق صفات اور ذات کے درمیان میں برزخ واقع ہوئے ہیں اور صفات کو استقلال نہیں ہے تابع محض ہیں اور ذات اصل الاصول ہے یعنی اصل ہے سب اصلوں کی اور ہر وجہ سے استقلال کامل رکھتی ہے اسواسطے ان حقائق کو تشبیہ اور استعارے کے طور پر اعضاؤں کے نام سے مسمّٰی کیا ہے اور واقع میں بھی یہی ہے کہ جہان میں ایسی کوئی نسبت جو بہت مشابہت

رکھتی ہو اس نسبت سے جو حقائق الٰہیہ کو ذات کے ساتھ ہے سوائے اس نسبت کے جو ہر ایک عضو کو ذات کے ساتھ ہے پائی نہیں جاتی اسواسطے کہ ہر ہر عضو ذات کے کمال کی جہتوں کے مظاہر ہیں نہ صفات کی طرح بالکل تابع اور غیر مستقل ہیں اور نہ ذات کے مانند متوحد اور مستقل سو جو کچھ شریعت مطہرہ میں ان حقیقتوں کی تفصیل اور توضیح میں آیا ہے سو وے کئی چیزیں ہیں جیسے وجہ یعنی منہ اور عین یعنی ذات اور ید یعنی ہاتھ اور یمین یعنی داہنا ہاتھ اور اصابع یعنی انگلیاں اور حقو یعنی کمر اور ساق یعنی پنڈلی اور قدم یعنی پاؤں اور دو وصف دوسرے ان ہی حقیقتوں کے ساتھ لاحق ہیں اس طور سے کہ ان صفتوں کے جمع ہونے کے سبب سے ایک شکل علیحدہ پکڑ کے ظہور کرتے ہیں اگرچہ اصل میں اعضا کا حکم نہیں رکھتے ہیں سو اُن میں سے ایک دور ہے اور دوسرا دراز ہے اور اُن حقیقتوں کے سمجھنے میں لوگوں نے بہت سی افراط اور تفریط کی ہے اور اونچ نیچ میں پڑ گئے ہیں ایک گروہ نے نادانی سے بدون سمجھے بوجھے اس کامل حقیقت کے متعلق گمراہی کے بھنور میں یعنی تشبیہ ظاہری میں پڑ گئے اور ان حقیقتوں کو اعضا اور جوارح پر قیاس کر کے حق تعالیٰ کی ذات پاک کی صورت اور شکل کے معتقد ہوئے یعنی حق تعالیٰ کے جسم ہونے کے قائل ہوئے تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا یعنی برتر ہے اللہ تعالیٰ اُس چیز سے جو کہتے ہیں ظالم بہت بڑائی و برتری کر کے اور ایک جماعت نے تنزیہ کے قاعدے کو ایسا کہہ کے پکڑا کہ ان حقیقتوں کے ثابت کرنے کو اس قاعدے کے منافی سمجھ کے ایسی تاویل کی ہے جو مقصد سے بہت دور ہے بلکہ نفی اور انکار کا حکم رکھتی ہے تو گویا حقیقت میں ان حقائق کی دریافت اور سمجھ میں تشبیہ والوں کے شریک ہوئے فرق ان دونوں میں اتنا ہوا کہ پہلے فرقے نے ثابت کیا ہے اور انہوں نے نفی کی ہے تو اُن کو بھی سوائے ان معنوں کے جو ان کی ظاہر لفظوں میں پائے جاتے ہیں دوسرا مطلب کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور اہل سنت اور جماعت کے محقق جزاھم اللہ خیرا مقصد کی حقیقت کو پہنچے اور کہا کہ ہر چیز کی ذات کو دریافت کرنے کے بعد اُس کے اعضا کا حال معلوم ہوتا ہے چنانچہ صفات میں بھی یہی حال ہے چنانچہ حیوان کا علم اور طرح کا ہے اور انسان کا علم اور طرح کا اور اُڑنے والی چیز کی اور طرح کی قدرت ہے اور دوڑنے والی چیز کی دوسری طرح کی طاقت پس جس طرح حقتعالیٰ کی صفات کے تصور اور خیال کرنے سے ہم عاجز ہیں اُس کی ذات کی نزاہت اور پاکی کے سبب

سے جو کسی طرح سے ہماری عقل میں اور وہم و خیال میں نہیں آسکتی سو اسی طرح ان اعضا کے تصور سے بھی ہم عاجز ہیں اس واسطے کہ ان اعضا کی حقیقت کی بوجھ اس وقت ہمیں حاصل ہوتی کہ اعضا والے کی ذات کو کما ینبغی یعنی جیسا چاہیے ویسا ہم جانتے ہوتے اور یہ محال ہے تو وہ بھی نہیں ہو سکتا اور واقع میں اگر فقط ہاتھ میں کوئی تامل کرے تو معلوم ہو وے کہ کس قدر فرق اور تفاوت ہے آدمی کا ہاتھ جدا ہے اور گھوڑے کا ہاتھ جدا اور گائے کا ہاتھ اور طرح کا اور جن اور پری کا ہاتھ اور طرح کا اور فرشتے کا ہاتھ دوسری طرح کا پھر اگر صورت ان ہی چیزوں کی آئینہ اور پانی میں خوب تامل اور غور کر کے دیکھے تو وہ اعضا اور جوارح رکھتی ہے لیکن جو عضو اس شخص کی ذات میں داہنے ہے وہ اس صورت میں جو آئینہ اور پانی میں معلوم ہوتی ہے بائیں طرف ہو جاتا ہے اور بائیں طرف والا داہنی طرف ہو جاتا ہے اور حال یہ ہے کہ اعضا اور جوارح اس صورت کی جو ہریت میں اس شخص کے اعضا اور جوارح کے ساتھ ہرگز مشارکت نہیں رکھتے پھر دوسری سافل کی جنسوں میں شریک ہونے کا کیا ذکر ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ ان حقائق کا دریافت کرنا بھی ویسا ہی محال ہے جیسا کہ اس ذات پاک کی کنہ کا دریافت کرنا ہاں اتنا البتہ ہو سکتا ہے کہ خواص اور وجوہ عرضیہ اور لوازم سے خواہ سلبیہ ہوں یا ثبوتیہ اس سے نشان دے سکتے ہیں چنانچہ ان سب حقیقتوں کی شرح اس علم میں جو ان کے واسطے موضوع ہے خوب شرح اور بسط سے بیان ہے اور جو کچھ اشاعرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بعضی ان حقیقتوں کو صفتوں میں داخل کیا ہے جیسے وجہ اور عین سو اس واسطے ہے کہ انہوں نے صفت کے معنے سوائے ذات کے لیے ہیں وَلَا مُشَاحَّۃَ فِی الْاِصْطِلَاحِ یعنی اصطلاح کے تغیر اور تبدل میں کچھ جھگڑا نہیں ہے لیکن شارع کی اصطلاح اولیٰ اور انسب ہے اعتبار کے واسطے حاصل کلام کا یہ ہے کہ دو حقیقتیں ان حقائق الٰہیہ میں سے دوزخیوں پر بھی منکشف اور ظاہر ہوں گی موقف میں ساق اور دوزخ میں قدم لیکن یہ لوگ استعداد کے بالکل باطل ہونے کے سبب سے ہرگز ان حقیقتوں کو دریافت نہ کر سکیں گے کہ اس کو تیزی نظر سے معلوم کر لیں اور انکا حق ادا کریں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ساق کے کشف کے بعد جو بہت عالی حقیقت نہیں ہے وجہ اور عین کی نسبت سے ان لوگوں کو ان کی عبادتوں اور توجہوں کی آزمائش اور امتحان کے واسطے جو ظاہر کے پردے میں اس حقیقت کو کی تھی سامنے لاویں گے وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ اور بلائے

جاویں گے سجدے کے واسطے تاکہ اگر اُن کی عبادت تنزیہ اور پاکی کے مقام پر پہنچی ہے اور مقبول ہوئی ہے تو اُس وقت بھی اُس کے موافق سجدہ ہو سکے گا اور اگر مظاہر ہی کی قید میں پھنس کے تنزیہ کے مقام کو نہیں پہنچی ہے تو اس وقت بھی اُن سے اس مقام پر توجہ ممکن نہ ہو گی اس واسطے کہ وہ وقت نئی بات حاصل کرنے کا نہیں ہے بلکہ پہلے حاصل کی ہوئی چیزوں کے آثار کے ظہور کا وقت ہے اور پس اور ابوسعید ضریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر کہا ہے کہ سَاقُ الشَّیْءِ اَصْلُہُ الَّذِیْ بِہٖ قِوَامُہٗ کَسَاقِ الشَّجَرَۃِ وَسَاقِ الْاِنْسَانِ فَمَعْنَی الْاٰیَۃِ یَوْمَ یَظْھَرُ حَقَائِقُ الْاَشْیَاءِ وَاُصُوْلُھَا الَّتِیْ کَانَتْ مُثْبَتَۃً عَلَیْہِ فَیَتَمَیَّزُ عِبَادَتُھُمُ الَّتِیْ کَانَتْ عَلٰی غَیْرِ اَصْلٍ عَنْ عِبَادَۃِ الْمُؤْمِنِ الَّتِیْ کَانَتْ عَلٰی اَصْلٍ صَحِیْحٍ یعنی ساق ہر چیز کی اس چیز کی جڑ کو کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے اس چیز کا قیام اور ٹھہراؤ ہوتا ہے جیسے تنہ درخت کا اور پنڈلی آدمی کی پس اس آیت کے معنی یوں ہوں گے کہ جس دن ظاہر کی جاوے گی ہر چیز کی حقیقت اور اُس کی اصل جس کے سبب سے وہ چیز ثابت تھی پس جدا ہو جاوے گی اُن لوگوں کی عبادت جو غیر اصل پر تھی ایمانداروں کی عبادت سے جو ثابت تھی اصل صحیح پر یعنی پکی جڑ پر اور جب اس دن بلانے کی وجہ معلوم ہوئی کہ امتحان اور آزمائش منظور ہے نہ تکلیف تو ابومسلم اصفہانی کا بعید جاننا اسباب کا زائل اور دور ہو گیا جس جگہ پر اُس نے کہا ہے کہ لَا رَیْبَ اَنَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لَیْسَ فِیْہِ تَعَبُّدٌ وَّتَکْلِیْفٌ فَالْمُرَادُ زَمَانُ الْھَرَمِ وَالشَّیْخُوْخَۃِ یعنی بیشک مقرر دن قیامت کا نہیں ہے اس میں عبادت کرنا اور نہ تکلیف پس مراد اُس دن سے بڑھاپے اور موت کے قریب کا زمانہ ہے فقط حاصل کلام کا یہ ہے کہ جس صورت سے یہ لوگ بھی سجدے کا قصد کریں فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ پھر ہرگز نہ کر سکیں گے سجدہ اس واسطے کہ ان کی پیٹھ ایک تختہ ہو جاوے گی پھر جھکنا اور سر کو نیچا کرنا اُن سے نہ ہو سکے گا چنانچہ صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہمارا پروردگار ایک ساق ظاہر کرے گا اور ہر ایک ایماندار مرد ہو یا عورت سجدے میں گر پڑے گا اور جو شخص دنیا میں دکھلانے یا سنانے کے واسطے سجدہ کرتا تھا وہ بھی قصد کرے گا کہ سجدہ کرے لیکن اس کی پیٹھ ایک تانبے کے تختے کے مانند ہو جائے گی کہ اس کا ٹیڑھا ہونا ممکن نہ ہو گا اور صحیح مسلم میں آیا ہے کہ اصحاب

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی رویت اور اسکے دیدار کے تعلق سے پوچھا کہ یارسول اللہ ہم لوگ قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں بے شبہ اور بے پردہ جیسے بے بدلی کا آفتاب اور چودھویں رات کا چاند بدون مزاحمت اور ممانعت کے دیکھو گے اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے ایک فرشتہ پکارے گا کہ جو شخص دنیا میں جس کی عبادت کرتا تھا اس کے ساتھ جاوے اور بت اور درخت اور جو چیز کہ دنیا میں پوجی گئی ہے اس کو وہاں حاضر کریں گے بت پرست بتوں کے ساتھ اور درخت پوجنے والے درخت کے ساتھ اور چاند سورج پوجنے والے چاند سورج کیساتھ جائیں گے اور جو لوگ محض حق تعالیٰ کو پوجتے تھے وہ رہ جائیں گے پھر ایک آواز ہوگی کہ یہود کس کو پوجتے تھے وے کہیں گے کہ ہم عزیر کو جو خدا کا بیٹا تھا پوجتے تھے حکم ہوگا کہ تم جھوٹ کہتے ہو حق تعالےٰ جورو لڑکے نہیں رکھتا مگر تم کہو کہ تمہاری غرض اس وقت کیا ہے عرض کریں گے کہ پیاسے ہیں کوئی قطرہ پانی کا ہمکو ملے حکم ہوگا کہ جاؤ اور پانی پیو اور دوزخ کو ان کی آنکھوں میں ریگ روان کرکے یعنی ریت کا میدان جس میں دور سے پانی کا دھوکا ہوتا ہے دکھلاویں گے اور ایک فرشتہ حضرت عزیر علیہ السلام کی شکل کا ان کے ساتھ ہوگا وہ ان کو دے کے دوزخ میں جا ڈالے گا اور اسی طرح نصاریٰ کے ساتھ کیا جاوے گا اور ایک فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل کا ان کے ساتھ ہوکے ان کو بھی ان کے ٹھکانے پر جا پہنچاوے گا۔ پھر جب خالص موحد رہ جائیں گے تو پھر آواز ہوگی کہ تم کو کس کا انتظار ہے اور کس کے ساتھ جاؤ گے تب یہ عرض کریں گے کہ یاالٰہی ہم دنیا میں طرح طرح کی احتیاج رکھتے تھے اور قسم قسم کے تعلق لیکن باوجود ایسی محتاجگی کے ہم نے مشرکوں سے موافقت نہ کی اور انکے ساتھ نہ ہوئے اب ہم کو کس واسطے ان کے ساتھ کا حکم ہوتا ہے پھر اس طرف سے ایک صورت ظاہر ہوگی اور کہے گی کہ میں تمہارا پروردگار ہوں یہ عرض کریں گے کہ ہم ہرگز حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اس صورت سے ہم کو کچھ غرض نہیں ہے جب ہمارا پروردگار پردہ اٹھاویگا اور ظاہر ہوگا تو ہم اس کو پہچان لیں گے تب حکم ہوگا کہ تم کچھ علامت اور نشان اپنے پروردگار کا اپنے پاس رکھتے ہو کہ اس علامت سے اس کو پہچان لوگے یہ عرض کریں گے کہ ہاں تب اس وقت ایک ساق یعنی پنڈلی ظاہر ہوگی اس کو دیکھتے ہی جتنے ایماندار موحدین ہونگے سب سجدے میں گر پڑیں گے اور کہیں گے کہ اب ہم راضی ہوئے تو ہی ہمارا پروردگار ہے اور جو لوگ دل میں ایمان نہ

رکھتے تھے وے بھی سجدے کا قصد کریں گے لیکن اُن کی پیٹھ تانبے کے تختے کے مانند سخت ہو جائے گی اور سجدہ اُن سے کسی طرح نہ ہو سکے گا اس حدیث کی تفصیل بہت ہے لیکن اس مقام کے مناسب اتنا ہی کافی ہے اور جب سجدہ اُن سے نہ ہو سکے گا تو یہ سجدے کا نہ ہونا اُنکی عبادت کے باطل ہونے کی دلیل ہو گی پھر باوجود اس کے اس ساق نورانی چمکتی ہوئی کی طرف دیکھ بھی نہ سکیں گے اس واسطے کہ اُن کی عقلی نظر کی توجہ مظاہر کی قید میں پھنس رہی تھی نیز بیصرف کے مقام کو نہ پہنچی تھی اسی واسطے خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ چوندھلا جاویں گی اُن کی آنکھیں اس سے کہ اس تجلی کی طرف دیکھیں بلکہ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ڈھانک لے گی اُن کے تمام بدن کو سر سے قدم تک ذلت اور رسوائی اس واسطے کہ انہوں نے بھی مظاہر کی عبادت میں حق تعالیٰ کی ذات پاک کو ذلیل کیا تھا اور اُس کے ظہور کو اپنے شریکوں میں حقیقی کمال حق تعالیٰ کا جانا تھا اور حال یہ ہے کہ مظاہر حقیقیہ کسی طرح کے ہوں ناقص اور ذلیل ہیں اور اُن سے سجدہ نہ ہو سکنا اُس وقت میں اُن کی پیدائشی استعداد کے باطل ہونے کی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کے اور اسکا انکار کر کے اس استعداد کو برباد اور خراب کیا وَقَدْ كَانُوْا اور تحقیق یہ تھے دنیا میں يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ بلائے جاتے خاص حق تعالیٰ کی عبادت کے واسطے وَهُمْ سَالِمُوْنَ اور اس وقت میں یہ سالم تھے استعداد سے اور صحیح الفطرۃ تھے اگر اس وقت حق تعالیٰ کی خالص عبادت کے خوگر ہوتے تو اُن کو اس طرح کا تغیر اور تبدل ظاہر نہ ہوتا اور جب ثابت ہوا کہ یہ کافر اس واسطے تم کو مجنون کہتے ہیں کہ تم اُن سے قیامت کے عذاب کی بات کہتے ہو اور وہ بات اُن کی عقل ناقص میں نہیں آتی اُس کو اپنی عقل ناقص سے بعید جانتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ تم ان کو قرآن سناتے ہو اور اُس کے مضمون کے بموجب خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت اور سجدے کا حکم کرتے ہو اور مظاہر اور صورتوں کی عبادت سے منع کرتے ہو سو یہ بات اُن کی بوجھ میں نہیں آتی بلکہ اس کو موہوم کے واسطے موجود کو چھوڑنا جانتے ہیں اور ایسی الٹی بوجھ ہونا اُن کے جنون کا نشان ہے فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ سو چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جو اس بات کو جھٹلاتا ہے اس واسطے کہ یہ بات ہماری ہے نہ تمہاری سو تم اُن کے عذاب کے جلدی کی دعا مت مانگو اور رنجیدہ مت ہو سَنَسْتَدْرِجُهُمْ قریب ہے کہ اُن کو آہستہ آہستہ ہم کھینچتے ہیں بڑی گمراہی میں گرفتار کر کے

تاکہ ان کی فاسد استعداد کا پیمانہ لبریز ہو جاوے اور سخت عذاب کے مستحق ہو جاویں مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ اس طرح سے کہ اُن کو معلوم نہ ہو کہ یہ راہ گمراہی کی ہے اور انتہا درجے کے عذاب کی حد کو پہنچاتی ہے بلکہ اپنے خیال میں اُس راہ کو ہدایت اور بہتری جانیں بلکہ اجر اور ثواب اس میں سمجھیں وَاُمْلِیْ لَھُمْ اور مہلت اور ڈھیل دیں گے ہم اُنکو اور فی الفور مواخذہ نہ کریں گے تاکہ یہ دھوکا کھاویں کہ اگر ہم گمراہی اور بُرائی پر ہوتے تو حق تعالیٰ ہمکو فرصت نہ دیتا اور جھٹ پٹ پکڑتا اس واسطے کہ اُن سے ہم کو فریب منظور ہے اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ بیشک ہمارا مکر اور داؤں بہت مضبوط اور محکم ہے ہرگز کسی کو خبر نہیں ہوتی اس واسطے کہ دوسرے کے مکر کو دریافت کرنا اس سبب سے ہوتا ہے کہ اپنے مکر سے ایک دریافت کرنیکی قوت کو فریب دیتے ہیں اور دوسری قوت اپنے حال پر رہتی ہے تو اس مکر کا انجام پہچان لیتے ہیں اور ہمارا مکر ایسا ہوتا ہے کہ جتنی قوتیں دریافت کرنے کی ہیں سب کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے اور خبرداری اور آگاہی اُس میں بالکل نیست اور نابود ہوتی ہے کسی قوت سے اس کا انجام معلوم نہیں ہو سکتا اور اگر ہمارا مکر ایسا مضبوط اور پکا نہ ہوتا تو اُن لوگوں پر تمہاری خوبی اور تمہارے احسان جو ان پر ہیں کیوں نہ ظاہر ہوتے جیسے نیک نصیحت کرنا اور ایسے فائدے کے علم پہنچانا اور تمہارے جھٹلانے اور انکار میں کیوں دمبدم زیادہ ہوتے جاتے اَمْ تَسْئَلُھُمْ اَجْرًا کیا تو ان سے مانگتا ہے کچھ مزدوری اس نصیحت کرنے اور فائدے کے علم پہنچانے پر فَھُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ پھر یہ اس ڈانڈ میں مزدوری دینے کے دبے جاتے ہیں اس واسطے تمسے سیکھتے نہیں اور فائدہ نہیں لیتے اَمْ عِنْدَھُمُ کیا اُن کے پاس ہے اَلْغَیْبُ غیب کا علم جس سے کشف کے طور پر حق تعالیٰ کے چھپے حکم اور آخرت میں نفع اور ضرر دینے والی چیزیں اُن کو معلوم ہوتی ہیں فَھُمْ یَکْتُبُوْنَ پھر وے اس اپنی معلومات اور مکشوفات کو لکھتے ہیں اور اُس کشفی علم کو کھلی عبارت سے بیان کر سکتے ہیں تاکہ اپنے متوسلوں اور پس ماندوں کو بھی اس علم سے فائدہ پہنچا دیں اور تجھ سے بے پروا ہیں تیرے احسان کا بوجھ کس واسطے اٹھاویں سو جب ان دونوں باتوں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی ہے تو جان لے کہ یہ اُن کا جھٹلانے اور انکار کرنے پر اصرار اور ہٹ کرنا فقط حق تعالیٰ کے مکر اور داؤں کی نشانی ہے جو اُن کو بات میں تامل کرنے اور بوجھنے نہیں دیتا اور کسی طرح سے حق بات اُن کے ذہن میں

آنے نہیں دیتا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ پھر صبر کر اُن کی ایذا پر اور اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہ دیکھ کہ اُن سے کیا معاملہ کرتا ہے کس کو ان میں سے اس عذاب کی تاخیر میں شرمندگی اور توبہ اور حق کی طرف رجوع ہونے سے سرفراز کرتا ہے اور کس کو اس تاخیر کے سبب سے برائیوں اور شرارت میں انتہا درجے کو پہنچا کے گمراہی اور بے نصیبی کے دریا میں ڈبوتا ہے وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ اور نہ ہو اُس پیغمبر کے مانند جو مچھلی کے پیٹ میں قید ہوا اور حق تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کیا اور غیرت الٰہی کے غلبہ کے سبب سے اپنی قوم پر عذاب طلب کرنے میں جلدی اور شتابی کی سو وہ پیغمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام تھے اور اُن کا قصہ اس طور سے ہے کہ اُن کے زمانے میں اولوالعزم پیغمبر بنی اسرائیل میں حضرت شعیا علیہ السلام تھے اور حزقیا بادشاہ اس وقت کا اُن کا مطیع اور تابعدار تھا اور ان دنوں میں بنی اسرائیل فلسطین اور اُردن میں جو شام کے ملک میں بہت بہتر بستیاں ہیں رہتے تھے اتفاق سے نینوا اور موصل کے لوگ جو عراق اور شام کے درمیان میں بستیاں ہیں بنی اسرائیل پر چڑھ آئے اور اُن کا مال اور اسباب لوٹ لے گئے اور آدمی بھی بہت اُن کے پکڑ لے گئے حزقیا بادشاہ نے یہ ماجرا حضرت شعیا علیہ السلام سے عرض کیا اور کہا کہ بندیوں کے چھڑانے کی کیا تدبیر کیا چاہیے اس واسطے کہ جب تک ہمارے قیدی وہاں سے چھوٹ کر نہ آویں گے تب تک ہم سے فوج کے زور سے اُن کی اس زیادتی کی تدبیر کچھ نہیں ہو سکتی ہے حضرت شعیا علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری مملکت میں پانچ آدمی پیغمبر ہیں ایک کو اُن میں سے اُن لوگوں کے پاس بھیجو تاکہ وے لوگ اس کے سمجھانے اور نصیحت کرنے سے راہ پر آجاویں اور تمہارے قیدیوں کو چھوڑ دیں حزقیا نے عرض کی کہ آپ ہی اُن میں سے ایک کا نام مقرر کر دیجیے تاکہ میں اُن کو روانہ کروں حضرت شعیا نے فرمایا کہ یونس بن متی کو اس کام کے واسطے مقرر کرو کہ وے محنت کش اور آدمی امانت دار ہیں اور حق تعالیٰ کی درگاہ میں اُنکا بڑا رتبہ ہے اور اس زمانے کے پیغمبروں میں عبادت اور ریاضت کی زیادتی میں بھی ممتاز ہیں اگر وہاں کے لوگ اُن کی نصیحت نہ مانیں گے تو ہو سکتا ہے کہ وے بڑے بڑے معجزے اور غیبی کرشمے اُن کو دکھلاکے راہ پر لاویں گے بادشاہ وہاں سے اٹھا اور حضرت یونس علیہ السلام کو اُن کے گھر سے بلوایا اور کہا کہ اس کام کے واسطے آپ تشریف لے جائیے حضرت یونس علیہ السلام نے کہا کہ اگر حضرت شعیا

علیہ السلام نے حکم الٰہی کے بموجب مجھ کو مقرر کیا ہے تو مجھ کو جانا ضرور ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس جانے میں میری اوقات میں خلل پڑے گا اور میں بے چین ہوں گا بادشاہ نے کہا کہ تمہارا مقرر کرنا حق تعالیٰ کی وحی کے بموجب نہیں ہے لیکن حضرت شعیا علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا ہے سو آپ کو جانا اس طرف ضرور ہے حضرت یونس علیہ السلام رنجیدہ ہو کر نینوا کی طرف روانہ ہوئے اور اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا پھر اس شہر میں پہنچ کر پہلے وہاں کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اُس سے کہا کہ حق تعالیٰ نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے کہ بنی اسرائیل کو قید سے چھوڑ دے اور بنی اسرائیل سے ہرگز دشمنی مت کر اُس نے کہا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہوتے حق تعالیٰ ہم کو اتنی قدرت کس واسطے دیتا کہ ہم تمہارے ملک پر چڑھ جاتے اور جورو لڑکے پکڑ کے لاتے کیا اُس وقت حق تعالیٰ کو اتنی قدرت نہ تھی کہ بنی اسرائیل کی حمایت کرتا اور ہم کو منع کرتا جو اب تم کو بھیجا ہے غرض کہ حضرت یونس علیہ السلام تین روز تک اُس کے دربار میں آتے جاتے رہے لیکن اُس نے ہرگز اُن کی بات نہ مانی تب اُن کو غصہ آیا اور حق تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کیا کہ یا الٰہی یہ لوگ میری بات نہیں سنتے اور میری نصیحت نہیں مانتے اور بنی اسرائیل کو قید سے نہیں چھوڑتے حق تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اُن کو ہمارے عذاب سے ڈراؤ اگر تمہاری بات کو نہ مانیں گے اور ایمان نہ لاویں گے تو اُن پر ہمارا عذاب آوے گا حضرت یونس علیہ السلام اُس شہر کے تمام کوچے اور بازار میں پھرے اور کہا کہ ہم تم کو خبر کیے دیتے ہیں تم لوگ اپنے بادشاہ کو یہ خبر پہنچاؤ کہ اگر میری بات نہ مانے گا اور میرے کہے پر ایمان نہ لاوے گا تو حق تعالیٰ کا عذاب اُس پر آوے گا لوگوں نے کہا کہ کچھ مدت مقرر کرو حضرت یونس نے فرمایا کہ چالیس دن کا ہمارے تمہارے درمیان میں قرار ہے اگر تم اس چالیس دن میں ایمان لائے تو بہت بہتر ہے اور نہیں تو سب ہلاک ہو گے آخر ہوتے ہوتے یہ بات پھیلی اور بادشاہ اور اُس کے مصاحبوں نے ہنسی اور مسخری شروع کی اور کہنے لگے کہ یہ فقیر دیوانہ ہے ایک بات اس کے جی پر بیٹھ گئی ہے اور حضرت یونس علیہ السلام نے حق تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کیا کہ یا الٰہی میں نے اُن سے چالیس دن کا وعدہ کیا ہے اس وعدے کو میرے سچا کر اور نہیں تو میں ذلیل ہوں گا اور مجھ کو مار ڈالیں گے اس واسطے کہ ان لوگوں کی عادت یہی تھی کہ جو شخص اس طرح کا جھوٹ بولے اُس کو مار ڈالتے

تھے حق تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تم نے کس واسطے ایسی جلدی کی اور چالیس دن کا وعدہ کیا ابھی تم کو صبر کرنا چاہیے کہ تقدیر میں ان کے ایمان لکھا ہے آخر کو راہ پر آویں گے اور ایمان لاویں گے حضرت یونس علیہ السلام کو اس بات کا بڑا رنج ہوا اور جب ایک مہینہ اس وعدے سے گزر اتب حضرت یونس علیہ السلام نے اُس شہر سے مع اپنے گھر والوں کے نکل کے بارہ کوس اُس شہر سے دور جا کر ڈیرہ کیا تاکہ دیکھیں اُس کا انجام کیا ہوتا ہے اور ہمیشہ اس دعا میں رہتے تھے کہ یا الٰہی یہ وعدہ میرا سچا کر اور نہیں تو میں خفیف اور ذلیل ہوں گا آخر جب پینتیسواں دن ہوا اور صبح کو جو لوگ اُٹھے تو دیکھا کہ کچھ علامت عذاب کی شروع ہوئی ہے اور دھواں اور آگ آسمان سے برستا ہے اور وہ دھواں اور آگ گھروں کے کوٹھوں کی چھت کے قریب پہنچا بادشاہ اور اُس کے تمام ارکان دولت گھبرا کر باہر نکلے اور کہا کہ اُس فقیر گوڈری والے کو ڈھونڈو دیکھو کہاں گیا جلدی اس کو لاؤ تاکہ اُس کے ہاتھ پر ہم توبہ کریں اور جتنے قیدی ہیں سب اس کو سپرد کر دیں اور شہر کے دروازے کو بند کیا اور ہر گلی اور کوچے اور گھروں میں ڈھونڈھنا شروع کیا کہیں اُن کا پتہ نہ پایا ناچار ہو کے سب ننگے سر اور ننگے پاؤں میدان میں نکلے اور بچوں کو اُن کی ماؤں سے جدا کیا اور گائے بکرے کے بھی بچوں کو اُن کی ماؤں سے جدا کیا اور سب نے اپنا اپنا گریبان چاک کیا اور سر کو سجدے میں رکھا اور رونا پیٹنا اور فریاد اور عاجزی کرنا شروع کیا اور جناب الٰہی میں عرض کیا کہ ہم نے کفر سے توبہ کی اور حضرت یونس علیہ السلام جو تیرے بھیجے ہوئے ہیں اُن کے قول پر ہم ایمان لائے اور قصد مصمم ہم نے کیا اور دل پر ٹھانا کہ جتنے بنی اسرائیل کے قیدی ہیں اُن سب کو حضرت یونس علیہ السلام کے حوالے کریں گے حق تعالیٰ نے اُن کی گریہ وزاری پر رحم کیا اور عصر کے وقت اس عذاب کو اُن سے اٹھالیا اور ہوا صاف ہوگی اور یہ قصہ عاشورے کے دن یعنی محرم کی دسویں تاریخ کو ہوا تھا اس عذاب کے دفع ہونے کے بعد بادشاہ اور سب ارکان اور رعایا خوش ہو کے شہر میں داخل ہوئے اور ہرکاروں کو اور جاسوسوں کو چاروں طرف دوڑایا تاکہ خبر حضرت یونس علیہ السلام کی لاویں بلکہ بادشاہ نے اپنی زبان سے یہ بھی کہا کہ جو شخص حضرت یونس علیہ السلام کی خبر میرے پاس لاوے اس کو ایک روز اپنی سلطنت کے تخت پر بٹھا کے سب حکم اُس کے اختیار میں دوں تاکہ اُس دن جو کچھ چاہے مال اور اسباب اور کارخانے میں سے لے لے بہت لوگ اس طمع پر ہر طرف دوڑے اور حضرت یونس علیہ السلام

کو بھی گنواروں کی زبانی یہ خبر معلوم ہوئی تھی کہ تمہاری قوم سے عذاب اٹھ گیا اور وے لوگ تم کو ڈھونڈ پھرتے ہیں یہ عذاب کے پھر جانے کی خبر سُن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور جانا کہ میں اپنی قوم میں جھوٹا ہوا اب اُن کے پاس کیا منہ لے کے جاؤں اس واسطے کہ میرا وعدہ سچا نہ ہوا اور اگر حضرت شعیا علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے پاس جاؤں تو بھی خفیف ہوں گا اس واسطے کہ مجھ سے کچھ کام بن نہ آیا یہ سوچ کے ان دونوں طرفوں کا ارادہ موقوف کیا اور جو اس امر سے بہت رنج ہوا تھا بدون انتظار وحی اور بغیر اجازت الٰہی کے روم کی طرف چل کھڑے ہوئے اور حق تعالیٰ کے عتاب میں گرفتار ہوئے اب یہاں سے اُن کے ساتھ دوسرے طور کا معاملہ عتاب آمیز شروع ہوا پہلے اُن کے نوکر اور خادم اور رفیق اُن سے علٰحدہ ہوئے سوائے ایک بی بی اور دو بچوں کے کوئی اُن کے ساتھ نہ رہا ایک بچے کو اپنے کندھے پر اور دوسرے کو بی بی کے کندھے پر سوار کر کے منزل بہ منزل راہ طے کرنا شروع کیا ایک روز راہ کے درمیان میں ایک درخت کے نیچے سائے میں ٹھہرے اور آپ اپنی بی بی اور دونوں بچوں کو وہاں ٹھہرا کے جنگل کی طرف پائخانہ کو گئے اتفاق سے اُس وقت وہاں کے بادشاہ کے بیٹے کی سواری جو شکار کے واسطے گیا تھا اس طرف درخت کے قریب ہو کے نکلی شاہزادے نے دیکھا کہ ایک عورت جوان نہایت خوبصورت دو بچوں کو لیے بیٹھی ہے اپنے ساتھ کے لوگوں سے کہا کہ اس عورت کو لے آؤ اُن بی بی نے کتنا ہی شور اور غل کیا اور کہا کہ میں ایک شخص نیک بخت کی جو پیغمبر ہے خدا کا اس کی جورو ہوں مجھ کو مت لے جاؤ لیکن شاہزادے نے شراب کی مستی اور جوانی کے نشہ میں کچھ نہ سُنا اور اپنے ساتھ اپنے مکان پر لے گیا حضرت یونس ؑ جو پائخانے سے فراغت کر کے آئے دیکھا کہ بی بی نہیں ہیں لڑکوں سے پوچھا انہوں نے جو کچھ گذرا تھا سب کہہ سنایا آپ نے دریافت کیا کہ درگاہ الٰہی سے عتاب کا معاملہ شروع ہوا ناچار دونوں بچوں کو ساتھ لے کر چلے اور نوبت بنوبت ایک کے بعد ایک کو کاندھے پر چڑھاتے اُتارتے لے چلے راہ میں ایک نالہ بہتا ہوا ملا ایک بچے کو کنارے پر چھوڑا اور دوسرے کو کندھے پر چڑھا کر چاہا کہ پار اتار آؤں جس وقت اُس نالے کے بیچ میں پہنچے تو اتفاق سے کنارے پر ایک بھیڑیا آیا اور بچے کو اٹھا لے گیا آپ گھبرا کر لوٹے تا کہ بھیڑیے سے اُس بچے کو چھڑا دیں اس گھبراہٹ میں دوسرا بچہ جو آپ کے کندھے پر تھا پانی میں گر پڑا اور زور سے پانی کی ریل جو آئی تو اس کو بھی بہا

لے گئی آپ نے کتنی ہی کوشش کی لیکن نہ یہ ہاتھ آیا نہ وہ ناچار مایوس ہو کے آپ اکیلے تن تنہا روانہ ہوئے اور دریائے روم کے کنارے جا پہنچے دیکھا کہ ایک جہاز پر سوداگروں نے اپنا مال چڑھایا ہے اور لنگر اٹھا کر روانہ ہوا چاہتے ہیں آپ نے اُن سے کہا کہ میں بھی فقیر ہوں اگر بدون مولہائے تم سے ہو سکے تو مجھ کو بھی جہاز پر چڑھا لو ناخدا اور سوداگروں نے کہا کہ تم ہمارے سر اور آنکھوں پر بیٹھو تمہارے قدم کی برکت سے حق تعالیٰ ہمارا بھی بیڑا پار کرے گا ہمارا جہاز سلامتی سے پہنچے گا اس واسطے کہ تم بہت نیک بخت معلوم ہوتے ہو اور تمہارا چہرہ بہت نورانی ہے غرضکہ آپ کو سوار کر کے روانہ ہوئے جب بیچ دریا کے جہاز پہنچا یکایک ایک بڑا طوفان اٹھا اور موجیں آنا شروع ہوئیں اور جہاز ٹھہر گیا اور کتنی ہی تدبیریں چلنے کی کیں لیکن جہاز آگے نہیں بڑھتا تھا معلم اور ناخدا وغیرہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ جہاز کے نہ چلنے کی کیا وجہ ہم نے عمر بھر ایسا معاملہ نہیں دیکھا کہ طوفان میں جہاز تھم جائے پھر ناخدا نے کہا کہ میں نے کئی مرتبہ تجربہ کیا ہے کہ اگر کسی کا غلام بے اپنے مالک کی رضا کے بھاگ کر کشتی یا جہاز میں سوار ہوتا ہے تو اسی قسم کا معاملہ درپیش ہوتا ہے جہاز میں سب سے پکار کر کہہ دو کہ جو کوئی اپنے مالک سے بھاگ کر آیا ہو تو صاف کہہ دے کہ اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کے ہم دریا میں ڈال دیں تاکہ اور سب جہاز والوں کی جان بچے ایک کی ہلاکی سے اگر صدہا آدمیوں کی جان بچے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے پھر جب جہاز میں آواز دی تو حضرت یونس علیہ السلام بوجھے کہ وہ غلام بھاگا ہوا میں ہوں کہ بدون حکم حق تعالیٰ کے جاتا ہوں پھر جہاز والوں سے کہا کہ وہ غلام میں ہوں اپنے مالک سے بھاگا ہوا جاتا ہوں میرے ہاتھ پاؤں باندھ کے دریا میں ڈال دو تاکہ سب جہاز والوں کی جان بچے اور اس بلا سے نجات پاویں ناخدا اور دوسرے تاجروں نے کہا سبحان اللہ ایسا برا گمان ہم لوگ ہرگز آپ کی طرف نہیں کر سکتے آپ بزرگ ہیں اپنی بزرگی سے یہ بات فرماتے ہیں تاکہ ہم سب لوگوں کی عوض اپنی جان دیں سو یہ حرکت ہم سے ہرگز نہیں ہونے والی ہے ہم ایک اور تدبیر کرتے ہیں یعنی قرعہ ڈالتے ہیں دیکھیں کس کے نام پر نکلتا ہے پھر قرعہ ڈالا حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا سب نے کہا کہ اس قرعہ نے خطا کی یہ بزرگ اس لائق نہیں ہیں کہ اس قسم کا برا گمان ان کی طرف کیا جائے پھر دوسری مرتبہ قرعہ ڈالا پھر آپ ہی کے نام پر نکلا پھر تیسری مرتبہ ڈالا پھر بھی آپ ہی کے نام پر نکلا آخر جہاز والوں نے ناچار ہو کر آپ کو دریا میں ڈال دیا آپ کے گرنے کے ساتھ ہی جہاز چل نکلا اتفاق سے دریا میں

وہاں ایک بڑی مچھلی بھوکی لقمے کے انتظار میں بیٹھی تھی جوں ہی آپ دریا میں گرے دون ہی وہ مچھلی آپ کو نگل گئی لیکن آپ کو منہ کے اندر لیتے ہی حق تعالیٰ کا حکم اُس مچھلی کو پہنچا کہ خبردار ہوجا اس شخص کو تیری غذا کے واسطے ہم نے تیرے پیٹ میں داخل نہیں کیا ہے بلکہ تیرے پیٹ کو اُس کا قید خانہ مقرر کیا ہے خبردار ایک بال برابر نقصان اس شخص کو نہ پہنچے پھر وہ مچھلی آپ کو اپنے پیٹ میں لیے ہوئے دریا کی سیر کرتی پھرتی تھی یہاں تک کہ روم کے دریا سے بطائح میں پہنچی پھر وہاں سے دجلہ میں آئی اُس وقت اُس مچھلی کو حکم ہوا کہ اب اس قیدی کو دجلہ کے کنارے پر جو شام کی طرف ہے اگل دے اُس مچھلی نے چالیس دن کے بعد آپ کو اس کنارے پر اُگل دیا اور خلاصی کا سبب یہ ہوا کہ جب حضرت یونس علیہ السلام اس مچھلی کے پیٹ میں قید ہوئے آپ کا دم بند ہونے لگا آپ نے جانا کہ اب دم آخر ہے حق کی یاد میں اس کو گذاریے یہ تسبیح آپ نے شروع کی کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ یعنی کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے مقرر میں تھا گنہگار میں سے حق تعالیٰ کو یہ اُنکا اقرار کرنا پسند آیا اور اُن کو اپنی رحمت سے سرفراز کیا یعنی مچھلی کے پیٹ سے جو آپ نکلے تو آپ کا بدن اس طرح کا نرم ہوگیا تھا کہ مکھی یا مچھر کے بیٹھنے کی تاب آپ کو نہ تھی حق تعالےٰ نے اُسی وقت جھاڑ کدو کا اگایا اس کی بون سے آپ کے تمام بدن پر اس طور سے لپیٹی کہ اُس کے پتوں نے پوشاک کے طور پر آپ کے تمام بدن کو ڈھانک لیا اور جو اتنی طاقت آپ میں نہ تھی کہ اُٹھ کر کھانے کی تلاش کریں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک ہرنی کو حکم فرمایا کہ اپنی چھاتی آپ کے منہ میں دے کر کھڑی رہے یہاں تک کہ دے دودھ سے آسودہ ہوجائیں صبح اور شام کو وہ ہرنی آپ کے پاس آتی اور اپنی چھاتی آپ کے منہ میں دے کر کھڑی رہتی جب آپ سیر ہوجاتے چلی جاتی چالیس دن اس طور سے گذرے اور آپ کے بدن میں کچھ قوت آئی اور اٹھنے بیٹھنے کی طاقت ہوئی اور ہرنی کا دودھ اتنے دنوں پینے کے سبب سے آپ کا ضعف جاتا رہا پھر چالیس دن کے بعد اُس ہرنی کو حکم ہوا کہ آج اُن کے پاس مت جا اور دودھ مت دے پھر جب وہ ہرنی نہ آئی تب آپ نے درگاہ الٰہی میں عرض کی کہ بار خدایا آج ہرنی نہیں آئی حکم ہوا کہ اتنا عادت کا بدلنا تم کو اپنے واسطے اچھا معلوم ہوا اور ہم سے ایک بڑی عادت کا خلاف چاہتے تھے کہ ایک ہی مرتبے میں ہم اپنے بندے پالے ہوؤں کو نیست و نابود کردیں آپ نے پھر توبہ اور استغفار کیا بہت شرمندہ ہوکر عرض کی کہ اب جو

حکم ہوا اس کو بجالاؤ اس ارشاد ہوا کہ پھر اپنی قوم میں جاؤ اور اُن ہی میں رہو آپ وہاں سے روانہ ہوئے راستے میں ایک شہر ملا اس میں ایک کلال یعنی مٹی کے برتن بنانے والے کو دیکھا کہ آوہ برتنوں کا بھرا ہوا پکا کر درست کر چکا ہے اور برتنوں کے نکالنے کے واسطے مستعد بیٹھا ہے حکم ہوا کہ اس کلال کے پاس جاؤ اور کہو کہ ایک بھاری لکڑی لے کر ان سب برتنوں کو پھوڑ ڈال پھر جو جواب وہ دے وہ ہم سے عرض کرو حضرت یونس علیہ السلام اُس کلال کے پاس گئے اور وہ بات کہی وہ کلال سُنتے ہی غصہ میں آیا اور کہا کہ عجب طرح کا تو دیوانہ آدمی ہے جو مجھ سے ایسی بات کہتا ہے کیا میں نے اسی واسطے اتنی محنت اُن کے بنانے میں کھینچی تھی کہ لکڑی سے توڑ ڈالوں مجھ کو تو ان برتنوں سے بہت نفع لینا ہے حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا الٰہی اس کلال نے ایسا جواب مجھ کو دیا پھر حکم ہوا کہ دیکھ مٹی ہم نے پیدا کی اور پانی ہم نے پیدا کیا اور کلال کے ہاتھ بھی ہماری مخلوقات سے ہیں پھر اُس کلال نے اپنے ہاتھوں سے مٹی پانی میں ملا کر یہ شکل اور صورت برتنوں کی بنا کر تیار کی ہے اُس پر اس قدر اُن کو دوست اور عزیز رکھتا ہے کہ اُن کو توڑ نہیں سکتا بلکہ ان کے توڑنے کو دشوار جانتا ہے اور تو چاہتا تھا کہ ہم ایک لاکھ سے اوپر آدمیوں کو اپنی مخلوقات سے ایک دم میں ہلاک کر ڈالیں پھر وہاں سے روانہ ہوئے راستہ میں ایک باغ ملا نہایت سرسبز اسی طرح کا پیغام اس باغ کے مالک سے حکم الٰہی کے بموجب کیا اور اُس سے بھی سخت جواب سُنا پھر دوسرے شہر میں پہنچے وہاں ایک بہت عمدہ مکان دیکھا کہ وہاں کے کسی امیر نے بنایا تھا اسی قسم کا پیغام ارشاد الٰہی کے بموجب اس کے مالک سے بھی کیا اور اُس سے بھی زیادہ سخت جواب سُنا جب حق تعالیٰ کا عتاب اس قسم کا بہت ہوا تب حضرت یونس علیہ السلام نے نہایت گریہ زاری حق تعالیٰ کی درگاہ میں کی اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی پھر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ کو سرفراز کیا اور اپنا رسول کیا پھر تو ہر طرف سے رحمت اور مہربانی کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں یہاں تک کہ اُس نالے پر جہاں سے آپ کے دونوں بچے جاتے رہے تھے پہنچے اس گاؤں کے لوگوں کو دیکھا کہ دونوں بچے ساتھ لیے کھڑے ہیں اُن سے حال پوچھا لوگوں نے کہا کہ ایک بزرگ اِدھر سے جاتے تھے ان کا ایک بچہ پانی میں بہہ گیا تھا سو ہمارے دھوبیوں نے اُس کو پانی سے نکالا اور اُن کا دوسرا بچہ کنارے سے بھیڑیا اٹھالے گیا تھا سو اس کو ہمارے گاؤں کے چرواہوں نے بھیڑیے سے زخمی چھڑا لیا تھا اس کا علاج کر کے اچھا کیا پھر ان دونوں

بچوں کی ہم لوگ پرورش کرتے ہیں کہ اگر اُن کا باپ آوے تو اُس کے حوالے کریں اس میں بچوں کی نگاہ
اُن پر پڑی اور اُن کو پہچانا اور کہا کہ ہمارا باپ یہی ہے غرضیکہ اُن لوگوں نے دونوں بچوں کو آپ کے حوالے
کیا اور آپ کو بخوبی تمام اُس نالہ کے پار اتار دیا آپ حق تعالیٰ کا شکر ادا کر کے آگے بڑھے جب اُس
درخت کے قریب پہنچے جہاں سے آپ کی بی بی سے مفارقت ہوئی تھی دیکھا کہ کچھ لوگ چوکی کے
طور پر اُس درخت کے نیچے بیٹھے ہیں آپ نے اُن سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو اور کس واسطے یہاں
بیٹھے ہو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے شاہزادے کی سواری ایک روز ادھر سے نکلی تھی کسی فقیر کی ایک
عورت یہاں بیٹھی تھی اس عورت کو شاہزادہ زبردستی پکڑ لے گیا اس روز سے آج تک پیٹ کے درد
میں شاہزادہ مبتلا ہے بادشاہ نے یہ حال سن کر ہم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے کہ اگر اُن بزرگ کا کبھی ادھر
سے پھر گذر ہو تو اُن کو ہمارے پاس لے آؤ تاکہ شاہزادے کی تقصیر اُن سے معاف کرا دیں اور اُن کی
عورت جو آج تک پردے میں بہت احتیاط سے بیٹھی ہیں اُن کے حوالے کریں آپ نے فرمایا کہ وہ
فقیر میں ہوں اس بات کے سنتے ہی وے لوگ بہت خوش ہوئے اور آپ کو بڑی قدر اور منزلت سے
بادشاہ کے پاس لے گئے بادشاہ بھی بہت تعظیم سے پیش آیا آپ سے دعا کی التجا کی حق تعالیٰ نے آپکی
دعا سے اُس شاہزادے کو شفا بخشی پھر بادشاہ نے آپ کی بی بی کو آپ کے حوالے کیا اور بہت کچھ مال
اور اسباب آپ کی نذر کر کے آپ کو رخصت کیا پھر وہاں سے آگے چلے اور شہر نینوا اور موصل کی سرحد
کے متصل پہنچے پھر ایک شخص کو آگے سے ان بستیوں کے لوگوں پاس روانہ کیا تاکہ آپ کے آنے کی
اُن لوگوں کو خبر دے بادشاہ اور اُس کے ارکان اور دہاں کے لوگ آپ کے آنیکی خبر سُنکے بہت خوش
ہوئے اور کئی منزل تک آپ کے لینے کو آئے اور نہایت تعظیم اور تکریم سے آپکو شہر میں لے گئے
اور مدت تک آپ کی تابعداری اور فرمانبرداری میں سرخروئی دونوں جہان کی حاصل کی یہاں تک کہ
حضرت یونس علیہ السلام نے وہیں وفات پائی آجتک مزار پر انوار آپ کا اس شہر میں مشہور ہے
سو حق تعالیٰ اس آیت میں ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے واسطے عذاب طلب
کرنے میں جلدی اور شتابی کرنے سے جس طرح حضرت یونس علیہ السلام سے ہوا تھا منع فرماتا ہے
اور ارشاد ہوتا ہے کہ تم ایسا کام مت کرو اس واسطے کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہے اور اس پچھلی
... ے پیغمبر کا حال یاد کرو اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَكْظُوْمٌ جب پکارا اپنی قوم پر عذاب طلب کرنیکے

واسطے درگاہ الٰہی میں اور اس وقت وہ غصے میں بھرا تھا اور غصے کے سبب سے اتنی جلدی کی کہ حق تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کیا آخر کو اس اپنی جلدی کی سزا پائی کہ مچھلی کے پیٹ میں قید ہوا اور پھر دوسرے مرتبہ پکارا اپنے گناہ کے ظاہر کرنے اور قائل ہونے اور اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرنے کے واسطے اس وقت میں بھی مکظوم تھا یعنی دم اسکا بند ہوا تھا اور عرب کی لغت میں مکظوم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا دم غم یا غصے کی زیادتی کے سبب سے رک جاوے سو وہ پہلے مرتبہ کا ان کا غصہ کھانا یہ پھل لایا کہ مچھلی کے پیٹ میں قید ہونا اور غم کھانا پڑا سو چاہیے کہ تم میں ایسی نفسانیت اور غصے کی بو بھی نہ پائی جاوے تاکہ تمہارے کمال میں کچھ بھی نقصان نہ پایا جائے اس واسطے کہ اس جلدی کے سبب سے حضرت یونسؑ قریب تھا کہ اس کمال بزرگی کے رتبے سے گر پڑیں اور حق تعالیٰ کے ہمیشہ کے عذاب اور عتاب کے سزاوار ہو جاویں اس قدر کہ لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اگر تدارک اس کے حال کا نہ کرتا یعنے اگر نہ سنبھالتا اس کو احسان تیرے پروردگار کا ایسی ذلت میں اس کے کمالوں کے باقی رکھنے سے لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ تو البتہ پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں یعنی ایسے میدان میں جہاں نہ جھاڑ تھا نہ گھاس نہ سایہ نہ پانی وَهُوَ مَذْمُوْمٌ اور وہ برے حال سے تھا اور کسی طرح کی کرامت اس کے واسطے ظاہر نہ ہوتی نہ کدو کے درخت اگنے سے اور نہ ہرن اسکے تابعدار ہونے سے لیکن حق تعالیٰ نے اس کو سنبھال لیا اور یہ سب چیزیں موجود کر دیں اس مقام پر جاننا چاہیے کہ تسبیح کا اثر مچھلی کے پیٹ میں اسی قدر تھا کہ اس قید سے خلاصی پائی چنانچہ سورۂ صافات میں مذکور ہے فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ یعنی اگر نہ ہوتا یہ کہ وہ یاد کرتا پاک ذات کو تو رہتا اس کے پیٹ میں جس دن تک مردے جیویں اور مچھلی کے پیٹ کے نکلنے کے سوائے اور دوسری کرامتیں جیسے کدو کے درخت کا اگنا اور ہرن کی مادہ کا تابع ہونا جو حضرت یونس علیہ السلام کے واسطے واقع اور ظاہر ہوئیں یہ حق تعالیٰ کی ازلی عنایت فقط تھی کہ ان کمالوں کو جو ان کو عنایت ہوئے تھے باقی رکھا اور اس ذلت اور گناہوں کی شامت سے ان سے نہ لیا اور یہ بھی جان لیا چاہیے کہ مدار اس شرط اور جزا کا یعنے لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ الخ اسی حال پر ہے یعنے وَهُوَ مَذْمُوْمٌ اسلئے لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے تو وہ آیت جو سورۂ صافات میں ہے یعنے فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ یعنی پھر ڈالدیا ہم نے اُس

کو چٹپر میدان میں اور وہ بیمار تھا اس آیت کے منافض اور خلاف نہ ہوگی اور حدیث شریف میں آیا ہے ح
کہ جو عاجز اور کسی مصیبت میں پھنسا ہوا اس آیت کو پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ اُس کو رنج اور مصیبت
سے نجات دیتا ہے اور معتبر مشائخوں سے بھی سند آئی ہے کہ ہر رنج اور مصیبت کیواسطے اس آیت
کا پڑھنا تریاق مجرب ہے یعنے آزمودہ بات ہے کچھ شک اور شبہ نہیں ہے اور اس آیت کے پڑھنے
کا طریقہ دو طور سے ہے اوّل یہ کہ ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبے ایک طور اور شکل سے ایک جلسے یا تین جلسے
میں پڑھنا اور دوسرا طور یہ ہے کہ ایک شخص اکیلا اندھیرے گھر میں طہارت سے قبلے کی طرف منہ کرکے
بعد نماز عشا کے بیٹھ کر تین سو مرتبہ اس آیت کو پڑھے اور ایک پیالہ پانی سے بھرا ہوا اپنے پاس رکھے
اور دم بدم اپنا ہاتھ اُس پانی میں ڈال کر اپنے منہ اور بدن پر ملتا جاوے تین دن یا سات دن یا چالیس
دن تک اسی طور اور ترتیب سے پڑھے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ ح
علیہ وسلم کدو کے سالن کو بہت دوست رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ هِيَ شَجَرَةُ اَخِيْ يُوْنُسَ یعنی
یہ جھاڑ ہمارے بھائی یونس ع کا ہے پھر جب حق تعالیٰ کی نعمت نے حضرت یونس علیہ السلام کو سنبھالا
اور اس ذلت اور عتاب کے سبب سے اُن کے واسطے مرتبہ بلند حاصل ہوا فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ پھر
پسند کیا اور نوازا اُس کو اُس کے رب نے اپنی رسالت کے لیے بیواسطہ جس طرح پہلے حضرت
شعیا علیہ السلام نے آپ کو اپنی رسالت کے واسطے پسند کیا تھا فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ پھر کر
دیا اُس کو نیکوں سے اور اس منصب کی لیاقت والوں سے کہ اُس کام کو بخوبی سرانجام دیا اور ایک
لاکھ کئی ہزار آدمی اُن کے ہاتھ سے ایمان لائے اور پرہیزگاری کی دولت سے فیض یاب ہوئے اور
پہلے اس کے اس رسالت کے منصب کی لیاقت نہ رکھتے تھے بلکہ نبی عبادت کرنے والے تھے
اس عتاب اور خطاب کے بعد اس رسالت کے منصب کی لیاقت جس کی استعداد ان کو تھی
سو اب ظاہر ہوئی اور جو یونس علیہ السلام کے قصہ سے معلوم کیا تم نے کہ کافر بھی اپنے مکر اور فریب
سے رسولوں اور نبیوں سے بعضے کام میں جلدی کرواکے ان کو بھی لغزش دے دیتے ہیں اور حق تعالیٰ
کے عتاب میں گرفتار کرا دیتے ہیں اور طعن اور تشنیع کا ایسا مضمون باندھتے ہیں کہ انبیاؤں کو بھی
بشریت کے تقاضنے سے غصہ آجاتا ہے اور حق تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کرکے کوئی کام کر بیٹھتے ہیں
پھر اس کے سبب سے اپنے کمال کے درجے سے نیچے آجاتے ہیں سو تم کو چاہیے کہ اپنی قوم کے

ف لا الٰہ الا انت کی آیت پڑھنے کا طریقہ ۔

اس قسم کے مکر اور فریب سے ہوشیار ہو کہ یہ لوگ بھی اس کام میں بڑے اُستاد ہیں وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور بیشک یہ کافر نزدیک اور درپے ہیں لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ اس کے کہ ڈگاویں تجھ کو صبر اور تحمل کے مقام سے اپنے گھور گھور دیکھنے سے تاکہ تم غصہ میں آؤ اور بیقرار ہو کے حق تعالیٰ سے ٹھہرے ہوئے وقت کے پہلے اُن کے واسطے عذاب طلب کر بیٹھو اور یہ کافر مکر اور فریب نہیں کرتے ہیں لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ جب سنتے ہیں اس قرآن کو کہ تمام حق تعالیٰ کے ذکر سے بھرا ہوا ہے کوئی اس کی آیت حق تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں ہے اور اسی واسطے اس کلام کا نام ذکر ہوا تھا کہ زیادہ تیرے غصہ کا سبب ہو اور حق تعالیٰ کی اور اس کے ذکر کی محبت میں اُن سے تو الجھ پڑے اس واسطے کہ آدمی اپنا عیب سن سکتا ہے لیکن اپنے محبوب کا عیب نہیں سن سکتا اور اپنی حقارت گوارا کر سکتا ہے مگر اپنے محبوب کی حقارت گوارا نہیں کر سکتا اور یہ کافر فقط اس گھورنے اور آنکھ مارنے پر کفایت نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی ایذا دیتے ہیں وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ اور کہتے ہیں کہ بیشک یہ شخص دیوانہ ہے اس واسطے کہ ہر بات میں اسی ایک ہی چیز کا ذکر کرتا ہے اور یہ نشان دیوانہ پن کا ہے اور اتنا نہیں بوجھتے کہ ہر کلام میں ایک چیز کا ذکر کرنا اس وقت جنون کی علامت ہوتا ہے کہ جب وہ کلام کسی دوسری چیز کے واسطے لایا گیا ہو اور وہ کلام اسی ایک ہی چیز کے یاد کرنے کے واسطے لایا گیا ہے تو تمام اس کلام میں اس ایک چیز کا ذکر کرنا واجب اور لازم ہو جاتا ہے جیسے وے ذکر اور وظیفے جو نبیوں سے منقول ہیں وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ اور وہ کلام نہیں ہے مگر حق تعالیٰ کا ذکر جو مقرر کیا گیا ہے تمام جہان والوں کے واسطے بخلاف ذکر اور وظیفے نبیوں کے اور ولیوں کے کہ فقط اپنی اُمت والوں کے واسطے یا اپنے سلسلے کے مریدوں اور مشائخوں کے واسطے مقرر کر دیے ہیں سو اس ذکر کو فرشتے لذت لینے کے واسطے پڑھتے ہیں اور مزہ اٹھاتے ہیں اور جنات اور انسان ثواب کی امید کے واسطے اور دوری کے پردے اٹھ جانے اور نزدیکی اور قربت حاصل ہونے کے واسطے پڑھتے ہیں اور معنی بوجھنے اور اس سے حکم نکالنے کیواسطے بھی پڑھتے ہیں اور پردار جانور اپنی آواز کو ان کلموں کے مطابق کرنے کے واسطے تاکہ جہاں تک ہو سکے اسی کی حکایت اور اسی سے مشابہت پیدا کریں سو اس کلام میں حق تعالیٰ کا ذکر بار بار کرنا عین مقصود اور مطلوب ہے اس کو جنون پر کسی طرح حمل نہ کرنا چاہیے اکثر مفسروں نے اس آیت کے نازل ہونیکے

ف نظر لگنے کی روایت۔

سبب میں ایسی روایت کی ہے کہ جب قریش کے کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے
دفع کرنے میں جو جو حیلے اور فریب اُن سے ہو سکے سب کر کے عاجز ہوئے آخر ایک شخص کو جو بنی اسد
کے قبیلے کا تھا اور یہ قبیلہ پہلے تمام عرب کے ملک میں چشم زخم پہنچانے میں یعنی نظر لگانے میں مشہور
اور معروف تھا بلکہ اسبات میں اس قبیلے کی لوگ مثال دیتے تھے پھر اس قبیلے میں یہ شخص اس بات
میں اپنے سب لوگوں سے بڑھا ہوا تھا اس کو بلا لائے اور اس کو بہت سی طمع دے کر کہا کہ اگر تو فلانے
شخص کو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگا کے ہلاک کر دے تو تجھ کو اتنا کچھ دیں کہ کسی نے نہ دیا
ہو اور اس شخص کی عادت اس طرح کی تھی کہ جب کسی کو نظر لگانا منظور ہوتا تو پہلے تین دن کچھ نہ کھاتا
بعد اس تین دن کے اس شخص پر جا کر نظر لگاتا اور اس کو ہلاک کر ڈالتا سو اُس نے اپنی عادت کے موافق
تین دن کھانا نہ کھایا پھر تیسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ اس وقت قرآن
شریف کی تلاوت میں مشغول تھے اُس نے تھوڑی دیر گھور گھور کے آپ کو دیکھا اور کہا کہ میں نے آج
تک اس طرح کا خوش آواز اور خوش لہجہ کسی کو نہیں دیکھا اور اس کلمہ کو کئی مرتبے کہا آنحضرت نے فرمایا
یہی کہ مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ یعنی جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے کسی کو کچھ قوت نہیں مگر
اللہ کی مدد سے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کے شر سے محفوظ رکھا اور حضرت حسن
بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص کو نظر کا خوف ہو یا اُس کی کچھ علامت اپنے پر یا اپنے
مال اور اولاد پر دیکھے تو اس کا علاج یہی ہے کہ اس آیت کو پڑھے خدا کے فضل سے دفع ہو جائیگا اور
اس آیت کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبے اس آیت کو پڑھ کر جس پر نظر کا شبہ ہو اپنے پر یا اپنی اولاد
اور مال پر اس پر پھونک دے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلْعَیْنُ حَقٌّ یعنی نظر کی تاثیر حق
ہے وَلَوْ کَانَ شَیْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْہُ الْعَیْنُ یعنی دنیا میں اگر کوئی چیز ایسی ہوتی جو ح
تقدیر الٰہی سے سبقت کرتی تو البتہ نظر ہوتی اس واسطے کہ اس کی تاثیر بہت زبردست ہے اور جس
شخص کو کوئی چیز اچھی معلوم ہو تو اس کو چاہیے کہ یہ دعا پڑھے یعنی مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ تاکہ
نظر سے وہ چیز بچ جاوے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرات
حسنین رضی اللہ عنہما کو اس طور سے تعویذ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ
صلوٰۃ اللہ علیٰ نبینا وعلیہ السلام حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو بھی ان ہی

کلموں سے تعویذ کرتے تھے یعنی پڑھ کر پھونکتے تھے اُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ یعنی پناہ میں دیتا ہوں میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے کامل کلموں کی ہر شیطان سے اور ہر حشرات سے اور ہر آنکھ بد لگانے والے سے اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ میں ایک روز دن نکلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے واسطے گیا دیکھا میں نے کہ آپ درد کے سبب سے بہت بیتاب ہیں پھر اسی دن تھوڑا دن رہے آپ کی خبر کو گیا تو دیکھا میں نے کہ آپ کو صحت حاصل ہوئی عرض کیا میں نے کہ ایسی جلدی صحت حاصل ہونے کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور یہ افسوں یعنی یہ منتر پڑھ کے میرے اوپر پھونکا بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّوْذِیْکَ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰہُ یَشْفِیْکَ یعنی ساتھ نام اللہ کے پھونکتا ہوں میں تجھ کو ہر چیز ایذا دینے والی سے اور ہر آنکھ حسد کرنیوالی سے اللہ شفا دے تجھ کو اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنی بی بی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے ایک چھوٹی لڑکی کو دیکھا کہ بیمار ہے آپ نے فرمایا کہ اس پر نظر کا منتر کرو اس واسطے کہ اس کے منہ پر نظر کے آثار معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کو نظر کی علامت معلوم ہووے تو چاہیے کہ جس کی نظر لگی ہے اس کو کہے کہ وضو کے اعضا اور اپنے استنجے کی جگہ پانی سے دھو کر دیوے اور اس پانی سے جس پر نظر لگی ہے وہ نہا ڈالے تو شفا حاصل ہوگی اور عاین کو یعنی نظر لگانے والے کو چاہیے کہ اپنے اعضا پانی سے دھو دینے میں کچھ تکرار اور ننگ اور عار نہ کرے اس مقام پر جاننا چاہیے کہ اس تاثیر کی حقیقت میں جس کو نظر لگ جانا کہتے ہیں علماء کو بڑا اختلاف اور اب تک اس تاثیر کی وجہ صاف کسی کو معلوم نہیں ہوئی جاحظ نے کہا ہے کہ نظر لگانے والے کی آنکھ سے زہر کی تاثیر کے اجزا شعاع کے طور پر نکلتے ہیں اور دوسرے کے بدن میں مسام کی راہ سے در آ کر زہر کی سی تاثیر پیدا کرتے ہیں جیسے سانپ کا یا بچھو کا یا بھڑ کا زہر اور جبائی اور دوسرے معتزلہ کے عالموں نے اس میں گرفت کی ہے کہ اگر نظر کی تاثیر کی وجہ یہی ہوتی تو لازم تھا کہ جس شخص کو عائن دیکھتا اس میں یہی بات پائی جاتی اس عائن کو اچھی معلوم ہونے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے پھر جاحظ کی طرف سے دوسرے عالموں نے اس کے کئی جواب

ف دوسری دعا نظر کی ۔

دیے ہیں کہ مستحسن یعنی جو عائن کو اچھا معلوم ہو اس کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ اچھا معلوم ہونیوالا عائن کا دوست ہے یا دشمن اگر دوست ہے تو اس کی اچھائی دیکھ کے اس عائن کو بڑا خوف پیدا ہوتا ہے اس اچھائی کے جاتے رہنے کا اور اگر اس کا دشمن ہے تو اپنے دشمن پاس ایسی نعمت دیکھ کے اس عائن کو بہت غم اور رنج ہوتا ہے اور خوف اور غم دونوں مل کر روح کو دل کے اندر گھیر لیتے ہیں اور تسخین کے یعنے گرمی سے گھٹنے کے سبب پڑتے ہیں اور باصرے میں یعنی بینائی کی روح میں بھی ایک حالت گرم زہر کی سی پیدا کرتے ہیں اور جس وقت عائن کی آنکھ میں وہ چیز اچھی نہ معلوم ہوئی تو اس وقت یہ دونوں چیزیں یعنے غم اور خوف اس میں پائے نہیں جاتے پھر جب یہ دونوں چیزیں نہ پائی گئیں تو تاثیر بھی نہ ہوگی لیکن جاحظ کے اصل کلام میں خلل ہے اسواسطے کہ عائن کی تاثیر جس طرح سامنے دیکھنے سے ہوتی ہے اسی طرح غیبت میں سُننے سے بھی ہوتی ہے اور جس طور سے جانور اور انسان کے جسموں میں عائن کی تاثیر ہوتی ہے اسی طرح اُگنے والی اور زمین سے پیدا ہونیوالی چیزوں میں جیسے جھاڑ اور پتھر میں بھی ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ تاثیر زہر والی چیز بدن میں در آنے اور گھس جانے کے سبب سے نہیں ہے بلکہ یہ کچھ اور ہی چیز ہے اور جنہوں نے جاحظ کے مذہب کو عائن کے اچھا جاننے سے تائید کی ہے وہ بھی بیجا ہے اس واسطے کہ مذہر کے اجزا نظر والے کے بدن سے دفع کرنے میں اُس پانی کو جو عائن کے بدن کا دھووَن ہے کیا دخل ہے اور کس طرح سے وہ پانی تاثیر کرتا ہے اور ابو ہاشم اور ابو القاسم بلخ والوں نے ایسا کہا ہے کہ نظر لگانے والا جب کسی چیز کو دیکھتا ہے یا سنتا ہے تو اس چیز کا فریفتہ ہوجاتا ہے اور علم الٰہی میں اس کے واسطے بہتر یہ بات ہوتی ہے کہ وہ چیز اپنے حال پر نہ رہے بلکہ متغیر ہوجائے تاکہ عائن کا دل اُس پر فریفتہ نہ رہے اس سبب سے وہ چیز متغیر اور درہم برہم ہوجاتی ہے اور ظاہر میں لوگ ایسا جانتے ہیں کہ اس شخص کے پسند کرنے کے سبب سے اس میں خلل واقع ہوا ہے اور اس کلام میں بھی خلل ہے اس واسطے کہ اگر اس طرح کی مصلحت اور حمایت یعنی آدمی کے دلوں کو کسی چیز پر فریفتہ ہونے کے واسطے اس چیز کو متغیر کردینا منظور ہوتا تو خوبصورت لڑکوں اور حسین عورتوں کو زندہ نہ رکھتے تاکہ عاشقوں کے دل اس طرف فریفتہ نہ ہونے پاویں اور یہ بھی ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو جس چیز کی طرف کسی کا دل رغبت کرتا اور وہ اسکا عاشق اور فریفتہ ہوتا تو یہ فریفتگی اس چیز کے زوال اور نیستی کا سبب

پڑتی اور یہ بات خلاف واقع اور ظاہر کے ہے اور حکما اس مقام پر دوسری راہ چلے ہیں جو قیاس کے
کچھ قریب ہے اور یہی معلوم ہوتی ہے سو انہوں نے کہا ہے کہ انسان کے نفس کی تاثیر دو قسم کی ہے
ایک قسم وہ ہے جو ظاہر احوال کے واسطے ہوتی ہے اور دوسری قسم بیواسطے ظاہری کیفیت کے ہوتی
ہے جیسے وہم کی تاثیر کہ جب بہت بلند مکان پر کوئی کھڑا ہوتا ہے یا بہت باریک اور پتلا راستہ
چلنا پڑتا ہے تو اس وقت وہم کے غلبہ سے بدن میں رعشہ پڑ جاتا ہے یعنی کانپنے لگتا ہے اور گر پڑتا
ہے اور حال یہ ہے کہ برابر جگہ میں ہمیشہ ایسے راستے پر چلا پھرا کرتے ہیں اور کچھ بھی وہم کا اثر نہیں ہوتا اور
جیسے تصور اور خیال کی تاثیر چنانچہ ان احوالوں میں جو انسان کے نفس پر کبھی کبھی آجاتے ہیں اور اُن کو
عوارض نفسانیہ کہتے ہیں یہ بات ظاہر ہے جیسے خوف کے سبب سے رنگ زرد یعنی پیلا ہو جاتا
ہے اور بدن ٹھنڈا اور آنکھوں میں تاریکی آجاتی ہے اور غصے کی حالت میں اس کے برعکس ہو جاتا
ہے یعنے رنگ سُرخ ہو جاتا ہے اور بدن گرم اور سب اعضا میں قوت آجاتی ہے سو جس طرح
نفس پر ایک حالت آجانے سے اس قسم کی تاثیر اپنے بدن میں ہو جاتی ہے اسی طرح اپنے غیر کے
بدن میں بھی ہو جاتی ہے چنانچہ نظر کی تاثیر بھی اس قسم سے ہے اور ایک قسم کا جادو جس کو تعلیق ہمت اور
وہم کہتے ہیں اور ہند کے جوگیوں کا معمول ہے اور وہ اسی قبیل سے ہے اور جو تاثیر میں نفس مختلف ہیں
بعضے قوی ہیں اور بعضے ضعیف اسی سبب سے تاثیر بھی مختلف ہوتی ہے اور کم و زیادہ ظاہر ہوتی
ہے اور بعضی جگہ اس قسم کی تاثیریں موروثی ہوتی ہیں یعنی باپ سے بیٹے میں اور بیٹے سے پوتے میں
آتی ہیں اور کھانے سے اور گوشے میں بیٹھنے سے اور اپنی خواہش اور رغبت کی چیزیں چھوڑ دینے سے
بھی یہ چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں بلکہ جو لوگ اس قسم کی تاثیر میں کمال کے درجے کو پہنچتے ہیں وے دوسرے
کو بھی یہ تاثیر اس کے دل میں ڈال کے اپنے مانند کر سکتے ہیں چنانچہ ڈائن کے قصوں میں جس کو جھاڑ
پھونک والوں کی اصطلاح میں کفتار کہتے ہیں یہ بات مشہور اور تواتر کو پہنچتی ہے یعنے اتنے لوگوں
نے ذکر اس کا کیا ہے کہ ان کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

ف آدمی کے نفس کی تاثیر دو قسم کی ہے۔

سُوْرَۃُ الْحَآقَّۃِ

یہ سورت مکی ہے اس میں باون۵۲ آیتیں اور دو سو باون۲۵۲ کلمے اور ایک ہزار چار سو اسی حرف ہیں اور اس سورت کے ربط کی وجہ سورۂ نون سے ایک مقدمے کے بیان پر موقوف ہے اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے عذاب عالم میں دو قسم کے ہیں ان دونوں میں سے ایک قسم کو ابتلا کہتے ہیں کہ بندوں کو آزمائش کے واسطے اللہ تعالیٰ ایسے عذاب میں مبتلا کرتا ہے تاکہ دیکھے کہ بندے خبردار ہوکے حق کی راہ قبول کرتے ہیں اور بری بات کو چھوڑتے ہیں یا نہیں اور اس قسم کے عذاب کا خاصہ یہ ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد موقوف ہو جاتا ہے اور سورۂ انعام اور سورۂ اعراف میں اس کا مفصل بیان آیا ہے چنانچہ حق تعالیٰ سورۂ انعام میں فرماتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ آخر آیت تک یعنی اور مقرر ہم نے بھیجے تھے رسول بہت امتوں پر تجھ سے پہلے پھر اُن کو پکڑا سختی میں اور تکلیف میں شاید وے عاجزی کریں اور گڑگڑاویں اور سورۂ اعراف میں حق تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِىٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر پکڑا وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں شاید وے عاجزی کریں اور گڑگڑاویں اور پھر اسی سورت میں حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ اور ہر آئینہ تحقیق ہم نے پکڑا فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کے نقصان میں شاید وے دھیان کریں اور دوسری سورتوں میں بھی اس قسم کا ذکر بہت آیا ہے اور کتنے دوسرے احوال اس قسم کے حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں چنانچہ بنی اسرائیل میں اس قسم کے معاملے بہت واقع ہوئے ہیں اور اس امت میں بھی اس قسم کے معاملے بہت واقع ہوئے ہیں تواریخ و سیر کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ نیک اور بد سب اس بلا میں شریک ہوتے ہیں کچھ فرق اور امتیاز آپس میں نہیں ہوتا ہے اس واسطے کہ نیکوں کو ایسی بلا میں مبتلا کرنے سے اُن کے مرتبوں کو بڑھانا اور اُن کے گناہوں کو گھٹانا اور اُن کے صبر اور شکر کا امتحان کرنا منظور ہوتا ہے اسی سبب سے حق بات کا کھل جانا اس طور پر

کہ شبہ بالکل جاتا رہے نہیں ہو سکتا اور ظاہر میں منکروں پر الزام حجت کا اہل حق اور اہل باطل کے شریک ہونے کے سبب سے اس عذاب میں میسر نہیں ہوتا ہے اور حقیقت میں ایمان دار گناہگاروں کا عذاب قیامت میں اسی قسم سے ہے کہ اس عذاب سے گناہگاروں کا گناہ سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے یہ ہی سبب ہے کہ وہ عذاب ہمیشہ نہ رہے گا اور دوسری قسم کو حاقہ کہتے ہیں جو حق بات کے ظاہر کرنے اور سچ اور جھوٹ میں فرق کرنے کے واسطے منکروں پر عذاب کرتے ہیں اور اس قسم سے بدلہ لینا منظور ہوتا ہے نہ کہ امتحان اور ایسا عذاب کبھی نہیں جاتا اگر دنیا میں کسی پر ہوتا ہے تو تا لب گور رہتا ہے اور بعد مرنے کے بھی اس سے جدا نہیں ہوتا اور اگر آخرت میں یہ عذاب کسی پر ہوگا تو ہمیشہ اس پر رہے گا کبھی موقوف نہ ہوگا لیکن دنیا میں اس قسم کا عذاب آکر پھر ایسے عذاب سے بچنا کسی کے واسطے نہیں ہوا مگر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے واسطے کہ عذاب ظاہر ہو کر پھر گیا چنانچہ سورۂ یونس میں یہ قصہ تفصیل سے مذکور ہے لیکن حقیقت میں وہ عذاب حاقہ نہ تھا بلکہ قسم اوّل سے یعنی ابتلا اور آزمائش کی قسم سے تھا چنانچہ اس کا مفصل بیان اپنے مقام پر ہوگا پھر جب یہ مقدمہ بیان ہو چکا تو اب جاننا چاہیے کہ سورۂ نون میں مذکور ہے کہ مکے والوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بے ادبی کے سبب سے کہ جنون کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے سات برس تک قحط میں مبتلا کیا جیسا ضروان کے باغ والوں کو فقیروں اور مسکینوں کے حق نہ دینے کے سبب سے ایک بلا میں گرفتار کیا تھا یعنے اس باغ کو جلا دیا تھا تاکہ وے لوگ اپنے مکے والے خوب جان لیویں کہ عذاب حقیقی بھی اسی طرح یکایک آجاتا ہے یہ سمجھ کے خبردار ہو جاویں اور برے کاموں کو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن اور تشنیع کرنے کو چھوڑ دیں اور ان کی نبوت کا اقرار کریں پھر جب وے لوگ اس بلا سے متنبہ نہ ہوئے اور اس قحط سے کہ سب نیک اور بد مسلمان اور کافر اس میں شریک تھے کچھ بھی عبرت اور پند پذیر نہ ہوئے تو ان کو اسقدر خبردار کردینا ضرور ہوا کہ یہ قحط ایک آزمائش تھی اور وے عذاب جن کو حاقہ کہتے ہیں یعنے جن سے حق اور باطل جدا ہو جاتا ہے اس کا طور اور ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے واسطے اس قسم کا عذاب قیامت پر موقوف ہے دنیا میں اس امت پر جو عذاب ہے سو آزمائش کے طور پر ہے کہ کچھ دنوں رہا پھر منقطع ہو گیا سو اس سورت میں اس قسم کے عذاب کو یعنی جو حق اور باطل کو

جُدا کریگا بہت شرح اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور اس کی تمثیلوں میں پہلی امتوں کے قصے جو
دنیا میں عذاب حاقہ میں گرفتار ہوئی تھیں بیان فرمائے تاکہ اس امت کے کافر آخرت کے عذاب کو
جو حاقہ ہے پہلے امتوں کے عذاب حاقہ پر قیاس کر کے ڈریں اور قیامت کے عذاب حاقہ کو آزمائش
کا عذاب جو ان پر اکثر ہوتا رہتا ہے سمجھ کر خاطر جمع سے نہ بیٹھے رہیں اور باوجود اس بات کے ان دونوں
سورتوں میں متفرق مضمون کے اعتبار سے بھی بہت مناسبت پائی جاتی ہے چنانچہ اس سورت میں
بیان فرماتا ہے کہ یہ رسول مجنون اور دیوانہ نہیں ہے اور کافر جو جنون کی نسبت اس کی طرف کرتے
ہیں سو جھوٹے ہیں اور اس سورت میں یہ فرمایا کہ یہ نبی نہ شاعر ہے اور نہ کاہن اور اس سورت میں
بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں اپنے مال اور اولاد پر کافر مغرور ہو کے قرآن سے بے ادبی کرتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ یہ قصے ہیں پہلوں کے اور اس سورت میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن کافر افسوس کریں گے
اور کہیں گے مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَہْ یعنی کچھ میرے کام نہ آیا یہاں پر میرا مال جو دنیا میں میں نے جمع
کیا تھا اور اس سورت میں مذکور ہے کہ ضروان کے باغ والوں کو مسکینوں کے حق نہ دینے کے
سبب سے آفت پہنچی تھی اور اس سورت میں فرمایا کہ کافروں کو آگ کی زنجیروں اور طوقوں میں
گرفتار کریں گے اس واسطے کہ دنیا میں یہ مسکینوں کو نہ دیتے تھے اور دوسری بھی اس کے سوائے
بہت سی مناسبتیں ہیں کہ تامل کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں اور اس سورت کے حاقہ نام رکھنے کی
وجہ بھی اسی مقدمے کے بیان سے ظاہر ہوگئی اس واسطے کہ حاقہ اس عذاب کا نام ہے جو حق کو
باطل سے جُدا کر دے اس طور پر کہ کچھ بھی شبہ باقی نہ رہے اور اس سورت میں کتنے احوال اسی قسم
کے بیان فرمائے ہیں جو دنیا میں ہوئے یا آخرت میں ہوں گے اور اس بیان سے پھر رسالت اور
نبوت اور وحی اور قرآن کے نزول کی طرف انتقال فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۶ اَلْحَآقَّۃُ وہ حادثہ جو حق کو باطل سے جُدا کرے اس طور سے کہ ہرگز شبہ حق اور باطل میں باقی
ربع نہ رہے نہایت عجیب ہوتا ہے اور وہ بڑی بزرگی رکھتا ہے کہ اس سے بطور عظمت اور تعجب کے

پوچھا جاتا ہے اور اس کے حق میں کہا جاتا ہے کہ مَا الْحَاقَّةُ کیا ہے وہ حادثہ حق دکھانے والا اور اس حادثہ کی بزرگی اس قدر ہے کہ اس کی حقیقت کما حقہ نہ جاننے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کہ عمدہ اور اعلیٰ تمام مخلوقات کے ہیں سب آدمیوں میں شریک کر کے خطاب فرمایا ہے کہ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ اور تو کیا جانتا ہے کہ کیا ہے وہ حادثہ حق دکھانے والا اور جب اس حادثہ کی حقیقت اور اس کے کنہ کی شرح کھلی کھلی بیان کرنا دشوار ہے تو اس واسطے اس کی نظیریں اور مثالیں بیان کرنا منظور ہوا اور اس کی نظیریں اور مثالیں کمی اور زیادتی اور سختی اور حقیقت عذاب میں مختلف اور متفاوت ہیں اور اس کی کامل وجود اس امت کے واسطے ہے سو حق کے ثابت کرنے میں اور باطل کے باطل کرنے میں اعلیٰ مرتبے کو پہنچی ہے اس طور پر کہ حاقہ نام گویا اسی فرد کا ہو گیا ہے اور دوسرے حاقے اور عذابوں کو بوجھانے اور سمجھانے اور ذہن میں آجانے کے واسطے توطیہ اور تمہید کے طور پر ذکر کرنا ضرور پڑتا ہے كَذَّبَتْ ثَمُودُ انکار کیا اور نہ مانا ثمود کے فرقہ نے جو ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور شام اور حجاز کے درمیان رہتے تھے اور پتھر کے تراشنے اور عمارت کے بنانے اور کھیتیاں کرنے اور باغ لگانے میں بہت رغبت رکھتے تھے اور شام اور حجاز کے درمیان میں وادی القریٰ سے حجر تک سات سو بستیاں اسمیں کتنے شہر اور قصبے اور گاؤں آباد کیے تھے اور ہر جگہ پر چشمے جاری کر کے کھیتیاں اور باغ سرسبز کر رکھے تھے اور عیشیں اور مزید اریاں کرتے تھے اور سب کے سب بت پرستی میں مشغول رہتے تھے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو جو اس قوم کے شریفوں میں اور پیدائش اور لڑکپن سے امانت اور دیانت اور تقویٰ اور صلاحیت میں معروف اور مشہور تھے اپنی طرف سے رسول کر کے بھیجا اور بت پرستی سے اور سنگ تراشی اور عمارتوں اور زراعتوں میں بہت مشغول رہنے سے منع فرمایا وَعَادٌ اور عاد کے فرقہ نے جو ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور یمن کے احقاف میں یعنی ریگستان میں کہ نہایت بڑا ملک ہے رہتے تھے اور دوسرے آدمیوں کی نسبت سے ان کے جسموں میں قوت اور زور بہت تھا بڑے بڑے قد اور ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا بہت قوی اور زبردست لڑائی اور لوٹنے میں سب جہان والوں پر غالب آتے تھے آخر رفتہ رفتہ ان لوگوں کو اپنی قوت اور زور پر گھمنڈ اور تکبر بہت ہوا اور حق تعالیٰ کی عبادت سے بالکل غافل ہو گئے اور اپنے گرد و نواح

کے رہنے والوں پر بہت ظلم اور زبردستی کیا کرتے تھے اور عمارتیں اور حوض اور تالاب بنانے پر اُن کو بھی رغبت بہت تھی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو جو اسی گروہ سے تھے رسالت اور پیغامبری کے طور پر اُن کے پاس بھیجا تاکہ اُن کو غفلت اور تکبر سے اور اپنی قوت اور زور پر گھمنڈ کرنے سے منع کریں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رغبت دلاویں اور اُس کے عذاب سے ڈراویں حضرت ہود علیہ السلام نے اُن کو سمجھایا لیکن ان دونوں فرقوں نے یعنی عاد اور ثمود نے اپنے رسولوں کا کہانہ مانا بلکہ ان کی رسالت سے منکر ہوئے اور جھٹلایا بِالْقَارِعَةِ اُس حادثہ ٹھوکنے والے کو جو اُن کے بدنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور اُن کی روحوں کو برزخ کے عذاب میں گرفتار کرے گا اور کہنے لگے کہ ایسی آفت کبھی نہیں آئی ہے جو تمام خلقت کو ایک ہی مرتبہ غارت کر دے کہ اُس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے اور ظاہر میں فوج اور سپاہ کچھ بھی نہ ہو سو یہ ڈرانا نہیں ہے مگر اس واسطے کہ یہ لوگ ہماری ریاست لیا چاہتے ہیں اور اگرچہ ابتدا میں گناہ ان دونوں فرقوں کا یہی تھا کہ پیغمبروں کو جھٹلاتے تھے اور عذاب الٰہی کو پیغمبروں کی زبانی سُنتے تھے یقین نہ جانتے تھے اور بُت پرستی اور عمارت بنانے کو چھوڑتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف مشغول نہ ہوتے تھے اور دونوں فرقے اس امر میں شریک تھے لیکن آخر کو یہ دونوں فرقے بعضے بعضے عملوں کے سبب سے علیٰحدہ علیٰحدہ عذاب کے مستحق ہوئے اور اسی عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک اور غارت ہوئے فَاَمَّا ثَمُوْدُ پھر لیکن ثمود کے فرقے نے اپنے پیغمبر کے جھٹلانے میں باوے کتنے کی خصلت پیدا کی تھی اور اللہ تعالیٰ کے ناقہ کے ساتھ نہایت بے ادبی کی یعنی اُس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور صالح علیہ السلام کے بھی مار ڈالنے کی تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ کے ناقے کا گوشت کتوں کے مانند کھایا اور اس کی ہڈیوں کو توڑا اور مارنے کے وقت اُس اُونٹنی کی آواز اور چلانے پر رحم نہ کیا اور اس اونٹنی کے بچے کو بہت ڈرایا یہاں تک کہ وہ بھاگ کے پتھر میں گھس گیا اور تین آوازیں کر کے غائب ہو گیا چنانچہ یہ قصہ والشمس کی سورۃ کی تفسیر میں مفصل بیان کیا گیا ہے تب اللہ تعالیٰ کی حکمت نے اس بات کا تقاضا کیا کہ اُن پر عذاب بھی کتے کی جھڑکی اور دُتکار کی قسم کا ہووے چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا پھر انہوں نے ایک آواز بہت سخت کی فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ پھر وے سب ہلاک کیے گئے ایسی آواز سخت سے جو سب دنیا کی آوازوں سے سخت تھی اس واسطے کہ دنیا میں شیر کی آواز

اور بڑی توپ کی آواز بہت سخت ہوتی ہے جس سے جوڑ اور پٹھے ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور عمارتیں اور عورتوں کے حمل گر پڑتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پتّا پھٹ جاتا ہے اور آدمی مرجاتا ہے لیکن ایسی آواز جس سے ہزاروں آدمی ایک آن میں مرجاویں اور کانوں کے سوراخ بند کرنا اور نہ خانوں میں چھپنا اس آواز کو نہ روکے معتاد آواز کے اندازے سے خارج ہے اور اس آفت سے ثمود کے فرقے کے سوائے کسی کو کچھ اذیت نہ پہنچی اور ثمود کے فرقے میں سے کوئی باقی نہ رہا اور مسلمانوں کو حضرت صالح علیہ السلام کی رفاقت کی برکت سے نجات ملی یہ ظاہر اور کھلی دلیل ہے اس بات پر کہ یہ عذاب عادتہ تھا ابتلا کی قسم سے نہ تھا والّا سب کو شامل ہوتا اور مسلمان بھی نہ بچتے اور کافر اور مسلمان میں کچھ فرق نہ ہوتا اور برزخ کے عذاب سے متصل بھی نہ ہوتا اب باقی رہا یہاں پر ایک سوال جس کا جواب دینا ضروری ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ قرآن شریف میں جس جگہ ان قصوں کا ذکر آیا ہے تو عاد کا قصہ ثمود کے قصہ سے پہلے بیان فرمایا ہے اور زمانے کی ترتیب بھی اسی بات کو چاہتی ہے اس واسطے کہ عاد کی قوم ثمود کی قوم سے پہلے گذری ہے اور ثمود سے پہلے ہلاک ہوئی ہے اور یہاں پر ثمود کے قصے کو عاد کے قصہ پر کیوں مقدم کیا اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ زمانے کی ترتیب یعنی پہلوں کو پہلے اور پچھلوں کو پیچھے بیان کرنا منظور نہیں ہے اس واسطے کہ یہ مقام اس بات کو نہیں چاہتا بلکہ اس جگہ عذابوں کی زیادتی اور کمی اور آفتوں کی سختی اور خفت کا بیان کرنا منظور ہے سو جس فرقے پر عذاب تھوڑی سی دیر تک رہا یعنی ایک ہی دن میں تمام ہوا اور سختی میں بھی کم تھا کہ فقط ایک آواز سخت تھی جس نے سب کو خراب کر دیا اس کو پہلے بیان فرمایا اور جس فرقے پر عذاب کئی دن تک رہا یعنی سات راتیں اور آٹھ دن تک اور شدت اور سختی میں بھی بہت زیادہ تھا کہ ہوا کے موکلوں نے چاروں طرف سے ہوا کو لا کر عاد کی قوم پر جھکا دیا تھا سو ہوا ان کو اڑا اڑا کر اوپر لے جاتی تھی اور پھر وہاں سے زمین پر پٹک دیتی تھی کہ ان کے بدن پاش پاش ہو جاتے تھے اور اگر کسی کو اس ترتیب کا بیان جو ان قصوں میں رعایت کی گئی ہے مفصل سننا منظور ہو تو اب کان دھر کے سنے کہ ثمود کے فرقے کو محض ہوا کی کیفیت سے جس کو آواز کہتے ہیں غارت کیا اور جو ہوا کی کیفیت ہوا کے جوہر کے تابع ہے اور صفت کا مرتبہ ذات کے مرتبہ سے کم تر ہوتا ہے اور یہ مقام اسی بات کو چاہتا تھا کہ کمتر کو پہلے بیان کریں اور اس کے بعد بزرگ تر کو اس واسطے ثمود کے قصہ کو

عاد کے قصہ سے پہلے بیان کرنا ضرور پڑا اور عاد کے فرقے کو ہوا کی ذات کے جھوکے سے جس کو ریح
کہتے ہیں غارت کیا اور ہوا ایک عنصر ہے چار عنصروں میں سے پانی اور خاک سے لطیف زیادہ ہے مگر
فعل اور تاثیر میں آگ سے کم ہے سو عاد کے قصے کو دوسرے قصوں پر جن میں کسی عنصر کا جمع ہونا اور
پانی اور آگ اور خاک کو اکٹھا کرنا ضرور ہوا تھا مقدم کیا اس واسطے کہ بسیط مرکب پر مقدم ہوتا ہے اور
آسان سخت پر اور فرعون اور اس کے لشکر پر جو عذاب واقع ہوا تھا سو دریائے قلزم میں ڈوبنے کا
تھا اور اس کا ڈبونا اس بات پر موقوف تھا کہ اس کے پہنچنے کے پہلے کنارے پر دریا کے بنی اسرائیل
کی نجات کے واسطے دریا پھٹ جاوے اور فرعون اور اس کا لشکر جرأت کر کے اس میں در آویں
اور غارت ہو جاویں اور حاقہ ہونے کے معنی ظاہر ہو جاویں اور دریا کا پھٹنا بدون اس تدبیر کے کہ
ہوا تند جس کو آندھی اور طوفان کہتے ہیں زور سے بہے اور دیر تک دریا کے پانی کو ملنے سے باز رکھے
اور پانی علیحدہ علیحدہ کھڑا ہو جاوے دوسری تدبیر سے منصور اور ممکن نہ تھا سو اس کے غارت کرنے
میں ان دونوں عنصروں کا یعنی پانی اور ہوا کا مرکب ہونا ضرور ہوا اور جن کے غارت کرنے میں دو
عنصروں سے زیادہ مرکب کرنے کی احتیاج تھی اس کو اس کے بعد ذکر فرمایا جیسے حضرت لوط
علیہ السلام کی قوم کا عذاب لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کے قصہ کو حضرت لوط علیہ السلام کے
قصے کے بعد بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم دو عذاب سے غارت ہوئی
مدین والے ایک تند آواز سے غارت ہوئے تھے جو بڑے بھونچال کے ساتھ ہوئی تھی اور بھونچال
کی حقیقت یہ ہے کہ بڑے زور کی ہوا زمین کے مسام میں داخل ہوتی اور غیر مسام کی طرف سے
نکلتی ہے پس ہوا اور خاک میں ترکیب لازم ہوئی اور یہ دونوں یعنی ہوا اور خاک جب آپس میں ملتے
ہیں تو سوائے برائی کے اچھائی نہیں ہوتی اور ملنا ان چیزوں کا جو آپس میں مخالف ہوں رتبے میں
موخر ہے یعنی پیچھے ہے ان چیزوں کے ملنے سے جو آپس میں موافق ہیں اور ایکہ والے آگ کے سائبان
سے ہلاک ہوئے یعنی ایک سیاہ بدلی ظاہر ہوئی اور اس سے آگ برسی اور وے سب غارت ہوئے
ہر چند کہ اس عذاب میں بھی دو موافقوں کا ملنا ثابت ہوتا ہے لیکن ہوا اور پانی موافقت میں انسان
کی طبیعت کے ساتھ بلکہ حیوان اور سر اگنے والے کی طبیعت کے ساتھ بالکل شراکت رکھتے ہیں
بخلاف آگ کے کہ ہر بڑھنے والی چیز کی طبیعت سے پرے درجہ کی جدائی رکھتی ہے عنصر ہوا کی

نسبت سے چیز کی دوری سے بھی زیادہ تو یہ ترکیب بہت غریب اور نادر ہوئی اور نادر چیز پیچھے ہوتی ہے معتاد چیز سے اور جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا عذاب مرکب تھا ناری اور ارضی جزوں سے جو مٹی کے غلبہ کے سبب سے پتھر ہو کے گرے اور ان جزوں کو ہوا ہی نے اوپر چڑھایا اور نیچے اتارا تھا اور یہ بھی کہ زمین کی جڑوں کو لوٹ پوٹ کرنا یعنی اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کرنا بدون داخل کرنے تیز اور تند ہوا کے اُن کے مکانوں کی جڑوں میں ممکن نہ تھا تو حقیقت میں یہ عذاب ان تینوں عنصر سے ترکیب پایا تھا بلکہ گویا معدنی صورت کو پہنچا تھا اور فقط بسیط یعنے غیر مرکب نہ رہا تھا موالید ثلثہ سے ایک کی شکل ہو گیا تھا اور مرکب کا مرتبہ مؤخر ہے بسیط کے مرتبے سے اور جو مرکب ہے تین جزو سے وہ مؤخر ہے اُس سے جو مرکب ہے دو جزو سے اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے عذاب میں چاروں عنصر نے خدمت کی تھی پانی کو حاکم کیا تھا اور ہوا کو استحالہ میں یعنی پانی ہو جانے میں اسکا تابع کیا تھا اور زمین کو پانی کے جاری کرنے میں معین اور مددگار پانی کا کیا تھا اور آگ کو اپنی قوت یبوست اور حرارت کے روکنے اور اپنی کیفیتوں کے پوشیدہ کرنے پر پوشیدگی کے عالم میں مامور کیا تھا تاکہ اُس احالہ اور استحالہ کا معارضہ نہ کرے پھر اس عذاب کے حاقہ ہونے میں کشتی بنانا اور معادن اور نباتات سے خدمت لینا یعنی لکڑی اور لوہے سے اور خشکی تری کے جانوروں کو تابع کرنا اور ایمانداروں کے واسطے اُن کے منافع باقی رکھنا بھی ضرور پڑا اسی واسطے یہ عذاب تمام روئے زمین کے رہنے والوں کو شامل اور گھیر لینے والا ہوا اور حقیقی حاقہ سے یعنی قیامت سے بہت مشابہت پیدا کی سو اسواسطے اس کا بیان کرنا سب کے پیچھے بہت مناسب ہوا تاکہ حاقہ حقیقی کے بیان سے متصل ہو اور احوال حاقوں کے ظہور کا آہستہ آہستہ انسان کی فہم میں نہایت توضیح اور تشریح سے جلوہ گر ہووے اور دوسری جگہوں پر اس قرآن میں جہاں کہیں مقام ترتیب زمانے کو مقتضی ہوا ہے یعنی جس کا زمانہ اوّل ہے اُسی کے قصے کو پہلے بیان کرنا تو وہاں یہ قصے اسی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں اس طرح پر کہ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سب سے پہلے بیان فرمایا ہے پھر بعد اُس کے عاد کا قصہ پھر اُس کے بعد ثمود کا قصہ پھر اُس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ پھر اُس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا قصہ پھر اُس کے بعد فرعون کا قصہ چنانچہ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود اور سورۂ شعرا اور سورۂ قمر اور دوسری سورتوں میں اسی طور سے بیان ہوا ہے حاصل کلام کا ثمود کے

فرقے کو جو انکار میں اس قدر بڑھ چلے تھے کہ حق تعالیٰ کی نشانیوں کو مٹا دینے پر کمر باندھی تھی چنانچہ حق تعالیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور حضرت صالح علیہ السلام کے قتل پر مستعد ہوئے تھے تو انکو کتوں کی طرح ایک سخت اور تند آواز سے جھڑک دیا اور اسی ایک جھڑکی میں اُن کے جسم بیجان ہو گئے اور اُن کے روح کے کتے نے اپنے گھر کی راہ لی وَاَمَّا عَادٌ لیکن عاد کا فرقہ سو اپنے وقت کے پیغمبر کو جھٹلانے اور انکار کرنے میں اس قدر بڑھ گیا تھا جیسے پہلوان کشتی کھیلنے والے مستعد ہو کر اکھاڑے میں خم ٹھونک کر آکھڑے ہوتے ہیں اسی طرح وے بھی اپنے پیغمبر کے مقابلے پر مستعد ہو گئے تھے اور کہتے تھے کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً یعنی کون ہے سخت زبردست ہم سے قوت میں یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے تین سال برابر اُن پر قحط ڈالا تب اُن لوگوں نے گھبرا کر اپنے ستر آدمیوں کو مکہ معظمہ میں بھیجا تاکہ وہاں جاکر دعا کریں اور پانی حق تعالیٰ سے مانگیں لیکن تکبر اور غرور نے یہ قبول نہ کیا کہ حضرت ہود علیہ السلام سے التجا کریں اور ان سے پانی کی دعا طلب کریں اور مکہ میں اس وقت عمالقہ کی قوم غالب تھی جب وے لوگ عمالقہ کے پاس پہنچے اور اپنا حال ظاہر کیا ایک شخص نے جس کا نام مرثد تھا اُن سے کہا کہ اس مقام کی دعا تم کو فائدہ نہ کریگی تم کو لازم ہے کہ اپنے پیغمبر کی بات قبول کرو اور دین حق کو مانو تاکہ اس بلا سے خلاصی پاؤ اس واسطے کہ تمہارے کہنے سے معلوم ہوا کہ یہ قحط وہ قحط نہیں ہے جو دعا سے جاتا رہے بلکہ یہ قحط حق تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان کے واسطے ہے جب ان لوگوں نے یہ مرثد کی بات سُنی کہنے لگے کہ اگر ہم یہاں سے بدون حاصل ہوئے مطلب کے پھر جاویں گے تو ہماری قوم ہم کو بہت ذلیل اور خفیف کرے گی جس طرح سے ہو سکے یہ کام یہاں سے کر کے جانا چاہیے اور اس کام کی تدبیر مرثد سے پوچھی اُس نے کہا کہ تم سب ننگے سر اور ننگے پاؤں حاجیوں کی شکل سے صفا پہاڑ پر جو بیت اللہ کے سامنے ہے چڑھو اور جس وقت بیت اللہ تم کو نظر آوے تو اس وقت اس طور سے دعا مانگو کہ ہود کے خدا اگر ہود اس بات میں سچے ہیں کہ تیرے پیغمبر ہیں تو ہم کو پانی دے کہ ہم لوگ فقط پانی کے واسطے آئے ہیں اُن لوگوں نے اسی طرح کیا اور اُن کی دعا قبول ہوئی اور حق تعالیٰ نے تین ٹکڑے بدلی کے بھیجے ایک سفید ایک سُرخ ایک سیاہ اور ایک آواز آئی کہ ان تینوں بدلیوں کے ٹکڑوں میں سے ایک اپنے واسطے تجویز کرو اُن لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے سیاہ ٹکڑے کو قبول کیا اس واسطے کہ سیاہ بدلی میں پانی بہت برستا ہے اور اپنے

شہر کو روانہ ہوئے وہ کالی بدلی بھی اُن کے ساتھ اوپر اوپر چلی جاتی تھی جب اپنے شہر کے قریب پہنچے کئی آدمیوں کو جلدی سے آگے بھیجا کہ ہم بدلی اپنے ساتھ لائے ہیں تم اپنے سب تالاب اور حوضوں کو جھاڑ کر صاف کر رکھو اور کھیتی کا سامان جیسے بیج اور ہل وغیرہ بھی سب درست کر دو اور خوش ہو کہ یہ بدلی تمہاری خواہش کے موافق برسے گی شہر کے لوگ سب اس خوشخبری کے سننے سے بہت خوش ہوئے کہ ہمارے بھیجے ہوؤں کی دعا مقبول ہوئی اور بہت بدلی آئی اور حضرت ہود علیہ السلام پر زبان طعن اور تشنیع کی کھولی اور کہا کہ دیکھو ہمارے بھیجے ہوؤں کی دعا مقبول ہوئی اور بدلی آئی تم کہتے تھے کہ بلا آوے گی حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بدلی نہیں ہے یہ حق تعالیٰ کی بلا ہے اس سے ڈرنے ہو اور ابھی کچھ نہیں گیا ہے میرا کہا مانو اور ایمان لاؤ اور بت پرستی کو چھوڑ دو ان لوگوں نے کہا کہ بدلی میں کیا بلا آوے گی حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ آندھی یعنی طوفان کی ہوا چلے گی کہ تم کو اور تمہارے سب مکانوں کو نیست و نابود کرے گی ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم ہمارا زور اور قوت جانتے ہو پھر ہم کو ہوا کی شدت اور تندی سے خوف دلاتے ہو اسی گفتگو میں تھے کہ وہ بدلی اُن کے شہر کے کنارے آپہنچی اور طوفانی ہوا چلنا شروع ہوئی اور حق تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بادِ عقیم کو جس کا ٹھکانہ چوتھا طبقہ زمین کا ہے بیل کی ناک کے برابر چھوڑ دو اور عاد کی قوم پر مسلط اور معین کر دو پھر دے فرشتے جو ہوا پر معین ہیں اس لحاظ سے کہ یہ ہوا کہیں بے گناہوں کو نہ ہلاک کر ڈالے کتنا ہی اُس ہوا کو روکتے تھے لیکن ہوا اُن کے روکنے سے کب رُک سکتی تھی پھر اس قسم کی ہوا کی تندی اور زور دیکھ کر عاد کی قوم مضبوط مستحکم مکانوں میں جا گھسے تھے اور مضبوط رسیوں سے آپس میں ایک نے دوسرے کو باندھا تھا اور اپنے جانوروں کو بھی زنجیروں سے جکڑ دیا تھا اور اپنے گھر والوں کو اونٹوں کے کجادوں میں بٹھا کر ہوا سے جو حق تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک ضعیف جزو ہے مقابلے اور کشتی کے واسطے مستعد ہوئے اور اس ضعیف مخلوق نے بھی اُن کے ساتھ اس قسم کی کشتی کی کہ اُن کی عورتوں کو جنھیں لوہے کی عماریوں میں بڑی بڑی مضبوط سانڈنیوں پر بٹھلا کے لوہے کی زنجیروں سے ان عماریوں کو سانڈنیوں پر کس دیا تھا سو ہوا اُن کو مع سانڈنیوں کے زمین سے اڑا لے جاتی تھی اتنی دور کہ وہ سانڈنی مع عماری ٹیڑی سی معلوم ہوتی تھی پھر وہاں سے زمین پر دے مارتی تھی یہاں تک کہ اُس قوم کو بالکل ہلاک کیا اور حضرت ہود علیہ السلام ایمانداروں کو لے کر

ایک ٹاپو میں ہو گئے تھے اور ایک خط اپنے گرد کھینچ دیا تھا حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے وہ ہوا جب
اس خط کے اندر آتی تھی تو آہستگی سے چلتی تھی جو بدن کو اچھی معلوم ہو اور اس خط کے باہر جس پر پہنچتی
تھی اُس کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی تھی سو حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو ایسے عذاب میں مبتلا کیا جو اُن کی
پہلوانی کے مناسب تھا اور ہوا کو جو منہ کی پھونک سے پراگندہ ہو جاتی ہے اُن کی کشتی کے واسطے بھیجا
تاکہ وے بھی اس درگاہ الٰہی کے پہلوان کی قوت کا تماشا کریں فَاُھْلِکُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ پھر ہلاک
کیے گئے زور کی ہوا سے جو چلنے کے وقت آواز زور سے کرتی تھی عَاتِیَۃٍ بہت سخت اور تند
بہنے والی جو نگاہبانوں اور موکلوں کے اختیار سے نکل گئی تھی چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ۴
حق تعالیٰ کبھی ہوا کو دنیا میں نہیں بھیجتا مگر اندازے سے اور پانی کو بھی نہیں بھیجتا مگر اندازے سے لیکن
حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے دن اور عاد کی قوم پر عذاب کے دن کہ طوفان کے دن اس
ریلے سے پانی بہا تھا کہ محافظ فرشتوں کے اختیار میں نہ رہا تھا اور عاد کی قوم پر اُن کے عذاب کے
زور ہوا بھی موکل فرشتوں کے اختیار سے باہر ہو گئی تھی اور یہ ہوا کا اس زور سے بہنا کچھ آسمان کی
گردش سے نہ تھا والا عاد کے کافروں کی تخصیص اس عذاب میں نہ ہوتی بلکہ حضرت ہود علیہ السلام
اور دوسرے ایمانداروں کو بھی اس سے ایذا پہنچتی بلکہ حق تعالیٰ نے سَخَّرَھَا مسلط کیا تھا اُس ہوا کو
نہایت غصے اور بدلہ لینے کے ارادے سے عَلَیْھِمْ اُن پر یعنے فقط عاد کی قوم پر نہ مسلمانوں پر
اور نہ حضرت ہود علیہ السلام پر اور یہ ہوا کا ان پر مسلط کرنا ایک گھڑی دو گھڑی نہ تھا بلکہ سَبْعَ لَیَالٍ
وَّثَمٰنِیَۃَ اَیَّامٍ سات رات اور آٹھ دن تک تھا شوال کی بائیسویں[۲۲] تاریخ بدھ کی صبح سے یہ تسلط
اور ہوا کی شدت شروع ہوئی تھی اور انتیسویں[۲۹] تاریخ اسی مہینے کی بدھ کے آخر دن تک یعنی آفتاب
کے غروب تک وہ شدت تمام ہوئی اور سات رات اور آٹھ[۸] دن اُس عذاب کے رہنے کی وجہ
یہ تھی کہ عاد کی قوم اپنے تکبر اور غرور میں اس طرح کی زبان درازیاں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ قحط
کیا چیز ہے ہم اتنی قوت رکھتے ہیں کہ سات برس اسی طرح کا قحط رہے تو بھی ہم اس کی برداشت کر سکتے
ہیں سو حق تعالیٰ نے ہر برس کے مقابلہ میں اس ہوا کا عذاب کا ایک دورہ دن اور رات کا
اُن پر مسلط کیا اور آٹھویں دن کو اس واسطے زیادہ کیا تاکہ آپس میں ہر شخص ضعف اور بے طاقتی اور
کمزوری ایک دوسرے کی دیکھیں اور ہر شخص کو دوسرے کی ہلاکی کا رنج اور غم ہووے چنانچہ ابن

جریج اور دوسرے مفسروں نے روایت کی ہے کہ وہ قوم باوجود اس ہوا کی شدت کے کہ اُن کو اٹھا اٹھا کر دے پٹکتی تھی لیکن وے لوگ سات دن تک زندہ رہے آخر کو آٹھویں دن بدھ کو سب مردہ اور بے جان ہوئے پھر ہوا نے اُن کی لاشوں کو اڑا کے کھارے دریا میں ڈال دیا اور اُن آٹھ دن اور سات راتوں میں کچھ بیچ میں فاصلہ نہ تھا کہ بیچ میں تھوڑا آرام لے کے پھر عذاب اٹھانے کی قوت پیدا کریں بلکہ حُسُوْمًا پے در پے تھے یعنے لگاتار تھے چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اور ان دنوں کو عرب کے لوگ عجوز کہتے ہیں جو آخر جاڑوں میں مشہور اور معروف ہیں اور برد العجوز ایک مثل ہے مشہور عرب میں اُن دنوں کے نام علحٰدہ علحٰدہ عرب کے نزدیک مقرر ہیں چنانچہ پہلے دن کو صن اور دوسرے دن کو صنبر اور تیسرے دن کو وبر اور چوتھے دن کو امر اور پانچویں دن کو موتمر اور چھٹے دن کو معلل اور ساتویں دن کو مطفی الجمر اور آٹھویں دن کو مکفی الظعن کہتے ہیں اور ان دنوں کی عجوز کی طرف نسبت کرنے کی وجہ میں عوام لوگ یوں کہتے ہیں کہ ایک بڈھی عورت عاد کے قوم کی ان دنوں میں ایک تہ خانہ میں گھس کر چھپ رہی تھی آٹھویں دن ہوا نے اُس کو بھی تہ خانہ سے نکال کر زمین پر دے پٹکا اور ہلاک کیا لیکن صحیح یہ ہے کہ عجوز کی لفظ غلط العام ہے یعنی عوام کی غلطی سے ہے اصل میں عجز ہے اور عجز جانور کے آخر کو کہتے ہیں یعنی اُس جسم کو جو دُم سے ملا ہوا ہوتا ہے اور ان دنوں کو ایام عجز اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ دن بھی جاڑوں کے آخر میں ہوتے ہیں حاصل کلام کا یہ ہے کہ قوت اور زور عاد کی قوم کا اس ہوا کی مصیبت دفع کرنے میں کچھ کام نہ آیا اور اس ہوا کے ہاتھ سے ایسے عاجز اور ناچار ہو گئے جس طرح کشتی گیر پہلوانوں کے ہاتھ میں گرہ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ پھر دیکھتا تو اے دیکھنے والے اگر اُس وقت موجود ہوتا اُس قوم گراں ڈیل زبردست کو ان تھوڑے راتوں اور دنوں میں کہ بیجان پڑے تھے اور ہوا نے اُن کی روحوں کو نکال کر اُن کے جسموں کو مردہ کر کے ڈال دیا تھا كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ گویا کہ وے کھجور کے ڈنڈ تھے قد کی لمبائی اور بدن کی موٹائی میں لیکن کھوکھلے پڑے ہوئے چنانچہ ہوا اُن کے مساموں میں اور خولوں میں ایک طرف سے گھستی تھی اور دوسری طرف سے نکل جاتی تھی اور آواز کرتی تھی گویا کہ اُن کے بدنوں میں رطوبت یعنی تری کا نام نہ رہا تھا بلکہ سب کو جلا کر خشک کر دیا تھا فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ پھر کیا دیکھتا ہے تو اُن دونوں فرقوں کا کوئی بھی باقی رہا جو ان فرقوں کی نسل سے کہے اور اپنے

نہیں اُن کی طرف منسوب کرے اسی جگہ سے معلوم ہوا کہ جو عذاب حاق ہوتا ہے وہ جس پر آتا ہے اُس کا نام اور نشان بھی نہیں رکھتا ہے اور آدمی کی نسل کو قطع کر دیتا ہے بخلاف اس عذاب کے جو ابتلا اور امتحان اور آزمائش کے واسطے آتا ہے کہ وہ سب کو شامل نہیں ہوتا ہے اور جڑ سے کھود کر نہیں بہاتا وَجَآءَ فِرْعَوْنُ اور آیا فرعون یعنے پیدا ہوا اور غلبہ کیا اور فرعون اصل میں لقب ہے مصر کے بادشاہ کا جو قبطیوں سے ہوتا تھا جسطرح رُوم[ف] کے بادشاہ کا لقب قیصر اور فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ اور ترک کے بادشاہ کا لقب خاقان اور یمن کے بادشاہ کا لقب تبّع اور اور ہند کے بادشاہ کا لقب راجہ ہوتا ہے اور یہاں پر فرعون سے ایک شخص معین مراد ہے جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا یہود اور نصاریٰ ایسا کہتے ہیں کہ اُس کا نام قابوس تھا اور قبط کی قوم سے تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ اُس کا نام مصعب بن ریّان تھا اس کا باپ ریّان ابن الولید حضرت یوسف علیہ السّلام کے زمانے میں مصر کی بادشاہت کرتا تھا وَمَنْ قَبْلَهٗ اور وے جو لوگ فرعون کے پہلے تھے یعنے وے بھی دنیا میں آئے اور اُن لوگوں سے مراد حضرت شعیب علیہ السّلام کی قوم ہے اور اُن کے دو فرقے تھے ایک مدین والے جو بیچ شہر میں رہتے تھے اور حضرت ابراہیم کے بیٹے[ف۲] جن کا نام مدینؔ ہے اُن کی اولاد سے تھے اور دوسرے ایکہ والے جو شہر کے باہر جنگلوں میں رہتے تھے اور حضرت شعیب علیہ السّلام کو حق تعالیٰ نے ان دونوں فرقوں کی طرف رسول کر کے بھیجا تھا اور دین اور مذہب اور بُت پرستی میں ان دونوں فرقوں کا ایک ہی طریقہ تھا وَالْمُؤْتَفِكٰتُ اور الٹی بستیاں اور وے چھ یا پانچ بستیاں تھیں اور اُن میں جو بڑی بستی تھی اُس کا نام سَدوم تھا جس میں چار لاکھ آدمی تھے حق تعالےٰ نے حضرت لوط علیہ السّلام کو جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بھانجے ہوتے ہیں اُن کی طرف رسول کر کے بھیجا اور حضرت لوط علیہ السّلام بیس برس اُن میں رہے اور اُن کو ایمان کی طرف بلایا لیکن وے ایمان نہ لائے بِالْخَاطِئَةِ بڑے بڑے گناہوں کے ساتھ جن کا بُرا ہونا سب کے نزدیک ثابت تھا سو فرعون کے گناہ یہ تھے کہ پہلے پیغمبر کی اولاد سے دشمنی شروع کی یعنے بنی اسرائیل سے اور اُس[ف۳] عداوت کا سبب یہ تھا کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السّلام مصر کے بادشاہ کی طرف سے جس کا نام ریّان تھا مصر کی سلطنت کے مختار ہوئے اور بنی اسرائیل اس واسطہ سے مصر میں گئے اور وہاں کی سکونت اختیار

ف بیان بادشاہوں کے لقب کا۔ ف۲ مدین نام ہے حضرت ابراہیم کے بیٹے کا۔ ف۳ بیان ان ظلموں کا جو فرعون بنی اسرائیل پر کرتا تھا۔

کی تو حضرت یوسف علیہ السلام کے غلبے اور شوکت کے سبب سے سب مصر والے بنی اسرائیل
کی بہت تعظیم اور بزرگی کرتے تھے پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام نے وفات پائی اور فرعون
مصر کا بادشاہ ہوا تو بنی اسرائیل کی بزرگی اور عزت جو مصر والے کرتے تھے اُس کے دل کو نہ بھائی
بلکہ گراں معلوم ہوئی چاہا کہ کسی تدبیر سے بنی اسرائیل کو مصر والوں کی نظروں میں ذلیل اور خوار کردے
تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ریاست کا خیال بنی اسرائیل کے دل میں نہ رہے اور اس
سبب سے ریاست کے کاموں میں دخل کی خواہش نہ کریں آخر ہوتے ہوتے اس قدر ظلم اُن پر
کرنے لگا کہ کوری اور چماروں کی طرح اس کی بیگار میں ہمیشہ گرفتار رہتے تھے کسی سے عمارت اپنی
بنواتا تھا اور کسی سے کھیتی اور کسی سے باغبانی اور کسی سے اینٹ بنواتا تھا اور کسی سے اینٹ
پکواتا تھا غرض کہ سب ذلیل کام ان ہی سے لیتا تھا اور سخت بے رحم پیادے اُن پر مقرر کیے تھے
اور اپنے تئیں سب مصر والوں کا معبود ٹھہرا کر سب سے اپنے تئیں سجدہ کرواتا تھا اور بنی اسرائیل
یہ بات اُس کی نہیں مانتے تھے اس واسطے اور ان پر غصے میں آتا تھا اور ایذا پہنچاتا تھا یہاں تک کہ
کاہنوں اور نجومیوں نے فرعون کو خبر دی کہ اس بنی اسرائیل کی قوم میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اسطرح کا
کہ تیری بادشاہت اُسی کے ہاتھ سے جائے گی یہ بات سنتے ہی اس بدبخت نے ایسا حکم کیا کہ
دائیاں بنی اسرائیل کے گھر بہ گھر ہمیشہ پھرتی رہیں اور دیکھا کریں جس عورت کو حاملہ ان میں سے دیکھیں
اس کا نام اور پتا کوتوال کے دفتر میں لکھوا دیں پھر جب جننے کا وقت ہو تو کوتوال کے پیادے
اُس کے دروازے پر جا کر کھڑے رہیں اور دائیاں جنوا کر اُس لڑکے پیدا ہوئے کو باہر لا کر اُن
پیادوں کو دکھلا دیں اگر وہ بیٹا ہو تو پیادے اسی وقت اُس کو مار ڈالیں اور اگر وہ بیٹی ہو تو اُس
کو چھوڑ دیں غرضیکہ برسوں یہ ظلم اُس کا اُن پر جاری رہا اور سوائے اس کے دوسرے طرح طرح
کے ظلم جو بنی اسرائیل پر کرتا تھا سو تمام عالم میں مشہور ہیں اور باوجود ان ظلموں کے لوگوں پر بت پرستی
اور شرک کرنے کے واسطے زبردستی کرتا تھا اور جو منع کرے آدمیوں کو مارنا اس کی ایجاد
ہے آخر ہوتے ہوتے اس کا کفر اس درجے کو پہنچا کہ بخوف وخطر پکار کر کہتا تھا کہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى
یعنی میں ہوں تمہارا رب سب سے بڑا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے گناہ جیسے دے
تھے کہ مدین اور ایکہ والے دونوں ان میں شامل تھے جیسے بت پرستی اور ناپ اور تول میں کمی

ف بیان ان گناہوں کا جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں رائج تھے ۱۲۔

کرنا کہ یہ دونوں چیزیں ان سب لوگوں میں بے انتہا رواج پائی تھیں لیکن قزاقی اور رہزنی کرنا خاص مدین والوں کا چلن تھا کہ شام اور مصر کی راہوں پر گڈھیاں بنا کر چھپے بیٹھے رہتے تھے اور قافلے لوٹتے تھے اور بہت مال لاتے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے گناہوں ف میں سب سے بڑا گناہ لونڈے بازی تھی یعنی مرد مرد کے ساتھ بُرا کام کرتا تھا اور سوائے اس بُرے فعل کے اور بہت سی برائیاں اور بدعتیں ان میں رائج تھیں جیسے کبوتر بازی اور مینڈھے لڑانا اور پتھروں سے آپس میں لڑنا اور مہمان کو اپنے گھر اترنے نہ دینا اور اگر کوئی دور سے اُن کے شہر میں غلہ خریدنے کو آوے تو اس کو خرید کرنے نہ دینا اور آپس کی ہنسی کھیل میں گالیاں دینا فحش بکنا اور راہ چلتے سے مسخری کرنا اور عورتوں کی طرح مسی لگانا اور ہاتھ پاؤں عورتوں کی طرح مہندی سے رنگنا اور بیحیائی میں انتہا درجے کو پہنچے تھے یعنے سب کے سامنے ننگے ہو کر ایک دوسرے کے منہ پر گوز مارتا تھا پھر حق تعالےٰ نے ان سب کی ہدایت کے واسطے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کیطرف اور حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین اور ایکہ والوں کی طرف اور حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم وغیرہ کی طرف رسول کر کے بھیجا اور ان برائیوں سے ان سب کو منع فرمایا فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ پھر نافرمانی کی ہر ایک نے ان میں سے اپنے اپنے رسولوں کی جو اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے تھے اور حکم نہ مانا اور اپنی برائیوں کو نہ چھوڑا بلکہ اپنے اپنے وقت کے رسولوں کا مقابلہ کر بیٹھے اور لڑائی اور جھگڑا شروع کیا فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً پھر پکڑا اُن کو اُن کے رب نے بڑی پکڑ یعنے پیغمبروں کی نبوت کے انکار سے جس گرفتاری کے لوگ لائق ہوتے ہیں اس سے زیادہ گرفتاری ان لوگوں کے واسطے ہوئی تا کہ وہ زیادہ گرفتاری ان گناہوں کے مقابلے میں واقع ہوئے سو فرعون کو اسی کے کہنے کے موافق دریا میں ڈبویا اس واسطے کہ ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک فریادی کی شکل بنا کر اُس کے دربار میں آکر اس سے پوچھا کہ اگر کسی کا غلام اُس کی غلامی سے منکر ہو کر اپنے خاوند کے مقابلے میں آپ بھی اپنی صاحبی کا دعویٰ کرے تو ایسے غلام کے واسطے بادشاہ کا کیا حکم ہے اور کیسی سزا اس کو دیجاوے فرعون نے کہا کہ ایسے غلام کو جو اپنے خاوند کی نعمتوں کا منکر ہے دریا میں ڈبویا چاہیے اور یہ بھی ہے کہ اکثر فرعون اپنی فخر اور بڑائی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں بیان کیا کرتا تھا کہ میں ایسا ہوں کہ مصر کے ملک میں نہریں جاری کی ہیں اور ان نہروں کو

ف بیان اُن گناہوں کا جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں رائج تھے ۱۲

اپنے مکانوں کے نیچے سے بہا نکالا ہے سو ایسے شخص کو کہ نہروں کے جاری کرنے کو بڑا اپنا فخر سمجھتا تھا اور اس بات سے اس کو نہایت لذت حاصل ہوتی تھی دریا میں ڈبو کر ہلاک کرنا بہت مناسب ہوا کہ ان چھوٹی چھوٹی نہروں سے کیا ہوتا ہے تو تو مصر کا بادشاہ ہے تجھ کو بڑے دریا کی سیر کرنا چاہیے اور جیسا کہ تو ان نہروں کو اپنے مکانوں کے نیچے سے جاری کر کے مزے اور عیش کرتا تھا ویسا ہی اب ہم ایسے بڑے دریا کو تیرے سر اور تمام بدن پر جاری کریں گے تاکہ تیری لذت کے اسباب چاروں طرف سے تجھ کو گھیر لیویں اور فرعون کے عذاب کی زیادتی اسطرح سے ہوئی کہ تمام اس کی سلطنت اور مکانات اور باغات اور اچھے اچھے محل فرش فروش سے آراستہ اور خزانے بے انتہا ایک پل میں اُس کے ہاتھ سے نکال کے اس کے دشمنوں کو جو بہت حقیر اور ذلیل اس کی نظروں میں تھے عنایت ہوئے اور عادت یوں ہے کہ بادشاہوں پر اسطرح کی شدت عذاب کی نہیں ہوتی ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جو دو فرقے تھے کئی طرح کا عذاب ہوا مدین والوں پر صیحہ یعنی سخت آواز بھی ہوئی جیسی ثمود کی قوم پر ہوئی تھی اور بھونچال نے بھی اُن کو ہلاک کیا اور ایک قسم کے عذاب کے دوسری قسم کے عذاب کے ساتھ ملنے سے عذاب کی زیادتی ہوتی ہے حضرت شعیب علیہ السلام کے جھٹلانے اور حقیر جاننے کے عوض میں سخت آواز سے جھڑکے گئے اور ناپ اور تول میں جو کمی کرتے تھے اور ڈنڈی یا پیمانہ ہلا دیتے تھے تاکہ ناپی اور تولی چیز برابر نہ اترے اس کے عوض میں بھونچال میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو پہلے نیچے سے اوپر لے گئے پھر وہاں سے الٹا کر پھینک دیا اس واسطے کہ اُن کا کام لونڈے بازی اور بیحیائی تھی جس میں موضوع کا قلب لازم آتا ہے یعنی جو چیز جس واسطے مقرر کی ہے اُس کو اُلٹا کرنا جیسے مرد کو کہ حق تعالیٰ نے اس واسطے نہیں پیدا کیا کہ اوندھا پڑے اور اپنے تئیں ذلیل کرے بلکہ اُس کو عزت والا پیدا کیا ہے کہ یہ عورت پر سوار ہو اور اس کے بعد اُن پر پتھر جلے ہوئے برسائے اس واسطے کہ لونڈے بازی میں زنا کا مزہ اُن کو ملتا تھا اور زنا کی حد رجم ہے یعنی پتھر مارنا اور اس مقام پر بعضے لوگوں کے دل میں شُبہ آتا ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے شہروں کو الٹا کر دیا تو وے لوگ ہلاک ہو گئے اور اُن کی لاشیں زمین کی تہ میں چھپ گئیں پھر اُن پر پتھر برسانے سے کیا فائدہ اس واسطے کہ پتھر زمین

پر گرے ہوں گے اور اُن کی لاشیں بہت دور زمین کی تہہ میں چھپی ہوں گی جواب اُس کا یہ ہے کہ
ان پتھروں نے اپنے مادے کی تیزی سے گندھک کی خاصیت پیدا کی تھی اور کچھ اُن پتھروں کا بھاری
پن اور کچھ پھینکنے والے کا زور ان دونوں چیزوں کے آپس میں جمع ہونے کے سبب سے وے
تہ تک پہنچ کر اُن کے جسموں میں آگ لگا دیتے تھے اور الٹا کر پھینکنے کے وقت میں اگرچہ احتمال اس
بات کا ہے کہ اُن کی روحیں اُن کے بدنوں سے جُدا نہ ہوئی ہوویں لیکن روح کو جو اپنے بدن
کے ساتھ ایک طرح کا علاقہ باقی رہتا ہے وہی علاقہ روح کے عذاب کا سبب پڑتا ہے اسی
واسطے مردے کی ہڈی توڑنے سے اور کسی دوسری طرح کی اذیت اور سختی پہنچانے سے منع آیا
ہے تو اُن شہروں کو اُلٹا کر کے پھینکنا دنیا کا عذاب تھا اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ جب اُن کو
الٹا کر کے پھینکا تھا تو زمین پر پہنچنے کے پہلے ہی پتھر برسائے ہوں تو اس صورت میں یہ بھی دنیا ہی
کے عذاب سے ہوگا ہر صورت سے یہ پانچوں واقعہ حقیقی حاقّہ کی مثالیں ہیں کہ کافروں کو اُن
کے کفر اور نافرمانی کے سبب سے بدون شریک کرنے مسلمانوں کے اور بدون فلکی اور عنصری
اسباب کے طلب کرنے سے طرح طرح کے عذاب سے اُن کو نیست اور نابود کر دیا اور اگر
باوجود ایسی مثالوں اور نظیروں کے پھر بھی کسی کو شبہ باقی رہے اور کہے کہ ان واقعوں میں مسلمانوں کے
بچ رہنے اور کافروں کے نیست اور نابود ہو جانے کا ایک سبب تھا کہ پہلے ایمانداروں کو کافروں
سے جُدا کر دیا تاکہ وے عذاب کے مقام پر نہ رہیں بلکہ وہاں سے دور ہو جاویں پھر کافروں پر عذاب کیا
اور یہ ایمانداروں کو عذاب کے آنے سے خبردار کر دینا اور عذاب کے مقام سے دُور کر دینا امتیاز کا
سبب ہوا لیکن قیامت کو مسلمان اور کافر ایک ہی مقام پر جمع ہوں گے اور وہاں سے بھاگنا اور
علیحدہ ہونا کسی طرح ممکن نہ ہوگا اور عذاب کے اسباب عام اور سب کو شامل ہوں گے وہاں
حاقہ کے معنے کس طرح ہو سکتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ شاہد اور گواہ اُس کے بھی سنو کہ اِنَّا لَمَّا
طَغَی الْمَآءُ بیشک جب زیادتی کی پانی نے آسمان اور زمین کے برسات کی کثرت اور چشموں
کے اُبلنے اور بہنے سے اس قدر کہ تمام روئے زمین کو چھپا لیا بلکہ بڑے اونچے پہاڑوں کی چوٹی
کے اُوپر چالیس چالیس گز پانی اونچا چڑھ گیا تھا اور آسمان اور زمین کے درمیان میں بھی چالیس
روز تک پیہم برسات کی کثرت سے پانی غالب رہا اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم

کے حافظے کا حال ہے اور طوفان کے بولنے سے یہی واقعہ مراد ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور سب مسلمان اس واقعہ میں سلامت رہے باوجود اس بات کے کہ وہ بلا عام تھی اور طوفان نے تمام روئے زمین کو اور زمین اور آسمان کے بیچ کو چھا لیا تھا کوئی جگہ بھاگ کر بچنے کی باقی نہ رہی تھی ہر جگہ پر طوفان تھا اُن کو بھی بھاگنے سے بچاؤ نہ تھا اگر حق تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین کو نہ بچاتا تو وے سب اس طوفان میں ہلاک ہو جاتے اور تم لوگوں نے جو حق تعالیٰ کی نعمتوں کے انکار پر کمر باندھی ہے سو تمہارے وجود کا پتہ بھی نہ معلوم ہوتا اس واسطے کہ تم لوگ حضرت نوح اور اُن کی اولاد کی نسل ہو پھر اگر اس وقت تمہارے باپ دادوں کی محافظت حق تعالیٰ نہ کرتا تو تم کس طرح اس وقت میں پیدا ہوتے سو اس وقت میں حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین کے بچاؤ کے واسطے ایک تدبیر اُن کو تعلیم کر دی ہم نے تاکہ وے لوگ اُس طوفان میں شریک بھی رہیں اور اس عذاب سے بچے بھی رہیں بلکہ عذاب کی چھینٹ بھی اُن تک نہ پہنچے اور اس تعلیم کے مضمون کا حاصل یہ ہے کہ لکڑی کے سوائے کوئی دوسری چیز اُس کی صلاحیت نہیں رکھتی اس واسطے کہ پانی کی اصل ثقیل ہے یعنے بھاری ہے اُس کی طبیعت اسی بات کو چاہتی ہے کہ زمین پر ٹھہرا رہے اگر جس چیز میں کہ زمین کے اجزا غالب ہیں اس سے کوئی چیز مرکب کر کے یعنی بنا کے پانی میں ڈالیں تو پانی اس کو اپنی تہ میں لے جائیگا اور نیچے بٹھا دے گا اور آپ اُس کے اوپر رہے گا سو ایک جوہر لطیف چاہیے جو پانی کے اوپر تیرا کرے اور اُس کے نیچے نہ بیٹھ جائے اور ایسا لطیف اور پاکیزہ جوہر دو عنصر میں منحصر ہے ایک آگ اور دوسری ہوا سو آگ کی اصل جلا دینا ہے پھر اس پر آدمی کو سوار کرنا گویا اُس کی ہلاکی کی خوشخبری دینا ہے اور ہوا اگرچہ آدمی کی طبیعت کے موافق ہے اور اس کے جسم کو فاسد اور خراب نہیں کرتی لیکن از بسکہ لطیف اور پاکیزہ ہے قابل اس کے نہیں ہے کہ آدمی باوجود اپنے جسم کے بھاری ہونے کے اس پر سوار ہو سکے سو اس واسطے حضرت نوح علیہ السلام کے دل میں اس بات کو ڈال دیا کہ جو چیز بہت ٹھوس نہ ہو بلکہ اُس کے مسام اور سوراخوں کے خالی ہونے کے سبب سے اس میں ہوا در آسکتی ہو اور بہت ہوا اس میں بند ہو سکتی ہو ایسی چیز اختیار کرو اور اس قسم کی چیز لکڑی ہے کہ ہمیشہ ہوا اُس کے مسام اور منفذ میں در آتی ہے اور اس کو اوپر اٹھا لیتی ہے بخلاف

حیوانات اور معاون یعنے زمین کے اندر پیدا ہونے والی چیزون کے اور یہی وجہ ہے کہ لکڑی اور پتے درختوں کے کتنے ہی بہت ہوں اور بھاری لیکن پانی کے اوپر ہی رہیں گے پانی کی تہ میں نہ بیٹھ جائیں گے اور معدنی چیزیں جیسے لوہا وغیرہ اور جانوروں کے جسم کتنے ہی چھوٹے اور ہلکے ہوں لیکن پانی کے نیچے تہ میں بیٹھ جائیں گے اس واسطے کہ لکڑی اور پتا ہوا کا ظرف ہے اور ہوا لطیف اور اوپر رہنے والی ہے اور ظرف کو مظروف کا حکم ہوتا ہے اس مقدمے میں اور معدنی اور حیوانی جسم ٹھوس ہونے اور مساموں کے بھر بیٹھنے میں ہوا کے ظرف نہیں ہو سکتے ارضی جزاُن کے غالب ہوتے ہیں اور مٹی کا جوہر بھاری پانی کی تہہ میں بیٹھنے والا ہے غرض کہ لکڑی کے سوائے کوئی چیز ایسی نہ تھی جو اس کام کی لیاقت رکھے اس واسطے حکم ہوا کہ نباتی جسم سے یعنی لکڑی سے ایک شہر مختصر تیار کرو اس قدر جس میں آدمی اور جانور اور اُن سب کے چھ مہینے کے کھانے کی گنجائش ہو سکے اور اس کو طبقہ طبقہ کرو یعنے ایک کے اوپر ایک پھر نیچے کے طبقے میں چارپایوں کو اور درندے جانوروں کو رکھو اور بیچ کے طبقے میں آدمی اور حیوانات کو اوپر کے طبقے میں اُڑنے والے جانوروں کو رکھو اور جتنے جانور چرند اور پرند ہیں ان کو سب کو حکم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی تابعداری میں جا کر حاضر ہو اور حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ایک ایک جوڑا ان سب جانوروں میں سے پکڑ کر کشتی میں رکھو پھر حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا دست مبارک اسی جانور کے جوڑے پر پڑتا تھا جس کی نسل کا باقی رکھنا قیامت تک مقدر اور منظور تھا پھر حق تعالیٰ نے درندوں اور موذی جانوروں کے دل میں سے اس عداوت کو جو دوسرے جانوروں کے ساتھ رکھتے ہیں چھ مہینے تک بالکل نکال ڈالا تاکہ ان سب کا ایک جائے پر رہنا ہو سکے اور اوپر کے پانی کا بچاؤ بے سرپوش کے ممکن نہ تھا سو حضرت نوح علیہ السلام کے دلمیں اس بات کو بھی القا کیا کہ اس چلتے شہر کے واسطے ایک سرپوش بھی جو اوپر سے سب کشتی کو ڈھانک لے تیار کر رکھو تاکہ سوار ہو کے بعد اُس سرپوش سے کشتی کو ڈھانک لینا اور روشنی کے واسطے حکم ہوا کہ روشندان یعنے سوراخ اس سرپوش میں اس طور پر رکھو کہ روشنی بھی رہے اور برسات کا پانی کشتی کے اندر نہ آوے اور اس چلتے شہر کا نام سفینہ اور جہاز اور کشتی رکھا پھر جو اس کشتی کو مہینوں پانی چیرنا اور موجوں کے تھپیڑوں کی برداشت کرنا تھا تو اس واسطے حکم ہوا کہ اس کشتی کا سر مُرغ

کے سر کے مانند اور اُس کا سینہ بط کے سینے کے مانند اور اُس کی دُم کبوتر کی دُم کے مانند بناؤ
تاکہ موجوں کے صدموں سے اُلٹ نہ جاوے اور جو طوفان کے آنے کا وقت معلوم نہ تھا تو اس
واسطے حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین کو ایک نشان بھی بتلا دیا یعنے جس وقت تمہارے گھر
کے تنور سے پانی کا اُبلنا شروع ہووے تو جان لینا کہ پانی کی طغیانی اور طوفان کا وقت آپہنچا اور
بوجھ لینا کہ پانی کی روح کو تمام عناصر پر اس قدر غلبہ ہوا کہ تنور کی آگ نے اُس کے مقابلے میں پستی کا
حکم پیدا کیا چنانچہ اس علامت کے ظاہر ہونے کے وقت حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ اٹھا لیا
یعنے لاد لیا ہم نے تم کو اس چلتی کشتی میں جو اسی طوفان کے پانی میں تھی جس میں سب کافر ڈوب گئے
اور وہ کشتی غرق نہ ہوئی تھی پھر اب غور کرو اور سوچو کہ باوجود عذاب میں شریک ہونے کے
تم کو ہم نے بچا رکھا اور ڈوبنے نہ دیا ان مسلمانوں کے طفیل سے یعنی اس سبب سے کہ تم اُن
کے پیٹھ میں نطفہ تھے اور وہ کشتی تمہارے اس عذاب کے مادے پر یعنے طوفان کے پانی پر نہایت
آہستگی سے چلی جاتی تھی کچھ صدمہ اُس کو نہیں پہنچتا تھا اسی طرح قیامت کے دن ایماندار پل صراط
پر جو دوزخ کے اوپر ہوگا چلے جائیں گے اور کچھ صدمہ اُن کو نہ پہنچے گا اور اس کشتی کے بنانے کی
تدبیر سکھانے میں ایک نفع تمہارے واسطے دوسرا بھی رکھا ہے ہم نے لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً
تاکہ کریں ہم اس کشتی کو واسطے تمہارے یادگاری اور جس مقام پر ڈوبنے کا خوف ہو اور تم ارادہ
کرو کہ اس شہر سے دوسرے شہر کو یا اس کنارے سے دوسرے کنارے کو پانی سے اُتر کر پہنچا
چاہیے تو وہاں اسی طرح کا چلتا گھر یعنے جہاز یا کشتی کسی لکڑی سے تیار کر کے پار ہو جایا کرو اور
اپنے مطلب کو پہنچا کرو اب اس بات میں تمکو چاہیے کہ خوب غور کرو اور تامل کر کے بوجھو کہ
گناہوں کا بوجھ بھی اسی طرح ندامت اور حسرت کے دریا میں ڈبونیوالا اور دوزخ کے گڑھے
میں ڈالنے والا ہے اس سے نجات اور خلاصی بدون وسیلے کسی ایسے شخص کے جس نے اپنے
تئیں گناہوں سے خالی کر کے ان سب لطیفوں سے لطیف کا یعنے ارحم الراحمین کی رحمت کا
ظرف اور نزول گاہ بنا رکھا ہو ممکن نہیں ہے جیسے لکڑی کہ اپنے تئیں ہوا لطیف کا ظرف بنا کر
بھاری بھاری چیزوں کو پانی میں ڈوبنے سے بچا کر پار کر دیتی ہے سو تم کو بھی چاہیے کہ جسطرح
ہوسکے اپنے تئیں بھی کسی لطیف کے ظرف میں یعنی کسی صاحب باطن صالح کے دل میں جگہ دو

تاکہ اُس لطیف کی برکت جو اس ظرف کی مظروف ہے تمہارے حال پر بھی متوجہ ہو اس واسطے کہ وہ لطیف اُس ظرف کا مظروف ہے اور تم بھی اسی ظرف کے مظروف ہوئے تو اس لطیف سے ایک نوع کا اتحاد بہم پہنچا اور یہ اتحاد اُن گناہوں کے بھاری پن سے سُبکساری اور خلاصی حاصل کر سکتا ہے سو ایسے لطیف ظرف ہر زمانے میں کمیاب اور نادر الوجود ہوتے ہیں ایسے لوگوں کی طلب اور تجسس میں ضرور رہا چاہیے اور دل اور جان سے اُن کی محبت اور متابعت میں کوشش کیا چاہیے تاکہ ان لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ پیدا ہو سو اس اُمت مرحومہ کے واسطے ایسے لطیف ظرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں اُن کی محبت اور متابعت اس بات کا سبب پڑتی ہے کہ اُن کے دلوں میں اس شخص کی جگہ پیدا ہو اور جب یہ بات حاصل ہوئی تو وے دل تو حق تعالیٰ اجل شانہ کے لطف کے نور سے معمور اور بھرے ہوئے ہیں تو اس شخص کو بھی اُن دلوں میں جگہ پانے سے اور اُن کی ہمسائیگی کی برکت سے جناب پاک پروردگار سے ایک طرح کی مناسبت حاصل ہو جائے گی اور یہ مناسبت گناہوں کے بوجھ کے دفع کرنے میں تریاق کا حکم رکھتی ہے اور کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے ؎ مور بیچارہ ہوس کرد کہ در کعبہ رسد؛ دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید۔ یعنی چیونٹی بیچاری نے حوصلہ کعبہ جانے کا کیا کبوتر کے پاؤں کو ہاتھوں سے تھاما اور اس وسیلہ سے کعبہ پہنچی اور اسی واسطے حدیث شریف میں ف
آیا ہے کہ مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ مَثَلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَّكِبَهَا نَجٰى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ یعنی مثال میرے اہل بیت کی تم میں مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے جو سوار ہوا کشتی میں اُس نے طوفان سے نجات پائی اور جس نے اُس سے منہ موڑا اور پیچھے رہ گیا وہ ڈوبا اور ہلاک ہوا اور حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس بزرگی اور فضیلت سے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آپ کے عمل کمال کی صورت تھی اور حضرات اہل بیت کو بھی حق تعالیٰ اجل شانہ نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے کمال کی صورت گردانا تھا اور یہ عبارت ہے طریقت سے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی کمال کا بھی دوسرے میں جلوہ گر ہونا بدون حاصل ہونے ذاتی مناسبت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روحی قوتوں میں جیسے عظمت اور پاکی اور حفظ اور جوانمردی اور بخشش میں کسی طرح متصور نہ

ف بیان وجہ اہل بیت کی مناسبت حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے ساتھ۔

تھا اور یہ مناسبت بغیر ولادت اور بغیر اصلی اور فرعی علاقے کے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی سوا اُس کمال کے دریا کو جو مختلفہ ولایتوں کا اصل اور منبع ہے اُس کے سب شعبوں اور شاخوں کے ساتھ اسی بہانے سے بہایا ہے اور اسی پرنالے سے جاری کیا ہے اور یہی معنی ہیں امانت کے جو ان بزرگواروں میں ایک دوسرے کو وصی کرتا آیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ بزرگ اس اُمّت کے تمام اولیا کے سلسلوں کے مرجع ہیں اور جو شخص کہ تمسک حبل اللہ کا کرتا ہے تو بالضرور اُس کے استفاضہ کی سند اِن ہی بزرگواروں تک پہنچتی ہے اور وہ اسی کشتی میں بیٹھتا ہے بخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی کمال کے کہ وہ کمال اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جلوہ گر رہا اس واسطے کہ اس کمال کے حاصل کرنے اور اس میں کمال پیدا کرنے کے واسطے مدت دراز تک ہم صحبت رہنا اور مرضی اور نامرضی کو اس کی دریافت کرنا ضرور ہے۔ جیسے شاگرد کی نسبت ہوتی ہے اُستاد سے تاکہ بات کے مطلب کو پہنچنا اور مشکل کو حل کرنا اور مجہول چیز کے نکالنے اور دریافت کر لینے کا طریقہ حاصل ہووے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی تم پیروی کرو گے مطلب کی راہ کو پہنچ جاؤ گے سو جس طرح ظاہر کے دریا سے پار ہونا بدون کشتی کی سواری اور تاروں کے حساب دریافت کرنے کے تاکہ مطلب کی طرف سے دوسری طرف کشتی نہ ہونے پاوے ہرگز ہو نہیں سکتا اسی طرح حقیقت کے دریا کو بھی بدون علمی اور عملی دونوں بازوؤں کے قطع کرنا اور پار ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے تو مسلمان آدمی کو بھی ان دونوں بازوؤں پر تمسک اور اعتماد کرنا ضرور ہوا اور اس مضمون کو کسی شاعر نے ہندی بیتوں میں بخوبی ادا کیا ہے اور وے بیتیں یہ ہیں نظم جب کہ اصحابوں کو حضرت کہہ گئے ٭ ہیں کواکب یہ ہدایت کے لیے ٭ اور عترت کے تئیں کشتی کہا ٭ دونوں ان جزوں سے یہ ظاہر ہوا ٭ عترت و اصحاب بیشک و گمان ٭ لازم و ملزوم ہیں دونوں یہاں گرچہ ان دو کو نہ مانے گا کوئی ٭ راہ وہ ہرگز نہ پاویگا کبھی ٭ ایک کا ان دو سے ہو گر بغض و کیں ٭ ہو گی اُس کی بھی ہلاکت بالیقیں ٭ جو نہ سمجھے ان کو نجم چرخ دیں ٭ گم کرے کشتی وہ اپنی بالیقیں ٭ کشف ہے بالکل معلم پر یہ راز ٭ بن کواکب چل نہیں سکتا جہاز ٭ یا فقط بس جان لے انجم کو جو ٭

اور تمسک اُس کو کشتی کا نہ ہو غرق دریائے ضلالت میں رہے اُس کے تئیں ساحل اماں کا کب ملے۔ اور اسی واسطے فرمایا ہے کہ وَتَعِيَهَآ اور یاد رکھے اس طوفان میں ڈوبنے سے بچ رہنے کو اور کشتی کے حالات کو جو اُس وقت کے مسلمانوں کو اس تدبیر سے حاصل ہوئے تھے اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ وہ کان یاد رکھنے والا ہے ایسے قصوں کو اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت ح
نازل ہوئی تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ کو فرمایا کہ سَأَلْتُ اللهَ اَنْ يَّجْعَلَهَا اُذُنَكَ يَا عَلِيُّ یعنے دعا مانگی میں نے اللہ تعالے سے کہ کردے اللہ تعالیٰ ایسے کان تیرے اے علی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص کرنا اس شرف اور بزرگی سے اس نکتہ کے واسطے ہے کہ اہل بیت کے کشتی ہونے کے معنی بدون متوسط ہونے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے ممکن نہ تھے اس واسطے کہ اہل بیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوقت میں بچے تھے اس طریقے کی امامت کے قابل نہ تھے اور اُن کی تربیت کا عہدہ کسی دوسرے کے حوالے کرنا آپ کی شان کے لائق نہ تھا تو گناہوں کے بوجھ سے نجات حاصل کرنے کے قاعدے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تعلیم کرنا اور اُن کو اس میں امام کرنا اور اپنے عملی کمال کو اُنکی صورت میں ظاہر کرنا ضرور ہوا تاکہ وے یعنے حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوت کے حکم سے یعنے باپ ہونے کے سبب سے اس کمال کو تر و تازہ صاحبزادوں کو پہنچاویں اور یہ سلسلہ قیامت تک ان ہی کے واسطے سے جاری رہے اسی واسطے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یعسوب المومنین کا خطاب دیا ہے اور یعسوب شہد کی مکھی کے بادشاہ کو کہتے ہیں اور باوجود اس بات کے چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پائے تھے اور دامادی کا علاقہ بھی آپ سے رکھتے تھے اور بچپن سے ہر کام میں رفیق اور شریک رہے تھے تو گویا آپ کے فرزند کے حکم میں تھے اور قرابت میں بھی بہت قریب تھے سو اس سبب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روحانی قوتوں میں بہت مناسبت حاصل تھی تو گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی کمال کے ظل اور صورت تھے اور یہی مُراد ہے ولایت اور طریقت سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے وہ اُن کی استعداد بہت بڑھ گئی اور انتہا درجے کے کمال کے مرتبے کو پہنچے چنانچہ اس

کے آثار اور نشانیاں ظاہر اور باطن ہر طریقے اور سلسلے کے اولیاء اللہ میں روشن اور ہویدا ہیں والحمد للہ علی ذالک اور جب خاص اور عام حاقے جو دنیا میں واقع ہوئے ہیں مثالوں کے بیان کرنے سے سمجھ میں آ گئے تو اب آخرت کے حاقے کو تصوّر کرنا اور بوجھنا آسان ہو گیا اتنا ہی فرق ہے کہ دنیا کے حاقے میں تخصیص ہے اور آخرت کے حاقے میں انتہا درجے کا عموم اور شمول ہو گا فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ پھر جس وقت پھونکا جائے گا صُور میں یعنے نرسنگھے میں ثمود کے قوم کی آواز کی طرح جو جبریلی حقیقت کے آثار سے تھی اور یہ پھونک اسرافیلی حقیقت کے آثار سے ہو گی اور اس کی خادم اور مددگار روحوں کے قبض کرنے کے واسطے عزرائیلی حقیقت ہو گی۔ چنانچہ ثمود کی قوم پر آواز کرنے کے وقت بھی یہی حقیقت اس قوم کی روحوں کے قبض کرنے کے واسطے خادم اور مددگار ہوئی تھی فرق ان دونوں آوازوں میں اتنا ہے کہ یہ نفخہ نہ ہو گا مگر نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ پھونکنا ایک شخص تنہا کا جو تمام عالم کے جانداروں کی روحوں کے کھینچ لینے کے واسطے کفایت کرے گا بخلاف ثمود کی قوم کی آواز کے کہ وہ خاص ایک ہی قوم کی روحوں کے کھینچ لینے کے واسطے تھی اگر وہ آواز سب جانداروں کے واسطے فرض کی جاتی تو بہت آوازیں متعدد چاہیے تھیں اور اس نفخہ سے پہلا نفخہ مُراد ہے چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ سے منقول ہے اس واسطے کہ زمین اور پہاڑوں کا آپس میں ٹکرانا اور عالم کی خرابی کا شروع اسی نفخہ سے ہے اور وہ جو بعضے قدیم مفسروں نے کہا ہے کہ اس سے دوسرا نفخہ مُراد ہے تاکہ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ کے مضمون کے ساتھ مناسب ہووے اس واسطے کہ اعمال کا عرض دوسرے نفخہ کے بعد ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار کے صور پھونکنے کے وقت سے یہاں تک کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوں گے ایک ہی دن ہے تو اس صورت میں کہہ سکتے ہیں کہ جس دن پہلا صور پھونکا جائے گا اُسی دن عرض اعمال ہو گا اگرچہ کچھ دیر سے ہو اور صور بیل کے سینگ کی شکل ہے اور بعضی ضعیف روایتوں میں آیا ہے کہ صور کی لمبائی ہزار سال کی راہ ہے اور اُس ایک سینگ میں سات پیچ واقع ہوئے ہیں اور ہر دونوں پیچوں کے درمیان میں گرہیں ظاہر ہوئی ہیں جیسے نیشکر یعنے گنّے کے پور اور ہر پور میں سوراخ ہیں بھڑ کے چھتے کے مانند اور ہر سوراخ میں ٹھہراؤ ایک ایک روح کا ہو گا عالم کی روحوں سے

ف بیان صور کی شکل کا۔

چنانچہ پہلے خانے میں فرشتوں کی روحیں ٹھہریں گی اور دوسرے خانے میں پیغمبروں کی روحیں اور تیسرے
خانے میں صدیقوں کی روحیں اور چوتھے خانے میں شہیدوں کی روحیں اور پانچویں خانے میں
ایمانداروں کی روحیں اور چھٹے خانے میں کافروں کی روحیں خواہ وے کافر آدمیوں سے ہوں یا
جنوں سے یا شیطانوں سے اور ساتویں خانے میں باقی تمام مخلوقات کی روحیں ٹھہریں گی اور صور
پھونکنے کی خدمت حضرت اسرافیل علیہ السلام کے واسطے معین ہے پہلے نفخہ میں اس مضمون کو
ادا کریں گے کہ اے روحو اپنا اپنا قالب چھوڑ کر میری طرف آؤ اور دوسرے نفخہ میں اس مضمون کا
کلام کہیں گے کہ اے سڑی ہوئی ہڈیو اور اے کٹی ہوئی رگو اور اے پراگندہ اور جدا جدا ہوئے
گوشتو تم سب جمع ہو جاؤ اور اے روحو تم سب اپنے اپنے قالبوں میں در آؤ اور مفسروں نے کہا
ہے کہ پہلے نفخہ میں سب کی روحیں اپنا اپنا قالب چھوڑ دیں گی مگر حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل
اور حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل اور حق تعالیٰ کے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں علیہم السلام
کی روحیں سو حق تعالیٰ جل شانہ ان سب کی روحیں اپنے قدرت کے ہاتھ سے قبض فرماوے گا
اور پھر سب کے پہلے حضرت اسرافیل زندہ ہوں گے تا کہ اپنی خدمت معین کو یعنے نفخہ ثانی کو
بجا لاویں اور دوسری مرتبہ صور پھونکیں غرض کہ عالم کی خرابی کی ابتدا پہلے نفخہ سے شروع ہوگی
اور تمام عنصروں کی روحیں کھینچ جاویں گی اور اس آواز تند اور سخت کے سبب سے ہوا جنبش
میں آوے گی وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ اور اٹھائی جاوے گی زمین اور پہاڑ ہوا میں یعنی زمین
کے اجزا جو آپس میں اپنی قوت سے ملے ہوئے ہیں ان میں سستی آجاوے گی اور سخت بھونچال آنے
کے سبب سے پہاڑ کی جڑیں ڈھیلی ہو جاویں گی اور زمین کو چھوڑ دیں گی اور ہوا اس شدت سے
بہے گی کہ پہاڑ اڑے اڑے پھریں گے اور یہ واقعہ عاد کی آندھی اور مدین والوں کے بھونچال اور
موتفکات کے الٹ پلٹ کے مانند ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ وے آفتیں خاص ایک ایک
ملک پر تھیں اور یہ آفت عام ہوگی تمام زمین اور پہاڑ اور جنگل سب کو شامل ہوگی فَدُكَّتَا پھر
کوٹی جائے گی زمین اور   سخت آندھی کے صدمہ کے سبب سے چوچوپانی ہوگی اور پہاڑ آپس
میں ٹکرا ٹکرا کر چورچور ہو کر زمین کے برابر ہو جائیں گے دَكَّةً وَّاحِدَةً کٹنا برابر یعنے وہ کٹنا سب
زمین اور پہاڑوں کو شامل ہوگا اس میں کچھ فرق اور جدائی اور تخصیص کسی کی نہ ہوگی فَيَوْمَئِذٍ

ف بیان اس مضمون کا جو صور میں پھونکا جائے گا۔

وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ پھر اُس دن ہو پڑے گا واقعہ یعنے وہ حاقہ جو تمام عالم کے خراب اور گرفتار کر دینے کے واسطے وعدہ کیا گیا ہے اور اثر اُس واقعہ کا جس طرح آسمان کے نیچے والوں کو شامل ہوگا اسی طرح آسمان کے اوپر والوں کو بھی شامل ہوگا وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ اور پھٹ جائے گا آسمان اس واسطے کہ پیدائش آسمان کی سفلی عالم کی بھلائی بُرائی کے واسطے تھی اور جب سفلی عالم نہ رہا تو آسمان کے باقی رکھنے میں بھی کچھ حکمت اور فائدہ باقی نہ رہا پس اُس کو بھی نیست اور نابود کر دینا ضرور ہوا اور آسمان کی اسقدر مضبوطی اور پائیداری جو ہزاروں اور لاکھوں برس سے دیکھتے سُنتے چلے آتے ہیں کہ ایک ہی حالت پر ہے کبھی پھٹتا ٹوٹتا نہیں ہے سو یہ مضبوطی اس انشقاق اور خرابی کو مانع نہ ہوسکیگی اس واسطے کہ یہ سب اُس کی مضبوطی ارواح کے تعلق اور محافظت کے سبب سے تھی پھر جب روحیں کھنچ گئیں اور آسمان کے قالب کو خالی کر دیا تو اُس کی بنیاد کا نگہبان کوئی نہ رہا فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ پھر وہ آسمان اس دن نہایت سُست اور جوڑ بند سے ڈھیلا ہو جائے گا جس طرح مُردے کا بدن روح کے نکل جانے سے ہوتا ہے وَّالْمَلَكُ اور فرشتے جو آسمان کو دَوری حرکت دلاتے تھے یعنے چکر میں رکھتے تھے اور وہ دوری حرکت آسمان کو پھٹنے ٹوٹنے نہیں دیتی تھی اس واسطے کہ پھٹنا بعضے جزوں کی مستقیم حرکت پر موقوف ہے سو وے فرشتے اس حرکت دلانے سے آسمان کے اس روز علیحدہ ہو جائیں گے اور بھاگ کر عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا آسمان کے کناروں پر جا رہیں گے اور جب اُس کی دوری حرکت جو اُس کو پھٹنے نہ دیتی تھی جاتی رہی تو نفخہ کی تاثیر اس کے جزوں میں مستقیمہ حرکت کے لانے میں واجب ہوئی لِاَنَّ وُجُوْدَ الْمُؤَثِّرِ مَعَ عَدَمِ الْمَانِعِ يُوْجِبُ وُجُوْدَ الْمَعْلُوْلِ یعنے اس واسطے کہ موثر کا پایا جانا بدون مانع کے معلول کے وجود کا موجب ہوتا ہے سو یہاں موثر نفخہ ہے اور مانع حرکت دوری تھی سو نہ رہی تو معلول کا وجود لازم ہوا اور معلول یہاں پھٹنا ہے اور جس طرح سے اس نفخہ کا اثر زمین اور آسمان کو پہنچے گا اور عالم سفلی اور عالم علوی کو یہ واقعہ اُلٹ پلٹ کر ڈالے گا اسی طرح سے عرش اعظم کو بھی جو سب علوی اور سفلی جسموں کو گھیرے ہوئے ہے تغیر اور انقلاب پہنچاویگا لیکن عالم سفلی اور عالم علوی کا انقلاب اور تغیر سُستی اور بودے پن کے ساتھ ہوگا یعنی تمام جوڑ بند اُس کے ڈھیلے ہو جاویں گے اور عرش مجید کے انقلاب اور تغیر میں اس کا عکس

پایا جائے گا یعنے بھاری پن اور گرانی اس کی زیادہ ہوجائے گی وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ اور اٹھاویں گے تیرے پروردگار کے عرش کو فَوْقَهُمْ اپنے سر اور کاندھے پر نہ ہاتھوں پر اس واسطے کہ بہت بھاری چیز ہاتھوں سے تھم نہیں سکتی اور جس چیز کو ایک آدمی سر پر اٹھا سکتا ہے اُس کو دو آدمی بھی ہاتھ سے نہیں تھام سکتے اور عرش مجید کا بھاری پن اس روز پہلے سے دونا ہوجائے گا اس واسطے اپنے سروں پر اٹھاویں گے يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ اس دن آٹھ بڑے بزرگ فرشتے اور اس کے پہلے یعنے اس عالم میں چار فرشتے اٹھاتے تھے اور اُس دن عرش اعظم کا بوجھ زیادہ ہو جانے کی وجہ یہ ہوگی کہ عرش اعظم حضرت حق جل شانہ کی سلطنت اور جہانداری کی صورت ہے اور جہانداری اس مالک الملک کی اس عالم میں چار صفتوں کر کے ہی جو ہر ذرہ میں عالم کے ذروں میں سے ان چاروں صفتوں نے ظہور فرمایا ہے اور ہر ایک کو شامل اور گھیرے ہوئے ہیں پہلی صفت علم ہے اور دوسری قدرت تیسری ارادہ چوتھی حکمت اور اُس عالم آخرت میں چار صفتیں دوسری ان چاروں کے ساتھ ملیں گی تاکہ وہ عالم آخرت میں اس عالم دنیا سے جُدائی اور امتیاز پیدا کرے سو پہلی صفت ظہور اور انکشاف اور حقیقت صرف ہے یعنے جو اُس عالم میں ہے وہ ہر شخص پر ظاہر ہوگا اور حقیقت اس کی کھل جائے گی کسی طرح کا شبہہ اور دھوکا اور پوشیدگی اور مکر اور فریب اس عالم میں نہ رہے گا یہاں تک کہ کافر اور جاہلوں پر بھی کسی چیز کی حقیقت چھپی نہ رہے گی اور ہر چیز کو قرار واقعی دریافت کرلیں گے چنانچہ قرآن مجید میں جابجا مذکور ہے جیسے سورۂ طارق میں حق تعالیٰ فرماتا ہے يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ یعنی جس دن جانچے جاویں گے بھید اور سورۂ مریم کے پانچویں رکوع میں فرمایا ہے أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا یعنے کیا سنتے دیکھتے ہوں گے جس دن آویں گے ہمارے پاس اور ان کے سوائے بھی دوسری آیتیں ہیں اور خطا اور صواب کا نام بھی اس عالم میں نہ رہے گا اسی واسطے تکلیف کا قلم یعنے حکم مکلف سے اُٹھ جائے گا اور دنیا میں یہ صفت عام اور شامل نہ تھی اور دوسری صفت سبوغ اور کمال اور تمام ہے یعنے ہر چیز اس عالم میں اپنے کمال پر ہوگی کسی طرح کا نقصان کسی میں نہ ہوگا یہانتک کہ کافر اور بدکاروں کے جسم غذا اور دوا کے محتاج نہ ہوں گے اور احساس یعنے دریافت اور دوسری قوتیں ان کی جیسے خیال اور وہم اور عقل کا بوجھ اور

قوتیں حرکت کرنیوالیں اس عالم کے تقاضے اور تاثیر سے نہایت اوج اور کمال پر ہوں گی چنانچہ حق تعالیٰ جل شانہ سورۂ عنکبوت کے چوبیسویں رکوع میں فرماتا ہے وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ یعنے اور پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے جیتا اگر یہ لوگ سمجھ رکھتے خلود اور دوام اور ابدیت اور بقائے غیر منتہا یعنے ہمیشگی اسی صفت کی آثار اور شاخیں ہیں تیسری صفت قدس اور طہارت ہے یعنے اس عالم کی صفائی کے سبب سے سب کے سب کدورتوں اور آلودگیوں سے بہت دور اور پاک ہوں گے یہاں تک کہ کافر اور بدکار بھی جائے ضرور اور پیشاب نہ کریں گے اور کوئی چیز پلید اور نجس وہاں نہ رہے گی لیکن پیپ اور زرد پانی زخموں کا اور زخموں کا دھوون اور زناکار مرد اور عورت کی شرمگاہ کی بدبو جو ہوگی سو عذاب کے واسطے اُن پر مسلط ہوگی نہ بدبو اور نجاست کے طور پر چوتھی صفت عدل ہے اور ہر چیز کا حق اُس کو پہنچانا اور دنیا میں یہ بات ہرگز ہو نہیں سکتی اور اس عالم میں کسی وجہ سے ظلم اور زبردستی نہ ہوگی اور آثار ان چاروں صفتوں کے بھی اُس عالم آخرت میں عموم اور شمول کے طور پر درکار ہوں گے اس واسطے گرانی عرش معنوی کی جو عبارت ہے جہانداری سے دونی ہوگی اور صورت کو معنوں کے ساتھ مطابقت ہونے کے سبب سے ظاہری عرش میں بھی بوجھ اور گرانی پیدا ہوگی اور وے فرشتے جو پہلے ان چاروں اسموں کے ظاہر ہو کے عرش اعظم کو اٹھائے تھے سو اس کے بھاری ہو جانے کے سبب سے اس بوجھ کو نہ اٹھا سکیں گے اس واسطے دوسرے چار فرشتے جو ان چاروں اسموں کے جائے ظہور ہیں اُنکی مدد کے واسطے مقرر ہوں گے اور بعضے باریک بین بات کی تہہ کو پہنچنے والوں نے ایسا کہا ہے کہ عرش اعظم عبارت ہے فلک الافلاک سے اور اُس کی عارضی حرکتوں کے آثار کو دنیا میں دوسرے آٹھ آسمان جو اُس کے نیچے ہیں اٹھائے ہیں اور عرش کی روح کی تاثیر سے اور اُس کے خیال سے اُن آٹھوں آسمانوں کے ستاروں کی مختلف حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں اور ان حرکتوں کے سبب سے اس عالم میں بھلائیاں اور برائیاں ظاہر ہوتی ہیں اور ان پردے میں حق تعالےٰ کی تدبیریں جلوہ گر ہوتی ہیں اور اس دن یہ آٹھوں آسمان آپس میں ٹکرا کے نیست اور نابود ہو جاوینگے اور وے فرشتے جو ان آٹھوں آسمان کے کاموں پر مستعد اور قائم تھے بھاگ کر کناروں پر جاویں گے اور عرش کا پایہ خالی ہو جائے گا اور عرش کی تدبیروں کے فیض پہنچانے کا مکان

اور اس طرف سے وو داعی فائضہ کا متحمل درمیان میں نہ رہے گا اس واسطے ضرور ہوا کہ دوسرے آٹھ فرقوں کو اس کام کے واسطے عرش کے نیچے جگہ دیں گے اور وے آٹھوں اس منصب کے حامل اور اٹھانے والے ہوں گے اور جس طرح ظاہری عرش دنیا میں اُن آٹھوں آسمان پر تھا اسی طرح اُس دن اُن آٹھوں فرقوں پر ہوگا اور اس تفسیر کا تائید دینے والا وہ قول ہے جو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وے فرماتے تھے لَا اَدْرِیْ ثَمَانِیَۃُ اَشْخَاصٍ اَوْ ثَمَانِیَۃُ اٰلَافٍ اَوْ ثَمَانِیَۃُ صُفُوْفٍ اَوْ ثَمَانِیَۃُ اٰلَافِ صُفُوْفٍ یعنے نہیں جانتا ہوں میں کہ وے آٹھ شخص ہیں یا آٹھ ہزار ہیں یا آٹھ صفیں ہیں یا آٹھ ہزار صفیں اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ھُمْ ثَمَانِیَۃُ صُفُوْفٍ لَا یَعْلَمُ عَدَدَھُمْ اِلَّا اللّٰہُ یعنے وے آٹھ صفیں ہیں اُن کی گنتی کوئی نہیں جانتا ہے مگر اللہ تعالے لیکن صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ھُمُ الْیَوْمَ اَرْبَعَۃٌ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ اَیَّدَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِاَرْبَعَۃٍ اُخْرٰی یعنے وے آج کے دن چار ہیں پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو تائید کرے گا اُن کی اللہ تعالیٰ چار دوسروں سے اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ عرش معلّٰی کے اٹھانے والوں کے پاؤں ساتوں زمین کے نیچے ہیں اور عرش معلّٰی اُن کے سروں پر ہے اور وے سر نیچے کیے ہوئے تسبیح میں مشغول ہیں اور قیامت کے دن ان میں سے چار کی یہ تسبیح ہوگی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی عَفْوِکَ بَعْدَ قُدْرَتِکَ یعنی پاکی بولتے ہیں ہم تیری اے اللہ اور حمد تیری تیرے ہی واسطے حمد ہے تیری معافی پر بعد قادر ہونے تیرے کے اور دوسرے چار یہ تسبیح کہیں گے کہ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی حِلْمِکَ بَعْدَ عِلْمِکَ یعنی پاکی بولتے ہیں ہم تیری اے اللہ اور حمد تیری تیرے ہی واسطے حمد ہے تیرے حلم پر معلوم ہونے کے پیچھے اور وہ جو بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ عرش معلّٰی کے حامل پہاڑی بکرے کی صورت ہیں اور اُن کے سُم سے چوتڑ تک سو ہزار سال کی راہ ہے سو اُن کے ڈیل کی بزرگی کی طرف اشارہ ہے اور پہاڑی بکرے کی صورت بھاری بوجھ اٹھانے کے مناسب ہے کچھ بعید نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کو بھی وہی صورت دی ہو اور وہ جو بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ اُن میں سے ایک کی صورت آدمی کی سی ہے اور دوسرے

کی صورت بیل کی سی اور تیسرے کی صورت شیر کی سی اور چوتھے کی صورت گینڈے کی سی سو پہلی روایتوں کے خلاف نہیں ہے اس واسطے کہ ہو سکتا ہے کہ اُن کا تمام بدن یکساں پہاڑی بکرے کی صورت ہو اور اُن کے چہروں میں اسطرح کا اختلاف ہو تاکہ ان کی حقیقتوں کے اختلاف پر اشارہ ہو اس واسطے کہ وے بھی مختلف اسموں کے مظاہر ہیں جس طرح پانی کے جانور کہ بدن اُنکا یکساں ہوتا ہے اور چہروں میں بڑا فرق ہوتا ہے چنانچہ بعضے گھوڑے کی صورت اور بعضے کتے کی صورت اور سوائے اس کے بہت صورتیں ہوتی ہیں اور فضیلت آیئں کمالات گیں بھائی محمد رفیع الدین صاحب نے سلامت رکھے اُن کو اللہ تعالیٰ اور زیادہ کرے انکو دین اور دنیا میں فتوح اور برکتیں اپنی بعضی تصنیفات میں ایسا لکھا ہے کہ حاملان عرش معلیٰ ایک جماعت ہیں جو حق تعالیٰ کے چار کمالوں کے حامل ہیں ایک ابداع اور دوسرا خلق اور تیسرا تدبیر اور چوتھا تدلی سو پہلا فرشتہ کہ ابداع کے کمال کا حامل ہے اور قیوم کے اسم سے ثابت ہے اور ہیولیٰ اور صورت
یعنی مادہ ۱۲
ظاہری اور مثالی اور زمانوں اور مکانوں اور جہتوں اور حرکتوں پر مؤکل ہے اور تمام استعدادوں کا علم اور اُن کی چیزوں کی تقسیم اور مقداروں کی اور جہتوں کی حد معین کرنا اور وقتوں کا اندازہ کرنا اور ایسے تمام امور جو اس قبیل سے ہیں سب اُس سے متعلق ہیں اور دوسرا فرشتہ جو خلق کے کمال کا حامل ہے وہ مصوّر کے اسم سے ثابت ہے اور وہ تمام نفسوں پر اور بساط اور مرکبات فلکیہ اور عنصریہ کے صور نوعیہ پر مؤکل ہے اور صورتوں کے خواصوں کو باقی رکھنے کا علم اور اسکی شرح کرنا اور اُس کے آثار کا فیض پہنچانا اور اُس کے ہیکلوں اور قوتوں کی تشخیص کرنا اور جو اُس سے متعلق اور مناسب چیزیں ہیں سب اس سے علاقہ رکھتی ہیں اور تیسرا فرشتہ جو تدبیر کے کمال کا حامل ہے وہ عدل کے اسم سے ثابت ہے اور نظام کی تشبیہ دینے میں مطلق خبر کے ساتھ صورتوں کے اجتماع اور آثار کے تداخل کے وقت پر مؤکل ہے اور مختلفوں کے درمیان میں ترجیح کا علم اور اسباب کی تنگی اور کشادگی اور اندازہ اس کا ایک انتہا تک اور جو اس کے مناسب ہے یہ سب اس سے تعلق رکھتا ہے اور چوتھا فرشتہ جو تدلی کے کمال کا حامل ہے وہ قدوس کے اسم سے ثابت ہے اور تمام تجلیات اور شعائر الٰہیہ پر مؤکل ہے اور قسم قسم کی تجلیات کے مظاہر کا علم اور شریعتوں کا نصب کرنا اور اہل اللہ کے عقیدوں اور عملوں اور مرتبوں کا اندازہ کرنا

اور مذہب حق اور باطل کی نگہبانی اور جو اس قسم سے ہے وہ سب اس سے تعلق رکھتا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مضمون جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ عرش معلّٰی کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کا حال تم پر بیان کردوں پھر آپ نے اُس کی پیدائش اور جسم کی بزرگی کے بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اُس فرشتے کی تسبیح یہ ہے کہ سُبحَانَكَ حَيثُ كُنتَ یعنے پاکی ہے تجھ کو جہاں کہیں ہے تو کہ اس مضمون سے اُسی بزرگ فرشتے کی طرف اشارہ ہے اور اس رمز کی شرح یہ ہے کہ اس فرشتے کی حقیقت ایک خاص جہت ہے حق تعالیٰ کے کمالوں سے یعنی جس جگہ مظاہر میں تالہ یعنی معبودیت کی صفت کا جمال ظاہر ہوتا ہے تو اس لباس میں حقانیت کی جہت کا منشا اور اس ظہور کا حامل یہی فرشتہ ہوتا ہے گویا کہ جہاں کہیں تجلی ہوتی ہے اس فرشتے ہی کے دل پر ہوتی ہے اور یہی فرشتہ ہے جو تجلی کی صورت کے یہ ہوجاتا ہے یعنے وہ تجلی یہی ہوجاتا ہے اور اِنِّی اَنَا اللّٰہُ کے کلمہ سے اپنی زبان کو گویا کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات پاک کا آئینہ ہوتا ہے یعنے اُس ذات کا عکس اسمیں درآتا ہے مِن حَيثُ رَفعِ الحِجَابِ یعنے اس طور سے کہ اُٹھ جاتا ہے پردہ اُس کی مثل یوں سمجھا چاہیے کہ یہی فرشتہ تھا جو آگ کی صورت ہو کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوا تھا اور اَن بُورِكَ مَن فِي النَّارِ کے مقولہ کا مصداق ہوا تھا یعنے برکت رکھتا ہے جو آگ میں ہے اور انی انا اللّٰہ کا کلمہ جناب پاک پروردگار سے یہ کیفیت اسی فرشتے کے سینے میں سے نکلتا تھا اور آگ کے آئینہ میں سما جاتا تھا واللّٰہ اعلم بالصواب حاصل کلام کا یہ ہے کہ تشریح مندرج ہے تکوین میں اور جو اس عالم دنیا میں انتظام کا جاری ہونا تکوین کے فیض کے موافق ہے اور تشریح کا فیض اس عالم میں تبعی اور ضمنی ہے یعنی دوسری چیز کے سبب سے ہے اور حق اور باطل کا جُدا ہوجانا جیسا کہ چاہیے پوشیدگی اور اشتباہ کے پردے میں چھپا ہے اسی سبب سے چار ہی فرشتے اس بوجھ کو تھامے ہیں یہاں تک کہ جب سَنَفرُغُ لَكُم اَيُّهَ الثَّقَلَانِ کے مضمون کے بموجب حق تعالیٰ کی عنایت تشریح کے باغ کی تعمیر کیطرف متوجہ ہوگی اور ہر جان کا بیج وَاِنَّ الدَّارَ الاٰخِرَةَ لَهِيَ الحَيَوَانُ کی زمین میں جو ہر حق والے کے پورا حق ملنے کا گھر ہے بکھرا جائیگا اور ہر شخص کی استعدادیں پیدائشی ہوں خواہ حاصل کی

ہوئی ظاہر ہوں گی اور ہر ایک شخص ایک ایک جہان کا حکم پیدا کریگا اور ہزاروں بلکہ لاکھوں نیک اور بد صورت اور عملوں کا منبع ہو جائے گا تو اُس وقت تشریح کے فیض کے خادم فیض مطلق کے عرش کے اُٹھانے میں شریک ہوں گے اور وے فرشتے جو اُس دن اُس کام میں شریک ہوں گے اُن کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا ایک فرشتہ ہے جو پہلے فرشتے کا عرش اُٹھانے میں رفیق اور شریک ہوگا اور سب انسانوں اور جنوں کے نفسوں کی استعدادوں کا علم اور وے دقیقے جو ان نفسوں میں مندرج ہیں اور اُن کے کمالات کے درجوں کا اور اُن قوتوں کا جو اُن میں پائی جاتی ہیں اُن سب کا علم اُس کو ہے اور دوسرا فرشتہ دوسرے حامل کا رفیق اور شریک ہوگا اور عملوں کی حقیقتوں کا علم اور اُن کی قسم قسم کی کیفیت طرح طرح کی شکلوں سے مثال کے آئینہ میں پائے جانے کا علم اور اُن عملوں کی جہتوں کی شرح کہ طاعت ہے یا گناہ اس لیے کہ ہر ایک اُن میں سے علیحدہ حقیقت شرعیہ ہے اور نیک بختی اور بدبختی کا اندازہ اور احوال اور اقوال اور اعمال کے جزوں کا اور معتقدات اور ملکات کا علم یہ سب اُسی سے تعلق رکھتا ہے اور تیسرا فرشتہ تیسرے فرشتے کا رفیق اور شریک ہوگا اور آدمیوں کی احتیاجوں اور معاملوں کا اور بندوں کے حقوں کا علم اور اُن کے جھگڑوں کا فیصلہ اور برائیوں اور کفاروں کے مقصدوں کی وجہوں کا علم اور آپس میں دلوں کے زنگ کی محو اور اثبات اور اہل فضل کے درجوں کی تشخیص کہ نجات والے کون ہیں اور ہلاک ہونے والے کون ہیں اور مصلحتوں اور مطلبوں اور عذروں کے دستور اور ضبط کا علم اسی کو ہے اور چوتھا فرشتہ چوتھے فرشتے کا رفیق ہوگا اور احوال اور مشاہدات کے پہلوؤں کا علم اور حق تعالیٰ کے دیکھنے والوں کے مرتبوں کا علم اور اسمائے الٰہی کے ساتھ احوال کا مرتبط ہونا کہ یہی اُن مرتبوں کا مبادی ہے اور ہر اسم کے اپنی شیہ میں ظاہر ہونے کا اندازہ از روئے قوت اور ضعف کے اور ذات کے منکشف اور محجوب ہونے کی منزلوں کی عددوں کا علم اور عمل کرنے والوں کے اخلاص کا اور متخلق اور متحقق ہونا حق تعالیٰ کے ساتھ کا علم اور جو اُسکے مناسب ہے یہ سب اُس کو ہوتا ہے یہاں تک تمام ہوا کلام مولوی رفیع الدین صاحب کا اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ جب تک عرش معلی اپنے مکان میں ثابت اور برقرار ہے تب تک اُسکو چار فرشتے جلیل القدر اُٹھا سکتے ہیں اور جب اپنے مقام سے جنبش کریگا

اور دوسری جگہ پر جاوے گا تو اُس وقت چار فرشتے دوسرے چاہیے اُن پہلے چاروں کی مدد کو اس واسطے کہ جب کوئی بھاری چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ پر لے جایا چاہتے ہیں بخلاف اُس کے کہ وہ چیز اپنی جگہ پر قائم رہے کہ اس میں زور کم درکار ہوتا ہے اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے بوجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ جلشانہٗ اپنے بندوں کے ساتھ دنیا اور آخرت میں وہی معاملہ کرتا ہے جو اُن کے ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے اور اُن کے آپس میں دستور ہے اور پھیل رہا ہے جیسے دنیا میں باوجود اس بات کے کہ حق تعالیٰ مکان سے منزہ اور پاک ہے لیکن اپنے واسطے ایک گھر ٹھہرایا ہے تاکہ بندے اس گھر کو دیکھ کر اس گھر والے کی تعظیم بجالاویں اور بدون اُس گھر بزرگ کے دیکھے ہوئے ممکن نہ تھا کہ اُن کی باطنی تعظیم اُن کے ظاہر پر ظہور کرے اور اس گھر میں ایک سیاہ پتھر کو یعنی حجر اسود کو اپنا سیدھا ہاتھ ٹھہرایا اس واسطے کہ آدمیوں کی عادت یوں ہی ہو گئی ہے کہ اپنے رئیس اور سرداروں سے جو ملاقات کرتے ہیں تو پہلے مصافحہ کرتے ہیں اور ہاتھ بھی چومتے ہیں اور بندوں کے عملوں اور کاموں کی محافظت کے واسطے فرشتوں کو اخبار نویس اور خفیہ نویس مقرر کیا ہے کہ بندوں کے عملوں کو لکھتے رہیں اور حال یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا علم سب کو گھیرے ہوئے ہے کچھ اس کے لکھنے کی احتیاج نہیں ہے اور اُس کو کچھ بھول جانے کا بھی خوف نہیں ہے اور اسی طرح اگر تمام شرعی کاموں میں غور اور فکر کی جاوے تو بہت معقول اور محسوس مشابہت کا مرعی اور معتبر ہونا کھل جاوے اسی طرح آخرت میں بھی بنی آدم کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاوے گا جو اُن کے دلوں میں اور ذہنوں میں گڑا ہوا ہے اور بادشاہوں کی شان بھی یہی ہے کہ جب انصاف کرنا اور ظالموں سے مظلوموں کا حق دلانا منظور ہوتا ہے تو پہلے پردے اور حجاب کو دور کرتے ہیں اور رعایا کو توپ اور نقارے اور پناہ کی آواز سے خبردار کرتے ہیں اور بلاتے ہیں پھر آپ تخت پر بیٹھ کر دربارِ عام فرماتے ہیں اور منصدی ہر دفتر کے حاضر ہوتے ہیں اور تمام فوج کے لوگ پیادے اور سوار صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ جو حکم نکلے مارنے یا باندھنے یا قتل کا تو اسی وقت بجالاویں اور سرفرازی کے اسباب جیسے خلعت فاخرہ اور عذاب کے اسباب جیسے زنجیر اور طوق اور بیڑی اور جلاد سب مستعد اور حاضر ہوتے ہیں سو اسی وحشتناک

تشکل اور خوف والی صورت کو رنگ برنگ تقریروں سے قرآن کی آیتوں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بہت شرح اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے پس اس جگہ پر عرش معلی سے وہ عرش اعظم نہیں مراد ہے جو سارے جہان کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کو اس دن اپنے مکان سے جدا ہونا بوجھا جاوے بلکہ مراد عرش دوسرا ہے یعنی عدالت الٰہی کی تجلی اس نورانی عظیم القدر جسم پر مستولی اور غالب ہو کر حشر کے میدان میں ظہور فرماوے گی چنانچہ دوسری آیت میں یعنی سورہ زمر میں مذکور ہے کہ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ یعنے اور روشن ہوگی زمین اپنے رب کے نور سے اور لا دھرا جائیگا دفتر اور حاضر کئے جائیں گے پیغمبر اور گواہ اور فیصلہ کیا جائے گا ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہوگا پھر اس سورۃ کے آخر میں فرمایا ہے وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے تو دیکھے گا فرشتوں کو کھڑے ہوئے گرد عرش کے پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں اور فیصلہ ہوا ہے ان میں انصاف کا اور یہی بات ہوئی کہ سب خوبی اللہ کو جو صاحب ہے سارے جہان کا لیکن اس مقام پر جاننا چاہیے کہ یہ جو شریعت کے حکموں میں عقلی چیز کی مشابہت ظاہری چیز کے ساتھ آئی ہے یہ فقط تصور اور خیال نہیں ہے کہ عوام لوگوں کو رغبت دلانے یا ڈرانے کے واسطے لائے ہوں بدون اس بات کے کہ اس کی کچھ اصل اور حقیقت ہو جس طرح معتزلہ اور فلسفی مزاج سمجھتے ہیں اور اس اپنی بوجھ اور سمجھ پر فخر کرتے ہیں بلکہ اس تشبیہ کی حقیقت ہے بدون مزاج کے اس واسطے کہ حق تعالیٰ کی ذات پاک کو ظہور اور تجلی اور دلنوا اور زندگی کی صفت ثابت ہے اور باوجود اس بات کے کہ تنزیہ اور پاکی کے اعلیٰ مرتبے میں ثابت ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ جس رنگ اور طور سے چاہیے اپنے تئیں ظاہر کرے اور جلوہ گر ہووے چنانچہ طور پہاڑ کی آگ کے بیان میں اور لن ترانی کی شرح میں صراحۃً ظاہر کر کے فرمایا پس ان مقاموں میں کہ بندوں کے مرجع اور جائے بازگشت ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی حق تعالیٰ کی ذات پاک متجلی ہے اور اس مالک الملک کے حکم نافذ اور جاری ہیں اور اہل شرع اور فلسفیوں کے عقیدے میں فرق اتنا ہی ہے کہ اہل شرع ان تجلیات کو ثابت کرتے ہیں بلکہ

اگر خوب تامل کیا جاوے اور شرعی اخباروں میں غور کر کے دیکھا جاوے تو تشبیہ اور تنزیہ کے عقیدے میں انطباق یعنی برابری پیدا کرتے ہیں اس طور سے تشبیہ تجلیات اور ظہورات میں ہے اور تنزیہ ذات اور حقیقت میں فقط حاصل کلام کا آسمانوں کے پردے اُٹھ جانے کے بعد اور عرش معلّٰی کے ظاہر ہونے کے بیان کے بعد فرماتے ہیں کہ یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ اُس دن حاضر کیے جاؤ گے اپنے پروردگار کے سامنے لوح محفوظ کے ظاہر ہونے کے سبب سے جو عرش معلّٰی کے حاملوں کے پاس ہے اور اسی کے مطابق کراماً کاتبین کے نسخہ بھی اسی مقام پر حاضر کیے جاویں گے لَا تَخْفٰی چھپا نہ رہے گا کسی پر پہلے ہوں یا پچھلے کسی کا احوال مِنْكُمْ یا من سے خَافِيَةٌ کوئی حال چھپا اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن تین مرتبہ عمل عرض کیے جاویں گے پہلے مرتبے کافر اور گنہگار اپنے اپنے بُرے کاموں سے انکار کر جائیں گے اور دوسرے مرتبے جب گواہ اُن کاموں پر گذریں گے جیسے دن اور رات اور آسمان اور زمین اور اُن کی کھال اور ہر ہر عضو اُن کا گواہی دے گا تب بہانے کریں گے اور عذر درپیش کریں گے اور تیسرے مرتبے عذر بھی اُن کے باطل ہو جائیں گے اور حکم ہوگا کہ اُن کے نامہ اعمال اڑا دو پھر بعضوں کو داہنے ہاتھ میں سامنے سے دیں گے اور بعضوں کو بائیں ہاتھ میں پیٹھ کے پیچھے سے دیں گے پھر نامہ اعمال اس طور سے دینے کے ساتھ ہی ہر ایک پر اپنے انجام کا حال کھل جائے گا اور پڑھنے کے پہلے ہی اعمال کی بھلائی بُرائی معلوم ہو جائے گی فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ پھر لیکن وہ شخص جو دیا جائے گا اُس کا نامۂ اعمال اُس کے داہنے ہاتھ میں تو بوجھے گا کہ میرا داہنا ہاتھ زور آور تھا اور میرا نامۂ اعمال جو داہنے ہاتھ میں دیا ہے تو میرا زور آور ہونا غلبہ نفس کی خواہش اور حرص اور غضب پر ثابت ہوا فَيَقُوْلُ پھر کہے گا وہ شخص فرشتوں کو هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ لو پڑھو میری کتاب اس واسطے کہ اس میں بالکل میری بہتری اور خوشی ہے اور جو چیز مجھ کو رنجیدہ اور غمگین کرے وہ ہرگز اس میں نہ ہوگی اس واسطے کہ میں نے دنیا میں حق کی جانب کو قوی کیا تھا اور باطل کی جانب کو ضعیف اِنِّيْ ظَنَنْتُ بے شک دنیا سے جانا تھا میں نے ایسا جاننا جو یقین کے نزدیک تھا کہ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ مقرر میں ملاقات کروں گا اپنے حساب سے آخرت میں اسی

واسطے دنیا میں ہمیشہ اپنے نفس سے محاسبے میں مشغول رہتا تھا اس دن کے حساب میں گرفتار ہونے سے پہلے اور کتابیہ اور حسابیہ کے آخر میں جو ہ ساکن ہے وہ ہائے ضمیر کی نہیں ہے بلکہ سکتے کی ہے جو عرب کے کلام میں وقف کے واسطے زیادہ کرتے ہیں فَهُوَ پھر وہ شخص باوجود عام ہونے بلا کے اور شائع اور پھیل جانے رنج اور غم کے فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ من مانتی زندگانی میں اور گذران میں ہوگا اس واسطے کہ اُس کو کچھ بھی رنج اور غم نہ ہوگا جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے لوگ کہ عین طوفان میں خاطر جمعی سے اپنی گزران کرتے تھے سو اُس شخص کے ساتھ اتنی ہی خاطر جمعی اور بے غمی پر کفایت نہ کریں گے بلکہ وہ شخص داخل ہوگا فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ بڑے رتبے والے بہشت میں جس میں مکانات عمدہ اور فرش نفیس اور برتن چاندی اور سونے کے اور نہریں جاری اور ان نہروں میں فوارے چھوٹے ہوئے اور درخت میوے سے لدے ہوئے اور سبزے لہکتے ہوئے ہوں گے اور باوجود ان سب چیزوں کے اس بہشت میں ایک صفت دوسری ہے جو دنیا کے باغوں میں وہ صفت ہرگز نہیں ہو سکتی سو وہ صفت یہ کہ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ میوے عمدہ اور چنے ہوئے اس باغ کے جھکے اور نزدیک ہیں کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے کے اسطرح پر کہ جوں ہی بہشتی نے اس طرف اشارہ کیا تو درخت کی ٹہنی اُس میوے کو اُس بہشتی کے منہ کے پاس پہنچاوے گی اور یہ سب باتیں وہاں کے درختوں کو وہاں کی زندگانی کی قوت سے حاصل ہوں گی کہ اُن درختوں نے وہاں شعور اور دریافت کو پیدا کیا ہے اور بہشتیوں کو بہشت میں داخل کرنے سے پہلے یہ خوشخبری سناویں گے کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ اور پیو کھانے اور پینے بہشت کے هَنِیْٓـئًا گوارا ہو جیو تم پر یعنے رچ پچ جاؤ اور بدہضمی اور ثقالت اور دوسرے کسی مرض کا سبب نہ پڑ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ بدلے میں اُس کے جو پہلے اس سے دنیا میں کیا ہے تم نے جیسے عبادتوں میں محنتیں اور حرام خواہشوں کو روکنا اور حق راہ کے ڈھونڈھے میں رنج اور مشقتیں کھینچنا فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ گذرے ہوئے دنوں میں یا اُن روز دن میں جو کھانے پینے سے خالی تھے جیسے رمضان شریف کا مہینہ اور دوسرے دن جن میں روزہ مسنون ہے جیسے ایام بیض اور ذی الحجہ کا عرفہ یعنے نویں تاریخ اور عاشورے کا دن اور دوشنبہ اور

ف پنجشنبہ اور شب برات کا دن یعنے چودھویں تاریخ شعبان کی اور جو سوائے اُن کے ہیں

ف مسنون روز دن کا بیان۔

اورحدیث شریف میں آیا ہے کہ بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام ریّان ہے جو شخص اس دروازے سے پیٹھے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا سو وہ دروازہ خاص روزہ داروں کے واسطے ہے اُس دن اُن سے حق تعالیٰ فرماوے گا کہ اے ہمارے دوستو ہم نے تم کو اکثر دیکھا تھا دنیا میں کہ پیاس کے غلبے سے ہونٹھ تمہارے خشک اور بھوک سے پیٹ تمہارے پیٹھ سے ملے ہوئے اور راتوں کے جاگنے کے سبب سے آنکھیں تمہاری بیٹھی ہوئی رہتی تھیں سو آج کے دن اُس محنت کے بدلے ہماری ہمیشگی کی نعمت میں در آؤ اور بہت میٹھا اور مزیدار بہشت کا پانی پیو اور کشاف میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی بہشت میں نہ داخل ہوگا مگر ایک دست آویز اور سند کے وسیلہ سے جو اُس کو رب العالمین کی درگاہ سے اُس کے ہاتھ میں عنایت ہوگی اور مضمون اُس دست آویز کا یہ ہوگا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِفُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ اُدْخِلُوْهُ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۵ شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان بہت رحم والا ہے یہ سند ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے واسطے فلانے شخص کے جو فلانے کا بیٹا ہے داخل کرو اُس کو رتبے والی بہشت میں جس کے خوشے جھک رہے ہیں وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ اور لیکن وہ شخص جو دیا جائے گا اُس کا نامۂ اعمال گا اس کے الٹے ہاتھ میں تو بوجھے کہ میرا الٹا ہاتھ میری بودی طرف تھا اور میرا نامۂ اعمال جو اس ہاتھ میں دیا ہے تو معلوم ہوا کہ میرے عمل بودے اور نکمے ہیں عذاب سے چھڑانے کی قوت ان میں نہیں ہے پھر بہشت کے درجوں پر پہنچانا کیا اُن سے ہو سکے گا بس واویلا اور واحسرتا کرے گا فَيَقُوْلُ يَا لَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتَابِيَهْ پھر کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ نہ دیا جاتا میں اپنی کتاب یعنی نامہ اعمال اس واسطے کہ لوگ اِدھر اُدھر سے اس کتاب کے پڑھنے کی تکلیف مجھے دیں گے اور اس کے پڑھنے میں فضیحت اور رسوا ہوں گا میں وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ اور کیا اچھا ہوتا کہ نہ جانتا میں کہ میرا حساب کیا ہے اس واسطے جو حساب خرابی اور ہلاکی کا سبب پڑے اُس کا نہ جاننا جاننے سے بہتر ہے اور یہ بھی ہے کہ حساب کے دریافت کرنے میں مجھ کو میرے سب عمل بُرے یاد آویں گے اور اُن کے یاد آنے میں روح رنج میں گرفتار ہوگی تو عذاب ظاہر

ف۔ [illegible] دستاویز کی شرح ۔

کے پہلے یہ باطنی اور روحی عذاب چکھنا ہوگا اور اگر کوئی شخص اس کو کہے گا نصیحت کے طور پر کہ ایسی بے فائدہ باتیں تو کیوں کرتا ہے کہ مجھ کو نامہ نہ دیتے اور میرے عملوں پر مجھ کو خبردار نہ کرتے تو بہتر تھا اس واسطے کہ جو اس حشر کے میدان میں حاضر ہوا ہے سو اس کو نامۂ اعمال کا ملنا اور اپنے عملوں پر مطلع ہونا ضروری ہے تو وہ بدبخت اس نصیحت کے جواب میں دوسری آرزو کرے گا کہ یَالَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ اے کاش یہ قیامت میرا کام تمام کرتی اور مجھ کو مار ڈالتی تاکہ اس رسوائی اور اس عذاب سے چھٹکارا پاتا میں اور اگر فرشتے کہیں گے کہ اپنے بُرے کاموں سے خلاصی حاصل کرنے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات اور صدقے دنیا میں کیوں نہ دیے تو نے کہ اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ یعنی صدقہ دینا مٹا دیتا ہے بُرائی کو جسطرح بجھا دیتا ہے پانی آگ کو تو وہ بدبخت اُن کے جواب میں کہنے لگا کہ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ کچھ کام نہ آیا میرے میرا مال اس واسطے کہ میں نے دنیا میں اپنا مال بے جا اور بے فائدے کی جگہ میں خرچ کیا اور برباد کیا اور اب اس وقت میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے جو گناہوں کے بدلے میں دے کر خلاصی حاصل کروں اس واسطے کہ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ برباد ہوئی مجھ سے حکومت میری جو اپنے اندازے کے قدر دنیا میں رکھتا تھا ایک گھر پر یا ایک گاؤں پر یا ایک شہر پر یا ایک ملک پر اور کم سے کم اپنے مال پر اور لونڈی غلام اور ہاتھ پیر پر تو البتہ حاکم تھا میں جو کچھ میں چاہتا تھا وہ ان پر حکم کرتا تھا اور یہ میرے حکم کو بجا لاتے تھے اب تو کوئی شخص اور کوئی چیز میرے حکم اور تصرف میں نہیں ہے سو جب اُس کو سوائے حسرت اور ندامت اور باطل آرزوؤں کے کوئی جواب معقول میسر نہ ہوگا تب حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم فرماویگا کہ خُذُوهُ پکڑو اُس کو سختی اور غصے سے فَغُلُّوهُ پھر اُس کا ہاتھ اُس کی گردن میں باندھو اس واسطے کہ یہ شخص ہمارے کھلے ہاتھوں کی نعمت کا شکر بجا نہ لایا اور ہماری رضامندی کی باتوں میں اپنے ہاتھ کو نہ کھولا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس حکم کے سنتے ہی ایک لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑ پڑیں گے اور اُس کے ہاتھ کو اس کی گردن سے باندھ دیں گے پھر حکم ہوگا کہ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ پھر دہکتی آگ میں ڈالو اس کو اس واسطے اس نے کسی چیز کو دنیا کی لذتوں اور نعمتوں سے خدا کے واسطے نہ چھوڑا تھا سو اس کے

عوض میں اس بلا میں اُس کو جلاؤ اور آگ میں ڈالنے کے پہلے اُس کے ہاتھ اس واسطے باندھ دیے جائیں گے تاکہ دوزخ میں ڈالنے کے وقت ہاتھ نہ ہلاوے اور حرکت اور جنبش بقدر اول کی سی نہ کر سکے کہ اس میں عذاب میں تھوڑی تخفیف ہو جاتی ہے ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ پھر ایسی زنجیر میں کہ اول سے آخر تک ہر حلقہ اُس کا دوسرے حلقے سے ملا ہو ذَرْعُهَا جس کی ناپ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا ستر گز ہو جیار کے گز سے جو فرشتوں کے عرف میں رائج اور مشہور ہے اور ہر گز اُس کا ستر باع ہے اور باع اتنا ہے جتنا مکے اور کوفے کے درمیان میں دوری ہے اسی طرح روایت کی گئی ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور دوسروں سے بھی فَاسْلُكُوْهُ پھر جکڑو اس کو تاکہ اس زنجیر کے حلقوں میں بند ہو جائے اور ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا سے بھی حرکت نہ کر سکے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ زنجیر اس قدر لمبی ہوگی کہ اُس کے پائخانہ کے مقام سے گھسے گی اور حلق سے نکل آوےگی اور اُس کی پیشانی سے قدم تک لپٹ جائے گی اور اُس کو اس زنجیر سے اس واسطے عذاب کیا ہم نے کہ اِنَّهٗ كَانَ بیشک وہ تھا بے انتہا حادثوں کے تسلسل کا قائل اور ہمیشہ اسباب اور مسببات ہی کے سلسلے کے ملاحظہ میں لپٹا رہتا تھا اور ہر چیز کو کسی سبب کی طرف نسبت کیا کرتا تھا اس سبب کو دوسرے سبب کی طرف اسی طرح کے تسلسل میں گرفتار رہا اور مسبب الاسباب کی طرف نہ جھکا یہی سبب تھا کہ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ایمان نہ لاتا تھا خدائے بزرگ کا ایسا خدا جس کی عظمت اور بزرگی کے ملاحظہ کے سامنے جتنے سبب ہیں نظر سے ساقط ہو جاتے ہیں اور اعتبار سے جاتے رہتے ہیں اور کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے ؎ از سبب سازیش من سودائیم ؏ در سبب[1] سوزیش سوفسطائیم ؏ اس شعر کے معنی اوپر کی سورۃ میں گذر چکے ہیں اور

[1] یعنے شاعر صوفی کا حال بیان کرتا ہے کہ اسطرح مشاہدہ ذات میں مستغرق ہوتا ہے کہ کسی اسباب کی حقیقت اسکے سامنے نہیں رہتی ہے سو سبب ساز تر سودائی کے مشابہ ہوتا ہے اس واسطے کہ سودائی کے خیالات وہمی ہوتے ہیں لیکن جس کو حق تعالیٰ چاہتا ہے اپنی قدرت کاملہ سے ایسے اسباب کامل کر دیتا ہے اور کینے سے مہر لگاتا ہے اور اضداد کی ضدیت کو دور کر دیتا ہے اور سبب سوزی میں سوفسطائی کے مشابہ ہے اسواسطے کہ انکے نزدیک اشیاء کا وجود حقیقی نہیں ہے اور جس کو لوگ حقیقت کہتے ہیں وہ ان کے نزدیک فقط وہم ہے اور یہی حال صوفی کا بھی ہے لیکن صوفی کو مشاہدہ ذات کے استغراق سے دوسری طرف توجہ نہ ہوئی اور سب چیز کو وہمی سمجھا اور سوفسطائی کو اپنے اندھے پن سے اور دونوں میں فرق زمین آسمان کا ہے فقط ۱۲

باوجود ایسی شدت کفر کے عذاب کی تخفیف کا کوئی سبب نہ رکھتا تھا اس واسطے کہ بدنی عبادت اس شخص سے منصور نہ تھی اس سبب سے کہ مسبب کا قائل نہ تھا پھر اگر عذاب کی تخفیف کے واسطے کچھ بھی کام آتی تو وہ مالی عبادت تھی سو وہ بھی اُس نے اپنے ہاتھ سے کھو دی بلکہ اپنے دینے کا تو کیا ذکر ہے دوسرے کا دینا فقیروں کو دیکھ نہ سکتا تھا وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ اور تاکید نہ کرتا تھا اپنے اہل وعیال اور خادموں کو مسکینوں کے کھلانے کو اور اُس کے ہاتھ گردن پر باندھنے کی وجہ یہی تھی کہ یہ اپنے مال کے دینے میں ہاتھ کھینچے رہتا تھا اور بخل کرتا تھا اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصاریوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جلیل القدر صحابی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں فرمایا کہ ابو درداء میری اُمت کا حکیم ہے اُن سے منقول ہے کہ یہ اپنے گھر کی بی بی سے کہا کرتے تھے کہ شوربا سالن میں زیادہ کیا کرو تاکہ فقیروں کے کام آوے اُن کی بی بی نے پوچھا کہ شوربہ کے زیادہ کرنے میں کیا فائدہ ہے اس واسطے کہ کھانے میں لذت خوب نہیں ہوتی تو آپ نے کہا کہ تم نے نہیں سُنا کہ ایمان نہ لانے اور مسکینوں کو کھانا نہ کھلانے کے سبب سے کافروں کو آگ کی زنجیروں میں جکڑ کے عذاب کریں گے سو اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے ایمان لانے کے سبب سے ہم نے آدھی اُس زنجیر کو اپنے سے کاٹ ڈالا ہے اور آدھی جو باقی ہے وہ بھی مسکینوں کو کھلانے کے سبب سے اپنے سے دور کیے دیتے ہیں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافر جس طرح ایمان اور معرفت کے مکلّف ہیں اسی طرح دوسری عبادتوں کے بھی مکلف اور مخاطب ہیں اور اُن کی دلیل یہی آیت ہے یعنے اگر ایسا نہ ہوتا تو قیامت کو کافروں پر کھانا نہ کھلانے کے سبب سے عذاب نہ ہوتا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافروں پر عذاب ایمان نہ لانے کے سبب سے ہوگا لیکن اگر مسکینوں کو کھانا کھلایا ہوتا تو عذاب میں تخفیف ہوتی اور اس آگ کی زنجیر میں گرفتار نہ ہوتا اور جب مسکینوں کو کھلانا ترک ہوا اور اس سبب سے اُنکے عذاب میں تخفیف نہ ہوئی تب آگ کی زنجیر میں جکڑے گئے سو یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کافر جو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے احسانات کرتے ہیں اس سبب سے اُن کے عذاب میں تھوڑی تخفیف ہوگی یہ معنی اس آیت کے نہیں ہیں کہ مالی یا بدنی عبادت کافروں پر فرض یا واجب ہے اور جب کافروں کے عذاب کی شدت کے بیان کرنے سے فراغت پائی تو ثواب بیان فرماتے

ہیں کہ دنیا میں رنج اور غم کی شدت میں دو چیزیں تخفیف اور غم کی کمی کا سبب پڑتی ہیں ایک تو اپنا دلی دوست جو ایسے شدت اور تکلیف کے وقت میں تسلی اور دلاسا اور ماتم پرسی کرکے رنج اور غم کی شدت کو ہلکا اور سبک کر دیتا ہے اور دوسرا لذیذ اور مزیدار کھانا کہ دل کو قوت بخشتا ہے اور طبیعت اس کے کھانے سے خوشی اور فرحت حاصل کرتی ہے اور اس رنج اور ملال کے اٹھانے اور برداشت کرنے کی طاقت ہوتی ہے اسی واسطے رنج اور مصیبت میں پھنسے ہوؤں کی اُن ہی دونوں طرحوں سے مدد اور اعانت کیا کرتے ہیں سو ان دونوں چیزوں کو بھی یہاں سے نفی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ فَلَیْسَ لَہُ الْیَوْمَ پھر نہیں ہے اس کافر کے واسطے اس دن جس کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ یعنی جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور جورو اور بیٹے سے اگرچہ دوسرے دنوں میں یعنی دنیا میں اس قسم کے لوگ بہت ہوتے تھے ھٰھُنَا حشر کے میدان میں جہاں ہر شخص اپنے حال میں گرفتار ہوگا اور اپنے انجام کی فکر میں گھبرایا ہوا بے قرار ہوگا اگرچہ جنت میں داخل ہونے اور اپنی طرف سے امن اور چین حاصل ہونے کے بعد اپنے خویش اور اقربا اور دوست اور آشنا کے حال سے بھی پریشان ہوگا اور یاد کریگا پھر اگر ان کو شفاعت کے قابل پاوے گا تو اُن کی شفاعت کریگا حَمِیْمٌ کوئی قرابتی جو اس کی خاطرداری کرے اور اس کی تسلی اور دلاسے کے سبب سے تھوڑا سا آرام اور تخفیف عذاب میں اس کافر کو حاصل ہو وَّلَا طَعَامٌ اور نہ کھانا جس کے سبب سے کچھ بدن کو قوت اور دل کو فرحت حاصل ہووے تاکہ اس عذاب کے برداشت کی طاقت ہو اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ مگر دھوون دوزخ میں جلے ہوؤں کے زخموں کا جو پیپ اور زرد پانی کی صورت دوزخیوں سے بہہ کر دوزخ کے گڑھوں میں جمع ہوگا اور بدبو اور بدمزگی اور بے لذتی میں اسقدر شدید ہوگا کہ لَّا یَاْکُلُہٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ نہ کھا سکے گا کوئی اس کو مگر اسی قسم کے خطاکار گنہگار جن کے نہ ایمان کا ٹھکانا اور نہ کبھی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ احسان اور سلوک اُن سے ہوا تھا پھر وے لوگ ایسے بدمزہ بدبو والے کھانے کو نہایت بیقراری اور بھوک کے غلبے سے ہزار دشواری سے حلق کے نیچے اتاریں گے لیکن آخر کو اس کھانے

کی تاثیر سے جو زہر کا خاصہ رکھتی ہوگی بیقراری اور بیتابی کی زیادتی ہوگی تو ایسا کھانا کھانے میں بھی اُن سے خطا ہو گی کہ اس کھانے کو قوت کا سبب جان کے کھائیں گے پھر اُس کے سبب سے اور عذاب کی شدت میں گرفتار ہوں گے پس اُن کا حال ایسا ہے جیسے کوئی شخص زہر قاتل کو غذا یا دوا یا معجون مقوی کے عوض میں استعمال کرے کہ سراسر خطا اور چوک ہے لغت والوں کو اس جگہ پر ایک اعتراض ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ عرب کی زبان میں دھوون کو غسلین کہتے ہیں اور حال یہ ہے کہ دوزخ میں دھوون نہ ہوگا اور دھوون مراد بھی نہیں ہے بلکہ حدیث شریف میں غسلین کی تفسیر میں زرد پانی اور پیپ اور خون فرمایا ہے سو اس میں کیا نکتہ ہے کہ زرد پانی اور پیپ اور خون کو غسلین فرمایا ہے اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ زرد پانی اور پیپ اور خون جو دوزخیوں کے اعضا گھٹانے اور نقصان میں کچھ تاثیر نہ کرے گا اس واسطے کہ اُن کا گوشت اور پوست اُن کے بدنوں پر ہر وقت تازہ پیدا ہوگا تو گویا زرد پانی اور پیپ اور خون نے اُن کے حق میں دھوون کا حکم پیدا کیا گویا اس تازہ پوست کو دھو ڈالا اور پاک کر کے پھینک دیا اور اس پہلی کھال کے زرد پانی ہو کر بہ جانے کے سبب سے اور نئی کھال اُس کی جگہ پیدا ہو جانے سے ایسا ظاہر ہوا کہ وہ جلی ہوئی پہلی کھال میل کے مانند تھی جو بدن سے دور ہو گئی سو ایسی باریکیوں کی رعایت کرنا فن بلاغت کے اعجاز کے مرتبوں سے ہے اس باریکی کے فائدے کے واسطے غسلین کے لفظ کو زرد پانی اور میل کے واسطے استعارہ فرمایا ہے یعنے اُس کے عوض میں لائے ہیں فصیحوں کے قاعدے کے بموجب اور جو اس سورۃ میں ابتدا سے یہاں تک ان امروں کی تفصیل جن پر حاقہ ہونا ثابت ہوتا ہے قطعی دلیلوں اور واضح برہانوں سے سُن چکے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ علم حکیموں کی فکر اور داناؤں کی عقل سے باہر ہے اپنے علم اور عقل کے زور سے کوئی اس کو پا نہیں سکتا تو اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ کلام حق تعالیٰ کا ہے کسی مخلوق کا نہیں ہے فَلَآ اُقْسِمُ پھر قسم نہیں کھاتے ہیں ہم اس واسطے کہ قسم کھانے کی کچھ احتیاج نہ رہی یہ کلام آپ ہی اپنے حال پر گواہ عادل ہے اور شاہد صادق ہے اور اُس کی مثال یوں سمجھا چاہیے کہ جس طرح کتاب شفا جو تصنیف ہے شیخ بو علی سینا کی اس کا مضمون اس قسم کا ہے کہ وہ خود

دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ یہ حکیم کا کلام ہے اور اسی طرح کتاب قانون بھی اسی کی تصنیف ہے لیکن اس کا مضمون خود دلالت کرتا ہے اس پر کہ یہ کلام طبیب کا ہے اور اگر تم لوگوں کو بغیر قسم کے یقین نہیں آتا ہے تو ہماری قسم بِمَا تُبْصِرُوْنَ اُس چیز کے ساتھ ہے جو دیکھتے ہو یعنی وے لطیفے اور فائدے ظاہری جو اس کلام سے اپنی دانائی کی آنکھ سے دیکھتے ہو وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ اور جو نہیں دیکھتے ہو یعنے وے لطیفے اور فائدے باطنی جو اپنی دانائی اور عقل کی بصارت سے اُن کو پا نہیں سکتے بلکہ اُن کے دریافت کرنے میں تعلیم اور تنبیہ کے محتاج ہوتے ہو بلکہ تعلیم اور تنبیہ کے بعد بھی تمہاری عقل کی نظر اُن کے دیکھنے میں چوندھیاتی ہے اور نظر بھی دیکھ نہیں سکتی اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ ماتبصرون سے ظاہر کا عالم مُراد ہے اور مالا تبصرون سے غائب کا علم مراد ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ماتبصرون وہ ہے جو زمین کے اوپر ہے اور مالا تبصرون وہ ہے جو زمین کے نیچے ہے یا ماتبصرون سے عالم اجسام مُراد ہے اور مالا تبصرون سے عالم ارواح مُراد ہے یا اوّل سے انسان اور دوسرے سے جنات مراد ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ماتبصرون سے کعبہ معظمہ زادہا اللہ تشریفاو تکریما مراد ہے اس واسطے کہ انوار الٰہی کی تجلی اس مقام میں اس طرح سے ظاہر اور باہر ہے کہ آنکھ کی بینائی سے معلوم ہوتی ہے اور مالا تبصرون سے بیت المعمور مراد ہے اور بعضوں نے خشکی اور تری کے مخلوقات پر حمل کیا ہے اور بعضوں نے ماتبصرون کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ پر یعنے حکم پہنچا دینے پر اور مالا تبصرون کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نزول اور اترنے پر منطبق کیا ہے اور اکثر صوفیہ قدس اللہ اسرارہم نے ماتبصرون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آثار اور نشانیوں پر جو ظاہر معجزوں کی مدد سے روشن اور واضح تھے حمل کیا ہے اور مالا تبصرون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کے انوار پر جو ہرگز کسی مخلوقات کی بینائی بلکہ دانائی میں بھی نہیں آسکتے ہیں حمل کیا ہے غرض کہ ہر طرح سے قسم کھانا اس مضمون پر ہے کہ اِنَّهٗ بے شک یہ قرآن معجزوں والا جو ہر چیز کی حقیقت کو کھول دیتا ہے اور جن چیزوں کے بوجھنے اور دریافت کرنے سے عقل اور خیال اور وہم اور بوجھ سب عاجز ہیں اُن پر آگاہ کر دیتا ہے لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ البتہ بیشک خدا کا کلام ہے لایا ہوا رسول بزرگ امانت دار کا اس واسطے کہ درگاہ الٰہی سے حضرت جبرئیل علیہ السلام لاتے ہیں اور

حضرت جبرئیل علیہ السلام سے رسول مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سن کے تم کو پہنچاتے ہیں اور یہ دونوں شخص نہایت بزرگی اور کرم اور عدالت اور دیانت اور امانت سے موصوف ہیں اور دنیا کی خسیس غرضوں سے اور اس جہان کی بری طمعوں سے منزہ اور پاک ہیں چنانچہ اس رسول کا حال یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تم نے اپنی آنکھ سے خود دیکھا اور خوب جانتے ہو کہ جہان کی برائی سے پاک ہے اور اس دوسرے رسول کا حال دریافت کرنے کو اس رسول کی گواہی فقط کافی ہے پھر ایسے بزرگوں سے اپنے مالک اور خالق پر افترا اور جھوٹ باندھنا ہرگز نہیں ہو سکتا ان کی طرف ایسی بات کی نسبت کرنا بے جا ہے وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ اور نہیں ہے یہ قرآن کہا ہوا کسی شاعر کا اسواسطے کہ شعر کے واسطے وزن اور بحر لازم ہے اور اس کلام میں ہرگز وزن اور بحر پائی نہیں جاتی اور یہ بھی ہے کہ شاعر کا کلام بے اصل محض ہوتا ہے اور تمام مضمون اس کے وہمی اور خیالی ہوتے ہیں جن کی اصل کچھ بھی نہیں ہوتی اور اس کلام میں حقائق اور معارف کے اصول کو قطعی دلیلوں اور یقینی حجتوں سے بیان فرمایا ہے اور دوسرے یہ بھی ہے کہ شاعروں کے کلام میں خالی مضمون اس قسم کے نہیں ہوتے ہیں کہ وقت کی خصوصیت پر یا عدد اور مدت کی تعیین پر یا واقعی سچے قصوں پر جس طرح وے امورات حقیقت میں ہیں اسی طرح بیان کریں بلکہ کمی اور زیادتی سے اُن کے کلام خالی نہیں ہوتے بخلاف اس کلام پاک کے اسی قسم کے مضمون اس میں سنتے ہو جس طرح اس سورۃ میں تم نے سُنا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۞ یہاں حق تعالیٰ نے وقت کو خالص کر کے اور عدد اور مدت کو معین کر کے فرمایا اور اس تعیین اور تخصیص میں کسی طرح کا شک اور شبہہ نہیں ہے اسی طرح دوسرے احوال جیسے ثمود کا قصہ اور عاد اور فرعون کا اور جو اُس کے پہلے تھے اور موتفکات کا یعنے الٹی بستیوں والے یعنے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا اور اس بیان میں کسی طرح سے کمی اور زیادتی نہیں ہے پس نادان جاہلوں کا بکنا جس طرح ابوجہل جاہل کہتا تھا کہ یہ کلام کسی بڑے شاعر کا ہے جو بلاغت کے فن میں نہایت مہارت رکھتا ہے کہ مجھ کو اپنی بلاغت کے زور سے عاجز کر دیا ہے یہ اُس کا کہنا محض بے فائدہ اور پوچ ہے ہرگز سماعت کے قابل نہیں ہے قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ بہت تھوڑا تم یقین کرتے ہو اس واسطے

کہ بدیہی امروں کو جن کا صدق ظاہر اور کھلا ہوا ہے اُن کا بھی اپنی نادانی اور جہالت اور تعصب سے انکار کرتے ہو نہیں تو اس کلام کا شعر نہ ہونا ظاہر ہے از روئے لفظ کے بھی اور از روے معنی کے بھی کسی طرح کی پوشیدگی نہیں ہے وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ اور نہیں ہے یہ قرآن کہا ہوا کسی کاہن کا جس کو جنات بعضی باتیں غیب کی اور بعضے احوال کچھ ردیف قافیہ سے ایک کلام درست کر کے بتلا دیتے ہیں جیسے چور کا پتا اور نام اور نسب اور مدعی کو دعوے میں سچا جان لینا اور خواب کی تعبیر بتا دینا اور اسی قسم کی دوسری چیزیں اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں جس طرح عقبہ بن معیط اسی قسم کی باتیں بکا کرتا تھا سو یہ کلام ویسا نہیں ہے کئی وجہوں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ جنوں کا کلام معجز نہیں ہوتا یعنے دوسرا ویسا کہہ نہ سکے بلکہ جو ایک جن کسی کاہن کو ایک بات سکھلاتا ہے دوسرا جن بھی ویسی بات دوسرے کاہن کو سکھلا سکتا ہے اور یہ کلام یعنے قرآن ایسا معجز ہے کہ کسی جن کا کلام اُس کے مشابہ نہیں ہو سکتا اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کاہنوں کے کلام میں قافیہ اور سجع کی رعایت کے واسطے بہت لفظیں بیکار اور بے فائدہ آتی ہیں اور اس کلام اعجاز نظام میں کوئی لفظ بیفائدہ اور بیکار نہیں ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ جنوں کا باخبر ہونا کسی آئندہ کے احوال سے اور معین کر دینا کسی مجہول چیز کا جو آدمی سے چھپی ہے اُن کے جسم کی لطافت اور باریکی کے سبب سے اور اُن کے عالم کے نزدیک ہونے سے فرشتوں کے عالم سے اور مختلف شکلوں کے بدلنے پر قادر ہونے اور آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی بات سُن لینے کے سبب سے ہو سکتا ہے لیکن علموں کی حقیقت پر مطلع ہونا اور دین اور شریعتوں کے کلی قواعد اور دستوروں کو جان لینا اور فرشتوں کے اور آسمان کے چھپے بھیدوں پر خبردار ہونا اور اگلے زمانے کے بڑے بڑے قصوں سے آگاہ ہونا ہرگز اُن سے نہیں ہو سکتا بخلاف قرآن شریف کے کہ وہ ان ہی مضمونوں سے پُر ہے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس کلام میں یعنی قرآن مجید میں اکثر مقاموں پر شیطانوں کی برائی اور اُن کی راہ اور چلن سے بچنا اور جنوں کی عبادت کی برائیاں جو بتوں میں گھس کے آواز کرتے ہیں اور اس فریب سے اپنے تئیں معبود ٹھہرا کر پجواتے ہیں اور کاہنوں کی بُرائیاں جو شیطانوں سے بھائی بندی رکھتے ہیں مذکور ہیں سو اگر یہ جنوں کا کلام ہوتا تو جن اپنی بُرائی آپ کاہے کو بیان کرتے اور اپنی شیطنت ظاہر کر کے لوگوں کو اپنے سے

علیحدہ اور متنفر کرتے اس واسطے کہ یہ بات عادت کے خلاف ہے کہ کوئی شخص اپنی برائی
آپ ہی بیان کرے قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ بہت کم سوچتے ہو اپنے معلوم مقدموں کو اور بہت کم
غور کرتے ہو ان میں اس مقام میں مفسرین سے ایک سوال ہے مشہور وہ سوال یہ ہے کہ شاعریت
کی نفی میں قلیلاً ما تومنون اور کہانت کی نفی میں قلیلاً ما تذکرون کیوں فرمایا۔ سو اس کا جواب انہی
آیتوں کی تفسیر میں بیان کر دیا گیا اس واسطے کہ شاعریت کی نفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
قرآن کی تلاوت اور تبلیغ میں ایسا ظاہر امر تھا جو سب پر روشن تھا ایسی ظاہر چیز کا انکار نہیں کرتا مگر
وہی جس کا دل تصدیق اور ایمان سے خالی ہے ایسا شخص بدیہی چیز کا بھی انکار کر سکتا ہے جس طرح
آگ کو جلانے والا نہ جانے اس واسطے کہ بے عقل محض ہے اور اس کلام سے یعنی قرآن کے
سننے کے سبب سے کہانت کی نفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنا البتہ تامل اور غور پر
موقوف تھا اور اس بات کی احتیاج تھی کہ کہانت کے لوازمات کو اور اس کی اصل اور فرع کو
یعنی اس کی جڑ اور شاخ کو خوب طرح سے غور کریں اور اس واسطے کہانت کی نفی میں تذکرون فرمایا
ہے یعنی غور اور فکر تم بہت کرتے ہو حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن شریف جب شاعر کا کلام اور
کاہن کا کلام نہ ہو سکا تو ثابت ہوا کہ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ اتارا ہوا ہے تمام عالم کے
پروردگار کی طرف سے جس کی ربوبیت عام ہے سب کو شامل اور یہی عام ربوبیت اس کی
اس کلام کے اتارنے کی مقتضی ہوئی یعنی اس نے خواہش کی تاکہ سب جہان والوں کو دے اور
دنیا کے کاموں میں اس کلام پاک سے تربیت فرماوے اور یہ کہیں کہ یہ کلام حقیقت میں حقتعالیٰ
ہی کا اتارا ہوا ہے کسی آدمی اور جن کا کلام نہیں ہے مگر ایک دو کلمے یا ایک دو آیتیں رسول اپنی
طرف سے اس میں ملا کر زیادہ کر دے تو ہو سکتا ہے کچھ تعجب نہیں ہے اس واسطے کہ دنیا کے
رسول اور قاصد بھی بھیجنے والے کی طرف سے پیغام پہنچانے اور ادا کرنے کے وقت ایک دو
کلمے اپنی طرف سے ملانے میں کچھ مضائقہ نہیں جانتے اور ما سفد یعنی ایک دو کلمے یا ایک دو
آیتیں اگر ملا دی جاویں تو اتنے بڑے کلام میں وے پہچان نہ پڑیں گی اور جدا نہ ہو سکیں گی تو اس
احتمال سے اس مجموع کلام کے معجز ہونے میں بھی امن حاصل نہ ہوا تو اس کے جواب میں
ہم کہیں گے کہ یہ قیاس تمہارا مع الفارق ہے یعنی اس کلام پاک کو قاصد کے کلام پر قیاس

کرنا بہت بعید اور بے جا ہے اس واسطے کہ دنیا کے قاصدوں کو اُن کے بھیجنے والے پیغام پہنچانے کے وقت دیکھتے نہیں ہیں اور اپنے کلام کو قاصد کے حافظے میں ادا کرنے تک باقی رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اس واسطے قاصد کو اتنا دخل دینے کی اپنے کلام میں گویا پروانگی دیتے ہیں اگرچہ زبان سے نہ کہیں اور یہاں یعنے حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول میں یہ بات متصور نہیں ہے اس واسطے کہ یہاں رسول اور اس کا حافظ دونوں بھیجنے والے کے یعنی حق تعالیٰ کے اختیار اور قدرت میں ہیں اور ہر وقت اُس کے سامنے حاضر یہاں ہرگز متصور نہیں ہے کہ رسول اپنی طرف سے حق تعالیٰ کے کلام میں دخل دینے پاوے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا اور اگر فرض کیا کہ بنا کر کہے یہ رسول ہم پر اپنی فصاحت اور بلاغت کے زور سے بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ بعضی باتیں یعنی کوئی آیت میں کچھ اپنی طرف سے بڑھاوے اس واسطے کہ اگر سب کلام کو یا کوئی بڑی آیت کو پوری بنا لیتا تو فصیح اور بلیغ لوگ اُس سے جھگڑا کر کے اس کو شرمندہ اور خفیف کر ڈالتے لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ البتہ اسی وقت اس کو ہلاک کر ڈالتے اس طور سے کہ پکڑتے ہم اُس کا سیدھا ہاتھ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ پھر ہم کاٹ ڈالتے تیز تلوار سے اس کی جان کی رگ جس کے سبب سے اس کی جان ہے اور ہم اس کو فرصت نہ لینے دیتے اور یہ اُس واجب القتل کے حال کی صورت ہے جس کو بادشاہ دنیا کے اپنے سامنے سزا دیتے ہیں اور اپنے روبرو جلاد کو بلا کر اُس کی گردن کٹواتے ہیں اور داہنا ہاتھ پکڑنے کی وجہ یہ ہے کہ قتل کرنے کے وقت تلوار جلاد کے داہنے ہاتھ میں ہوتی ہے پھر اگر مقتول کا بایاں ہاتھ پکڑ کے اس کی گردن مارے تو مقتول کی گردن پر پیچھے کی طرف پھری ہوئی تلوار لگے گی اور اگر اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کے مارے گا تو مقتول کی گردن میں بائیں طرف سے لگے گی جس طرف دل ہوتا ہے گردن مارنے کی جگہ بھی وہی مقرر ہے اور مقتول کا ہاتھ گردن مارنے کے وقت پکڑنا اس واسطے ہوتا ہے تاکہ اپنے ہاتھ سے جلاد کے حربے کو روک نہ لے اور دوسرے حربے کی جلاد کو حاجت ہووے اور روکنے اور بچانے میں اکثر داہنا ہاتھ اٹھتا ہے اور یہ ہاتھ زور والا بھی ہے سو اس واسطے داہنا ہاتھ ہی پکڑنا چاہیے اور بعضے محققوں نے ایسا کہا ہے کہ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ سے اشارہ یہ ہے کہ اس کے داہنے ہاتھ کو ہم شل کر دیتے تاکہ ہل نہ سکے اور ہرگز جنبش نہ کر سکے اور جھوٹ بات اشارے اور کنایے سے

بھی نہ کر سکے اور لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس کے دل کی رگ کو کاٹ ڈالتے تاکہ جھوٹ بات بنا کر نہ کہہ سکے اور اس رگ کا نام عربی میں نیاط ہے اور زبان کے متصل ہوتی ہے اور زبان کی جنبش اور دل کے ارادے کے موافق زبان سے بات نکلنا اسی کے سبب سے ہوتا ہے اسی واسطے خفقان کے مرض کے وقت جو دل کو گھبراہٹ اور بیقراری ہوتی ہے تو زبان بھی لغزش اور لکنت کرنے لگتی ہے اور اس جگہ پر ایک سوال ہے بہت سخت اس کا مضمون یہ ہے کہ اگر یہ شرط اور جزا درست ہو اور مقدم اور تالی کی ملازمت کا یہ مقدمہ صادق آوے یعنی جہاں کہیں مقدم پایا جاوے وہاں تالی بھی ضرور پائی جاوے تو یہ بات لازم ہوتی ہے کہ جو حق تعالے پر جھوٹ باندھے وہ زندہ باقی نہ رہے اور حال یہ ہے کہ مفتری اور جھوٹے بہت گذرے ہیں جیسے مسیلمۂ کذاب اور اسود عنسی اور اسی طرح کے دوسرے جھوٹے جنہوں نے طومار کے طومار حق تعالیٰ پر جھوٹ کے باندھے ہیں اور اس قسم کے مواخذے اور پکڑ ان سے نہ ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقول کے صیغے میں جو ضمیر مستتر ہے وہ فقط رسول کی طرف پھرتی ہے نہ ہر فرد انسان کی طرف پس لازم یہ ہوا کہ اگر بالفرض رسول سے ایسی بات پائی جاوے تو اسیوقت یہ عذاب اس پر کیا جاوے اس واسطے اس کی تصدیق اور سچائی معجزوں کے سبب سے حاصل ہوئی ہے پھر اگر اس قسم کی بات میں جلدی سزا اور عذاب نہ کیا جاوے تو ایسا التباس اور شبہہ پڑ جاوے جس کا سنورنا ممکن نہیں ہے اور یہ بات حکمت کے منافی ہے بخلاف اس شخص کے جو رسول نہیں اور اس کا رسول ہونا معجزے سے ثابت نہیں ہوا ہے تو اس کی بات بھی بیہودہ اور خرافات ہے کوئی اس کی بات نہ سنے گا اور ہرگز کسی کو التباس اور شبہہ نہ پڑے گا ہاں ایسے شخص کے معجزے سے تصدیق ہونا محال ہے یعنے ہرگز ہو نہیں سکتی اور اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح بادشاہ کسی شخص کو کسی کام پر مقرر کر کے خلعت اور فرمان اپنا دے کر کسی طرف روانہ کرتے ہیں پھر اگر اس شخص سے اس خدمت میں کچھ خیانت ہوئی یا کچھ بادشاہ پر جھوٹ باندھنا اس سے ثابت ہوا تو اسی وقت اس کا تدارک کرتے ہیں اور اگر کسی دوسرے شخص سے جسکے پاس نہ کوئی سند ہے نہ کچھ کام ایسی بات ہوتی ہے تو ہرگز اس طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اس کے حال سے کچھ تعرض بھی نہیں کرتے اس واسطے کہ جانتے ہیں کہ دانا لوگ اس کے فریب

میں ہرگز نہ آویں گے اور اس کی بات کو ہرگز نہ سنیں گے پس یہی حال رسول کے مقدمہ میں بوجھا چاہیے حاصل کلام کا یہ ہے کہ اگر رسول جس کی رسالت معجزوں سے ثابت ہو چکی ہے اس قسم کا افترا اور جھوٹ حق تعالیٰ پر باندھے تو ضرور ایسے عذاب میں گرفتار ہووے فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ پھر نہ ہوگا تم میں سے کوئی فرقہ یا کوئی جماعت ہمارے اس عذاب کو رسول سے منع کرنیوالا اور روکنے والا یعنے پھر کوئی ایسا نہیں جو رسول کو اس بلا سے کسی حیلہ اور تدبیر سے بچا رکھے اور ہلاک ہونے نہ دے اور اَحَدٍ کا لفظ جمع کے معنوں میں ہے اسی واسطے اس کی خبر میں حاجزین فرمایا ہے جمع کے صیغے سے گویا اس طرف اشارہ ہے کہ جب سب جہان کے لوگ مل کر اس کو ہمارے عذاب سے بچا نہ سکیں گے تو ہر ایک اکیلا اکیلا کب بچا سکتا ہے اور منع کر سکتا ہے سو جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ یہ قرآن سب کا سب یعنی ہر ہر کلمہ اور ہر ہر حرف اس کا جہان کے مالک کی طرف سے اتارا ہوا تو ایک فائدہ اس کا ظاہر ہوا یعنے اس قرآن کی تلاوت حق تعالیٰ کی نزدیکی کا سبب ہے اور اس کی ہمیشہ تلاوت کرنے سے اس جناب پاک کی درگاہ میں بڑا مضبوط وسیلہ حاصل ہوتا ہے جیسے ذکر الہیٰ پر مداومت اور ہمیشگی کرنے سے اب دوسرا فائدہ جو اس میں پایا جاتا ہے بیان فرماتے ہیں کہ وَاِنَّهٗ اور بیشک یہ قرآن لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ البتہ نصیحت اور سمجھوتی ہے اور یاد دلا دیتا ہے پرہیزگاروں کو یعنی ان لوگوں کو جو تقویٰ کی راہ چلتے ہیں اور چاہتے ہیں اس کام کرنے کو جس میں اپنے خاوند کی رضامندی حاصل کریں اور برے کاموں سے دور بھاگتے ہیں ایسے لوگوں کے واسطے یہ قرآن شریف قانون اور دستور العمل ہے اور یہ دونوں فائدے قرآن شریف کے ایمانداروں کے واسطے اور پرہیزگاروں کے واسطے خاص ہیں منکر اور جھٹلانیوالوں کو ان دونوں فائدوں سے قرآن کے کچھ فائدہ نہیں ہے وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ مقرر تم میں سے بعضے لوگ اس قرآن شریف کو جھٹلاتے ہیں سو یہی دونوں فائدے قرآن کے اتارنے میں اُن کے واسطے ارادہ نہیں کیا ہے ہم نے بلکہ کافروں اور منکروں کے حق میں قرآن کے اتارنے میں دوسرا فائدہ ہم نے منظور رکھا ہے وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور بے شک یہ قرآن بڑا پچھتاوا ہوگا کافروں پر پہلے دنیا میں جس وقت قرآن پر عمل کرنے والوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے مددیں اور فتحیں پے در پے پہنچیں گی اور انکا غلبہ

اور وہ بہ روز بروز بڑھتا جائے گا اور دوسرے آخرت میں جب قرآن پر عمل کرنے والے ہر موقف اور ہر جگہ پر حشر میں سرخ رو ہوویں گے اور قرآن کے تمام منکر ہر جگہ پر ذلیل اور خوار اور رسوا ہوں گے وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ اور بیشک یہ قرآن شریف صرف یقین ہے یعنے قابل یقین کرنے کے ہے جس میں باطل اور نالائق بات پائی نہیں جاتی تاکہ شک اور شبہ کی اس میں جگہ ہووے یا کسی کا عذر اس کے مضمون کے نہ ماننے میں دنیا یا آخرت میں سنا جاوے فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ سو پاکی کے ساتھ یاد کر اپنے پروردگار کا نام جو سب سے بڑا اور بڑی عظمت اور بزرگی والا ہے تاکہ تجھ کو اس یاد کرنے میں دل کی پوری صفائی حاصل ہووے اور قرآن کا حق الیقین ہونا تیرے دل کے صیقل کیے ہوئے آئینے میں منقش ہو اور گڑ جاوے اور یہ تیسرا فائدہ ہے قرآن شریف کا جس سے خاص لوگ جو صاحب باطن ہیں بہرہ ور ہوتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ یعنے اس تسبیح کو اپنی نماز کے رکوع میں پڑھا کرو اور اس طرح کہا کرو کہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ یعنے پاک ہے رب میرا جو بڑی عظمت والا ہے اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی تب آپ نے فرمایا کہ اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ یعنے اس تسبیح کو اپنی نماز کے سجدے میں پڑھا کرو اور یوں کہا کرو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى یعنے پاک ہے رب میرا جو سب سے بلند ہے اور اسی حدیث سے نحو کے جاننے والے قاریوں نے یہ بات نکالی ہے کہ معنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اور سَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ آپس میں دونوں متلازم ہیں یعنی دونوں کے معنے ایک ہیں اس واسطے کہ اس مقام میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہنے کو فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ کے مضمون کی فرمانبرداری کا سبب گردانا ہے جس طرح سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہنے کو سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کے مضمون کی تابعداری کا سبب کہا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بے کا حرف جو فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ میں ہے سو زائد ہے جیسے لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ میں زائد ہے اور بعضے باریک بین اس حدیث شریف کے مضمون میں ایک اشکال رکھتے ہیں حاصل اس اشکال کا یہ ہے کہ تسبیح کو دونوں آیتوں میں رب کے اسم پر لائے ہیں یعنی یوں فرمایا ہے۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور حدیث شریف

میں رب کی ذات کی تسبیح ہے اسم رب کی تسبیح نہیں ہے یعنے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی فرمایا ہے سو ان دونوں تسبیحوں کے کہنے سے جو حدیث شریف میں وارد ہیں فرمانبرداری اس امر کی جو دونوں آیتوں میں ہے کس طرح ہوئی ظاہر تو آیتوں میں حکم دوسرا ہے اور حدیثوں میں حکم دوسرا سو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ رب کی ذات کی تسبیح رب کے اسم کے ضمن میں بوجھی جاتی ہے سو آیت میں تسبیح کی صورت کا حکم ہے اس طور سے جس طرح کوئی اپنے دل کی بات اور مقصود کو بیان کرے اور حدیث میں اس تسبیح کی صورت یعنے لفظوں کی تعلیم ہے ان ہی دو اسم کر کے یعنے عظیم اور اعلیٰ کر کے اور ان دونوں اسموں کو صفت کیا ہے ایک دوسرے اسم کا یعنی رب کا سو اس طور کی عبارت کو اس واسطے اختیار کیا ہے تاکہ دونوں آیتوں کے لفظوں کی رعایت جہاں تک ہو سکے کی جاوے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ کے معنے یوں ہوں کہ فَسَبِّحْ ذَاتَ رَبِّكَ بِهٰذَا الْاِسْمِ الْمُرَكَّبِ مِنَ الصِّفَةِ وَالْمَوْصُوْفِ یعنے پھر تسبیح کر اپنے رب کی ذات پاک کو اس نام سے جو مرکب ہے صفت اور موصوف سے اور اس قیاس پر سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی کے معنی یوں ہوں گے کہ اَوْقِعِ التَّسْبِیْحَ عَلٰی هٰذَا الْاِسْمِ الْمُرَكَّبِ مِنَ الْمَوْصُوْفِ وَالصِّفَةِ یعنے واقع کر تسبیح کو اس نام پر جو مرکب ہے موصوف اور صفت سے اب اس صورت میں حدیث کا مضمون آیت کے مضمون سے مطابق ہو گیا اور ہرگز کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

سُوْرَۃُ الْمَعَارِجْ

یہ سورۃ مکی ہے اور اس میں چوالیس [۴۴] آیتیں اور دو سو سولہ [۲۱۶] کلمے اور آٹھ سو اکسٹھ [۸۶۱] حرف ہیں اور اس سورۃ کے ربط کی وجہ سورۂ حاقہ سے یہ ہے کہ اُس سورۃ میں اوّل سے آخر تک قیامت کا ذکر اور دنیا اور آخرت میں کافروں کے عذاب کی کیفیت بیان ہے اور اس سورۃ میں مکہ کے کافروں کے عذاب موعود کی جلدی کرنا بیان ہے اور ان کی جرأت اور بے باکی ایسے مہلک اور خوفناک چیز کے طلب کرنے پر باوجود اس بات کے کہ ادنیٰ چیز جو عادت کے خلاف ہو اور سہل سی مشقت کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں تو گویا اس سورت میں حماقت اور نادانی اور جہالت اُن لوگوں کی بیان کی ہے جو ایسی سخت آفت کو سہل سمجھ کر اس کی ٹھٹھا اور مسخری کیا کرتے ہیں اور اس سورت میں مذکور ہے کہ کافر خدا پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور فقیروں اور محتاجوں کے کھلانے کی عادت نہیں کرتے ہیں اور قیامت کے دن کوئی خویش اور قریب کافر کے کام نہ آوے گا اور اس مضمون کو اس سورت میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ الخ یعنے آرزو کرے گا گنہگار کہ کاش کے عوض دے اس دن کے عذاب سے اولاد اور جورو اور بھائی الخ اور مسلمانوں کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ اور یہ بھی فرمایا ہے وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا اور یہ بھی ہے کہ اُس سورۃ میں آسمان کا پھٹنا اور ٹکرانا زمین اور پہاڑوں کا مذکور ہے اور اس سورۃ میں پگھلنا آسمان کا اور اُڑنا پہاڑوں کا ہوا میں مذکور ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ کافر کا مال قیامت کے دن کچھ کام نہ آوے گا اور نہایت شرمندگی اور افسوس سے کہے گا مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَہْ اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ کافر کے اہل و عیال اور خویش اور اقربا قیامت کے دن اُس کے عوض میں کچھ کام نہ آویں گے کہ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍۭ بِبَنِیْهِ الخ اور یہ بھی ہے کہ اس سورۃ میں ارشاد ہوا ہے کہ کافروں کے عذاب کا کارخانہ ہمیشہ سے تقدیریں مختلف رہا ہے بعضے کافروں کے عذاب کا سامان تین دن میں سرانجام پایا ہے جیسے ثمود کی

قوم اور ایک ہی فرشتے کے فعل سے یعنے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اور ایک ہی روح کے
مسخر کرنے سے یعنے صوت اور صیحہ کے مقولے کی روح سے اور حقیقت میں یہ ایک شعبہ ہے
ہَوا کے عنصر کی روح کلّی سے اور بعضے کافروں کا آٹھ دن میں اور بہت فرشتوں کی تدبیر جیسے
حضرت میکائیل علیہ السلام اور اُن کے ہمراہی والے فرشتے اور ہوا کے عنصر کی روح کلّی کے
مسخر کرنے سے سرانجام اور اختتام پایا جیسے عاد کی قوم اور بعضوں کو بہت سے مختلف فرشتوں
کی جماعت سے اور مختلف عناصر کی ارواح سے اور اُدھر کی مرکّب چیزوں سے اور حیوانی
روحوں سے چالیس برس میں یا ایک رات میں یا چھ مہینے میں عذاب کیا جیسے فرعون اور اس
کے پہلے والے یعنے حضرت شعیبؑ اور حضرت لوطؑ اور حضرت نوح علیہم السلام کی قوموں کے
عذاب میں افعال مختلف ترکیب پائے تھے چنانچہ فرعون کے غرق کرنے میں حضرت جبرئیل اور
حضرت میکائیل علیہما السلام اپنے لشکر اور ہمراہیوں سے شریک تھے کبھی قحط اور کبھی میووں کا
نقصان اور کبھی طوفان اور کبھی ٹیڑی اور کبھی چیچڑی اور کبھی مینڈک اور کبھی خون سے اس پر عذاب
کرتے تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے عذاب میں آواز کرنے والے جبرئیل علیہ السلام
تھے اور صدا کی روح کو مسخر کیا تھا اور آگ کے سائبان کو حضرت میکائیل علیہ السلام اور انکے
لشکر کے فرشتوں نے سرانجام دیا تھا اور آگ اور ہَوا کی روح کی تسخیر واقع ہوئی تھی اور حضرت
لوط علیہ السلام کی قوم کے عذاب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام مع سولہ فرشتے دوسرے شریک
تھے اور گندھک کی کان کی روح اور زمین کی روح سب کو مسخر کرکے اس کام میں لگایا تھا اور
حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے عذاب میں حضرت میکائیل علیہ السلام نے اپنے لشکر اور
مددگاروں کے ساتھ شریک ہوکے پانی کی روح کو مسخر کیا تھا از روئے فعل کے اور ہَوا کی روح
کو مسخر کیا تھا از روئے انفعال کے اور ادھر کی مخلوقات کو پانی ہو جانے کے واسطے اور جنگل
کے وحشی جانوروں کو یعنی درند اور پرند اور حشرات الارض کو کشتی پر لادنے کے واسطے اور اس
واسطے کہ اپنی طبیعت کی خواہشوں کو بند کریں اور کسی کو آپس میں ایذا نہ پہنچا دیں اور اسی واسطے
ان قوموں کے حق میں ارشاد ہوا ہے کہ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً اور اس سورۃ میں ارشاد
فرمایا ہے کہ قیامت کا عذاب جو موعود یعنی وعدہ کیا گیا ہے وہ سب فرشتوں کی خدمت کا اور

تمام مخلوقات کی ارواح کی خدمت کا محتاج ہے ارواح خواہ علوی ہوں خواہ سفلی اور اس عذاب کے سرانجام کی ابتداء صور کے پھونکنے سے ہے اور انتہا اس کی دوزخ والوں کے دوزخ میں قرار پکڑنے تک اور یہ پچاس ہزار برس میں ہوگا پھر ایسے عذاب کو جلدی چاہنا کہ جھٹ پٹ آجاوے بڑی نادانی اور حماقت کی دلیل ہے اور اس عذاب کی حقیقت سے ناواقف ہونے کا نشان ہے اور معارج الٰہیہ سے جہالت کی علامت ہے اور معارج الٰہیہ عبارت ہیں عمدہ تدبیروں کے تمام ہونے سے بہت سے زمانوں کے الٹ پھیر میں اور اس سورۃ کا نام سورۂ معارج ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں حق تعالیٰ نے اپنے تئیں ذی المعارج کی صفت سے موصوف کیا ہے اور ایک کو اپنے معارجوں سے ذکر فرمایا ہے کہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ اور صفت کی حقیقت جیسی چاہیے بغیر بیان کرنے ایک تفصیل کے جس میں تھوڑی عبارت بڑھ جاوے گی خاطر نشان نہیں ہو سکتی سو پہلے جاننا چاہیے کہ ہر چیز کے عروج کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز اپنے انتہا درجے کو پہنچے اور جو حق تعالیٰ سب غایتوں کی غایت ہے یعنی ہر انتہا کی انتہا اس تک ہے تو ہر چیز کا اس جناب پاک تک پہنچنا اپنے انتہا درجے کے مقصود کو پہنچنا ہے پھر جاننا چاہیے کہ افعال اور تاثیرات الٰہیہ عالم میں تین چیز کے واسطے سے ظاہر ہوتی ہیں ایک فرشتے اور دوسری ارواح جو ہر مخلوق کے جوہر دراکہ سے عبارت ہے اور اس مخلوق کی صورت نوعیہ اس کی محکوم ہے اور تیسرے ارادے والوں کے نفس جیسے انسان اور حیوان اور شیطان اور جن سو جو کچھ فرشتے اور ارواح کے واسطے سے ہے وہ چیز حق تعالیٰ کی طرف بے واسطہ منسوب ہے اس واسطے کہ ان دونوں قسموں میں وہم اور شہوت اور غضب نہیں پیدا کیا گیا ہے جو کچھ ہے وہ عقل ہے کہ بدون معارض اور مزاحم کے فوقانی داعیے کا تحمل کرتی ہے اور اسی طور پر چلتی ہے اور جو ارادے والوں کے نفسوں کے واسطے سے ہے یعنی انسان اور حیوان اور جن اور شیطان مُو واسطے سے وہ چیز پاک پروردگار کی جناب میں بے واسطے منسوب نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ ان نفسوں میں وہم اور شہوت اور غضب دخل رکھتے ہیں ہاں یہ البتہ ہے کہ بعضی فرد بنی انسان کی جیسے حضرت خضر علیہ السلام اور دوسرے حق تعالیٰ کے کارکن کہ حق تعالیٰ کی دواعی کے تحمل کے واسطے پیدا ہوئے ہیں اُنکی شان بھی فرشتے اور روحوں کی شان کے مانند ہے پھر جاننا

چاہیے کہ جب کوئی کام عالم میں واقع ہوتا ہے تو اس کام کے سرانجام اور پورا کرنے کے واسطے فرشتے اور روحیں ایک ایک یا سب مل کر شریک ہوتے ہیں اور اس کام کی ابتدا سے انتہا تک اس میں مصروف اور لگے رہتے ہیں اور جب وہ کام ہو چکا اور مطلب حاصل ہوا تو پھر اُن کو عروج رجوع اپنے مبداء کی طرف حاصل ہوتا ہے اس سبب سے کہ انہوں نے اپنی چھپی ہوئی استعداد کو ظاہر کیا اور ایک طرح کا کمال اُن کو نصیب ہوا اور یہ انکا رجوع کرنا بطور عروج کے بعینہ نفس انسانی کے حواس اور قوٰی کے رجوع کرنے کے مانند ہے عمدہ مطلب حاصل کرنے اور اُس کی لذت لینے کے بعد تاکہ اپنے استعداد کی زیادتی اپنے مالک پر عرض کریں اور دوسرے واعیہ کے اٹھانے کے مستحق ہوویں اور جب یہ تینوں چیزیں معلوم ہوئیں تو جاننا چاہیے کہ معارج الٰہیہ عبارت ہیں عالم میں اُس کی تدبیروں کے تمام ہونے سے اور وے تدبیریں مختلف ہیں بعضی تدبیریں ایسی ہیں کہ ایک آن میں اُس کا سرانجام ہوتا ہے جیسے کہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ سب مکانوں سے محبوب زیادہ جگہ حق تعالیٰ کے نزدیک کون ہے اُن کو بھی معلوم نہ تھا لیکن وہ فوری اسی وقت عروج کر کے ایک آن کی آن میں اُس کا جواب لے آئے کہ اَحَبُّ الْبِقَاعِ اِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا یعنے زیادہ محبوب مکان اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسجدیں ہیں اور بعضی تدبیریں ایسی ہیں کہ اُن کا سرانجام ایک دن میں ہوتا ہے جیسے عروج ان فرشتوں کا ہے جو ہر ہر فرد انسان پر اُس کے عمل لکھنے اور اُس کی محافظت کے واسطے مقرر ہیں سو ہر روز جو صبح کو آتے ہیں وے عصر کو چلے جاتے ہیں اور جو عصر کے وقت آتے ہیں وے دوسری صبح کو چلے جاتے ہیں اور یہ دور ہمیشہ چلا جاتا ہے اور بعضی تدبیریں ایسی ہیں جو تین دن یا چار دن کے عرصے میں تمام ہوتی ہیں جس طرح آدمیوں کے عملوں کا عرض کرنا دوشنبہ اور پنجشنبہ کو ہوتا ہے اور بعضی تدبیروں کا سرانجام ایک ہفتہ میں اور بعضی کا ایک مہینے میں اور بعضی کا ایک سال میں تمام ہوتا ہے جیسے ان فرشتوں کا عروج کرنا جو آدمیوں کے رزق پر اور اجل پر اور ایک سال کے اخبار پہنچانے پر مقرر ہیں سو انکا عروج لیلۃ البرأت کو یعنے شعبان کی پندرھویں شب کو ہوتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس یہانتک کہ بعضی عمدہ تدبیریں جو بڑے بڑے خاندانوں کی حکومتیں اور سلطنتیں آخر ہونے پر اور اگلے پیغمبروں کی ملت اور مذہب کے قطع کرنے پر موقوف

ہیں اس کا عروج ہزار سال کے عرصے میں ہوتا ہے چنانچہ الم السجدہ کی سورۃ میں مذکور ہے اور وہ آیت یہ ہے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ یعنے حق تعالیٰ تدبیر سے اتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے اس کی طرف ایک دن میں جس کا اندازہ ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں اور سب سے زیادہ مدت انسان کی دریافت میں اس قسم کے عروج کے واسطے قیامت کے وقائع کی تدبیر کی مدت ہے کہ پہلے مرتبہ صور پھونکنے کے وقت سے بہشتیوں کے بہشت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں پہنچنے اور قرار پکڑنے تک پچاس ہزار برس ہوں گے اور با سب فرشتے اور تمام قسم قسم کے مخلوقات کی روحیں اس تدبیر میں شریک ہوں گی پھر اس بڑے کام کے سرانجام کی مدت گذرنے کے بعد وے لوگ عروج کریں گے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کی ابتدا سے بہشتیوں کے بہشت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں اپنے اپنے مکانوں میں قرار پکڑنے تک پچاس واقعے ظاہر ہوں گے اور ہر واقعہ ابتدا سے انتہا تک دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا بس اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا دن اول سے آخر تک پچاس ہزار سال کا ہوگا اور صحیح مرفوع حدیثوں میں قیامت کے دن کا اندازہ اتنی مدت تک کا اس قدر مشہور ہے کہ حد تواتر کو پہنچا ہے اور کسی طرح کا شبہہ اس میں باقی نہیں رہا اور جو سورۂ سجدہ میں مذکور ہے کہ کام کی تدبیر شروع سے انتہا تک یعنے عروج تک خدائی کارخانے میں ہزار سال میں ہوتی ہے سو وے کام اور تدبیریں دوسری ہیں جو دنیا میں واقع ہوتی ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام کا رسول کر کے بھیجنا اور اُن کا اپنی قوم کو طوفان سے خوف دلانا اور پھر طوفان کا آنا اور اُس سے نجات اور فراغت حاصل ہونا یہ سب ایک ہزار سال کی قدر مدت میں ہوا اور جیسے قوت اور شوکت اور دبدبہ دین اسلام کا پانچسو سال عرب کے ہاتھ میں رہا اور پھر پانچ سو سال ترکوں کے ہاتھ میں رہا پھر دونوں کے ہاتھ سے نکل کے ہندؤں اور فرنگیوں کا دخل ہوا اور اسلام ضعیف ہوگیا حاصل کلام کا یہ ہے کہ مسبب الاسباب کی تدبیروں کا عروج ایک طور اور ایک مدت میں منحصر نہیں ہے اس مالک الملک کے کارخانوں کی بزرگی کا بیان کبھی ان تدبیروں میں ذکر ہوتا ہے جو ہزار برس میں تمام ہوتی ہیں اور کبھی ان تدبیروں میں ذکر ہوتا ہے جو پچاس ہزار برس میں انجام پہنچتی ہیں اور ابو مسلم اصفہانی نے اپنی

تفسیر میں کہا ہے کہ دنیا کی ابتدائی پیدائش سے قیامت کے آنے تک پچاس ہزار برس ہیں فرشتے اور روحیں جو اس عالم کے انتظام کے لیے متعلق ہیں اپنے اپنے کاموں سے فراغت حاصل کر کے پھر عروج کریں گے اور پھر دوسرے فرشتے اور روحیں اُن کی جگہ پر مقرر ہو کے آخرت کے عالم کی معموری اور انتظام کی کوشش کریں گے اور یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہے کہ ابتدائے پیدائش عالم سے کس قدر زمانہ ہو چکا ہے اور کس قدر باقی ہے اسی سبب سے قیامت کا حال بھی کسی کو معلوم نہیں ہے کہ کب آوے گی لیکن قرآن کی آیت یعنے فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ اس تفسیر سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی ہے بلکہ مباینت پائی جاتی ہے اسواسطے کہ اس تقدیر پر مناسب اس طرح تھا کہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ بَعْدَ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ فرماتے یعنے عروج کرتے ہیں فرشتے اور روحیں اس کی طرف پچاس ہزار برس کے بعد اور یہ بھی ہے کہ ابتدائے پیدائش سے قیامت کے آنے تک اتنی مدت معین کرنے کیواسطے کوئی صحیح سند چاہیے اور ایسی سند پائی نہیں جاتی اور بعضے صوفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ معارج سے مُراد ترقی کے مراتب ہیں طبیعت کے مقام سے معاون کے مقام تک جو اعتدال سے نزدیک ہو جاتا ہے اور وہاں سے نبات کے مقام اور وہاں سے حیوان اور انسان کے مقام تک پھر انسانی مرتبوں کے مقاموں میں پھر سلوک کی منزلوں میں کہ انتباہ اور تیقظ ہیں یعنے خبرداری اور بیداری ان منزلوں کے آخر تک پھر فنا کے مرتبوں میں یہاں تک کہ فنا فی الصفات کی نوبت پہنچے اور اس کو کثرت میں نہایت نہیں ہے اور ہر ترقی میں ایک عروج حاصل ہوتا ہے ان فرشتوں اور روحوں کو جو انسان کی خدمت کے واسطے متعین ہیں انسان کی تبعیت اور واسطے سے ثواب فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ کے معنی یہ ہوئے کہ اگر اس عروج کو اپنی حرکت پر ظاہر میں قیاس کریں تو اس قدر مدت اس کے واسطے چاہیے تب انتہا کو پہنچنا ہو اور وہب ابن منبہ کہتے ہیں کہ اسفل عالم سے یعنی تحت الثریٰ سے عرش کے کنگرے کی بولی تک پچاس ہزار برس کی مسافت یعنی دوری ہے اور زمین سے دنیا کے آسمان کے اوپر والی طرف تک ہزار برس کی مسافت ہے اس واسطے کہ زمین سے اس دنیا کے آسمان کے نیچے کی طرف تک پانچسو سال کی دوری ہے اور اسی قدر دنیا کے آسمان کا موٹاپا ہے سو سورۂ سجدہ میں ان تدبیروں

کا بیان ہے جو دنیا کے آسمان سے زمین پر اترتی ہیں اور اس سورۃ میں اُن تدبیروں کا بیان ہے جو عرش معلی سے تحت الثریٰ تک جاری ہوتی ہیں اور اگر سورۂ سجدہ میں فقط اُتار اور چڑھاؤ کو اعتبار کریں چنانچہ ظاہر عبارت کی روش بھی یہی ہے تو زمین سے آسمان دنیا کے نیچے کی طرف تک چڑھاؤ اور پھر وہاں سے زمین تک اُتار میں ہزار برس کی مسافت ہو جاتی ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ معارج ظاہری مراد ہوں خواہ معارج معنوی مراد ہوں ان دونوں صورتوں میں اس قدر مسافت آدمی کے ذہن میں گنجائش رکھ سکتی ہے اسی واسطے اس مقام پر اس مدت کو یاد فرمایا ہے اور یہ غرض نہیں کہ حق تعالیٰ کی ہر تدبیر کے واسطے اُتار اور چڑھاؤ میں اس قدر مدت چاہیئے تاکہ یہ اعتراض وارد ہو اور سورۂ سجدہ کے مضمون کے ساتھ تعارض پیدا ہو اور اس سورۃ کے نازل ہونے کے سبب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نضر بن الحارث اور ابوجہل اور دوسرے قریش کے کافر جو اپنی سرداری کے غرور میں مست تھے بیت اللہ کے نزدیک آئے اور اس خانۂ ملائک آشیانہ کا پردہ اپنے ہاتھوں سے پکڑا اور بعضوں نے اُن میں سے یہ کہنا شروع کیا کہ یا الٰہی اگر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے اور سچا ہے تو ہمارے اوپر پتھر برسا یا اور کوئی دوسرا عذاب نازل کر اور بعضوں نے کہا کہ ایک ٹکڑا آسمان کا گرا تاکہ ہم کو قیامت کے عذاب کا یقین حاصل ہو جائے سو ان لوگوں کی حماقت اور تمسخر کی باتیں سُنکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت رنج اور آزردگی حاصل ہوئی تب حق تعالیٰ اجل شانہٗ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌ مانگا ایک مانگنے والے نے اس مقام پر جاننا چاہیے کہ عرب کی لغت میں سوال دو معنوں میں آتا ہے ایک پوچھنے کے معنوں میں آتا ہے اور اس کے صلہ میں عن کے حرف کو لاتے ہیں اور دوسرا طلب کرنے اور مانگنے کے معنوں میں آتا ہے اور اس کے صلہ میں کبھی بے کے حرف کو لاتے ہیں اس لحاظ سے کہ یہ لفظ دعائی معنوں کو شامل ہے اور اس

مقام پر یہی معنی مُراد ہیں اور ان ہی معنوں کا لحاظ کر کے بِعَذَابٍ فرمایا یعنے عذاب اور بلاعن عذاب نہ فرمایا اور بعضے فصاحت اور بلاغت کے فن کے ناواقف اس ترکیب میں ایک اشکال کرتے ہیں اُس اعتراض کا مضمون یہ ہے کہ سوال نہ کرے گا مگر کوئی سوال کرنے والا پھر سال کے بعد سائل کا ذکر بے فائدہ ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ سال کے لفظ سے سوال کرنیوالا التزام کے طور پر پوچھا جاتا ہے اور سائل کے لفظ سے مطابقت کے طور پر پوچھا جاتا ہے سو اس ترکیب میں دو مثلوں کا جمع کرنا ہے جو بلاغت کے فن میں عمدہ چیز ہے پھر سائل کے لفظ میں ابہام ہے اس بات کے نظر کرنے پر کہ سوال کرنیوالا کوئی شخص معین نہیں ہے اور متعین ہے اس راہ سے کہ فاعل موجود ہے پس اس ترکیب میں دو متقابلوں کا جمع ہونا بھی ہوا اور تحقیر بھی ہے یعنی سائل عقل اور نادانی سے بالکل بے بہرہ ہے جو ایسا سوال کرتا ہے پس اس راہ سے دو ضدوں کا جمع ہونا بھی ہوا ہر صورت سے فاعل کا ذکر اس طور پر کہ اس سے تعین نہ پوچھا جاوے اور جو چیز فعل کے لفظ التزام کے طور پر پوچھی جاوے وہ اس ذکر سے صراحت کے طور پر پوچھی جاوے یہ ایک نکتے کے واسطے ہے جو فصیح اور بلیغ عالموں کے نزدیک نہایت معتبر ہے اور وہ نکتہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ سوال ایسے شخص نے کیا ہے کہ سوائے سوال کے کوئی بہتری اسمیں پائی نہیں جاتی تاکہ اُس بہتری کی راہ سے وہ معین کیا جاوے تو گویا وہ شخص انسانیت سے اور خطاب کی لیاقت سے اور اس قسم کی دوسری چیزوں سے بے بہرہ ہے اور اس ترکیب میں سوال کے پہلے مفعول کو یعنی سوال کیے گئے کو جو اس مقام پر ذات پاک حضرت حق تعالیٰ کی ہے حذف کیا ہے یعنی ذکر نہیں کیا ہے اس واسطے کہ جب سوال کرنیوالے نے اس جناب پاک کے ادب کی رعایت نہ کی اور بے ادب اور بے تمیزوں کی طرح اس قسم کا سوال کر بیٹھا گویا اُسکو اعتبار کے درجے سے ساقط کیا تو اس کے سوال کی نقل میں بھی اس کو لفظ سے گرا دیا چاہیے تاکہ اُس کی گستاخی کی طرف اشارہ ہووے اور عذاب کے لفظ کے نکرہ لانے میں اس کی نہایت تمسخر کی طرف اشارہ ہے اسواسطے کہ تنکیر یا عظمت پر دلالت کرتی ہے یا حقارت پر سو اس مقام پر اگر عظمت مُراد لیجیے تو اس سائل کی نہایت جرأت اور بے باکی ثابت ہوتی ہے

کہ ایسے بڑے عذاب کو جان بوجھ کے طلب کیا اور اگر حقارت مراد لیجئے تو نہایت نادانی اور حمق اُس کا ثابت ہوتا ہے کہ ایسے بڑے عذاب کو حقیر سمجھا اور باوجود اس بے ادبی کے جو سوال میں اُس نے کی حماقت بھی اُس کی ثابت ہوئی اسواسطے کہ وہ اس سوال میں تحصیل حاصل کی کرتا ہے یعنے بیفائدہ کام کرتا ہے کہ ایسے عذاب کو طلب کرتا ہے جو وَّاقِعٍ لِّلْکَافِرِیْنَ مقرر ہونے والا ہے کافروں کے واسطے ایسے کافر کہ سوال کرنے والا بھی اُن ہی میں سے ہے اور وہ عذاب نہ آنے کا احتمال بھی نہیں رکھتا ہے تاکہ اُس کے طلب کرنے سے اُس کا آنا متعین ہوجاوے اس واسطے کہ لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ کوئی بھی نہیں ہے اس عذاب کو دفع کرنے والا اسواسطے کہ وہ عذاب مقدر ہے مِّنَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو موصوف اس صفت سے ہے ذِی الْمَعَارِجِ عروج کے درجوں اور مرتبوں کا صاحب کہ اس کے بندے اس کے حکموں کی تابعداری اور فرمانبرداری میں دل اور جان سے کوشش کر کے ان مرتبوں اور درجوں سے ترقی کرکے پھر اس کی حضوری سے مشرف ہوتے ہیں اور وہ درجے مسافت کی دوری اور نزدیکی میں مختلف اور متفاوت ہیں بعضے درجے اور مرتبے ایسے ہیں کہ ایک پلک مارنے میں ان کے سبب سے ترقی ہوسکتی ہے جیسے اسلام کا کلمہ زبان سے کہنا کہ اس کلمہ کے زبان پر جاری کرنے کے سبب سے وہ شخص ایک آن میں خرابی اور بلا کی سے رہائی پاکے نجات ابدی کے درجے میں ترقی کرتا ہے اور بعضے ان میں سے ایسے ہیں کہ ایک ساعت میں ان سے ترقی حاصل ہوتی ہے جیسے نماز کا ادا کرنا اور بعضے ایسے ہیں کہ ایک دن کامل میں اُن سے ترقی حاصل ہوتی ہے جیسے روزہ یا ایک مہینے میں جیسے تمام رمضان کے مہینے کا روزہ رکھنا یا ایک سال میں جیسے حج کا ادا کرنا اور اسی پر دوسروں کو قیاس کرلینا چاہیے اور اسی طرح فرشتوں اور روحوں کا عروج جو کسی کام پر مقرر ہیں اس کام سے فراغت پانے کے بعد مختلف اور متفاوت ہے چنانچہ بنی آدم کے نگہبان فرشتے کہ صبح سے عصر تک نگہبانی کرتے ہیں اور عصر کی نماز کے بعد عروج کرتے ہیں پھر دوسرے فرشتے جو اُن کے عوض آتے ہیں وہ صبح کی نماز کے بعد عروج کرتے ہیں اور رزق اور موت پر معین فرشتے شب برات کو یعنی شعبان کی پندرھویں شب کو عروج کرتے ہیں اور پھر دوسرا دفتر لاتے ہیں اور اسی طرح درختوں اور

کانوں اور بدلی اور برسات کی روحیں اپنے اپنے متعلق کاموں کی مختلف مدتوں تک تدبیریں کرکے عروج کرتی ہیں اور اسی طرح کسی نبی کے دین کے قائم رکھنے کے واسطے یا کسی قبیلے کی سلطنت یا حکومت کے تھامنے کے واسطے جو فرشتے اور روحیں کہ مقرر ہیں ہزار سال تک اُس کی تدبیر میں مشغول اور سرگرم ہوکے پھر اس مدت کے تمام ہونے کے بعد عروج کرتے ہیں اور اُن سب سے دراز اور لمبی ایک مدت ہے کہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ چڑھیں گے فرشتے اور روحیں جو بنی آدم کی تدبیروں کے واسطے مقرر ہیں آسمان کی ہوں یا زمین کی اس کی طرف اس دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے اور وہ روز قیامت کا دن ہے کہ اس دن پہلے صور کے پھونکنے کے سبب سے وہ فرشتے اور روحیں جو آسمان اور زمین اور پہاڑ اور دریا اور ستاروں کی نگہبانی کے واسطے مقرر ہیں عروج کریں گے پھر وہ فرشتے جو بنی آدم کے عملوں کی نگہبانی اور اُسکے عملوں پر گواہی دینے کے واسطے مقرر ہیں عروج کریں گے اور اسی طرح عملوں کے تولنے اور نامۂ اعمال سیدھے یا اُلٹے ہاتھوں میں دینے کے واسطے ہیں اور پلصراط سے پار کرنے کے واسطے اور دوزخ والوں کو دوزخ کی طرف ہانک لے جانے کے واسطے اور منزل اور درجے بہشتیوں پر تقسیم کرنے کو اور اُن کی عیش و عشرت کا سامان درست کر دینے کے واسطے اور دوزخیوں کو ہر ہر طبقے اور درکے میں ڈالنے کو اور اُن کے عذاب اور دُکھ اور رنج کا سامان کرنے کے واسطے تمام فرشتے عالم علوی اور عالم سفلی کے اور آسمانی اور ارضی اور عنصری اور معدنی اور نباتی اور حیوانی سب روحیں گروہ کے گروہ ایک کے بعد ایک عروج کریں گے اور دنیا کی خدمتوں سے جو ہر ایک کو واسطے مقرر تھی فراغت پاکے عالم آخرت کی خدمتوں پر مقرر ہوں گے یہاں تک کہ پھر ایک طور پر قرار ہوگا اور بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ٹھہریں گے اور اُس عالم کے قیام اور انتظام کے واسطے فرشتے اور روحیں ابد الآباد تک یعنے ہمیشگی کے واسطے اپنے اپنے کاموں پر مستعد اور مشغول ہوں گے پھر اس وقت عروج نہ رہے گا اور قرار اور سکون یعنے ٹھہراؤ اور چلن کی حالت ظاہر ہوگی اور ابتدا سے عروج سے انتہا تک پچاس ہزار برس کی مدت ہوگی چنانچہ صحیح حدیثوں میں اُس کی تصریح آگئی ہے اور اس تمام مدت کا نام ایک دن ہے اس واسطے کہ اتنی

مدت میں ایک ہی کام یعنی بدلہ دینا بھلائی اور برائی کا منظور ہے اور صحیح حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ صحابہؓ نے اس آیت کے سُننے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ دن تو بہت بڑا ہو گا اتنی مدت خوف اور بے چینی اور بے قراری میں گذارنا اور بے ٹھور اور ٹھکانے رہنا بہت مشکل ہو گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم خدا کی ایماندار آدمی کو وہ دن ایسا چھوٹا معلوم ہو گا جتنی دیر میں ایک نماز فرض کی دنیا میں ادا کرتا ہے اب پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کے فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کو تم نے ذی المعارج کی صفت سے سراہا گیا جان لیا اور اُس کے بعضے معارج سن بھی لیے کہ پچاس ہزار برس کی مدت رکھتے ہیں تو ان کافروں کے ایسے عذاب مقرر کی جلدی کرنے اور مسخری کرنے سے رنجیدہ مت ہو فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا پھر صبر کر اچھی طرح کا صبر کرنا جس میں جلدی اور رنجیدگی اور دل کی گھبراہٹ نہ پائی جائے اور ہم تم کو صبر کرنے کو اسواسطے فرماتے ہیں کہ ان کافروں کا جلدی اور مسخری کرنا ان کی غلطی اور نادانی اور کم فہمی سے ہے کہ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا بیشک یہ کافر دیکھتے ہیں اس دن کو بہت دور اور جانتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے خراب ہونے کو ابھی مدتیں ہیں ہم کو اسدن سے ڈرنا کس واسطے چاہیے کچھ ہماری زندگی میں تو آنیوالا نہیں ہے وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا اور ہم دیکھتے ہیں اُس دن کو بہت نزدیک اس واسطے کہ اُس دن کی آمد کی ابتدا موت سے ہے جس وقت روح بدن سے جُدا ہوئی اُسی وقت اُسدن کے آثار اور علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں اور فرشتے مقرر اور روحیں مدبر اس کی عروج کرتی ہیں جو خاص اسی کے واسطے مقرر تھیں سو موت کا زمانہ تو بہت قریب ہے اور اگر اُس دن کی حقیقت کو دور سمجھتے ہیں اس واسطے کہ دنیا کے تمام ہونے کو بہت مدت باقی ہے تو یہ بھی ان کی لوجھ بیجا ہے اس واسطے کہ جو جو واقعے اور احوال اُس دن ظاہر ہوں گے اور ہر ہر واقعہ اس کا ہزار ہزار سال کی مدت تک رہے گا اس کی نسبت سے دنیا کا گذرنا بہت قریب ہے اس واسطے کہ دنیا کا تمام ہونا اُس دن کے شروع سے ہے يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ جس دن ہو جائے گا آسمان آگ کی کثرت اور لپک سے اور صُور کی آواز کے صدمہ سے كَالْمُهْلِ تانبے اونٹے ہوئے کے مانند وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ اور ہو جائیں گے پہاڑ آندھی اور طوفان کے زور

سے جو اُن پہاڑوں کی جڑوں میں گھس کر زمین کو خلخول اور کھوکھلا کر دے گا اور پے در پے ہونے
سے صُور کی آواز کے پہاڑوں کی جڑوں کو سست اور بودی کر دینے میں ہَوا کی اور بھی مدد ہوگی
کَالْعِهْنِ رنگین اون دھنی ہوئی کے مانند جس کو دھنیا اپنی کمان کی تانت سے مار کے
اڑاتا ہے اور یہاں رنگین اون اسواسطے مراد لی ہے کہ بعضے پہاڑ سرخ ہوتے ہیں اور بعضے سفید
اور بعضے سیاہ اور اس دن جو ہر ایک کے ٹکڑے مل کر اڑیں گے تو اس آپس میں ملنے کے سبب
سے رنگین اون کی طرح معلوم ہوں گے اور اس وقت آدمیوں پر اس دن کی سختی اور مصیبت
اس قدر ہوگی کہ اپنے خویش اور اقربا کو بھول جاوینگے وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا اور نہ پوچھے گا
کوئی قرابت والا اپنے قرابت والے کو کہ تیرا کیا حال ہے اور یہ حال یعنے ان کا نہ پوچھنا کچھ
دوری اور اوٹ کے سبب سے نہ ہوگا بلکہ يُبَصَّرُوْنَهُمْ وکھلایا جائے گا آدمیوں کو اُنکے
قرابت والوں کا حال سو باوجود ان کے بُرے حال دیکھنے کے اپنی مصیبت اور گرفتاری کی دہشت
اور فکر میں کچھ بھی اُن کی پروا اُن کو نہ ہوگی اور رنج اور غم بھی ان کا نہ ہوگا بلکہ یہ آرزو کریں گے کہ
کاش کے ہمارے عوض بھی ان پر عذاب کریں اور ہم چھوٹیں يَوَدُّ الْمُجْرِمُ آرزو کرے گا گنہگار
لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ کہ کاش کہ یعنے کسی طرح عوض میں دے اس دن کے
عذاب سے بِبَنِيْهِ اپنے بیٹوں کو جس طرح دنیا میں اپنی عوض اول میں دے کر قید سے خلاصی
ہوتی ہے وَصَاحِبَتِهٖ اور اپنی جورو کو جو اس کا ناموس اور عزت ہے اور جورو کو اول میں
دینا بڑی بے عزتی اور بے حیائی ہے وَاَخِيْهِ اور اپنے بھائی کو جو اس کی برابر والا ہے اور
تابعدار بھی اس کا نہیں ہے وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ اور اپنے ایک جدی گھرانیوالوں کو جن
میں رہتا تھا اور جب یہ شخص کوئی گناہ کر کے بھاگ کر ان میں آبیٹھتا تھا تو وے بٹھار کھتے تھے
اور اس کی حمایت کرتے تھے وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اور جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کو اکٹھا
نہ ایک کے بعد دوسرا ثُمَّ يُنْجِيْهِ پھر اپنے تئیں خلاص کرے اور چھٹ جاوے جاننا چاہیے کہ
یہاں اس آیت میں لڑکوں کو جورو پر اور جورو کو بھائی پر اور بھائی کو گھرانیوالوں پر اور گھرانیوالوں
کو بیگانوں پر مقدم فرمایا اور سورۂ عبس میں بھائی کو ماں باپ پر اور ماں باپ کو جورو پر اور جورو کو
لڑکوں پر مقدم کیا ہے سو اس تقدیم اور تاخیر اور عبارت کے الٹنے میں ایک باریک بات ہے وہ

وہ یہ ہے کہ سورۂ عبس میں بھاگنے کا بیان ہے اور آدمی بھاگتے وقت پہلے اس کو چھوڑتا ہے جس کی محبت کم ہوتی ہے اس واسطے وہ ترتیب وہاں مناسب ہوئی اور اس سورۃ میں اپنا فدیہ دینا مذکور ہے اور اوّل دینے میں پہلے اسی کو کرتے ہیں جو اپنا تابعدار اور فرمانبردار ہو تو اس مقدمہ میں لڑکا مقدم ہے جورو سے اور جورو مقدم ہے بھائی سے بھائی مقدم ہے دوسرے اپنوں سے اور اپنے مقدم ہیں بیگانوں سے کَلَّا ہرگز نہیں یعنے یہ آرزو بیفائدہ کرنا نہ چاہیے اس واسطے کہ اِنَّھَا بیشک وہ عذاب جو اس دن میں ہے اور ضمیر کا مونث ہونا خبر کی رعایت سے ہے یعنے خبر مؤنث ہے لَظٰی وہ دہکتی آگ ہے اور لپک والی سو یہ آگ عوض قبول نہیں کرتی اس واسطے کہ عوض قبول کرنا شعور اور فہمیدگی کا کام ہے اور وہ آگ اس بدلے اور عوض کا کچھ شعور نہیں رکھتی ہاں مگر اس سے داناؤں کے سے کام ہوتے ہیں اس حالت میں کہ نَزَّاعَۃً لِّلشَّوٰی کھینچتی ہے بدن کی کھال کو جلانے کے سبب سے اور کھال کی بھیتر کی چیز کو بالکل نہیں جلا دیتی تاکہ نیست اور نابود نہ ہو جائے بلکہ کھال کے جلنے کے سبب سے سوزش اور جلن دمبدم زیادہ ہو اور ایک دوسرا بھی کام داناؤں کا سا کرتی ہے کہ تَدْعُوْا بلاتی ہے للکار کے اور فصیح زبان سے کہتی ہے کہ اِلَیَّ یَا کَافِرُ اِلَیَّ یَا مُنَافِقُ اِلَیَّ یَا جَامِعَ الْمَالِ یعنے میری طرف آ اے کافر میری طرف آ اے منافق میری طرف آ اے مال کے جمع کرنے والے یعنے حرام مال کے جمع کرنے والے اور زکوٰۃ نہ دینے والے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول یعنی دوزخ کا بلانا ان لفظوں سے منقول ہے اور یہ نام لے کر خاص اس شخص کو بلاوے گی مَنْ اَدْبَرَ جسنے پیٹھ دی تھی سچی راہ سے پیغمبروں کی دشمنی اور نافرمانی کرنے سے وَتَوَلّٰی اور منہ موڑا تھا ایمان سے وَجَمَعَ اور جمع کیا تھا مال کو بے پروائی سے یعنی نہ حلال کو دیکھا نہ حرام کو نہ مشتبہ کو نہ مکروہ کو جس طرح پایا جمع کر لیا تھا اور اس مال حاصل کرنے اور جمع کرنے ہی کے وقت عذاب کا مستحق ہو چکا تھا فَاَوْعٰی پھر جمع کرنے کے بعد اس مال کو کسی چیز میں کر کے رکھ چھوڑا اور جو جو حق اس پر واجب تھے اس کو ادا نہ کیا یعنے نہ خدا کا حق ادا کیا جیسے زکوٰۃ اور نہ بندے کا حق ادا کیا جیسے قرض اور نوکر کی نوکری اور مزدور کی مزدوری اور لونڈی غلام کے کھانے کپڑے سے خبر گیری کرنا اور جورو لڑکوں کا حق اور بھائی بہن کا حق اور ماں باپ کا حق اس مال سے ادا نہ کیا پھر اس مال کے

بیجا خرچ کرنے میں بھی دوزخ کے عذاب کا مستحق ہوا اور جب معلوم ہوا کہ اس آگ کو دو کام مطلوب ہیں ایک بروں کی کھال کو جلا دینا نہ دلوں کو تاکہ ماں باپ جورو لڑکے بھائی بند کی گرفتاری کو دیکھ کر جلیں دوسرا کام یہ ہے کہ بھاگنے والوں اور منہ موڑنیوالوں اور مال کے جمع کرنے والوں اور حقوق کے نہ دینے والوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ اور چن چن کے بلا وے گی اور اپنی طرف کھینچے گی پھر ایسا شخص اپنی عوض میں دوسرے کو دینے کی کس طرح آرزو کرتا ہے اور اس کا عوض قبول کس طرح ہوگا اس واسطے کہ اگر اس کے عوض میں دوسرا قبول ہو تو اس شخص کے بدن کا جلنا جو مطلوب ہے کس طرح سے ہو اگرچہ اس کا دل اپنے قریبوں اور یگانوں کے عذاب دیکھنے کے سبب سے جلے گا اور یہ بھی ہے کہ اگر اس کے خویش و اقربا ان ہی گنہگاروں میں سے ہیں یعنے بھاگنے والوں اور منہ موڑنیوالوں اور مال کے جمع کرنیوالوں اور دوسرے کے حق نہ دینے والوں میں سے ہیں تو وہ دوزخ کی آگ آپ ہی ان کو پکڑے گی اور ہرگز نہ چھوڑے گی اس شخص کا ان لوگوں کو اپنی عوض میں دینا ہو نہیں سکتا اس واسطے کہ یہ ایسا ہوا جیسے ایک گنہگار اپنی عوض میں دوسرے گنہگار کو حوالے کرے اور اگر اس کے خویش و اقربا ان گنہگاروں کے غول میں کے نہیں ہیں تو وہ آگ ان کو قبول نہ کرے گی اسواسطے کہ اس کی غرض ایسے ہی گنہگاروں کو جلانا ہے نہ بے گناہوں کو سو ایسے شخص کو اپنے عوض میں دینا ویسا ہوا جیسے کوئی شخص گھوڑے کو دانے چارے کے عوض میں جواہر دے کہ وہ ہرگز قبول نہ کریگا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جب کافروں اور منافقوں کو دوزخ کی آگ نام بنام پکارے گی اور یہ لوگ بھاگیں گے تب ایک گردن بہت لمبی آگ سے نکلے گی اور وہ سو سال کی راہ سے جتنے کافر اور منافق ملیں گے سب کو چن چن کر اٹھا لے جائے گی جس طرح سے جانور اپنی نوک سے دانہ اٹھا لیتا ہے اور اگر کسی کے دل میں شبہ آوے کہ اس صورت میں بہت سے لوگوں کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی اس واسطے کہ یہ چاروں صفتیں جو دوزخ کی آگ کو مطلوب ہیں اکٹھا کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ بدنی عبادت سے منہ موڑنا اور پیغمبر اور قرآن سے منکر ہونا اگرچہ کم ہے اور نیک پیدائش والا اس کو دانائی کے خلاف جانتا ہے لیکن مال کا جمع کرنا اور مستحقین کو حق نہ دینا بہت رائج

اور پھیلا ہوا ہے اس واسطے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا بیشک آدمی موافق اپنی جبلّت کے پیدا کیا گیا ہے بے صبر اور حریص گھبرالا اور ہلوع عرب کی لغت میں بڑے حریص بے صبر کو کہتے ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کے معنی لوگوں نے پوچھے آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس لفظ کی تفسیر کی ہے اور فرمایا ہے اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا جب پہنچے اس کو برائی جیسے مفلسی اور بیماری یا کوئی دوسری مصیبت تو نہایت گھبراوے اور بے قرار ہووے بخلاف دوسرے جانوروں کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کی بوجھ اور سمجھ بہت قوی ہے اور اس کی فکر دور دور پہنچتی ہے اس واسطے ہر مصیبت کے رنج اور الم کی وجہوں کو خوب غور کر کے دریافت کرتا ہے اور اس کے لوازمات کو اور انجام کے حال کو بہت دور سے دیکھتا ہے پھر وہم کے غلبے کے سبب سے اُن سب کو واقع ہوا جانتا ہے اور اس بے قراری کے حال میں مغلوب ہو جاتا ہے اور اس مصیبت کے دفع کرنے کے واسطے طرح طرح کے حیلے اور تدبیریں بھی اُس کے دل میں آتی ہیں اور کسی سے مطلب براری نہیں ہوتی ہے پھر ایک تدبیر کو چھوڑتا ہے اور دوسری تدبیریں پڑتا ہے اور اس انتقال میں یعنی ایک تدبیر کو چھوڑنے اور دوسری کو پکڑنے میں اس کے قویٰ کو بہت بیقراری حاصل ہوتی ہے اور ایک تدبیر کو تمام نہ کر کے دوسری تدبیر کے سامان کی فکر میں جا پڑتا ہے وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا اور جب پہنچتی ہے اس کو بھلائی جیسے دولت اور حکومت یا دوسری طرح کی بھلائی تو نہایت بخیل ہو جاتا ہے اور ہرگز نہیں چاہتا کہ دوسرے کو کچھ پہنچے اور جب حق تعالیٰ اُس پر ہر طرف سے خوشی اور ترقی کے دروازے کھولتا ہے تو اس کو ہر نعمت اور ہر مرتبے کی ترقی کی محافظت اور نگہبانی منظور ہوتی ہے تاکہ دوسرے کو نہ پہنچے اور میری ہی نسل اور خاندان میں یہ حکومت اور ثروت ہمیشہ باقی رہے پھر اس سبب سے اس کا بخل روز بروز بڑھتا جاتا ہے سو یہ بھی اس کی دانائی اور بزرگی ہے کہ ہر نعمت کے نفع کی وجہوں کو خوب غور کر لیتا ہے اور اس کے لوازمات بعید کو اور پوشیدہ خواصوں کو دور سے بوجھ لیتا ہے اور اس میں انتہا درجے کی خواہش کرتا ہے اور وہم کے غلبے کے سبب سے ہر ایک خواہش کو سوا بوجھتا ہے اور اس نعمت کو تنہا اپنے ہی پاس رکھنے کے واسطے طرح طرح کے حیلے اور تدبیریں کرتا ہے اور اس میں بہت فکر اور

غور کرنا ہے اور ان سب کے پیچھے پڑتا ہے اور یہ دونوں صفتیں یعنی بے صبری اور حرص کی زیادتی اکثر بندگی اور عبادت کی خرابی کا سبب اور پیغمبروں اور قرآن سے پھرنے اور انکار کرنے کا سبب پڑتی ہے تو دوزخ کے بلانے کے قابل سب آدمی ہوئے اس واسطے کہ انکی اصل پیدائش میں دوزخ کے بلانے کی استعداد پائی جاتی ہے مگر آٹھ فرقے کہ اُن کو دوزخ نہ بلاوے گی اس واسطے کہ اُن کو اپنے آٹھوں دروازوں سے بہشت بلاوے گی اگر اُن کو دوزخ بھی بلاوے تو آپس میں دوزخ اور بہشت کے جھگڑا اور مناقشہ لازم آوے اور دوزخ اور بہشت آپس میں خواجہ تاش ہیں یعنی ایک ہی خاندان کے تابعدار ہیں اور اُن کے آپس میں صلح اور ملاپ ہے اُن میں جھگڑا فساد آپس میں ہو نہیں سکتا اور اُن آٹھوں فرقوں کی تفصیل یہ ہے اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرتے ہیں اور یہ اُن کا فعل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ زیادہ حریص اور بے صبرے نہیں پیدا کیے گئے ہیں ورنہ پنجوقتہ نماز کا ادا کرنا اُن سے نہ ہو سکتا اور جو یہ دن اور رات میں پانچ وقت اپنے خاوند کی حضوری میں حاضر ہوتے ہیں تو ان سے اپنے خاوند کے واسطے اپنے مال سے نذر اور نیاز نکالنے بھی کب ہو سکتا ہے یا جنکی تنخواہ حق تعالیٰ نے اُن پر اتاری ہے اُن کو نہ دیں اور حرص کی زیادتی اُن کو اس مرتبے کو پہنچاوے کہ اُس کے حق کو منع کریں یہ اُن سے ہرگز ممکن نہیں ہے اس جگہ پر جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے نماز پڑھنے والوں کو گویا ان آٹھوں فرقوں کا سردار کرکے اس آیت میں سب کے پہلے ذکر فرمایا ہے اور اس کلام کے آخر میں بھی اسی فرقے کا ذکر کرکے کلام کو ختم کیا ہے سو ظاہر میں تکرار معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں تکرار نہیں ہے کئی وجھوں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جلیل القدر صحابیوں میں سے ہیں اس آیت کے معنی پوچھے تھے کہ نماز کی ہمیشگی سے کیا مراد ہے اس واسطے کہ ہمیشہ نماز میں رہنا آدمی کی طاقت سے باہر ہے انہوں نے جواب دیا کہ نماز کی ہمیشگی سے یہ مراد ہے کہ نماز پڑھنے میں داہنے بائیں نہ دیکھے اور دل بھی سوائے خدا کی یاد کے دوسری طرف نماز میں نہ لگاوے اور ظاہر بھی یہی ہے کہ محافظت کا لفظ جو ان آیتوں کے آخر میں آتا ہے اُس سے مراد یہی ہے کہ نماز کے مقدمے میں بڑا اہتمام کرے یعنی اُس کے

آداب اور شرطوں کی رعایت کرنا اور وقت آنے کے پہلے سے وضو کرکے کپڑے پہن کے قبلہ کی طرف دریافت کرکے مستعد ہو کر بیٹھنا تاکہ نماز کا وقت جو آوے تو اس وقت کسی شرط کے حاصل کرنے کی طرف دل متعلق نہ رہے اور اثنائے نماز میں ظاہری اور باطنی کی عاجزی سے کھڑے ہونا اور ریا سے بچنا اسی طرح تمام آداب اور سُنن کی رعایت کے ساتھ اوّل سے آخر تک نماز کو تمام کرنا اور نماز سے فراغت ہونے کے بعد بھی بے ہودہ اور بُری باتوں سے بچنا یہ سب چیزیں التفات کے سوائے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ مداومت سے مراد یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز ہمیشہ ادا کرنا اور ایک وقت کی بھی نماز کو جان بوجھ کے نہ چھوڑنا اور محافظت سے دوسری چیزیں مُراد ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے تیسری وجہ یہ کہ پہلی آیت سے فرض نماز مُراد ہے اور آخر کی آیت سے سوائے فرض کے دوسری نمازیں مراد ہیں جیسے روز کی مؤکدہ سنتیں اور چاشت اور اشراق اور دوپہر لوٹنے کی اور تہجد کی نماز چنانچہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ اور دوسرے وے لوگ جو اُن کے سب قسم کے مالوں میں سے جیسے نقد اور کھیتی کا حاصل اور جانور پالے ہوئے اور تجارت کا مال اور لونڈی غلام حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ حق ہے معین اور مقرر کیا ہوا سو وہ زکوٰۃ ہے اور صدقہ فطر کا اور واجب نفقے یا دوسرا حق ہے جو اپنے ہر جنس کے مال میں مقرر کر رکھا ہے لِّلسَّآئِلِ سوال کرنے والے کے واسطے جس کو شریعت کی راہ سے طلب کرنا پہنچتا ہے جیسے جورو اور اولاد اور غلام اور لونڈی اور دوسرے ناتے والے اور قرضخواہ اور مہمان کہ اُن سب کو اپنے اپنے حقوں کا مطالبہ پہنچتا ہے اور یہ سب اپنے حقوق کو بے شرم ہو کے لوگوں کے سامنے محکمے میں طلب کرتے ہیں وَالْمَحْرُوْمِ اور اُس کے واسطے جو محروم ہے مانگنے سے اور شریعت کی راہ سے اس کو مانگنا نہیں درست ہے جیسے مسکین اور یتیم اور محتاج کہ یہ لوگ مطالبہ نہیں رکھتے اور بعضے مفسروں نے ایسا کہا ہے کہ سائل سے آدمی مراد ہے کہ اپنی احتیاج کو اپنی زبان سے ظاہر کر سکتا ہے اور محروم سے جانور مراد ہیں اس واسطے کہ بے زبان ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ سائل سے فقیر کوچہ گرد یعنی جو مانگتے پھرتے ہیں وے مُراد ہیں اور محروم سے وے محتاج مراد ہیں جو اپنے گھر میں بیٹھے ہیں اور کسی سے اپنی حاجت

کو ظاہر نہیں کرتے اور لوگ ان کو غنی سمجھتے ہیں سو اس سبب سے وے لوگ صدقہ سے محروم رہتے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ محروم سے وہ افلاس زدہ مراد ہے جس کی روزی کا سبب درہم برہم ہو گیا سو کسی طرح سے اپنا قوت پیدا نہیں کر سکتا یا وہ تاجر مراد ہے کہ اس کی اصل پونجی میں بہت نقصان آیا یا اس کا مال بالکل لٹ گیا اور اگرچہ صدقہ دینے میں محروم سائل پر مقدم ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ تَرُدُّہٗ الْاُکْلَۃُ وَالْاُکْلَتَانِ وَالتَّمْرَۃُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰکِنَّ الْمِسْکِیْنَ الَّذِیْ لَایَجِدُ غِنًا یُغْنِیْہِ وَلَا یَسْئَلُ النَّاسَ فَیُتَصَدَّقُ عَلَیْہِ یعنی مسکین وہ نہیں ہے جس کو پھیرے ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک خرما یا دو خرمے اور در بدر مارا مارا پھرے بلکہ مسکین وہ ہے کہ اپنی احتیاج کے دفع کی چیز نہیں رکھتا اور اپنی احتیاج کو کسی کے سامنے ظاہر کرنے سے سوال بھی نہیں کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی حاجت دریافت کر کے کچھ اس کو دیویں سو ایسے فقیر کو دینا بہت بڑا ثواب ہے لیکن اس آیت میں سائل کو محروم پر مقدم بیان فرمایا ہے اس واسطے کہ ظاہر میں بھی یہی بات ہوتی ہے جیسے کھانا تقسیم کرنے کے وقت مانگنے والے کو جو دروازے پر کھڑا ہو کر پکارتا ہے پہلے دیتے ہیں پھر جو کچھ بچ کر رہ جاتا ہے وہ محتاج خانہ نشینوں کے گھر بھیج دیتے ہیں اور اس عمل سے معلوم ہوا کہ اس گروہ کو بڑا صبر ہوتا ہے کہ اپنا مال بھی دیتے ہیں اور فقیر محتاجوں کے آوازے ظلم بھی سہتے ہیں پر گھبراتے نہیں ہیں اور حرص بھی نہیں رکھتے نہیں تو اپنا مال جس سے بڑے بڑے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں دوسروں کو کیوں اس طرح سے دے دیتے لیکن اُن کا مرتبہ پہلے فرقے سے یعنی نماز پر ہمیشگی کرنے والوں سے کم ہے اس واسطے کہ اُن کو کبھی کبھی مال کے خرچ کرنے کا سوچ اور مال کے جمع کرنے کی حرص بھی ہوتی ہے بخلاف پہلے فرقے کے کہ وے نماز میں مستغرق ہونے کے سبب سے اس حالت استغراق میں ایک ساتھ ان دونوں چیزوں سے نجات پاتے ہیں وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ اور تیسرے وے لوگ جو سچا جانتے ہیں انصاف کے دن کو سو بلا کے آنے سے بے صبر نہیں ہوتے ہیں اور بہتری پہنچنے سے مناع الخیر یعنے خیر کو منع نہیں کرتے ہیں اس واسطے کہ ہر بلا اور نیکی کا عوض ملنا یقینی جانتے ہیں سو یہ لوگ صبر بھی رکھتے ہیں اور حرص کو اپنے پاس آنے نہیں

دیتے لیکن اُنکا مرتبہ اُن دونوں کے مرتبوں سے یعنی نمازیوں اور زکوٰۃ دینے والوں سے کم ہے اس واسطے کہ ان لوگوں کو ایسا کام کرنے میں جس میں دُنیا کا کچھ نفع نہ ہووے اور اپنے مال کو ایسی جگہ خرچ کرنے میں جس میں ظاہری فائدہ کچھ نہ ہووے بے صبری اور گھبراہٹ ہوتی ہے اور دنیا کے نفع والی باتوں میں پھنسنے پر اور دنیا کے رنج سے بچنے پر اور آئندہ کے واسطے مال جمع کرنے پر حرص ہوتی ہے اور لالچ کرتے ہیں لیکن یہ لوگ صبر کو بے صبری پر قناعت کو حرص پر ترجیح دیتے ہیں اس سبب سے کہ اُن کو جزا کا یقین ہے تو گویا عوض اور بدلہ کرتے ہیں اور تھوڑا دیتے ہیں اور بہت چاہتے ہیں اور اُن کی گھبراہٹ اور حرص بالکل بے تاثیر نہیں ہے بلکہ ایک فائدہ رکھتی ہے یعنی قسم دنیوی سے طرف قسم اخروی کے انتقال کیا ہے اور فانی سے طرف باقی کے اور ایک رنگ دوسرا پیدا کیا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ اور جو تھے وے لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں دنیا اور آخرت میں اور جانتے ہیں کہ اگر بلا میں صبر نہ کریں گے یا مال کے دینے میں اپنے ہاتھ کو اچھی طرح نہ کھولیں گے تو حق تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور حقیقت میں بات یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے عذاب سے خوف اور ڈر میں رہا چاہیئے اس واسطے کہ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ بیشک عذاب اُن کے پروردگار کا ایسا ہی ہے کہ اس سے باوجود بلا میں صبر کرنیکے اور اپنے مال کو اُس کی راہ میں خرچ کرنے کے غَيْرُ مَاْمُوْنٍ نڈر اور بے دہشت نہ رہا چاہیے اس واسطے بھلائی اور بُرائی کا اعتبار خاتمہ پر ہے اور خاتمہ کا حال ہر شخص کا پوشیدہ ہے کسی کو معلوم نہیں کہ کیا ہوگا اور صبر اور بخشش میں ان لوگوں کا مرتبہ پہلوں کے مرتبوں سے کم ہے اس واسطے کہ ان کے کام عذاب کے خوف کے سبب سے ہیں اور پہلوں کے کام ثواب کی امید پر اور ثواب کی طمع امید کی راہ ہے اور اُمید وسیلہ ہے محبت کا اور خدمت اور تابعداری محبت کے ساتھ بہتر ہے اس خدمت اور تابعداری سے جو خوف کے ساتھ ہو جس طرح مزدور یا نوکر کی خدمت بہتر ہے لونڈی غلام کی خدمت سے اور یہ دونوں گروہ پہلے دونوں گروہوں سے مرتبے میں بہت کم ہیں اس واسطے کہ اُن کے عمل صرف محبت کی راہ سے تھے بھلائی کی امید اور برائی کے خوف کا خیال اُن کو کچھ نہ تھا تو اُن کی خدمت اور تابعداری ایسی ہوئی جیسے

عاشق معشوق کی خدمت اور اطاعت کرتا ہے اور یہ چاروں فرقہ جو مذکور ہوئے سو وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدنی اور مالی عبادت ادا کرنے پر صبر کیا اور مصیبت اور بلاؤں کو سہ لیا اور اپنی حرص کو جو طاعت کے مخالف تھی ترک کیا تھا اور گناہ اور شہوتوں کی خواہش کو بالکل موقوف کیا تھا اب اُن لوگوں کا حال بیان فرماتے ہیں جن سے جزئی کاموں میں صبر اور قناعت ظاہر ہوئی ہے سو وہ بھی چار فرقہ ہیں پہلا فرقہ وہ ہے جو اپنی شرمگاہ کی شہوت پر اور عورت سے صحبت کرنے کی لذت پر حرص نہیں کرتا ہے بلکہ صبر کرتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جو اکثر خلق اللہ کی خرابی کا سبب پڑتی ہے دوسرا فرقہ وہ ہے جو خلق اللہ کے حق میں جیسے امانت ہے یا عہد حرص نہیں کرتا بلکہ اُس کے ادا کرنے میں صبر کرتا ہے تیسرا فرقہ وہ ہے جو خلق اللہ کے حقوق کہ ظاہر کرنے کے سزاوار ہیں اُن کے چھپانے پر حرص نہیں کرتا بلکہ ان کے ظاہر کرنے پر صبر کرتا ہے چوتھا فرقہ وہ ہے کہ جو نفل عبادت میں جو اپنے ذمہ پر لازم کرلی ہیں خصوصًا نماز نفل جو دن رات میں اپنے پر مقرر کرلی ہے اُس کے ادا کرنے پر صبر کرتا ہے اور کھیل کود اور آرام وچین کی لذت میں اپنے وقت کو گذارنے میں حرص نہیں کرتا اور اُن فرقوں کو اس ترتیب سے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عبادتیں بدنی جو حق تعالےٰ کے واجب کرنے سے بندے پر لازم ہوئی ہیں وہ اسی ترتیب سے بزرگی رکھتی ہیں سب سے اعلیٰ پانچ وقت کی نمازیں ہمیشگی کے طور سے ادا کرنے پر صبر کرنا اور اُن کے چھوڑنے پر حرص نہ کرنا اعلیٰ درجہ کی نزدیکی اور قرب کا سبب ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْئٍ اَحَبَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ یعنی نہیں نزدیک ہوتا ہے کوئی بندہ ہماری طرف سے کسی عبادت سے جتنا نزدیک اور محبوب ہوتا ہے ہماری طرف اس عبادت کے ادا کرنے سے جو ہم نے فرض کر دی ہے اس پر اور دوسری عبادتوں سے نماز میں زیادہ خصوصیت ہے اس واسطے کہ یہ جامع ہے سب عبادتوں کو اور انتہا درجہ کی حضوری اور قرب کو جو سرگوشی اور کلام کی حد کو پہنچے بلاواسطہ پہنچا دیتی ہے پھر اس کے بعد فرض زکوٰۃ کو ادا کرنا اور اپنے ذمے کے واجب نفقے دینے میں خلق اللہ کی منفعت اور خدا کے بندوں کی پرورش منظور رکھنا اس واسطے کہ یہ بھی نہایت خوشی اور رضامندی کا پروردگار کے سبب پڑتی ہے پھر اُس کے بعد گھبراہٹ اور بے صبری

اور حرص کو ترک کرنا بلا اور مصیبت کے وقت میں فوت ہوئی چیز پر ثواب کی امید سے نہایت بڑا مرتبہ ہے اس ترک سے جو عذاب کی دہشت سے ہو پھر اس کے بعد نامشروع چیز پر حرص نہ کرنا اور جو شرع میں جائز ہے اسی قدر پر اکتفا کرنا خصوصاً شرمگاہ کی شہوت کے مقدمہ میں بہت ہی بڑا اور سخت صبر ہے اور یہ سب پروردگار کے حق سے متعلق ہیں پھر جو بندوں کے حق سے علاقہ رکھتا ہے سو وہ یا اُن کے حقوق کا ادا کرنا ہے جو اُس کے ذمہ پر ہیں جیسے آپس میں امانتوں کا ادا کرنا اور عہد اور پیمان کا پورا کرنا یا ان کے حقوق کو ظاہر کر دینا کہ اس میں انہوں کے مالوں کا زندہ کرنا ہے اگرچہ اپنے ذمہ پر کچھ لازم نہیں آتا ہے اور جب ان سب حق تعالےٰ کے واجبات کو صبر کرنے سے اور حرص کے ترک کرنے سے مضبوط کیا تو باقی نہ رہی مگر وہ چیز جو اپنے ذمّے پر نذر کے طور پر لازم اور واجب کر لی ہے جیسے عبادت میں نفل خصوصاً نماز سو ان چیزوں کا ذکر آخر میں کیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ اور پانچویں وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کو حَافِظُوْنَ نگاہ رکھنے والے اور روکنے والے اس سے کہ کسی کی نظر اس پر پڑے یا بدن کسی کا اس میں لگے اور اس روکنے میں اُنکی صبر کی قوت بھی ثابت ہوئی اور اُن کی بے حرصی بھی اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ مگر اپنی جوروں پر لغت میں زوج جوڑے کو کہتے ہیں اور جو گھر کا کاروبار اور انتظام بدون مرد اور عورت کے درست نہیں ہو سکتا اسی واسطے عورت کو مرد کا جوڑا اور مرد کو عورت کا جوڑا کہتے ہیں جیسے موزے کا جوڑا اور جوڑے کے ہونے میں کئی چیزیں شرط ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ دونوں میں کوئی مخصوصیت ظاہر ہو اور یہ خصوصیت بدون شرعی ایجاب اور قبول کے جس کو عقد نکاح کہتے ہیں حاصل نہیں ہو سکتی اسی واسطے ہر عورت کو ہر مرد کا جوڑا نہیں کہتے ہیں اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ خصوصیت گھر کے انتظام اور دنیا کے کاموں کی تدبیر کے واسطے ہو نہ فقط شہوت نکالنے کے واسطے اور بدون گھر کے کاموں میں شریک ہونے کے نفع اور نقصان دونوں کا مشترک نہ ہوگا تو جوڑے ہونے کے معنی اس واسطے بھی ظاہر نہ ہوں گے جیسے خرچی اور متعہ کی عورت کہ اس کو جوڑا نہیں کہہ سکتے ہیں تیسری شرط یہ ہے کہ نسل لینا اس سے ممکن ہو اور دوسرے کا حق اس کے ساتھ متعلق نہ ہو جیسے غیر کی لونڈی کہ اُس کے مالک نے اس سے

صحبت کرنے کی اجازت دی ہو تو اس کو بھی جوڑا نہیں کہہ سکتے ہیں چوتھی شرط یہ ہے کہ کوئی دوسرا رشتہ اور علاقہ اس سے قوی زیادہ اور مشابہ زیادہ ان دونوں کے درمیان میں اس رشتہ سے بڑھ کر نہ ہو اسی واسطے ماں اور بیٹی اور بہن کو مرد کا جوڑا نہیں کہتے پس اس جگہ سے معلوم ہوا کہ متعہ کی عورت بھی مرد کا جوڑا نہیں ہو سکتی اسی واسطے متعہ کی عورت کے مال کا مرد مالک نہیں ہوتا ہے اگرچہ متعہ کی مدت میں وہ عورت مر جاوے اور نہ خانگی کاموں کی تدبیر میں کچھ ایسی عورت کو دخل ہوتا ہے اور نہ نفع نقصان میں شریک ہوتی ہے اور نہ اس کی خوراک اور پوشاک مرد پر واجب ہوتی ہے اور نہ نسبت نسل کی محافظت اور نگہبانی اس سے ممکن ہوتی ہے اس واسطے کہ متعہ کی مدت گذرنے کے بعد دونوں میں خود بخود اجنبیت اور جدائی ظاہر ہو جاتی ہے ایک مشرق کو جاتا ہے اور دوسرا مغرب کو عورت دوسرے کو متعہ کے واسطے چاہتی ہے اور مرد دوسری عورت کی خواہش کرتا ہے اور اگر متعہ کی مدت میں اس مرد سے اس عورت کو حمل رہ گیا اور کوئی بچہ پیدا ہوا تو نہ وہ بچہ اپنے باپ کو پہچان سکتا ہے اور نہ باپ اس بچہ کو اور نہ وہ بچہ باپ تک پہنچ سکتا ہے تاکہ فرزندی حق اپنے باپ سے طلب کرے اور نہ باپ اس بچہ تک پہنچ سکتا ہے تاکہ تعلیم اور تربیت پدری اس کے ساتھ بجالاوے اور جب بچہ نسب سے مجہول اور نامعلوم رہا تو اس کا محرم ہونا بھی باپ کے قریبوں سے اور خویشوں سے نامعلوم اور پوشیدہ رہا تو آپس میں تداخل محارم کا بھی ممکن ہے یعنے محرم کے ساتھ نکاح کر لینا اس طور سے کہ وہ لڑکا اپنے باپ کی بیٹی کے ساتھ نکاح یا متعہ کرے یا باپ کا بھائی اس لڑکی کے ساتھ متعہ یا نکاح کرے اور اسی طور سے دوسری قرابتوں میں بھی یہی تداخل متصور ہو سکتا ہے اور ایسے نکاح کرنے سے جو اولاد پیدا ہو گی ان کے نکاح میں بھی کفو ہونیکی رعایت برہم و درہم ہو جائے گی اور میراث کی تقسیم کا دروازہ بالکل بند ہو جاوے گا اس واسطے کہ اس کے وارث جہان میں منتشر اور پھیل گئے اور ان کی پہچان اور ان کے ناموں اور مکانوں کا دریافت کرنا بہت متعذر ہو گیا تاکہ ہر شخص کی میراث اس تک پہنچا دی جاوے اسی واسطے متعہ کرنیوالوں کے عقیدے کے موافق بھی زوجیت اور جوڑا پنے کے حکم متعہ کی عورت کیساتھ جاری نہیں ہیں جیسے عدت اور طلاق اور ایلاء اور لعان اور ظہار اور

ف متعہ کی قباحتیں راور پریشانی

برابری عورتوں میں یعنی پوشاک اور کھانا اور گھر اور ساتھ سونے میں اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب ایک چیز کے حکم جاتے رہے تو وہ چیز بھی نفی ہو جائے گی یعنی اُس کا نام باقی نہ رہے گا جس طرح یہاں ہے کہ جب زوجیت کے حکم جاتے رہے تو جورو پنا بھی جاتا رہے گا اور ایسی عورتوں کو جورو نہ کہیں گے اور اس مقام پر جو متعہ کے حلال جاننے والوں نے گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حکم یعنی عدت اور طلاق وغیرہ جورو پنے کے لازم نہیں ہیں تاکہ اُس کا نہ پایا جانا زوجیت کے نہ ہونے کی دلیل ہو اس واسطے کہ ناشزہ عورت یعنی جو اپنے خاوند کی بے رضامندی اُس کے گھر سے نکل کر دوسرے کے گھر میں جا بیٹھی اور خاوند کے بلانے سے نہ آئی تو خوراک اور پوشاک ایسی عورت کی خاوند کے ذمے سے ساقط ہو جاتی ہے اور اُس کو دینا لازم نہیں ہوتا اور جو عورت اپنے خاوند کو مار ڈالے یا کسی کی لونڈی ہووے یا اہل کتاب میں سے ہو یعنے یہودیہ یا نصرانیہ ہو تو ایسی عورت کو میراث نہیں ملتی اور لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے سے آپس میں لعان نہیں ہوتا اور سفر میں باری جو لازم ہے یعنی سب عورتوں کے پاس برابر رہنا جاتا رہتا ہے اور باوجود ان سب چیزوں کے وہ عورت اس کی جورو کہلاتی ہے تو معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا نہ پایا جانا کچھ جورو ہونے کے مخالف نہیں ہے سو یہ ان کا گفتگو کرنا اس مقام پر بالکل بے معنی اور بے فائدہ ہے اس واسطے کہ منکوحہ عورت سے ان حکموں کا جو اوپر ذکر ہو چکے ہیں اُٹھ جانا ایک عارضی سبب سے ہے جو لاحق ہو گیا ہے اگر وہ عارضہ جاتا ہے تو یہ حکم سب پھر اس پر جاری ہو جاویں جیسے عورت ناشزہ اگر اپنے خاوند کے گھر پھر آئے تو خوراک اور پوشاک کی سزاوار اور مستحق ہو جاوے گی اور اگر لونڈی آزاد ہو جاوے یا کتابیہ عورت مسلمان ہو جاوے تو میراث کی مستحق ہو جاوے گی اور مرد جب سفر سے پھر آوے تو برابری رات کے رہنے میں اس پر واجب ہو جائے گی تو معلوم ہوا کہ ان چیزوں کے عارض ہونے کے سبب سے بعضے حکم زوجیت کے جاتے رہتے ہیں زوجیت اور نکاح نہیں جاتا بخلاف متعہ والی عورت کے کہ وہاں خود عقد متعہ کا ان حکموں کے منافی ہے کسی چیز کے عارض ہونے کی احتیاج نہیں ہے اور اس کی تمثیل یوں سمجھا چاہیے کہ پانی کی طبیعت بہنے کو چاہتی ہے اور پتھر کی طبیعت منجمد ہونے اور ٹھہرنے کو پھر اگر کوئی شخص کہے کہ پانی بھی پتھر کی قسم سے ہے

اس واسطے کہ پانی یخ کے سبب سے پتھر کی طرح جم جاتا ہے یا کہے کہ پتھر پانی کی قسم سے ہے اس واسطے کہ اگر تیزاب میں اُس کو ڈال دو تو یہ بھی پانی کی طرح بہہ جائے گا تو یہ بات اُس کی حماقت سے خالی نہیں ہے اور کوئی عاقل اُس کی بیہودہ بات کو قبول نہ کریگا اور دوسرے یہ بھی ہے کہ منکوحہ عورتوں کو حق تعالے نے چار عدد میں منحصر کیا ہے چنانچہ سورۂ نسار کے اول میں مذکور ہے سو اگر متعہ والی عورتیں منکوحہ عورتوں میں داخل ہوتیں تو یہ بھی چار سے زیادہ جائز نہ ہوتیں اور حال یہ ہے کہ متعہ کرنیوالوں کے نزدیک بھی دس بیس عورتوں کے ساتھ ایک ہی رات میں متعہ کرنا جائز ہے اور اگر ان میں سے کسی کے پاس چار عورتیں منکوحہ ہوں تو دوسری عورتوں کے ساتھ سوائے ان چار کے متعہ کرنا درست جانتے ہیں اور شرح شریف میں ایسا مقرر ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی نکاحی عورت سے ایک مرتبہ صحبت کی تو وہ شخص محصن ہو گیا پھر اُس کے بعد اگر اس شخص سے زنا ہو تو اس کو سنگسار کریں گے یعنی پتھروں سے اُس کو مار ڈالیں گے اور اگر منکوحہ عورت سے صحبت کرنے کے پہلے زنا ہوا تو سّو درّے ماریں گے اور متعہ کے جائز رکھنے والوں کے نزدیک بھی متعہ والی عورت سے صحبت کرنا احصان کا سبب نہیں ہوتا ہے غرض کسی وجہ سے متعہ والی عورت زوجہ میں داخل نہیں ہو سکتی اور جو لوگ متعہ والی عورت کو زوجہ میں داخل کرتے ہیں اُن کی مثل ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص آٹا گھول کر کانجی پکا دے پھر اس میں گوشت کی بوٹی ڈھونڈے۔ ع اَضَاعَ الْعُمُرَ فِیْ طَلَبِ الْمُحَالِ یعنی گنوائی اپنی عمر محال چیز کی تلاش میں اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ یا وہ چیز کہ اُس کے مالک ہوئے ہیں اُنکے ہاتھ اور اس چیز سے لونڈیوں کی شرمگاہ کا مکان مخصوص مراد ہے اس واسطے کہ وہ چیز چاہیے کہ نجاست کی جگہ نہ ہو اور نسل کے قابل ہو سو غلام ایسی چیز نہیں رکھتے اور لونڈیوں کے پاس دونوں قسم کی چیزیں موجود ہوتی ہیں لیکن اُن کی بھی نجاست کی جگہ حرام ہے اس واسطے کہ وہ جگہ نہ کھیتی ہونے کی لیاقت رکھے نہ نسل کی اور جب موصولہ کے لفظ سے وہی موضع مخصوص مراد ہوا تو اب ماموصولہ کے لفظ پر کوئی اشکال وارد نہیں ہو سکتی اور اس صورت میں بھی عورت اور مرد کی خصوصیت اور نفع نقصان میں شریک ہونا اور اپنے نسب اور نسل کو نگاہ رکھنا اور خانگی کاموں کی خدمت کرنا یہ سب باتیں یہاں بھی ثابت ہیں ان دونوں میں یعنی لونڈی اور بی بی

میں فرق اتنا ہے کہ بی بی کے بدن سے موضع مخصوص کے سوا اور کوئی دوسری چیز خاوند کی ملک میں نہیں آتی اور لونڈی سر سے قدم تک اپنے مالک کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے اور عرب کی لغت میں ملک یمین ذات اور گردن کے مالک ہونیکو کہتے ہیں اسی واسطے مانگی ہوئی چیز کو کوئی نہیں کہتا کہ یہ میری ملک یمین ہے پس جو لونڈی کہ اُس کے مالک نے کسی کو عاریت کے طور پر صحبت کرنے کے واسطے دی تو وہ لونڈی اس مستعیر یعنے مانگ لینے والے کی ملک یمین میں داخل نہ ہو جائیگی اور ایسی عاریت کو اُس عاریت پر جس سے نفع لینا درست ہے قیاس کرنا غلط ہے اس واسطے کہ یہ قیاس نص کے مقابل میں ہے یعنی صریح دلیل کے مقابل میں ہے اور ایسا قیاس ہرگز مقبول نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس واسطے کہ اگر اس نفع کے واسطے لونڈی کو کسی سے مانگ لیں اور اس کے ساتھ صحبت کرنے سے شاید حمل رہ جاوے تو وہ لونڈی مانگ لینے والے کے حق میں مشغول ہو جاوے گی اور یہ جائز نہیں ہے اسی واسطے عاریت کی زمین پر درخت لگانا کنواں کھودنا درست نہیں ہے فَاِنَّهُمْ پھر بیشک یہ لوگ اگر اپنی عورتوں یا اپنی لونڈیوں کے ساتھ صحبت کرتے ہیں اور لذت حاصل کرنے میں حرص اور بے صبری کریں غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ تو نہیں ہیں ملامت کیے گئے اور اولاہنا دیے گئے تاکہ ان کا بھی بیصبروں اور حریصوں میں داخل ہونا بوجھا جاوے فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ پھر جو شخص کہ طلب کرے ان دونوں کے سوا یعنے بی بی اور لونڈی کے سوا پھر وہی لوگ ہیں تعدی اور ظلم کرنے والے اور عفت اور پاکی کی حد سے آگے بڑھنے والے اور حریصوں اور بے صبروں میں داخل ہونے والے اب اس مقام پر جاننا چاہیے کہ آدمی کو شہوت نکالنے کے واسطے کئی طور ہیں لیکن سوائے ان دو قسم کے جو شرع میں بے شبہ جائز ہیں باقی سب صورتیں ممنوع اور حرام ہیں اور ان سب حرام قسموں کی تفصیل بہت ہے ان میں سے ایک لونڈے بازی ہے اور اس سے مُراد نجس محل میں دخول کرنا یعنی غلیظ نکلنے کی جگہ میں پھر یہ کام خواہ مرد سے ہو خواہ اپنی عورت سے ہو یا اپنی لونڈی سے ہو یا اجنبی عورت سے حرام ہے اور اسی قسم سے ہے خرچی کی عورت جیسے کنچنی کہ ایک رات معینہ کی اجرت مقرر کر کے اس سے یہ فعل کرتے ہیں اور اسی قسم سے ہے خانگی

ف جو عورتیں کہ شہوت نکالنے میں حرام ہیں ان کا بیان اور ان عورتوں کا جو حرام ہیں۔

عورت کہ بدون اُجرت مقرر کرنے کے اس سے فقط دوستی اور آشنائی کے سبب سے یہ فعل کرتے ہیں اور اسی قسم سے ہے جس عورت سے زبردستی یہ فعل کریں جس طرح غنیم کی فوج دوسرے ملک کے اوپر غالب ہونے کے وقت وہاں کی عورتوں سے زبردستی یہ فعل کرتے ہیں اور اسی قسم سے ہے متعہ والی عورت یعنے ایک مدت معین کر کے اُس کی اجرت مقرر کر دینا دینا پھر اُس کے ساتھ یہ فعل کرنا اور اسی قسم سے ہے دوسرے کی لونڈی جو اُس کے مالک کی رضامندی سے مانگ کر اُس کے ساتھ یہ فعل کرتے ہیں اور اسی قسم سے ہے عورت کا عورت کے ساتھ یہ فعل کرنا جس کو ہندی میں چپٹی کہتے ہیں اور اسی قسم سے ہے اپنے ہاتھ سے ہلا کر منی نکالنا جس کو جلق کہتے ہیں اور اسی قسم سے ہے اپنی محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا پھر وہ محرم خواہ نسبی ہوویں جیسے ماں بہن خالہ پھپی بھتیجی بھانجی وغیرہ اور خواہ سببی ہوں یعنی سُسرال والیاں جیسے جورو کی ماں یا بہن یا پھپو یا خالہ وغیرہ اور خواہ رضاعی ہوں یعنی دودھ پینے کے سبب سے محرم ہو گئی ہوویں جیسے دائی جس کا دودھ پیا یا اس کی ماں نانی دادی یا اس کی اولاد یہ سب حرام ہے اور اسی قسم سے ہے وہ عورت جو ایک شخص کے نکاح میں ہے اس سے بھی نکاح کرنا درست نہیں ہے اور اسی قسم سے ہے عورت مشرکہ کے ساتھ نکاح کرنا سوائے اہل کتاب کے اور اسی قسم سے ہے فاحشہ عورت سے نکاح کرنا کہ یہ بھی جائز نہیں ہے سو یہ سب قسمیں ما وراء ذلک میں داخل ہیں اور بالکل حرام ہیں وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ اور چھٹے وہ لوگ جو اپنی امانتوں کو یعنی لوگوں کی امانتیں جو اپنے پاس رکھتے ہیں اور امانت کی دو قسم ہیں ایک وہ ہے جو حق تعالیٰ کے حق کے ساتھ متعلق ہے جیسے وضو اور ناپاکی کا غسل اور نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اس واسطے کہ ان چیزوں پر دوسرے لوگوں کو خبر نہیں ہوتی ہے اسی شخص کا اقرار ان چیزوں میں مقبول ہے اور امانت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ امین کا کہنا اس میں معتبر ہے دوسری امانت کی قسم وہ ہے جو خلق اللہ کے حق سے علاقہ رکھتی ہے اس کی بھی کئی قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے کہ لوگوں کے مال کسی کے پاس امانت رکھے جاویں دوسری قسم یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق اس کی دانست میں ثابت ہوں اور اس کا مالک اس پر خبردار نہ ہو جس طرح مورث کا قرض کہ وارثوں کو اس کی خبر نہ ہو تیسری قسم یہ ہے جو اس

شخص کے کام سے متعلق ہے جیسے تول اور ناپ اور کھانا پکانے میں مصالح کا خرچ کرنا یا سینے میں سنجاف اور مغزی کا لگانا اور اسی طرح پر دوسری چیزیں ہیں چوتھی قسم دلوں کے بھید جو کسی کو اعتماد والا جان کے اس سے رکھتے ہیں پانچویں حکومت میں انصاف کرنا کہ یہ رعیت کی امانت ہے حاکموں اور قاضیوں کے ذمے پر چھٹی فتوی دینے میں حق بات بیان کر دینا کہ یہ امانت عوام کی ہے مفتیوں کے ذمے پر ساتویں جورو خاوند کی آپس میں تنہائی کی باتیں یا گھر کی تدبیر کہ یہ بھی امانت ہر ایک کی دوسرے کے ذمے پر ہے آٹھویں اپنے مالک کی پوشیدہ باتیں لونڈی غلام کے ذمے پر ہیں نویں آقا کی امانت نوکر کے ذمے پر دسویں ہمسایہ کی امانت دوسرے ہمسایہ پر گیارھویں اپنے یاروں کی امانت دوسرے یاروں پر وَعَهْدِهِمْ اور اپنے قول و قرار پر جو حق تعالیٰ سے یا خلق اللہ سے کیا ہے سو پہلی قسم کو یعنی جو حق تعالیٰ سے عہد کیا ہے وہ اگر مال دینے کا عہد کیا ہے یا کوئی عبادت ادا کرنے کو تو اس کو نذر کہتے ہیں اور اگر کسی خاص خدا کے بندوں میں سے کیا ہے حق تعالیٰ کی راہ پہچاننے اور چلنے کو تو اس کو بیعت کہتے ہیں اسواسطے کہ یہ بھی گویا حقیقت میں حق تعالیٰ سے عہد کرنا ہے چنانچہ انا فتحنا کی سورۃ میں خود حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا یعنے جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ لوگ سوائے اس کے نہیں کہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ قدرت کا ان کے ہاتھ کے اوپر ہے پھر جو کوئی قول کو توڑے سو سوائے اس کے نہیں کہ توڑے اپنے بُرے کو اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے سو وہ قریب ہے کہ پاوے گا ثواب بہت بڑا اور دوسری قسم کی بھی صورتیں بہت ہیں جیسے اپنا مال لاکر تجارت کرنا اس کو شراکت کہتے ہیں یا ایک کا روپیہ اور دوسرے کی محنت پھر نفع میں شریک ہونا موافق عہد کے اس کو مضاربت کہتے ہیں یا صلح کرنا یا وصیت کرنا سوائے اس کے جو فقہ کی کتابوں میں شرح اور تفصیل سے مذکور ہے جیسے مرابحت یعنے اصل قیمت پر کچھ نفع ٹھہرا کر بیچنا اور تولیت یعنی اصل قیمت پر یعنے خرید پر بیچنا اور جیسے وکالت اور کفالت اور ضمان ہے رَاعُوْنَ ۙ رعایت کرنے والے ہیں اور نگہبانی میں امانت اور عہد کی کوشش کرتے

رہتے ہیں جس طرح سے بکریوں کا چرانے والا ان کی نگہبانی ہر وقت کیا کرتا ہے سو یہ لوگ بھی صبر کامل رکھتے ہیں اور حرص بہت کم اس واسطے اگر ایسا نہ ہوتا تو اُن سے عہد اور امانت کی رعایت اور محافظت نہ ہو سکتی وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۙ اور ساتویں وہ لوگ جو اپنی گواہیوں کے اظہار کرنے پر مستعد کھڑے ہوئے ہیں اور سچی گواہی دینے میں دوستی جاتی رہنے سے اور قرابت کے چھوٹ جانے سے ڈرتے نہیں ہیں اور اس گواہی دینے میں جو اُن کے مخالفوں کو اور دشمنوں کو نفع پہنچتا ہے اس پر صبر کرتے ہیں سو اس سبب سے حق والے اپنے حقوں کو پہنچے ہیں یہاں پر جان لیا چاہیے کہ گواہی کا چھپانا بڑا گناہ کبیرہ ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جان بوجھ کے گواہی دینے سے انکار کرے اور کہے کہ میں نہیں جانتا اور دوسری صورت یہ ہے کہ گواہی دینے کے وقت انکار صریح نہ کرے لیکن کسی حیلہ اور بہانے سے اس کو ٹالدے ان دونوں صورتوں میں خلق اللہ کے حق تلف ہوتے ہیں اور ٹلتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر ایک اور گناہ کبیرہ ہے یعنی جھوٹی گواہی دینا اس واسطے کہ اس صورت میں حق کو باطل کرنا اور جھوٹے حق کو ثابت کرنا ان دونوں گناہ میں یہ شخص مبتلا ہوتا ہے اور اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ گواہی کو بدون کم اور زیادہ کے بیان کر دینا چاہیے اس واسطے کہ کم اور زیادہ کرنے میں قیام اس گواہی پر ثابت نہیں ہوتا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۞ اور آٹھویں وہ لوگ جو اپنی نماز کی نگہبانی میں رہتے ہیں تاکہ اس کا ثواب جاتا نہ رہے اور یہ محافظت اس مداومت کے سوا ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے اس واسطے کہ مداومت کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ بجالانا اور کبھی ناغہ نہ کرنا اور محافظت کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ہر کام کو پورا کرنا تاکہ ثواب اس نماز کا پورا ملے اور اس کی جتنی شرطیں اور جتنی رکعتیں ہیں اُن کو اُن کے وقتوں میں پورا ادا کرنا جیسے ؎ف نماز میں اِدھر اُدھر نہ دیکھنا اور سجدے کی جگہ اپنی نظر رکھنا اور کپڑے کو بچانا اور اپنے بدن کے ساتھ نہ کھیلنا اور انگڑائی نہ لینا اور جمائی نہ لینا اور اگر آجاوے تو منہ کو بہت نہ کھولنا اور منہ کو کپڑے سے بند نہ کرنا اور کپڑے کو سر پر یا کندھے پر ڈال کے دونوں کناروں کو نہ لٹکانا اور اپنی انگلیوں کے ساتھ پنجہ نہ کرنا اور انگلیوں کو نہ توڑنا اس طور سے جس میں آواز

ف نماز کی مفسد چیزوں اور مکروہ چیزوں کا بیان۔

نکلے اور نماز میں سجدے کی جگہ سے کوڑا کنکری دور نہ کرنا اور اپنے ہاتھ میں کوئی چیز جیسے لکڑی یا کوڑا نماز میں نہ رکھنا اور نماز میں دل دوسری طرف نہ لگانا بلکہ دل کو حاضر رکھنا اور دل کی حضوری سے نماز کو ادا کرنا سو جس طرح پانچ وقت نماز پر ہمیشہ قائم رہنا نہایت شاق اور گراں ہے اور نہایت صبر اور بے حرصی کی دلیل ہے اسی طرح کی مفسد چیزوں اور مکروہ چیزوں سے اپنے تئیں بچائے رکھنا بھی شاق اور گراں ہے اور کمال صبر اور بے حرصی کی دلیل ہو سکتی ہے اسی واسطے ان دونوں چیزوں کو باوجود اس بات کے کہ ایک ہی چیز سے علاقہ رکھتی ہیں جدا جدا بیان فرمایا اور شروع ایک فعل سے کیا یعنی مداومت سے اور دوسرے پر تمام کیا یعنی نقصان کی چیزوں سے بچنا تا کہ نماز کی فضیلت اور اس کی بہت تقید معلوم ہو جائے کہ ان آٹھوں فرقوں کے اوّل اور آخر نماز والے ہیں اور ہمیشگی کا ذکر پہلے اس واسطے کیا کہ نماز کے سبب سے جتنی آفتیں بے صبری اور حرص کی زیادتی کی ہیں سب کم ہو جاتی ہیں اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ اس واسطے کہ نماز بے حیائی اور برائیوں سے باز رکھتی ہے اور جب حرص کم ہوئی اور صبر قوی تو نماز پر ہمیشگی حاصل ہو سکتی ہے اس واسطے کہ نماز کی محافظت اور نگہبانی میں سب مشقتوں پر صبر کرنا اور تمام منافع کو چھوڑنا ضرور ہوتا ہے اور سب لذتوں پر حرص کرنا محافظت کو منع کرتا ہے اسی واسطے محافظت پر ختم فرمایا ہے اُولٰٓئِکَ یہ سب فرقے جو بے صبری اور بخل اور حرص کی برائیوں سے پاک ہیں
فِیْ جَنّٰتٍ قسم قسم کے باغوں میں ہوں گے اپنے اپنے عملوں کے مرتبے کے موافق مُّکْرَمُوْنَ تعظیم اور بزرگی کیے گئے یعنی عزت سے وہاں ہوں گے اس واسطے کہ سب اچھی خصلتیں ان میں پائی جاتی ہیں اور برائیوں سے بچے ہوئے ہیں اور بزرگوں کی تعظیم واجب ہوتی ہے۔ ع ۵

جس طرح سے شریر نافرمانوں کی حقارت واجب ہے اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدمی کی بزرگی اس کے اخلاق اور خصلتیں اچھی ہونے کے سبب سے ہے اور اس کی برائی اس کے اخلاق اور خصلتیں بری ہونے کے سبب سے اور بعضے مفسروں سے روایت آئی ہے کہ قرآن شریف میں بہشت کی بزرگی اور جو جو بہشتیوں کو طرح طرح کی بزرگیوں کے وعدے دیے گئے ہیں کافروں نے سنتے تو ہنسی اور مسخری کے طور پر آنحضرت صلی اللہ

ف آدمی کی بزرگی اور بڑائی کے سبب کا بیان۔

علیہ وسلم کی مجلس شریف میں آتے اور حلقے باندھ کر داہنے بائیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھتے اور کہتے کہ اگر یہ قول تمہارا سچ ہے اور قیامت کا ظہور ہونا ضرور ہے اور اس قسم کی نعمتیں اور بزرگیاں وہاں عنایت ہوں گی تو اس کو تم یقین جان رکھو کہ ہم لوگ ان نعمتوں اور بزرگیوں کے زیادہ تر لائق ہوں گے نہ یہ جنہوں نے تمہاری تابعداری اختیار کی ہے اس واسطے کہ حق تعالی الحکیم ہے ہم کو دنیا میں عزت والا اور بزرگی والا کیا ہے اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے اور مال اور مرتبہ اور سرداری اور ریاست ہم کو بخشی ہے یہی دلیل ہے اس بات پر کہ آخرت میں بھی اپنی نعمتوں سے ہم کو نوازے گا اور تمہارے تابعدار لوگ کہ اکثر فقیر اور محتاج ہیں اور غلام اور رذیلے اور کم اصل وہ ہرگز ان نعمتوں کے سزاوار نہیں ہیں سو حق تعالے نے ان کی اس مسخری کی بات کے رد کرنے کے واسطے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پھر کیا ہوا ہے ان کافروں کو جو بہشت کی نعمتوں کے سننے سے قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۙ تیری طرف دوڑے آتے ہیں طمع کی گردن دراز کیے ہوئے اور امید کی آنکھ سے تیری طرف دیکھتے ہوئے کیا یہ لوگ بہشتیوں کی صفتوں کو جو آٹھوں اوپر بیان ہو چکی ہیں اپنے میں حاصل کر چکے ہیں جو اس امید پر تیری طرف دوڑے چلے آتے ہیں اور باوجود اس امید کے ان کے نفس ایسے سرکش ہیں کہ تمہارے روبرو دوزانو ہو کر ادب سے بیٹھنے کو قبول نہیں کرتے بلکہ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ داہنے اور بائیں سے حلقہ کر کے بیٹھتے ہیں تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ بھی تمہارے تابعدار ہوئے اور کچھ اچھی دین کی بات سیکھنے کو تمہارے پاس آئے ہیں اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ کیا طمع کرتا ہے ہر شخص ان کا اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۙ اس بات کی کہ داخل کیا جاوے نعمتوں والی بہشت میں باوجود اس کفر اور دشمنی اور مسخری کے اور باوجود اس باطل اعتقاد اور گھمنڈ کے کہ ہم لوگ اصل پیدائش میں عزیز اور بزرگ پیدا ہوئے ہیں کتنا ہی کفر اور برائی ہم سے ہووے لیکن ہم بہشت ہی کے سزاوار ہیں اور حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اور تابعدار اگر مسلمان اور نیک بخت ہوں لیکن جو اکثر ان میں رذالے اور کم اصل ہیں سو ذلت اور حقارت ہی کے لائق ہیں اور اس امر کو دنیا کی مجلسوں اور محفلوں کی تعظیم اور تکریم پر قیاس کرتے ہیں كَلَّا ۝ ہرگز ایسا نہیں ہونا ہے

چاہیے کہ ایسی جھوٹی طمع کو چھوڑیں اور ایسے باطل خیال اور فاسد قیاس سے درگذریں اس واسطے کہ اصل پیدائش میں کوئی نہ واجب التعظیم ہے نہ لازم التکریم اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ مقرر ہم نے پیدا کیا ان کو اس چیز سے جس کا حال یہ خوب جانتے ہیں اور وہ چیز منی کا قطرہ اور نطفہ ہے کہ وہ آپ بھی ناپاک ہے اور ناپاک جگہ سے نکلتی ہے اور ناپاک ہی جگہ میں ٹھہر جاتی ہے پھر کہیں اگر بدن یا کپڑے پر لگ جاتی ہے تو اس بدن اور کپڑے کا دھونا واجب ہوتا ہے پھر اب سوچنا چاہیے کہ آدمی کہاں سے واجب التعظیم اور تکریم ہوا ہاں البتہ آدمی کی بزرگی اور بڑائی ایمان اور نیک عملوں سے ہے اصل پیدائش سے کچھ علاقہ نہیں لیکن رذالت اصل پیدائش سے بھی ہے اور کفر کی برائیوں سے بھی پھر اگر ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو اصلی رذالت اس کی دور ہوئی اور تعظیم اور تکریم کے سزاوار ہو گیا اور اگر کفر اور گناہوں میں گرفتار رہا تو اصلی رذالت اس کی اس نافرمانی کی رذالت سے مل کر دونی ہوگئی تو یہ لوگ ہرگز تعظیم اور بزرگی کے قابل نہیں ہیں اس واسطے کہ دونی رذالت رکھتے ہیں بلکہ تعظیم اور تکریم کے سزاوار وہ لوگ ہیں جو تمہاری صحبت میں دین سیکھنے کو مقرر ہوئے ہیں اور تم پر آپ کو فدا کیے ہوئے ہیں فَلَآ اُقْسِمُ پھر قسم نہیں کھاتے ہیں ہم اس واسطے کہ قسم کھانے کی اس جگہ احتیاج نہیں ہے حق تعالےٰ کی قدرت کاملہ سب پر ظاہر اور روشن ہے جس فرقے کو چاہے بدل کر دوسرا اس سے بہتر اس کے عوض میں پیدا کر دے اور اگر تم کو بدون قسم کھانے کے یقین نہیں ہوتا تو ہماری قسم بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اپنی ان صفتوں کر کے ہے یعنے پروردگار مشرقوں اور مغربوں کا ہوں میں اور یہ کثرت مشرقوں اور مغربوں کی اس واسطے ہے کہ ہر ستارہ سورج ہو یا چاند یا دوسرے پانچوں ستارے ان سب کی ہر روز ایک نئی مشرق ہوتی ہے سوائے اس مشرق کے جو سال کے پہلے ہو چکی ہے اس ستارے کے دوری کی قدر منطقہ معدل سے یا نزدیکی اس ستارے کی اسی منطقہ سے پھر اسی طرح ہر ایک ستارے کی مغرب بھی جدا ہے لیکن تموز میں آفتاب کو نصف سال تک مشرقین اور مغربین جدا جدا معلوم ہوتے ہیں اور باقی آدھے سال میں وہی مشرقین اور مغربین عود کرتے ہیں یعنی پھر پھر آتے ہیں اور یہ ہماری صفت شرافت اور حقارت کے تغیر اور تبدل پر دلیل کافی ہے یعنی بعضوں

کو اپنی مخلوقات میں سے کسی وقت میں ایسی عظمت اور بزرگی سے سرفراز کرتے ہیں ہم کہ انوار کے ظہور کے مشرق ہوجاتے ہیں اور پھر دوسرے وقت ان ہی مخلوق کو اس عظمت اور بزرگی سے معزول کرکے دوسرے کو اسی بزرگی سے سرفراز کرتے ہیں ہم پھر اسی طرح بعضوں کو اپنی مخلوقات سے ایسی ذلت سے رُسوا کردیتے ہیں کہ بالکل سیاہی اور تاریکی اُس پر چھا جاتی ہے پھر دوسرے کو اسی رسوائی سے ذلیل کردیتے ہیں ہم اور اسی پر اور بھی قیاس کرلینا چاہیے اور جب یہ ہماری قدرت اور عظمت اور حقارت کے تغیر اور تبدل میں برس کے ہر دنوں میں ظاہر ہوتی اور کھل گئی تو ثابت ہوا کہ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۙ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ مقرر البتہ ہم قادر ہیں اس پر کہ بدل کرے آویں دوسرے فرقے کو جو بہتر ہوں اُن سے تمہاری صحبت کے واسطے اور تمہاری شاگردی اور نیک راہ سیکھنے اور خلق کی آراستگی اور عملوں کے نیک کرنے میں اُن سے وہ بہتر ہوں سو وہ فرقہ انصاریوں کا تھا وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ اور نہیں ہیں ہم ایسے کہ کوئی ہم سے بڑھ چلے اور اس قدر تعظیم اور بزرگی کا مستحق ہوجاوے کہ ہماری قدرت اور زور کو لے لیوے اور اس کی حقارت اور اہانت کرنے سے ہماری تعظیم اور تکریم نہ رہے یا یہ عزت اور بزرگی ہم سے لے کر دوسرے کو حوالے کردے اور ہم کو عاجز کردے سو ایسا کوئی نہیں ہے تو بس معلوم ہوا کہ یہ ان سب کا جمع ہوکر تمہارے پاس آنا کچھ بہشت میں داخل ہونے کی طمع سے نہیں اور نہ تعظیم اور بزرگی کرنے کی راہ سے ہے بلکہ اُن کے تکبر سے ہے جو بڑھ بڑھ کے باتیں کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی آیتوں سے اور اس کے وعدوں سے مسخری کرتے ہیں فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا پھر چھوڑ دے اُن کو تاکہ یہ باتیں بناویں اور کھیلیں حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۙ یہاں تک کہ ملاقات کریں اُس اپنے بُرے دن کی کہ جس کا وعدہ دیے جاتے ہیں لیکن اُس دن حق تعالیٰ کی طرف بلانے والے کو دوسری طرح سے جواب دیں گے یعنی جس طرح اب ہنسی اور مسخری کے ارادے سے تمہارے پاس آتے ہیں سو اُس دن یہ بات نہ ہوگی بلکہ نہایت بے چینی اور بے قراری سے اس بلانے والے کے پاس دوڑ کر حاضر ہوں گے يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ جس دن نکلیں گے اکیلے کھلے بدن ننگے سر اور ننگے پاؤں مِنَ الْاَجْدَاثِ قبروں سے سِرَاعًا دوڑتے ہوئے

اور جلدی کرتے ہوئے حضرت اسرافیل علیہ السّلام کی صور کی آواز سُن کے كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ گویا کہ وہ سب کسی بت کی طرف جس کو اس گھر سے نکال کر کھڑا کیا ہے درشن کے واسطے يُوْفِضُوْنَ ۝ دوڑے جاتے ہیں جلدی سے اس ارادے سے کہ سب سے پہلے ہم ہی درشن کریں اور چوم چاٹ لیں اس کو اور اپنے تئیں اس تک پہنچاویں اس آرزو سے کہ اس وقت جو پہنچا سو پہنچا لیکن یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ اُنکا دوڑنا اور جلدی کرنا نہایت ذلّت اور خواری کے ساتھ ملا ہوا ہوگا اس واسطے کہ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تاریک اور متحیر ہوتی ہوں گی آنکھیں اُن کی بلکہ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ چھاوے گی سر سے پاؤں تک اُن کو ذلت اور رُسوائی ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ وہ بڑا دن اُن کا ہے جس کا وعدہ دیے جاتے تھے نہ وہ صبر کرنیوالوں اور کم حرصوں کا دن ہے اس واسطے کہ اُن کو اس دن نعمت والی بہشتوں میں تعظیم اور تکریم سے داخل کریں گے باقی رہے اس مقام پر کتنے سوال جن کا جواب ضرور ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو جو سب مخلوقات سے اشرف اور بزرگ ہے جس کو فرشتوں نے سجدہ کیا ہے اور تمام روئے زمین کا خلیفہ ہے اس طرح کا بے صبر اور حریص کس واسطے پیدا کیا اور اُس کی اصل خلقت میں ان دونوں مذموم صفتوں کو کس واسطے ملا دیا دوسرے حیوانوں کو عشر عشیر بھی اس کا نہیں ہے یعنی دسویں حصے کا دسواں حصّہ یعنے سو میں کا ایک حصّہ بھی نہیں رکھتے کھانا پانی نہ ملنے کے وقت اور مصیبت میں گرفتار ہونے کے وقت جو بیقراری اور بیتابی یہ کرتا ہے دوسرے حیوانوں کو کبھی اس قسم کی بیتابی اور بیصبری نہیں ہوتی اور اس بات میں نہایت ذلت اور رسوائی اس کی ہے اور اس حرص اور بیصبری کے سبب سے جہاں کہیں کچھ طمع اور لالچ دیکھتا ہے اُس کا تابع اور غلام بن جاتا ہے اور ہر گرم اور سرد سے اس بیقراری اور بے صبری کے سبب سے خوف کرتا ہے اور ڈرتا ہے سو اگر اُس کا خمیر ان ہی دو چیزوں سے کیا ہے اور اس کی اصل خلقت میں یہ دونوں عیب ملا دیے ہیں پھر بے صبری اور حرص پر جو اس سے ہو غصّہ اور غضب کرنا اور اُس کو بُرا کہنا کس واسطے ہے اس واسطے کہ اس کی اس میں کچھ تقصیر نہیں ہے جبلی اور پیدائشی چیز سے وہ ناچار ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حرص اور بے صبری کی شدت اور زیادتی جو انسان میں پائی جاتی

ہے یہ حقیقت میں اس کی بہتری کا سبب ہے اس واسطے کہ معرفت کے درجوں کی ترقی اور حق کی راہ کا چلنا اور جناب احدیت کی درگاہ میں قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کا کوئی وسیلہ اور زینہ اس سے بہتر اس کے واسطے نہیں ہے اگر یہ حرص کی شدت اور بے صبری اسکو نہ ہوتی تو یہ بھی دوسرے حیوانوں کی طرح تھوڑی سی معرفت پر قناعت کرتا اور بڑے بڑے معرفت اور قرب کے درجوں کا طالب اور خواہاں نہ ہوتا اور حال یہ ہے کہ معرفت کے دریا کا کنارہ بھی نہیں ہے اور قرب اور نزدیکی کے مرتبوں کی کہیں حد اور انتہا ظاہر نہیں ہے پھر اگر اُس کا شوق اور حرص دمبدم زیادہ نہ ہوتا جائے اور استسقا والے کی طرح پیاس پیاس کرکے نہ پکارے تو یہ راہ بے نہایت جس کی کہیں حد اور کنارے کا پتا بھی معلوم نہیں ہے کس طرح کٹ سکے اور یہ سب مرتبے قرب اور معرفت کے معطل اور بیکار رہ جاویں اور اگر اپنے مالک اور خالق کی جُدائی میں ایک لمحہ صبر کرے اور بیتابی اور بیقراری اور گبھراہٹ نہ کرے تو اس کی محبت اور عاشقی اور اپنے حال سے بے حال ہوجانا کسطرح ثابت اور ظاہر ہووے مصرعہ میانِ عشق و صبوری ہزار فرسنگ ست ۔ یعنی عشق اور صبر میں نہایت مباینت اور دوری ہے جمع ہونا محال ہے پھر جب ثابت ہوا کہ آدمی کی شرافت اور بزرگی دوسری مخلوقات پر اسی سبب سے ہے کہ اس کو اپنے خاوند حقیقی کے عشق اور محبت کا مستعد یعنی استعداد والا پیدا کیا ہے اور اُس کے قرب اور نزدیکی کا متلاشی اور ڈھونڈھنے والا بنایا ہے اور معرفت کے دریا کا جو بے تھاہ ہے غوطہ خور کیا ہے اسی واسطے اُس کو یہ دونوں چیزیں یعنی بے صبری اور حرص کی زیادتی بنا صَرور ہوا اس پر غصہ اور غضب کرنا اور اس کی مذمت کرنا اس کے حرص کی زیادتی اور بے صبری کے سبب سے نہیں ہے بلکہ اس پر غصہ اور غضب اس واسطے ہے کہ یہ اپنی حماقت اور نادانی سے ناپائدار اور فنا ہونے والی لذتوں پر بیقراری کرتا ہے اور جو چیزیں چھوڑنے اور ترک کرنے کے لائق ہیں ان پر اپنی حرص کو صرف کرتا ہے غرضیکہ بے جگہ صرف کرنے پر اُس کی مذمت اور بُرائی بیان کی جاتی ہے جس طرح کوئی شخص اپنی جورو یا لونڈی کو اچھے کپڑے اور زیور پہنا کر آراستہ کرے اپنی خوشی اور دیکھنے کے واسطے اور وہ عورت شرارت اور ناشکری سے اپنے خاوند کا حق تلف کرکے اس لباس اور زیور کو

پہن کر دوسرے یار پاس جاوے اور اپنی زیب و زینت دوسروں کو دکھاوے تو وہ عورت سب کے نزدیک بُری اور پھٹکار کی سزاوار ہوگی اللہ تعالےٰ پناہ دیوے ایسی ناشکری سے اور کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے سہ اَلصَّبْرُ مَحْمُوْدٌ فِیْ مَوَاطِنِ کُلِّھَا ۞ اِلَّا عَلَیْکَ فَاِنَّہٗ مَذْمُوْمٌ یعنے صبر کرنا بہتر اور سراہا گیا ہے سب جگہ میں لیکن ایسا کام کرنا جس میں دوسرے کو اپنے اوپر صبر کرنا پڑے سو بے شک بُرا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے مَنْھُوْمَانِ لَایَشْبَعَانِ طَالِبُ عِلْمٍ وَطَالِبُ دُنْیَا یعنے دو حریصوں کا پیٹ بھرتا نہیں ایک علم کے طالب کا دوسرا دنیا کے طالب کا اور دوسری حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ لَاحَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَسَلَّطَہٗ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ فِی الْحَقِّ فَھُوَ یُنْفِقُ مِنْہُ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّھَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ الْحِکْمَۃَ فَھُوَ یَقْضِیْ بِھَا وَیُعَلِّمُھَا یعنے نہیں ہے حسد مگر دو شخصوں میں ایک وہ شخص جس کو دیا اللہ تعالیٰ نے مال پھر مسلط کیا اس کو یعنے توفیق دی اُس کو اُس مال کے خرچ کرنے پر اچھی جگہ میں پھر وہ خرچ کرتا ہے اسی مال سے رات اور دن دوسرا وہ شخص جس کو دی اللہ تعالےٰ نے حکمت یعنی دین کا علم پھر وہ حکم کر رہا ہے موافق اس علم کے اور سکھلا رہا ہے لوگوں کو۔

-x——————————x-

سُورَۃ نُوحٍ عَلَیہِ السَّلام

تمہید

یہ سورۃ مکی ہے اور اس میں اٹھائیس ۲۸ آیتیں اور دو سو چوبیس ۲۲۴ کلمے اور نو سو انتیس ۹۲۹ حرف ہیں اور اس سورۃ کا نام سورۂ نوح اس واسطے رکھا ہے کہ اس سورۃ میں سوائے حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے دوسرا حال مذکور نہیں ہے اور تمام قرآن شریف میں دو سورتیں ایسی ہیں کہ جن میں ایک ذکر خاص کے سوائے دوسرا کوئی حال بیان نہیں فرمایا اور اس سورۃ کو حضرت نوح علیہ السّلام کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اس واسطے کہ سوائے اُن کے کلام کے دوسرا کلام اس میں مذکور نہیں ہے تو گویا اس سورۃ کا مضمون بالکل حضرت نوح علیہ السّلام کا کلام ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سورۃ میں حق تعالیٰ کی طرف خلق اللہ کی دعوت کے قاعدے اور اس دعوت میں شرطوں اور ادب کی رعایت کرنا جو پیغمبروں اور اُن کے وارثوں کے عمدہ کام ہیں خوب اچھی طرح سے بیان کیے گئے ہیں اور اس دعوت میں حضرت نوح علیہ السّلام جتنے حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے والے اور بلانے والے گذرے ہیں ان سب کے پیشوا ہیں اس واسطے کہ اُن سے پہلے حضرت آدم علیہ السّلام کے وقت سے اُن کی نبوت تک جہان کے لوگ دعوت کے محتاج نہ تھے اور کفر اور شرک میں گرفتار نہ ہوئے تھے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم اور ہدایت اسی طرح دوسرے پیغمبروں کی رہنمائی لوگوں کو کافی تھی جیسے باپ کی تربیت اپنی اولاد کو اور قبیلے کے بزرگوں کی نصیحت اپنے چھوٹوں کو ہوتی ہے اس واسطے کہ کوئی اپنا مقابل اور طرف نہ رکھتے تھے تو اُن کو فقط نصیحت کافی تھی پھر پہلے رسول حق تعالیٰ کے جنہوں نے اس مالک الملک کا پیغام اُس کے بندوں کو پہنچایا اور لوگوں کے اعتقاد کے خلاف اُن کو تکلیف دی وہ حضرت نوح علیہ السّلام ہیں اسی واسطے شفاعت کی حدیث میں اُن کے حق میں فرمایا ہے اَوَّلُ رَسُوْلٍ بَعَثَہُ اللّٰہُ یعنے پہلے رسول جن کو بھیجا اللہ تعالےٰ نے سو اس سورۃ کا مضمون جس میں خلق اللہ کی دعوت کا طریقہ حق تعالیٰ کی طرف بیان ہے پہلے حضرت نوح علیہ السّلام کے علم سے ہے اور یہ طریقہ جو دوسروں کو پہنچا وہ ان ہی کی میراث

ہے اور اس سورۃ کا ربط سورۂ معارج سے یوں ہے کہ سورۂ معارج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دل تنگی کے اسباب مذکور ہیں جیسے اپنی قوم کے کافروں کی دعوت کرنا یعنے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور اُن کافروں کا نہایت بے باکی اور جرأت سے سوال کرنا قیامت کے عذاب کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی دعوت کی مشقت اور ایذا پر صبر کا حکم ہونا مذکور ہے اور اس سورۃ میں اوّل سے آخر تک حضرت نوح علیہ السلام کی دل تنگی کا حال مذکور ہے باوجود اس بات کے کہ ہزار سال تک کافروں کے ظلم اور ایذائیں اُٹھائیں لیکن ان کافروں میں تابعداری اور فرمانبرداری کا اثر بھی نہ پایا گیا تو گویا اشارۃً یوں ارشاد ہوتا ہے کہ پیغمبروں کو خلق اللہ کی دعوت میں اسی طرح کی بُردباری اور تحمل چاہیے اور اُنکی ایذاؤں پر صبر کرنا چاہیے اور اگر ایک طور سے وہ کافر نہ سمجھیں تو دوسری طرح سے سمجھانا چاہیے اور اگر اس طرح سے بھی نہ سمجھیں تو تیسری طرح سے غرضیکہ نجید اور دل تنگ نہ ہونا چاہئے اور یہ بھی ہے کہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ قیامت کا عذاب جو کافروں کے واسطے وعدہ کیا گیا ہے اگرچہ دور معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی دوری کے لحاظ سے ڈرانے اور خوف دلانے میں اس عذاب سے قصور نہ چاہیے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے قصور نہ کیا اس واسطے طوفان کے عذاب سے خوف دلانے کا حکم اُن کو ہزار سال پہلے ہوا تھا اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس عذاب سے خوف دلانے میں باوجود دور ہونے کے بہت سی سعی اور کوشش کی تو اب یہ بات ثابت ہوئی کہ جو چیز آدمیوں کے ذہن اور خیال میں دور معلوم ہووے وہ چیز حق تعالیٰ کی قدرت میں بہت نزدیک ہے پس معلوم ہوا کہ یہ سورۃ حق تعالیٰ کے اس قول کی کہ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا دلیل اور برہان ہے اور باوجود ایسی دلالت کے ان دونوں سورتوں کے مضمون بھی آپس میں مناسب واقع ہوئے ہیں چنانچہ اُس سورۃ میں فرمایا ہے کہ لَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا اور اس سورۃ میں ہے فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا اور اس سورۃ میں تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى وَجَمَعَ فَاَوْعٰى اور اس سورۃ میں وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا اور اُس سورۃ میں وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ واقع ہے اور اس سورۃ میں مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا اور اس سورت کے اوّل میں مذکور ہے کہ حق تعالیٰ کا عذاب نہایت جرأت سے ایک

شخص اپنے خویش واقربا کے واسطے مانگتا ہے اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ ایک پیغمبر مظلوم محنت اور ایذا اٹھائے ہوئے عام مغفرت کی دعا پہلے اور پچھلوں کے واسطے کرتا ہے اور کہتا ہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (مصرعہ) بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؛ یعنے دیکھ فرق دونوں راہوں میں کہاں سے ہے کہاں تک اور سوائے اس کے بہت وجہیں مناسبت کی ہیں فکر اور غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام اولوا العزم پیغمبروں میں سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے جو ابوالبشر ہیں دسویں درجے میں ان کا ظہور ہوا انکے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان میں آٹھ واسطے پائے جاتے ہیں اس طور سے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کا نام لملک تھا بڑے نیک بخت موحد تھے لوگوں کو توحید کی تعلیم کیا کرتے تھے ان کے باپ کا نام متوشلخ تھا حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹے ایسے تیز ذہن تھے کہ دس برس کی عمر میں جتنے آسمانی صحیفے جو حضرت ادریس علیہ السلام اور شیث اور آدم علیہما السلام پر نازل ہوئے تھے وہ سب یاد کر لیے تھے اور بعد حضرت ادریس علیہ السلام کے یہی اُن کے خلیفہ ہوئے تھے اور بنی آدم کے کاموں میں اور اُن کی بہتری میں بہت کوشش اور سعی کیا کرتے تھے اور بہت کثیر الاولاد تھے اور اُن کے باپ حضرت ادریس علیہ السلام تھے جن کا نام اصل اخنوخ تھا اور بڑے مشہور پیغمبروں میں سے ہیں کئی جگہ قرآن شریف میں بھی اُن کا ذکر آیا ہے اور ریاضی اور طبعی اپنے علموں کو یونان والے حکما ان نبی کی طرف نسبت کرتے ہیں اور لکھنا اور سینا بھی پہلے آدمیوں میں اُن ہی سے نکلا ہے اُن کے باپ کا نام یرد تھا جو قابیل کی اولاد کے ساتھ ہمیشہ لڑائی اور جہاد کیا کرتے تھے اور حضرت آدم کی ریاست یعنی گدی پر یہی تھے اُن کے باپ کا نام مہلائیل تھا آدمیوں کو علحدہ علحدہ شہروں میں پہلے اُن ہی نے بسایا اور بابل شہر آباد کر کے آپ مع اپنے خویش و اقربا وہاں رہے اور شہر سوس بھی ان ہی کا بنا کیا ہوا ہے اُنؒ کے باپ کا نام قینان تھا یہ بھی بڑے نیک بخت اپنے آباو اجداد کے طور پر تھے اُن کے باپ کا نام انوش تھا حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں یہ سب سے افضل تھے اور حضرت آدم علیہ السلام اپنے دادا کے برابر دفن ہیں اُن کے باپ کا نام شیث علیہ السلام تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے جانشین اور

خلیفہ تھے اور بڑے عظیم القدر پیغمبروں میں سے ہیں پچاس صحیفے اُن پر نازل ہوئے تھے اور یونان کے حکما حکمت الٰہی کو اُن ہی سے نقل کرتے ہیں اور یہ عبادت اور ریاضت میں بہت مشغول رہتے تھے یہانتک آٹھ واسطے ہوئے اور اُن آٹھوں میں کوئی کافر نہ تھا سب مسلمان اور نیک بخت تھے ہاں حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی آدم میں بُت پرستی شروع ہوئی اور سبب اس کا یہ ہوا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹے سب اولیاء اللہ اور نیک بخت تھے اور ہر ایک نے اپنی عبادت کے واسطے ایک مسجد بنا کر اُس میں آپ بھی عبادت کرتے اور لوگوں کو بھی مسجد میں حاضر ہونے اور حق تعالیٰ کے ذکر اور بندگی میں مشغول رہنے کی نصیحت کیا کرتے تھے چنانچہ بہت لوگ وہاں حاضر رہتے اور اُن کی تعلیم کے بموجب نہایت ذوق اور شوق سے عبادت کیا کرتے اور اُن کی صحبت اور حضوری کی برکت سے عبادت میں نہایت لذت اُن کو حاصل ہوتی جب حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد نے اس عالم سے انتقال کیا تب لوگوں کو نہایت رنج اور ملال ان کی مفارقت سے حاصل ہوا اور آپس میں اکثر اسی بات کا ذکر رہتا کہ جو مزہ عبادت کا اُن بزرگوں کی صحبت میں ہم کو حاصل ہوتا تھا اب وہ بات باقی نہیں جاتی ابلیس مردود کہ انسان کا دشمن جانی ہے اسوقت کو غنیمت جان کر ایک بوڑھے بزرگ کی شکل بن کر مکر کا عمامہ سر پر باندھ کر اور فریب کا عصا ہاتھ میں لے کر جس مجلس میں یہ سب لوگ بیٹھے یہی ذکر کر رہے تھے آن کر موجود ہوا اور کہا کہ تمہارے رنج کے دفع ہونے کی ایک تدبیر میں تمہیں تبلاتا ہوں کہ وہی لذت عبادت میں تم کو پھر حاصل ہوا کرے اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ان بزرگوں کی شکلیں پتھر سے ترشواؤ اور ان بزرگوں کے کپڑے ان تصویروں کو پہنا کر مسجد کی محراب میں اپنے سامنے کھڑا کر دو اور یہ سمجھ لو کہ یہ ہم کو دیکھتے ہیں بموجب اس قول کے کہ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ یعنے اللہ تعالیٰ کے ولی مرتے نہیں ہیں اگر یہ تدبیر کرو گے تو پھر تم کو وہی لذت جو اُن کے سامنے عبادت میں ملتی تھی ملا کرے گی ان لوگوں کو یہ تدبیر بہت پسند آئی اور تصویروں کو بنا کر مسجدوں میں رکھا اور اس میں اس طرح ٹھہرالیا کہ عبادت اور نماز سے فراغت ہونے کے بعد جو مسجد سے باہر جاوے ان تصویروں کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دے کر باہر جاوے تاکہ اس شخص کی حاضری جماعت میں ان بزرگوں کی روحوں کے نزدیک ثابت

ف بیان بت پرستی کے ظہور پانے کا بعد وفات حضرت ادریس علیہ السلام کے جسکی اصلاح کے واسطے حضرت نوح بھیجے گئے تھے۔

ہنچا دے تاکہ یہ بزرگ حق تعالیٰ کی درگاہ میں اس بات کی گواہی دیں کہ یہ شخص ہمارے سامنے جماعت کے ساتھ تیری عبادت میں مشغول تھا اور ہماری شفاعت کریں ہوتے ہوتے اس امر نے ایسا رواج پایا کہ عبادت اور ذکر بالکل موقوف ہو گیا پس ان تصویروں کے ہاتھ چومنا فقط رہ گیا کہ جو شخص مسجد میں آتا ان تصویروں کے دست بوس اور قدم بوس ہو کر چلا جاتا پھر تھوڑے دنوں کے بعد قدم بوسی کے عوض خاک بوسی اور سجدہ شروع ہو گیا بلکہ اور سب موقوف ہو کر یہی رواج پایا حضرت نوحؑ علیہ السلام کے باپ لوگوں کو اس بُرے کام سے بہت بہت منع کیا کرتے تھے لیکن لوگ ان کی بات نہیں سنتے تھے اسی اپنے کام کو اچھا جان کر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت نوحؑ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے رسول کر کے اُن لوگوں کے سمجھانے کو بھیجا اور ساڑھے نو سو برس حضرت نوح علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ ان بتوں کی عبادت کو چھوڑ دو اور حق تعالیٰ کو وحدہٗ لا شریک جان کر اس کی عبادت میں مشغول ہو لیکن ان لوگوں نے ہرگز آپ کی بات کو نہ مانا اور اس ساڑھے نو سو برس سمجھانے سے اسّی آدمی اُن پر ایمان لائے اور اس بُت پرستی کو چھوڑا دوسرے تمام روئے زمین کے آدمیوں نے باوجود اتنی مدت سمجھانے کے کسی نے اُنکا کہنا نہ سُنا اور اتنی مدت دراز میں کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہی جہاں ان کی دعوت نہ پہنچی لیکن سب نے انکار کیا اور ہرگز قبول نہ کیا آخر حضرت نوح علیہ السلام نے اُن کے ایمان لانے سے مایوس ہو کر ان پر بددُعا کی حق تعالیٰ نے اُن کی بددعا سے ان پر طوفان بھیجا اور سب کو ڈبو دیا اور طوفان کے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو حق تعالیٰ کا حکم ہوا تھا کہ اپنے واسطے اور اپنے گھر والوں اور مسلمانوں کے واسطے ایک کشتی بناؤ اور سب جانوروں اور چرند اور پرند میں سے ایک ایک جوڑا لے کر اس میں بند رکھو جس وقت تنور سے پانی اُبلے اس وقت کشتی میں سوار ہونا چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس حکم کے موافق کشتی تیار کر کے کھانا اور پانی اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا اس کشتی میں رکھ کر منتظر طوفان کے بیٹھے جوں ہی پانی تنور سے اُبلا آپ اور اپنے اہل بیت کو کہ تین بیٹے اور اُن کی بیبیاں اور لونڈیاں اور غلام اور اسّی آدمی اور دوسرے جو مسلمان ہوئے تھے ان سب کو لے کر اس کشتی میں سوار ہوئے اور اس کشتی کے اوپر ایک سرپوش رکھا تھا تاکہ آسمان سے بارش کا پانی کشتی میں نہ آوے لیکن حضرت نوح علیہ السلام کی بی بی اور ایک بیٹا جس کا نام کنعان تھا آپ

پر ایمان نہ لائے تھے یہ دونوں کشتی میں نہ بیٹھے کافروں کے ساتھ غرق ہوئے اور حضرت نوح علیہ السلام
چھؔ مہینے کشتی میں رہے تھے دسویںؔ رجب کو سوار ہوئے تھے اور دسویںؔ محرم کو عاشورے
کے دن اترے اور طوفان کا پانی زمین سے اُبلتا تھا اور آسمان سے بھی برستا تھا چالیسؔ دن تک
پانی کی زیادتی اور طغیانی رہی چالیسؔ دن کے بعد جوش موقوف ہوا اور آہستہ آہستہ پانی گھٹنا
شروع ہوا چھ مہینے کے بعد زمین نمودار ہوئی اور حضرت نوح علیہ السّلام اور اُن کے ساتھ والے
کشتی سے اُترے اور حضرت نوح علیہ السّلام کی عمر میں بڑا اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ ایک ہزار
چار سو برس کی عمر تھی اور قرآن شریف سے اتنا بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ ہزار برس سے زیادہ عمر
تھی اس واسطے کہ سورۂ عنکبوت میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعد نبی ہونے کے پہلے طوفان
سے ساڑھے نو سو برس دعوت کی اور کم سے کم چالیس برس کی عمر ہوگی جب آپ رسالت کے
خلعت سے سرفراز ہوئے تھے اور بعد طوفان کے بھی بہت دنوں دُنیا میں آپ رہے چنانچہ
اس کا ذکر سورۂ ہود میں ہے اب یہاں پر اس سورۃ کی تفسیر کے شروع سے پہلے دوؔ مقدموں
کو جان لینا ضرور ہے تاکہ اس سورۃ کے معنی بہت آسانی سے بوجھ میں آجاویں پہلاؔ مقدمہ
یہ ہے کہ جب حق تعالےٰ کسی اپنے بندۂ خاص کو مقبول اپنی بارگاہ کا کرکے پیغام پہنچانے
کو خلق کی طرف بھیجتا ہے تو اس بندے کو لازم ہے کہ ان لوگوں کے عقیدے اور ان کے
عمل اور خلق اور باطنی حالوں کو خوب غور اور تامل سے دریافت کرے اور اس کے اصل مرض
کو پہچانے اور اس اصل مرض کے مٹانے اور دور کرنے کو سب امر و نہی پر مقدم جانے پھر
اُس کے بعد اُنکی طبیعت کی خواہشوں اور ان کی مفرزی حاجتوں اور احوالوں میں اپنی نظر کو
دوڑاوے اور اُنکو اس چیز سے جس سے بالطبع یا بحسب مفرزی حاجتوں اپنی کے ڈرتے ہوں
خوف دلاوے اور جس چیز کو بالطبع یا موافق مفرزی حاجتوں اپنی کے خواہش کرتے ہوں اُس
کا امیدوار کرے اور جس طرح پہلے اُن کی عقلی قوت کی اور نفسانی ملکوں کی اصلاح منظور رکھی
تھی اسی طرح اس کام میں ان کی وہمیہ قوت کی اصلاح امیدوار کرنے اور خوف دلانے
سے منظور رکھے اس واسطے کہ روح انسانی کی مملکت میں عقل وزیر ہے اور صاحب الامر
اور مختار کار اور حاکم اس مملکت کا وہم ہے اور جب یہ دونوں یعنی عقل اور وہم تابعدار ہوگئے

تو دوسرے جتنے ارکان اور تابع اور لشکر اس سلطنت کے ہیں خود بخود فرمانبردار ہو جائینگے اور ایک حالت عجیب حاصل ہو گی بموجب اس مصرعہ کے سے از دوست یک اشارہ واز مابسر وبدن:: یعنے پھر انکا حوال اس مصرعہ کے موافق ہو جائے گا کہ معشوق کی طرف سے ایک اشارہ اور عاشق کی طرف سے اس کو سر اور آنکھ سے بجا لانا لیکن ان دونوں کاموں کو قاصد اور ہر کارے کے طور سے ان کو نہ پہنچاوے بموجب مضمون اس شعر کے کہ سے دادیم ترا ز گنج مقصود نشان :: مختار تو ئی خواہ رسی یا نہ رسی :: یعنی مقصود کے خزانے کا پتا تم کو بتا دیا اب آگے وہاں پہنچو یا نہ پہنچو تم مختار ہو بلکہ باپ سا شفیق اور طبیب سا ناصح ہو کے اُن کی بیماری کی سختی سے دل تنگ اور رنجیدہ نہ ہو اور طرح طرح کی تدبیریں اس کے نفع کے واسطے کرے اگر ایک طرح سے نہ سمجھیں تو دوسری طرح سے سمجھاوے جہانتک اُن کی استعداد کا پیمانہ گنجائش رکھتا ہو اور جب اُنکی استعداد کا بطلان خوب طرح سے معلوم کرے تب اُن کی نیست اور نابود کر دینے کی فکر کرے جسطرح حیوان کے جسم میں اگر کوئی عضو سڑ جاتا ہے یا اس میں زہر باد ہو جاتا ہے تو اس عضو کو کاٹ ڈالتے ہیں تاکہ دوسرے اعضا کو خراب نہ کرے اسی طرح ان کے وجود کو جانے کہ اگر باقی رہیں گے تو دوسرے کو خراب کریں گے پھر اگر جہاد اور قتال کا اس کو حکم ہو تو لشکر اور دوسرے اسباب لڑائی کے جمع کرنے میں کوشش کرے اور اگر جہاد کرنے کا اس کو حکم نہ ہو تو اُنکے واسطے درگاہ الٰہی میں بد دعا کرے کہ اُن کے وجود کو اس عالم سے محو کرے اور مٹا دے تاکہ اُنکا فساد اور بُرائی دوسروں میں اثر نہ کرے اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم کو اصل مرض یہ تھا کہ حق تعالیٰ کی نزدیکی اور اپنی حاجتوں میں اولیاء اللہ کی روحوں سے جو مظہر کامل ہیں استعانت اور مدد چاہتے تھے اور تنزیہ کے مرتبے سے تقرب حاصل کرنا اور اسی مرتبے سے مدد چاہنا ہرگز ان کے ذہنوں اور خیالوں میں نہیں آتا تھا یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ دنیا کی محبت اور اسی کی خواہش ان کے دلوں میں چھا گئی اور روحانیت کے مرتبے دنہ پہنچنے کے سبب سے ان بزرگوں کی روحیں بھی ان کی نظروں سے غائب ہو گئی تھیں اور خبیث شیطانی روحوں نے اُن کی عوض میں اُن کے سامنے ہو کر اپنی طرف اُنکو کھینچا تھا اور جھوٹے شعبدوں میں اُن کو اپنا فریفتہ کر لیا تھا بس نام تو اولیاء کا رہ گیا تھا اور درحقیقت وہ

سب شیطانی روحیں تھیں اور یہی حال ہے بشریت کا جبلی اور پیدائشی کہ جہاں نیچے کی طرف جھکا اور
معرفت کے عروج سے باز رہا تو بیچ میں بھی نہیں ٹھہرتا بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبے میں جا گرتا ہے
ہاں اگر عبادت اور تقرب میں ان کی نظر اولیاء اللہ کی روحوں کے اصل مرتبے کی طرف متوجہ
ہوتی تو ان روحوں کی طرف سے بھی کچھ نہ کچھ ہدایت اور ارشاد سے مستفید ہوتے اور کبھی کبھی خواب
میں یا دوسرے مثالوں میں ان کو اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی راہ بتا دیتے اور شرک میں صراحۃً
پھنسنے سے باز رکھتے سو یہ تو کچھ نہ ہوا بلکہ ان کی وہمیہ قوت عمر کی درازگی اور ہمیشگی اور مال اور
اولاد کی کثرت اور عمارتوں کی عمدگی اور باغ اور کھیتوں کی زیادتی کو بہت دوست رکھنے لگی اور
ان ہی چیزوں کی محبت ان کے دلوں میں بس گئی تھی لہٰذا ان لوگوں کو یوں سمجھانا ضرور ہوا کہ جتنی
تمہاری خواہش کی چیزیں ہیں وہ سب حق تعالیٰ کے اختیار میں ہیں زمین اور آسمان چاند اور سورج
جو تمہاری خواہش کی چیزوں کے اسباب ہیں ان سب کو حق تعالےٰ نے پیدا کیا ہے سو اگر تم اللہ تعالیٰ
کی طرف رجوع کروگے تو جتنے تمہارے مطلب ہیں سب حاصل ہوں گے اور اگر تم اس سے
پھرے اور اس کا حکم نہ مانا تو خرابی میں پڑو گے اور کچھ بھی تم کو حاصل نہ ہوگا پھر جب حق تعالیٰ
کا قادر اور مختار ہونا ہر چیز پر ان کے دلوں میں خوب طور سے جم جاتا اور اس کی وحدانیت کا
یقین حاصل ہوتا تو پھر آہستہ آہستہ ان کو ترقی کی طرف رغبت دلاتے اور یوں سمجھاتے کہ دنیا فانی
ہے اور اس کی جتنی چیزیں ہیں سب نیست اور نابود ہونیوالی ہیں باقی رہنے والی وہی ذات پاک
ہے سو تم کو چاہیے کہ اپنی ہمت کو بلند کرو اور وہ چیزیں جو عقبیٰ میں کام آویں اور اس مالک الملک
کی رضامندی کا سبب پڑیں حاصل کرو اور حضرت نوح علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ شاید اس
تدبیر سے وہ لوگ راہ پر آجاویں لیکن جب دعوت کی مدت ہزار سال کے قریب پہنچی اور اس
عرصے میں کتنے قرن اور کتنے زمانے گذر گئے اور لوگوں کے احوال میں بھی تغیر و تبدل پایا گیا اور
قسم قسم کی استعداد والے پیدا ہوئے اور گذر گئے لیکن محنت ان کی سب بیفائدہ ہوئی اور
کسی نے ان کی بات نہ سنی اور کوئی راہ پر نہ آیا مگر چند لوگ گنتی کے پھر جب حضرت نوح علیہ السلام
کو ان کی صلاحیت سے بالکل مایوسی حاصل ہوئی آخر ناچار ہو کر پوری بد دعا ان کیواسطے
کی یعنی یوں عرض کیا کہ یا الٰہی اب ان میں ایک کو بھی باقی نہ رکھ حق تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول

کی اور سارے جہان کو غارت کیا۔ اب یہاں پر جاننا چاہیے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کو ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی زبردست مناسبت ہے کئی وجہوں سے جو دوسرے پیغمبروں کو آپ کے ساتھ نہیں ہے اسی واسطے اس سورۃ کو دعوت کے قاعدوں کی تعلیم اور رنج اور مشقت پر صبر کرنے کی تلقین کے واسطے آپ پر نازل فرمایا اور سورۂ معارج میں جو حکم ہوا تھا کہ فاصبر صبراً جمیلا سو اس کے بعد اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السّلام کے قصّے کو نظیر اور تمثیل کے طور پر بیان فرمایا ہے یعنی تم کو ایسا صبر کرنا چاہیے جیسا نوح علیہ السّلام نے کیا تھا اور مناسبت کی وجہوں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم کا عذاب جو وعدہ کیا گیا تھا اُن کے ڈراتے اور خوف دلانے کے وقت سے بہت دوری رکھتا تھا یعنی کچھ کم ہزار برس کا فاصلہ درمیان میں تھا اسی طرح عذاب موعود ہمارے رسول مقبولؐ کی بھی اُمت کا بہت دوری رکھتا ہے چنانچہ قیامت کے دن ہووے گا بخلاف دوسرے پیغمبروں کی قوم کے عذاب کے کہ دنیا ہی میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے آیا اور اُن کی قوم کو ہلاک کیا چنانچہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بد دعا کرنے سے چالیسؔ برس کے بعد غرق ہوا اور اسی طرح دوسرے کافر تھوڑی تھوڑی مدت میں دنیا کے عذاب سے ہلاک ہوئے اور یہ اُمت مرحومہ دنیا کے عذاب سے محفوظ ہے اس اُمت کے کافروں کا عذاب بالکل قیامت کے دن پر حوالہ ہوا ہے اس اُمت کے کافروں پر قتل کرنے اور زندہ پکڑ کے لونڈی غلام بنانے سے کبھی کبھی دنیا میں بھی تنبیہ اور تادیب ہوتی رہتی ہے اور بس دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی دعوت کرنے کی مدت ہمارے پیغمبر علیہ السّلام کی دعوت کی مدت کے برابر ہے اتنا فرق ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام نے اتنی مدت تک خود زندہ رہ کے اپنی ذات سے اس دعوت کو مخلوقات الٰہی تک پہنچایا اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چند دنوں اپنی ذات مبارک سے دعوت فرما کے اپنے نائبوں کو اپنا قائم مقام چھوڑ کے عالم بقا کو تشریف فرما ہوئے اور ان نائبوں کے سبب سے ہزار سال تک یہ امر دعوت کا پورا قائم رہا ہزار سال کے بعد ہندوستان میں کئی شخص جھوٹے دینوں کے مدعی ظاہر ہوئے جیسے نانک والے اور داؤد پنتھی اور خفتاں نمودی اور ان کافروں نے اپنی اپنی دعوت شروع کی اس وقت سے اس دین صحیح کی دعوت کا توحد درہم برہم ہو گیا

ف حضرت نوح علیہ السلام کی مناسبت کا بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

اور پھر اس کے بعد تمام جہان میں بہت جھوٹے دین کے مدعی پیدا ہوئے اور اپنی اپنی دعوتیں شروع کیں اب یہ اُنکا اختلاف بدون ظہور حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہیں دور ہوگا انشاءاللہ تعالےٰ آپ کے زمان فیض نشان میں توحید اور تفرد اس دعوت حقہ کا نئے سر سے تازگی قبول کرے گا تمام عالم میں ایک دین اسلام کا ہوگا اور منکروں پر دوسری مرتبہ الزام حجت کی تجدید کریں گے یعنی حقانیت اس دین متین کی سب پر ثابت ہو جائے گی تاکہ عذاب موعود میں گرفتار ہونے کا مستحق اور قابل اپنے تئیں معلوم کریں اور اپنی قسم کے تمام ہونے کے بھی مستعد ہوویں اور تیسری وجہ مناسبت کی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی نبوت عام تھی تمام مخلوق کو شامل تھی اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نبوت عام ہے سب کو شامل ہے اتنا فرق ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کی بعثت جس طرح آپ کے زمانے والوں کی طرف تھی اسی طرح قیامت تک جو آدمی اور جنات پیدا ہوتے جاویں گے ان سب پر آپ کی بعثت ثابت ہے بخلاف حضرت نوح علیہ السّلام کے کہ اُن کی بعثت اُن کے زمانے والوں پر جو اس وقت دنیا میں موجود تھے تھی یہ نہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو پیدا ہوں گے ان پر بھی وہی نبی رہیں گے اور وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں حدیث وارد ہے کہ بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً اس حدیث شریف کے معنی یہی ہیں اس واسطے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کے وقت میں جو اس زمانہ میں موجود تھے سب آپ کی قوم تھی اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمام آدمیوں کی رسالت سے مخصوص ہیں اپنے زمانے سے قیامت تک جو پیدا ہوویں اور اس بات میں یہ بھید ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کے وقت میں جتنے دنیا میں لوگ تھے سب شرک میں گرفتار تھے اور جو عذاب کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی بد دعا سے حق تعالیٰ نے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا وہ عذاب بھی عام تھا اور سب جہان والوں کو شامل تھا اگر حضرت نوح علیہ السّلام کو تمام جہان والوں کی طرف رسول کر کے نہ بھیجتے اور اُن کی عمر اتنی بڑی نہ کرتے تاکہ اتنی مدت میں تمام روئے زمین پر ان کی دعوت تھوڑی تھوڑی پہنچ جاوے تو خاص کے گناہ پر بلائی عام کی لازم ہوتی اور یہ عدل اور حکمت کے قاعدے کے خلاف ہے اسی طرح سے اس اُمت کے

کافروں پر جو عذاب کہ مقرر اور موعود ہوا ہے وہ بھی عام ہے یعنے تمام عالم کی خرابی کو متضمن ہے اگر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قیامت تک جو پیدا ہوتے جاویں گے اُن سب کی طرف رسول کر کے نہ بھیجتے تو یہاں بھی وہی ہلاکی عام کی خاص کے گناہ پر لازم آتی اور یہ بات حکمت اور عدل کے قاعدے کے خلاف تھی چوتھی وجہ مناسبت کی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی بعثت اور اُنکی دعوت قیامت وسطیٰ کے متصل ہوئی جس کا نام طوفان تھا کہ دنیا میں کسی چیز کو باقی نہ رکھا اور اسی طرح ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دعوت قیامت کبریٰ سے اتصال رکھتی ہے بخلاف دوسرے پیغمبروں کے کہ اُن میں یہ بات نہیں پائی جاتی تھی اور یہ مناسبت بھی تیسری مناسبت کی ایک شاخ ہے پانچویں مناسبت یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کو بعد طوفان کے بڑی شان عظیم حاصل ہوئی تھی یعنی حقتعالیٰ کی نزدیکی کا وسیلہ سوائے اُن کی ذات مبارک کے کوئی نہ تھا اور حق تعالیٰ کی عبادت اور اُن کی معرفت کا حق ادا کرنے والا سوائے اُن کی اُمت اور اُن کے تابعداروں کے دوسرا نہ تھا تو اس سورۃ میں بہت بڑا رتبہ انکی ذات میں منحصر ہوا تھا اور عجیب طرح کی تفرد اور یکتائی اس کارخانے میں اُنکے نصیب ہوئی تھی اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ہونے کے وقت سے یہ مرتبہ حاصل تھا اس واسطے کہ آپ کے نبی ہونے کے بعد جتنے دین تھے سب منسوخ ہو گئے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لائق نہ رہے اور ان دینوں کی عبادت اور معرفت کے طریقے سب باطل اور بے اصل ہو گئے اور اب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے نازل ہونے کے بعد یہ تفرد اور یکتائی ظاہری اور باطنی حقیقی اور حکمی آپ کی ذات مبارک میں جلوہ گر ہو گی اس طور پر کہ کوئی دین سوائے اس دین اسلام کے عالم میں باقی نہ رہے گا اور اسی دین میں توجہ الی اللہ کی شان منحصر ہو گی اور کوئی مدعی کسی دین باطل کا نہ رہے گا حاصل کلام کا یہ ہے کہ ان ہی مناسبتوں کے سبب سے سورۂ نوح کو جو حضرت نوح علیہ السّلام کے قصہ اور ان کے خوف دلانے سے طوفان کے عذاب سے اور سب کے واسطے بد دُعا کرنے کے بیان میں ہے بعد سورۂ معارج کے لائے ہیں کہ اس میں بھی اس اُمت کے عذاب موعود کا سوال کرنے کی اور عذاب کی جلدی کرنے کی ممانعت اور صبر کرنے کا حکم بیان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ بے شک ہم اس مرتبے سے جو جامع ہے درمیان جلال اور جمال کے نکال لینے کے واسطے جلال کی پوشیدگیوں سے جمال کے انوار کی طرف اَرْسَلْنَا نُوْحًا بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو جو ان دونوں شانوں کا جامع تھا اور جلال کی تاریکیوں میں پھنسے ہوؤں کو جمال کی روشنیوں کی طرف نکال لانے کی کیفیتوں پر خبردار تھا اپنا ایلچی اور رسول کر کے اِلٰی قَوْمِهٖ کی قوم کی طرف اس واسطے کہ ہم قوم ہونے کے سبب سے وہ اُن کے احوالوں پر واقف بھی بہت ہوگا تاکہ اس واقفیت کے سبب سے جس طور سے مناسب بوجھے ان لوگوں کو جلال کی تاریکیوں سے نکال کر جمال کے نور سے منور کرے اور ہر ایک کو اس کی استعداد اور بوجھ کے موافق اس تاریکی کے انجام سے خوف دلاوے اور ڈراوے اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ اس لیے کہ خوف دلا اور ڈرا اپنی قوم کو اس واسطے کہ قومیت میں شریک ہونے کے سبب سے تمہاری شفقت اور خیر خواہی اپنے حق میں یقین جانتے ہیں تو تمہارے ڈرانے سے بھی خوف کھاویں گے مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ پہلے اس کے آوے اُن پاس عذاب دُکھ دینے والا جو اپنے پروردگار کی محجوبیت کا سبب ہے قَالَ يٰقَوْمِ یعنے ہمارے حکم بھیجنے کے ساتھ ہی نوح علیہ السلام نے فرمانبرداری اس حکم کی کی اور کہا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم ہم قوم ہونا ہمارا اور تمہارا اسی بات کو چاہتا ہے کہ جس سے ہم ڈرتے ہیں تم بھی اس سے ڈرتے رہو اور جو تمہاری نصیحت اور بہتری کی بات ہم کہتے ہیں اس کو قبول کر لو اس واسطے کہ ہماری سچائی تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم جھوٹ نہیں بولتے ہیں اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ بیشک میں تمہارے واسطے ڈرانے والا ہوں صاف کہنے والا کہ اگر تم اپنے جھوٹے معبودوں کی عبادت کے پردے میں پھنسے رہو گے تو بڑے عذاب میں گرفتار ہو گے سو تم کو چاہیے کہ جلدی اس پردے سے اپنے تئیں نکال کے سچے معبود کی طرف جو تمہارا پروردگار ہے متوجہ ہو جاؤ اور اس پردے سے نکلنا کچھ بہت مشکل بات نہیں ہے بلکہ آسان طور ہے اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ یہ کہ عبادت کرو خدا کی اس واسطے کہ یہ تم کو اس پردے سے چھڑا دے گی اور اس کی برکت سے

تمہاری توجہ حق تعالیٰ کی طرف صاف ہو جائے گی اور اس جمال کی روشنیوں سے تم منور ہو گے سو حق تعالیٰ کی عبادت اس تمہاری بیماری کے کھونے میں کافی ہے لیکن پرہیز شرط ہے پرہیز کو اپنے اوپر لازم پکڑو وَاتَّقُوْهُ اور ڈرو اس سے غیر کی عبادت کرنے سے اس اعتقاد سے کہ وہ غیر اس کی صفتوں کے کامل مظہر ہیں اس واسطے کہ جو مخلوق ہے وہ حق تعالیٰ کے کمال کے درجے سے ناقص ہے اگرچہ مظہر کامل ہو پس اس صورت میں اس کے کمال میں نقصان کا اعتقاد کرنا تم کو لازم ہوتا ہے اور ایسا اعتقاد حق تعالیٰ کے بڑے غضب کا سبب پڑے گا زیادہ تر اس غضب سے جو اس کی بالکل عبادت کے چھوڑ دینے پر اور اس کے حکموں کے نہ بجالانے پر تم امید رکھتے ہو اور اگر تم کو عبادت خالص اور تقویٰ کا طریقہ اپنی عقل سے معلوم نہ ہو سکے تو ان چیزوں کی تفصیل مجھ سے سنو وَاَطِيْعُوْنِ ۙ اور تابعداری کرو میری اس چیز میں جو اللہ تعالیٰ کے حکم میں تم کو پہنچاؤں تاکہ عبادت میں بھی تم سے خطا اور چوک نہ ہونے پاوے اور گناہ سے بھی بچے رہو اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کو پرہیزگاری سے ادا کرو گے اور دل اور جان سے میری تابعداری قبول کرو گے تو اسی وقت تمہاری پہلی تاریکی کے نشان مٹنا شروع ہو جاویں گے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ بخشدے گا تمہارے واسطے بعضے تمہارے گناہوں کو جو تمہاری پوشیدگی کے اس جناب پاک سے سبب پڑے ہیں اور جب گناہ دور ہوئے تو اس سے دوری اور حجاب بھی اٹھ جانا ضروری ہوا اور تقوے کو ترک کرنا اور حق تعالیٰ کے حکموں کی نافرمانی کرنا ہے جو آگے تم سے ہو چکے ہیں نہ وہ گناہ جو مخلوق کے حقوق سے متعلق ہیں نہ وہ گناہ جو اسلام میں داخل ہونے کے بعد کرو گے پس یہاں پر من کا لفظ تبعیض کے واسطے ہے اور یہ آیت من کی زیادتی ثابت کرنے کی دلیل نہیں ہو سکتی ہے جس طرح کوفے کے نحویوں نے کہا ہے کہ پھر اسلام لانا تمہارا سبب پڑے گا ان گناہوں کی پکڑ کی درنگی کا جو اسلام لانے کے بعد تم سے ہوں گے یا بندوں کے حقوق سے متعلق ہوں گے اس واسطے کہ حق تعالیٰ تم کو اسلام کی برکت سے دنیا کی پکڑ سے محفوظ رکھے گا وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اور تاخیر کرے گا اللہ تعالیٰ تمہاری پکڑ کو ایک مدت تک جو اس نے مقرر کر دی ہے ہر شخص کی پیدائش کے وقت دم کے شمار سے

یا برسوں اور مہینوں اور دنوں اور گھڑیوں کا نام رکھ دیا ہے اور اس مہلت اور ڈھیل میں تمہارے واسطے فائدہ یہ ہے کہ اس گناہ سے توبہ کر لو اور حق والوں کو اپنے سے راضی کر لو پس سوچو کہ اسلام لانا بالکل تمہارے امن اور چین کا سبب ہے ان چیزوں سے، جو حق تعالیٰ کے غضب کی مقتضی ہیں اور جو یہ کہا کہ ایک مدت مقرر تک تم سے مواخذہ نہ ہوگا تو اس سبب سے کہ اس مدت مقررہ میں تاخیر نہیں ہونیوالی ہے اس واسطے کہ وہ مدت اللہ تعالیٰ کے علم میں معین ہے اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ بیشک وہ مدت جو علم الٰہی میں معین ہے، ہر شخص کے مرنے کے واسطے اِذَا جَآءَ جب آتی ہے جس طور سے کہ مقرر اور مقدر کی گئی ہے، لَا یُؤَخَّرُ ہرگز درنگی نہیں کی جاتی اور اگر اس میں کچھ بھی تغیر اور تبدل ہو تو علم الٰہی میں نقصان پایا جائے اور اگر یہ کہو کہ ہر شخص کا ہم میں سے مرنے کا وقت اور ساعت حق تعالیٰ کے علم میں معین ہے جس طرح اس وقت میں تاخیر نہیں ہونے والی اسی طرح تقدیم بھی نہیں ہو سکتی ہے پھر ہم کو کفر کرنے اور گناہوں میں مبتلا ہونے سے کیوں خوف دلاتے ہو اس واسطے کہ کفر اور گناہ کے سبب سے اس وقت معین کے پہلے ہم ہلاک ہونے والے نہیں ہیں اس طرح اسلام لانے اور فرمانبردار ہونے کے سبب سے بھی اس وقت کے بعد زندہ نہ رہیں گے تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے علم میں جو مدت تمہاری موت کے واسطے معین ہوئی ہے اگرچہ اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی ہے لیکن تقدیم ہو سکتی ہے اس طور پر کہ ایک مدت معلق ہو تمہارے کفر اور گناہ پر اور دوسری مدت معلق ہو تمہارے اسلام اور بندگی پر یعنی اگر کفر کرو گے تو دس برس زندہ رہو گے اور ایک بلا میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گے اور اگر اسلام لاؤ گے تو اس بلا سے بچو گے اور بیس برس زندہ رہو گے اور تم کفر اور گناہ کیے جاتے ہو تو اب اجل اللہ مقدم ہو سکتی ہے یعنی بیس برس کو نہ پہنچو گے بلکہ دس برس میں ہلاک ہو جاؤ گے اس واسطے کہ اجل اللہ اس مدت کا نام ہے جس کے وجود کی شرطیں علم الٰہی میں معلوم ہیں کہ فلانے وقت واقع ہوں گی اور دوسری اجل اس مدت کا نام ہے جس کی شرطیں علم الٰہی میں معلوم الوقوع نہیں ہیں سو یہ ہو سکتا ہے کہ متعلق کے دونوں طرفوں سے ایک طرف کی شرطیں واقع ہوئیں اور وہی طرف اجل اللہ ہو جاوے اور دوسری طرف

مقدم ہو جاوے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسری طرف کی شرطیں واقع ہوویں اور وہ طرف اجل
ذ ہو جائے اور اس پہلی طرف پر مقدم ہو جاوے اور یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کہ طرف معین
شرطیں پائی جاویں اور وہ طرف نہ پائی جاوے بلکہ دوسری طرف پائی جاوے اس واسطے
ہ اس میں اجل اللہ کی تاخیر بوجھی جاتی ہے اور یہ ممکن نہیں ہے سو ہر شخص کی موت کی
مدت مثلاً حق تعالیٰ کے نزدیک معین ہے اس واسطے کہ اگر اس کی اجل مبرم اور یقینی ہے
تو ٹل نہیں سکتی کسی طرح پر اور اگر معلق ہے تو اس کے دونوں طرف سے ایک طرف کا پایا
جانا حق تعالیٰ کے علم میں بالیقین معلوم ہے تو ان دونوں صورتوں میں تعیین لازم آئی اور یہ
مدت معین کی طرح تغییر اور تاخیر قبول نہیں کرتی اس واسطے کہ علم الٰہی کا خلاف ہرگز متصور
نہیں ہے اور اگر اس میں تاخیر پائی جاوے تو علم الٰہی کا خلاف لازم آتا ہے یعنے اللہ
تعالےٰ کو اس کا وقوع جس وقت معلوم تھا اس وقت اس کا وقوع نہ ہوا سو یہ بات ہرگز
نہیں ہو سکتی اور تقدیم کی صورت یہ ہے کہ اس طرح کے وقوع کی شرطیں پائی جائیں اور
دوسری طرف کے وقوع کی شرطوں میں توقف ہووے پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ
اجل اللہ مقدم ہو سکتی ہے لیکن مؤخر نہیں ہو سکتی پھر جو آدمیوں کو اس کی خبر نہیں ہے کہ ان
دونوں طرفوں کے احتمالوں سے کون پایا جاوے گا تو ان پر لازم ہوا کہ جو طرف بہتر ہے اس کی
شرطوں کے حاصل کرنے میں کوشش اور سعی کریں اور بری طرف کی شرطوں کے حاصل
کرنے سے پرہیز کریں اور بچے رہیں اسی واسطے کفر اور گناہ کو حرام کر دیا ہے اور ایمان اور
بندگی کو واجب کیا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے حق میں حق تعالیٰ کا حکم یعنے
قضائے معلق اس طور پر جاری ہوا تھا کہ اگر یہ لوگ نوح علیہ السلام کی فرمانبرداری کریں گے
تو ہر ایک اپنی عمر طبعی کو پہنچے گا اور اپنی اپنی موت پر مرے گا اور اگر یہ لوگ ان کا کہنا نہ مانیں
گے اور ان کی رسالت کا انکار کریں گے اور اس سبب سے حضرت نوح علیہ السلام ان پر
بد دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول کر کے ان سب کو ایک ہی مرتبہ طوفان میں ہلاک کر ڈالیں گے
اور علم الٰہی میں یہ آخر کی بات یعنی سب کا ایک ہی مرتبہ ہلاک ہو جانا اجل اللہ تھا اسی واسطے
اس کی شرطیں پائی گئیں اور اس اجل نے ان دونوں اجلوں پر جو علیحدہ علیحدہ ہر ایک کی موت

کے واسطے مقرر تھیں تقدیم پائی سو ان کے حق میں اجل کی تاخیر کا وعدہ جو ایمان لائے اور عبادت اور تقویٰ اور اطاعت کی شرطوں پر تھا صادق ہوا لیکن شرط کے فوت ہونے سے مشروط بھی فوت ہو گیا یعنے جو ایمان نہ لائے تو اجل کی تاخیر بھی نہ ہوئی۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ دنیا میں تمام اسباب کا کارخانہ اسی احتمال اور معین نہ ہونے پر بنایا گیا ہے اسی واسطے اجلوں کا علم جس میں تعین معلوم ہو جاوے کسی کو نہیں دیا گیا مگر بعضے کاموں میں بعضے شخصوں کو عنایت ہوتا ہے تاکہ اسبابوں کا سببوں کے ساتھ مربوط ہونا درہم برہم نہ ہو جاوے باقی رہا یہاں پر ایک سوال جو بعضے ظاہری کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ جو اجل مبرم ہے اس میں نہ تقدیم پائی جاتی ہے نہ تاخیر اور جو اجل معلق ہے اس میں جس طرح تقدیم ہو سکتی ہے اسی طرح تاخیر بھی ہو سکتی ہے اس واسطے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو ان کی اولاد دکھائی تو ان میں حضرت داؤد علیہ السّلام ان کو بہت اچھے معلوم ہوئے پوچھا کہ ان کی عمر کتنی ہے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی عمر ساٹھ برس کی ہے پھر حضرت آدم علیہ السّلام نے اپنی عمر سے چالیس برس انکو دیے اور حضرت داؤد علیہ السّلام نے سو برس کی عمر پائی تو اس سے معلوم ہوا کہ اجل اللہ تعلیق کے سبب سے جس طرح تقدیم قبول کرتی ہے تاخیر بھی قبول کرتی ہے اس سوال کے جواب میں لوگ ایسا کہتے ہیں کہ اس آیت میں اجل اللہ میں تاخیر نہ پائے جانے کو اذا جاء کے لفظ سے مقید کیا ہے اور اجل اللہ کے آنے کے بعد تقدیم کسی طرح ممکن نہیں ہے لیکن تاخیر ممکن ہے اسی واسطے یہاں پر تقدیم کی نفی نہیں فرمائی فقط تاخیر کی نفی پر اکتفا کیا ہے لیکن یہ نہیں لوجھتے کہ اس سورۃ میں ان اجل اللہ کے جملے کو سابق کے کلام سے کچھ ربط اور میل نہ رہے گا بلکہ اگر یہ معنی کیے جاویں تو جس واسطے یہ کلام لایا گیا ہے وہ غرض حاصل نہ ہوا سو اسطے کہ اس جملہ کے ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ اگر کفر کو نہ چھوڑ دو گے اور حق تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری نہ کرو گے تو تم کو جلدی ہلاک کر ڈالیں گے اور تمہاری عمر مقدر کی مدت تک جو ہر ایک کے مقدر میں علیحدہ علیحدہ مقرر ہوئی ہے تم کو رہنے نہ دیں گے اور اگر ایمان لاؤ گے اور فرمانبرداری کرو گے تو تم سب کو ایک ہی مرتبہ طوفان میں ہلاک نہ کریں گے بلکہ ہر واحد کو اس کی اجل مقدر تک پہنچائیں گے اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک کی روح کو قبض

ف اجل مبرم اور اجل معلق اور اجل معین کا بیان۔

کریں گے یہ اس واسطے کہ جو اجل معین ہے حق تعالیٰ کے نزدیک وہ تاخیر کے قابل نہیں ہے اور جو اجل کی تعیین علم الٰہی میں اس کی شرطوں کے واقع ہونے کے تابع ہے تو چاہیے کہ مرغوب اجل کی شرطوں کی حاصل کرنے میں بہت سعی اور کوشش کرو سو حقیقت میں جواب اس شبہ کا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام کے قصے میں اجل اللہ سو سال تھی نہ ساٹھ اس واسطے کہ اجل اللہ اس تعلیق کی طرف کا نام ہے جس کی شرطیں پائی جاویں اور معلق کے دونوں طرفوں کو اجل اللہ کہنا مجاز کے طور پر ہے اس واسطے کہ دونوں طرفوں میں سے ایک طرف اجل اللہ ضروری ہے پس یہ معلوم ہوا کہ اجل اللہ کی تاخیر کسی طرح ممکن نہیں ہے ہاں تقدیم اس کی ہو سکتی ہے لیکن اسی طور پر جو مذکور ہوا یعنے تعلیق کی دونوں طرفوں میں سے ایک کو ایسی چیز کے ساتھ معلق کرنا جو پائی نہ جاوے اور دوسری طرف کو اُس کے ضد کے ساتھ معلق کرنا پھر جب وہ چیز پائی نہ جائے گی تو ضد اُس کی ضرور پائی جاوے گی پس یہی دوسری طرف ثابت ہوگی

اور وہی اجل اللہ ہے جو علم الٰہی میں واقع ہونے والی تھی اور اس میں جو فرق ہے اس کی کُنہ یہ ہے کہ واقع چیز کا موخر ہونا غیر واقع سے معقول نہیں ہے یعنے عقل میں نہیں آتا اور واقع کا مقدم ہونا غیر واقع پر معقول اور ثابت ہے اور اجل اللہ دونوں طرفوں میں سے واقع کی طرف متعلق ہوتی ہے اس کی دوسری طرف غیر واقع ہوتی ہے اور اگر کسی کو اس جگہ شبہ گزرے کہ اجل معلق کی تاخیر حدیث نبوی میں بہت سی آئی ہے چنانچہ بر والدین کے مقدمے میں آپ نے فرمایا ہے کہ لَا یَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ یعنے نہیں زیادہ کرتی عمر کو کوئی چیز مگر نکوئی کرنا خصوصاً ماں باپ کے ساتھ اور اپنے خویش و اقربا کے ساتھ صلہ رحمی اور نیک سلوک کرنے کے مقدمے میں آپ نے فرمایا ہے کہ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ وَیُنْسَاَ لَہٗ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ یعنے جو شخص کہ چاہے ہے کشادگی کی جاوے اُس کے رزق میں اور تاخیر کی جاوے اُس کے پیچھے یعنی اس کی اولاد اور نسل بہت دنوں تک رہے تو چاہیے کہ صلہ رحمی کو اپنا شیوہ کرے اور اپنے خویش و اقربا سے سلوک کرے اور دعا کے باب میں آیا ہے کہ اِنَّ الدُّعَآءَ وَالسَّلَامَ لَیَعْتَلِجَانِ وَلَا یَرُدُّ الْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَآءُ یعنے قضائے الٰہی کو کوئی چیز دور نہیں کرتی مگر دعا سو حدیث میں اجل کی تقدیم کا کہیں ذکر نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ اس تقریر کے بموجب تقدیم ہو سکتی ہے تاخیر

ممکن نہیں بلکہ متصور بھی نہیں ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ تاخیر کا متصور نہ ہونا اس تقریر میں اجل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اجل اللہ تعلیق کی دونوں طرفوں میں سے ایک طرف ہے جو علم الٰہی میں معین ہے اور حدیثوں میں جو تاخیر آئی ہے وہ بھی اس تعلیق کی دونوں طرفوں میں سے ایکطرف ہے لیکن بے تعین علم بشری کی نسبت سے اب اس صورت میں کچھ آپس میں منافات نہ رہی لیکن تقدیم کو جو حدیثوں میں ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی اکثر موت میں تاخیر چاہتا ہے نہ تقدیم پس اس صورت میں جو عمل تاخیر کے سبب پڑتے ہیں انکا بتانا ضرور ہوا جس طرح دعا کی قبولیت اور مطلب کا جلد حاصل ہونا کہ یہ چیزیں آدمی کی مرغوب اور خواہش کی ہیں اور ان میں جلدی چاہتا ہے اسواسطے اس میں تقدیم بھی آئی ہے اسی طرح وہ چیزیں جن میں خوف دلانا منظور رہے جیسے بغاوت اور ماں باپ کی نافرمانی اور زنا کی کثرت سو اس میں موت کی تقدیم اور عمر کی کوتاہی سے بھی ڈرا دیا ہے سو علم بشری کی نسبت سے اجل معلق میں تعلیق کی دونوں طرفوں میں سے ایک طرف کی تاخیر کو جائز رکھا ہے جس طرح تقدیم بلا شبہ جائز اور درست ہے اور حق تعالیٰ نے اس علم میں اسباب اور مسببات کے کارخانہ کو اسی طور سے مبہم اور مجمل رکھا ہے اگر یہ ابہام درمیان میں نہ ہوتا اور تعلیق کی دونوں طرفوں میں سے ایک طرف کا تعین ہو جاتا تو سعی اور کوشش کا کارخانہ بالکل برہم درہم ہو جاتا سو کلام الٰہی اس صورت میں اجل اللہ کی تاخیر کی نفی کرتا ہے اس واسطے کہ وہی طرف واقع ہونیوالی ہے نہ یہ کہ دونوں طرفوں میں سے ایک مبہم کو نفی کرتا ہو اور ظاہر بینوں کے طور پر جو تقدیم اور تاخیر میں فرق نہیں کرتے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس صورت میں اجل اللہ کی تاخیر کی نفی اس کے آجانے کے بعد فرمائی ہے اور حدیثوں میں جو تاخیر کا جواز پایا جاتا ہے وہ آنے کے قبل ہے نہ بعد آجانے کے تو اب آیت اور حدیث کے مضمون میں کچھ منافات باقی نہ رہی لیکن بعض ضعیف حدیثوں میں آیا ہے کہ رَاَیْتُ رَجُلًا اَتَاہُ مَلَکُ الْمَوْتِ لِیَقْبِضَ رُوْحَہٗ فَجَاءَہٗ بِرُّہٗ بِوَالِدَیْہِ فَنَزَعَہٗ مِنْ یَدِہٖ یعنی دیکھا میں نے ایک شخص کو کہ آیا اس کے پاس ملک الموت تاکہ قبض کرے اس کی روح پھر آیا اس پاس بر اس کا یعنے وہ نیکی جو ماں باپ کی فرمانبرداری سے اس کو حاصل ہوئی تھی اور چھین لیا اس روح کو ہاتھ سے ملک الموت کے سو اس صورت میں اجل اللہ کی تاخیر آنے کے بعد بھی ثابت ہوتی ہے البتہ اگر یوں کہا جاوے

کہ ملک الموت کا آنا اجل اللہ کے آنے کو لازم نہیں ہے یہ تو ہو سکتا ہے لیکن یہ بات عقل سے دوری رکھتی ہے پس تحقیق یہی بات ہے کہ تعلیق کی دونوں طرفوں میں اجل اللہ اس طرف کا نام ہے جو ہونیوالی ہے اور سب مناسب شرطوں کو جامع ہے اور تمام موانع اور مخالف کو مانع اور اکثر مفسروں نے اس آیت کے معنے اس طور پر کہے ہیں کہ یُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى سے اجل مبرم جو یقینی ہے وہ مراد ہے اور اجل اللہ سے بھی وہی مراد ہے اور اس اجل مبرم میں جس طرح تاخیر نہیں پائی جاتی تقدیم بھی نہیں پائی جاتی ہے لیکن تاخیر کی نفی پر اس واسطے اکتفا کیا ہے کہ یہ مقام اسی بات کو چاہتا ہے کہ تاخیر کی نفی سے ڈرا دیا چاہیے نہ تقدیم کی نفی سے کہ یہ مطلب کا عکس ہے اور تحقیق بات یہ ہے کہ اجل کی تین قسمیں ہیں ایک مبرم اور محتوم یعنی یقین کی گئی ہے کہ اس میں تردد اور شبہ ہرگز گنجائش نہیں رکھتا ہے اور تقدیم اور تاخیر بھی اس میں متصور نہیں ہے اس واسطے کہ تقدیم اور تاخیر دو احتمال کو چاہتی ہے اور اجل معلق کی دونوں طرفوں میں سے ایک طرف واقع ہونیوالی ہے سو یہ دونوں طرف ہوتی ہے جس کے وجود کی شرطوں کا مجتمع ہونا اور اس کے موانعات کا دفع ہونا علم الٰہی میں ثابت ہو چکا ہے اور یہ طرف مقدم ہوتی ہے دوسری طرف پر جو واقع ہونے والی نہیں ہے اور تاخیر کو ہرگز قبول نہیں کرتی جس طور سے کہ اوپر گذر چکا ہے اور یہ دوسری قسم ہے اور یہ دونوں قسمیں اجل اللہ ہیں اور تیسری قسم اجل معلق کی دوسری طرف ہے جو غیر واقع ہے اور اس کے وجود کی شرطوں کا مجتمع ہونا اور اس کے موانعات کا دفع ہونا علم الٰہی میں ثابت نہیں ہوا ہے سو اس قسم میں تقدیم اور تاخیر دونوں ہو سکتی ہیں اور اس قسم کو وہمی اور احتمالی کہتے ہیں اور معنی آیت کے یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر تم لوگ ہماری فرمانبرداری اور بندگی اور پرہیزگاری کرو گے تو تم کو حق تعالیٰ دنیا کی پکڑ سے نجات بخشے گا اور عمر بھر تم کو کسی عذاب اور بلا میں جیسے قحط اور وبائے عام میں گرفتار نہ کرے گا اور اگر میری فرمانبرداری اور بندگی اور پرہیزگاری نہ کرو گے تو تم سب ان بلاؤں میں گرفتار ہو گے لیکن وہ موت جو مقرر ہے وہ کسی طرح سے دفع ہونیوالی نہیں ہے پیغمبروں کی اطاعت اور فرمانبرداری اور پرہیزگاری کی بڑی تاثیر یہی ہے کہ دنیا کی بلاؤں سے بچ جانا نہ یہ کہ موت دفع ہو جاوے اس واسطے کہ اجل اللہ میں تاخیر نہیں پائی جاتی اور کسی چیز سے تاخیر نہیں ہو سکتی ہے لیکن جب یہ معنی ہوں گے تو پھر وہی سوال

دلار د ہوگا کہ بعضی صحیح حدیثوں میں نیک عمل کے سبب سے موت میں بھی تاخیر ثابت ہوتی ہے سو
بدون اس بات کے کہ اجل کی دو قسمیں کی جاویں ایک وہمی اور تعلیقی اور دوسری اجل اللہ اور
تحقیقی کسی طرح گذارا نہیں ہے اور کوئی بات بن نہیں پڑتی غرض کہ حاصل اس سب تقریر کا یہ
ہے کہ حق تعالیٰ کے علم میں جو مدت ہر شخص کی موت کے واسطے مقدر اور مقرر کی گئی ہے اس
میں کسی طرح سے تاخیر نہیں پائی جاتی لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تم جانتے اس بات کو کہ ہر شخص
کو موت کا مزہ چکھنا اپنے وقت مقررہ پر ضروری ہے اور اگر تم کہو گے کہ ہم منکر موت کے نہیں
ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ تمہاری حرص اور محبت دنیا کے کاموں پر اس مرتبے کو پہنچی ہے کہ گویا تم اپنی
موت کے آنے سے اپنے وقت پر منکر ہو اور ہر وقت تم ان ہی چیزوں کی تلاش اور کوشش میں
رہتے ہو جس سے موت دفع ہو جائے اور وعدہ ٹل جائے اور عمر بڑھ جاوے اگر اس بات کا
تم کو یقین کامل ہوتا کہ اس وعدے میں کمتی بڑھتی ہونیوالی نہیں ہے تو اس بیہودہ کام کے
پیچھے نہ پڑتے اس جگہ پر حق تعالیٰ نے مختصر بیان فرمایا تفصیل اس قصے کی یوں ہے کہ حضرت نوح
علیہ السّلام نے حق تعالیٰ کا حکم اپنی قوم کو پہنچایا اور عذاب الٰہی سے خوف دلایا اور ان کی قوم نے
ان کو جھٹلایا اور ان کی بات کو نہ مانا یہاں تک کہ صدہا برس اسی طور پر گذرے اور لوگوں کی کتنی
پشتیں گذر گئیں جو شخص اس قوم میں مرنے کے قریب ہوتا تھا اپنی اولاد کو نصیحت کر جاتا تھا کہ
خبردار اس شخص سے یعنے حضرت نوح علیہ السّلام سے بچے رہنا اور ہرگز اس کی بات مت
سننا اور اپنے باپ دادے کے طریقے کو مت چھوڑنا اس واسطے کہ یہ بڈھا دیوانہ ہوگیا ہے۔
واہی تباہی بکا کرتا ہے ہماری عمریں گذر گئیں کہ ہم کو جھوٹے وعدوں سے ڈرایا کیا اور کبھی اس
کا وعدہ سچا نہیں ہوا غرض اسقدر آپ کی ذلت اور حقارت کے درپے رہتے تھے کہ چھوٹے
چھوٹے لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کرتے تھے تاکہ ہنسی اور مسخری آپ کی کریں اور آپ کو
پتھر ماریں اور جب حضرت نوح علیہ السّلام نصیحت میں کچھ کڑی کرتے اور عذاب الٰہی سے زیادہ
خوف دلاتے تو وہ بدبخت آپ کو اسقدر مارتے کہ آپ کے بدن اور چہرے سے خون بہنے
لگتا لیکن حضرت نوح علیہ السّلام کو حق تعالیٰ نے اسقدر حلم اور بردباری عطا کی تھی کہ باوجود اس
ظلم اور تعدی کے ان بدبختوں کیلئے آپ ہمیشہ جناب الٰہی میں یہی دعا کیا کرتے تھے کہ اس میری قوم

کو بخشدے کہ یہ مجھ کو نبی جان کر یہ نہیں کرتے ہیں اور تیرے پیغمبر کے ساتھ اپنے گمان میں بے ادبی نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ جاہل ہیں اپنی نادانی سے ایسی حرکتیں کرتے ہیں انتہیٰ اور اس قصّے کو اس جگہ پر اس واسطے بیان نہ فرمایا کہ اسی سورۃ میں حضرت نوح علیہ السّلام کے عرض احوال میں یہی مضمون بالکل مذکور ہے سو آگے حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی حکایت کے طور پر یہی قصہ نقل فرمایا ہے اگر یہاں بھی یہ قصہ مذکور ہوتا تو تکرار بے فائدہ لازم آتی اور یہ بھی اشارہ کرنا منظور ہے کہ حضرات پیغمبر علیہم السلام حکم الہٰی کی فرمانبرداری میں ہرگز قصور نہیں کرتے سو انہوں نے بھی حکم الہٰی کے پہنچانے میں اور عذاب الہٰی سے خوف دلانے میں انتہا درجے کی کوشش کی ہوگی کچھ ذکر کرنے کی حاجت نہیں ہے ہمارا فرمانا ان کے واسطے کافی ہے اس بات کے بوجھ لینے میں کہ یہ لوگ ہمارے حکم کو قرار واقعی بجالاتے ہیں حاصل کلام کا یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو نصیحت کا حق تھا اس کو ادا کیا اور سمجھانے اور خوف دلانے کا کوئی مرتبہ باقی نہ رکھا آخر کو تھکے اور اپنی قوم کے ایمان لانے اور فرمانبردار ہونے سے مایوس ہوئے اور اس خوف سے کہ دعوت کے مرتبوں میں اُن کے قصور پر حمل نہ کیا جاوے عرض حال کی تقریب سے قَالَ رَبِّ کہا حضرت نوح علیہ السلام نے اے میرے پروردگار اِنِّیْ بیشک میں نے تیرے حکم کی فرمانبرداری میں اور اپنی قوم کو نصیحت کرنے میں حتی المقدور قصور نہیں کیا اور آدمی کی طاقت بھر ان کے سمجھانے میں کوشش کی اسواسطے کہ دَعَوْتُ قَوْمِیْ بلایا میں نے اپنی قوم کو بندگی اور پرہیزگاری اور فرمانبرداری کی طرف چھُپ کر چپکے چپکے کانوں میں سمجھایا کرتا کہ اُن کو اپنے پہلے گناہوں پر غیر کی عبادت کرنے سے اور تیری عبادت نہ کرنے سے جو شرمندگی حاصل ہوئی ہے اس کے سبب سے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے فضیحت کرنے کے وقتوں میں مقدم رکھا میں نے لَیْلاً رات کو اس واسطے کہ پوشیدہ بات رات کو کہنا چاہیے اگرچہ رات سمجھانے اور ڈرانے کا وقت نہیں ہے اور رات ہی کے سمجھانے پر نہ کفایت کی میں نے بلکہ وَنَهَارًا اور دن کو بھی سمجھاتا رہا میں اس واسطے کہ تنہائی کے وقت دن کو بھی بہت ہوتے ہیں سو باوجود اس بات کے کہ دن اور رات ہمیشہ چھُپے چھُپے اُن کو سمجھایا میں نے لیکن اُن کو کچھ اثر نہ کیا بلکہ اُن کو اور بھی عبادت اور پرہیزگاری کے نام سے نفرت ہوگئی فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا

پھر زیادہ نہ کیا میرے بلانے نے اُن کو تیری طرف مگر بھاگتے تھے تیری طرف سے اور جس قدر میں نے اُن کو تیری طرف بلایا اتنا اور تیری راہ سے پیچھے ہٹتے گئے یہاں تک نوبت پہنچی کہ میری بات سننے سے اور میری صورت دیکھنے سے اُن کو نفرت ہوگئی وَاِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُھُمْ اور بیشک میں نے جس وقت بلایا اُن کو عبادت اور تقویٰ اور فرمانبرداری کی طرف سو اپنے نفع کے واسطے نہیں تاکہ اُن پر کچھ مجھ کو حکومت حاصل ہو اور مجھ کو اس نصیحت کرنے سے عوض میں اُن سے کچھ ملے بلکہ اُن ہی کے خاص نفع کے واسطے یعنی لِتَغْفِرَ لَھُمْ تاکہ بخش دے تو اُن کے پچھلے گناہ اور اس سبب سے تیری رحمت کی لیاقت پیدا کریں اور تیرے قہر اور غضب سے نجات پاویں جَعَلُوْٓا اَصَابِعَھُمْ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ کریں انگلیاں اپنے اپنے کانوں میں تاکہ میری نصیحت کی آواز بھی اُن کے کانوں میں نہ پہنچے وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَھُمْ اور لپیٹے اپنے کپڑے اپنے اوپر تاکہ میری صورت نہ دیکھیں اور آواز بھی میری نہ سنیں اور ایسا نہ ہو کہ ہاتھ کے ہلنے کے وقت کہیں انگلی ڈھیلی ہو جاوے اور کوئی بات میری اُن کے کان میں پڑ جاوے اور باوجود ایسی نفرت کے کبھی ان گناہوں کو جن میں گرفتار تھے چھوڑ دیتے تو کیا اچھی بات ہوتی کہ غضب اور قہر الٰہی تو تھوڑا ان سے کم ہو جاتا لیکن انہوں نے اس کا الٹا کیا اور برائیوں میں اور بھی زیادتی کی وَاَصَرُّوْا اور اصرار اور ہٹ کی انہوں نے گناہوں پر وَاسْتَکْبَرُوا اسْتِکْبَارًا ۚ اور تکبر کیا انہوں نے میری فرمانبرداری سے انتہا درجے کا تکبر کرنا اور یہ لوگ یہ سمجھے کہ میں اپنا حکم ان پر چلایا چاہتا ہوں اور ان کی ریاست کیا چاہتا ہوں اس حیلے سے ان کو اپنا تابع کیا چاہتا ہوں تاکہ ان سے کچھ فائدہ مجھ کو دنیاوی حاصل ہووے اور یوں سمجھے کہ یہ جو چھپے چھپے ہمکو سمجھاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پوچ اور جھوٹی بات کو علٰحدہ علٰحدہ ہر ایک کو سمجھا کے اپنا فریفتہ کرے اور اپنے جال میں پھانس لے اور اپنی بات ہر ایک کے دل میں بٹھاوے اسی سبب سے سب کے سامنے کھلے کہہ نہیں سکتا ہے تاکہ ہم سب مل کے اس کی پوچ بات سے خبردار نہ ہو جاویں اور سب کے سب مجمع میں اس کو الزام نہ دے دیویں سو معلوم ہوا کہ یہ شخص فریبی و دغاباز ہے ہرگز خیر نہیں ہے پھر جب مجھ کو ان کا مطلب معلوم ہوا کہ میرے پوشیدہ سمجھانے سے یہ لوگ

بدگمان ہوتے ہیں اور مجھ سے زیادہ بھاگتے ہیں تب نصیحت کرنے کا دوسرا طور اختیار کیا میں نے ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ پھر بلایا میں نے ان کو تیری عبادت کی طرف برملا اور کھلے اُن کے مجمع اور مجلسوں میں اور اُن کو کھلا کھلا الزام دیا میں نے اور اس بات کو ثابت کیا میں نے کہ غیر اللہ کی عبادت دنیا میں حجاب کا اور عقبیٰ میں عذاب کا سبب پڑے گا اور حق تعالیٰ کی عبادت سے جمال کے انوار حاصل ہونیکا اور اس کی مہربانی کا سبب ہوگا تاکہ ان کی بدگمانی دفع ہوجاوے لیکن دیکھا میں نے کہ اس کھلی نصیحت نے ایک دوسری بدگمانی اُن کے دلوں میں پیدا کی یعنی وہ یہ سمجھے کہ ہم نے اُن کے پوشیدہ کہنے کو جو نہ مانا تو اس کے عوض میں ہم کو سب کے سامنے الزام دیتا ہے اور ہماری خفت اور فضیحتی چاہتا ہے چنانچہ عرب میں یہ مثل مشہور ہے کہ اَلنُّصْحُ بَيْنَ الْمَلَاِ تَقْرِيْعٌ یعنے نصیحت کرنا سب کے سامنے رنج اور قلق میں ڈالتا ہے غرض نصیحت کرنے کے یہ دونوں طریقے نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئے اور انہوں نے میری کھلی نصیحت کرنے کو اپنی خیر خواہی نہ جانی آخر ناچار ہو کر نصیحت کرنے کا تیسرا طریقہ اختیار کیا میں نے ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ پھر تحقیق ظاہر کی میں نے ان پر دعوت اور ثابت کیا اُس کو عقلی دلیلوں اور قطعی حجتوں سے پوشیدہ بھی کی میں نے اُن کو دعوت اور اس کو کشفی دلیلوں اور وجدانی حجتوں سے ثابت کیا لیکن ایک قسم کی پوشیدگی سے یعنی عقلی دلیلوں کے میل میں کشفی دلیلوں کو بھی بیان کر دیا اور فقط کشف پر اکتفا نہ کیا میں نے اس واسطے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے سچ جاننے میں اُن کو تامل ہووے اسی واسطے حق تعالیٰ نے اسررت کے بعد اس مصدر کو جو نوع پر دلالت کرتا ہے ذکر فرمایا اعلنت لہم اعلانا نہ فرمایا اس واسطے کہ یہ ہر طرح سے اعلان اور ظہور پایا جاتا ہے اور وہاں ایک وجہ سے پوشیدگی پائی جاتی ہے نہ دوسرے وجہ سے سو ظاہر اور پوشیدہ دونوں طور سے سمجھایا میں نے تاکہ دونوں بدگمانیاں اُن کی دفع ہوجاویں یعنی ظاہر بیان کی بدگمانی پوشیدہ سے اور پوشیدہ بیان کرنے کی بدگمانی ظاہر کے بیان سے دور ہوجاوے لیکن دیکھا میں نے کہ تینوں طریق سے دعوت کرنے میں کچھ فائدہ نہ ہوا اور خطابی اور عقلی اور کشفی تینوں قسم کی دلیلوں کے بیان کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوا اور اُن کے ظاہری احوال کو دیکھا میں نے کہ اس کفر اور گناہوں کی شامت سے چالیس برس ہوئے کہ قحط میں

مبتلا ہیں کھیتیاں اور باڑیاں اور مال اور اسباب اور جانور ان کے سب خراب اور ہلاک ہوئے ہیں اور عورتیں ان کی بانجھ ہوگئیں اور اولاد ہونا بند ہوگیا ہے اور چشمے اور نہریں ان کی سب خشک ہوگئیں ہیں تو اس وقت میں نے یہ سوچا کہ آپ سے یہ لوگ اس بلا میں گرفتار ہیں اور جان سے تنگ ہیں ایسے وقت میں اس دنیاوی نعمتوں کا لالچ دلا کے ان کو راہ پر لایا چاہیے شاید اس دنیاوی نفع کو دیکھ کر میرا کہنا قبول کرلیں اور راہ پر آجاویں پھر جب اس طریقے کی بہتری اور خوبی ان پر کھل جاوے گی تو اس وقت ان کی نیت بھی خالص ہوجاوے گی اور اپنے مطلب کو پہنچ جاویں گے اس بات کو اپنے دل میں سوچ کر دوسرا ڈھنگ ڈالا اور دعوت اور سمجھانے کا طریقہ دوسرے طور سے شروع کیا میں نے فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ پھر کہا میں نے کہ بخشش طلب کرو اپنے گناہوں کی اپنے پروردگار سے اگر تم سے اس کی عبادت اور پرہیزگاری جیسی چاہیے سب شرطوں کی رعایت سے نہیں ہوسکتی اس واسطے اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ بیشک وہ تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا گناہوں کا ہے اور اگر سب گناہ اور برائیاں تمہاری نہ بخشے گا تو اتنا ضرور ہووے گا کہ یہ جو تم اپنے گناہوں کے وبال سے اس بلا میں گرفتار ہو سو اس دنیا کی بلاؤں سے تو نجات پاؤ گے يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ بھیجے گا بدلی کو تم پر برستی ہوئی نہ اس طور کی جیسے خشک بدلی اب قحط کے دنوں میں آتی ہے اور تم کو جھوٹی طمع دلا کے اور حسرت اور افسوس میں گرفتار کرتی ہے وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ اور مدد کرے تمہاری تمہارے مالوں کی بہتایت سے یعنے کھیتوں اور چراگاہوں سے اور جانوروں اور انکی نسل اور دودھ اور گھی کی پیدائش کی زیادتی سے وَّبَنِيْنَ اور مددگاری کرے گا بیٹوں سے یعنے ان رطوبتوں سے جو حیض کے استحالہ کے واسطے مستعد ہو دیں اور اب تمہاری عورتوں کے بدنوں سے خشک ہوگئی ہیں جننے کے قابل نہیں رہیں جس طرح برسات کا پانی قحط اور یبوست کے غلبہ سے خشک ہوگیا ہے اور تمہاری منی بھی خشک ہوگئی ہے وہ بھی نطفہ ہونے کے قابل نہ رہی اور جب تمام عالم میں رطوبت پھیلے گی تو وہ رطوبت بھی تمہارے اور تمہاری عورتوں کے بدنوں میں پھر آوے گی اور یہ برسوں سے یبوست جو تمہارے مزاج پر چھا گئی ہے اس کے ساتھ مل کے وہ رطوبت اعتدال بہم پہنچاوے گی اور یہ اعتدال کا پایا جانا اولاد نرینہ پیدا ہونے کا سبب پڑے گا

گا نہ بیٹیوں کا اس واسطے کہ لڑکی کی پیدائش کے واسطے رطوبت کی کثرت چاہیے اس واسطے کہ عورت کا مزاج بہت مرطوب ہوتا ہے وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ اور کر دے گا تمہارے واسطے باڑیاں پانی کی کثرت اور چشمے اور کنووں کے جاری ہونے سے وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ اور کر دے گا تمہارے واسطے نہریں جاری برسات اور زمین کے پانی ملنے کے سبب سے اور پہاڑوں میں پانی جمع ہونے اور آہستہ آہستہ نشیب میں اور خشک ندیوں میں جاری ہونے کے سبب سے یہاں پر بوجھنا چاہیے کہ اس آیت کا مضمون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گناہوں کی شامت سے کبھی قحط پڑتا ہے اور مال اور اولاد کی ہلاکی اور کھیت اور باغوں کی خرابی اور بربادی میں لوگ مبتلا ہوتے ہیں اور استغفار کرنا یعنے مغفرت طلب کرنا اس کے واسطے بہت مفید ہے اسیواسطے شریعت میں صلوٰۃ الاستغفار مقرر فرمائی اور استغفار کا اس میں حکم فرمایا ہے چنانچہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے زمانے میں ایک دفعہ قحط پڑا سب صحابہ کو لے کر آپ استسقا کے واسطے گئے اور منبر پر چڑھے تاکہ دعا کریں اور پانی حق تعالیٰ کی درگاہ سے مانگیں لیکن منبر پر جا کے سوائے استغفار کے کچھ بھی نہ کہا اور منبر سے اتر آئے اور مکان کو چلے جب مکان پر پہنچے لوگوں نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین باران کے طلب کی دعا تو آپ نے نہ کی آپ نے کہا کہ میں نے بڑے عمدہ اور قوی سبب سے باران کو طلب کیا ہے اور یہ آیت آپ نے پڑھی راوی کہتے ہیں کہ پھر پانی اتنا برسا کہ قحط بالکل دور ہو گیا اور ربیع بن صبیح حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور قحط کا شکوہ کیا انہوں نے اس سے کہا کہ استغفار کیا کر پھر دوسرا شخص آیا اس نے اپنے فقر اور افلاس کا کچھ گلہ کیا اس کو بھی یہی فرمایا کہ استغفار کیا کر پھر تیسرا شخص آیا اور کہا کہ میرے لڑکا نہیں ہوتا ہے دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ مجھ کو لڑکا عنایت کرے آپ نے اس کو بھی فرمایا کہ استغفار کیا کر پھر چوتھا ایک شخص آیا اس نے اپنی کھیتی اور باڑی کے حاصل کی شکایت کی کہ اس میں کچھ پیدا نہیں ہوتا آپ نے ان چاروں کو ایک امر کی نصیحت کی حالاں کہ ہر ایک کا مطلب جدا جدا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے کچھ اپنی طرف سے یوں نہیں کہا بلکہ حق تعالیٰ نے خود قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ان چاروں آفتوں کا دفعیہ استغفار ہے اور اس آیت کو آپ نے پڑھا اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت

کی دلیل سے کہتے ہیں کہ استسقا حقیقت میں دعا اور استغفار کرنا ہے نماز اور خطبہ اور دوسرے اس کے لوازمات کچھ ضروری نہیں ہیں یعنی اگر ہوں تو بہتر ہے اور نہیں تو کچھ ہرج نہیں ہے اصل مقصود اس میں دعا اور استغفار سے بھی حاصل ہوتا ہے مَا لَكُمْ کیا ہوا ہے تم کو جو حق تعالیٰ کی عبادت سے انکار کرتے ہو اور پرہیزگاری میں قصور اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری سے تکبر اور غرور کرتے ہو شاید کہ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ امید نہیں رکھتے ہو خدا کے واسطے عظمت اور بزرگی کی کہ اس عظمت اور بزرگی کے سبب سے اپنے تابعداروں اور فرمانبرداروں کو نقصان اور زیان سے بچا کر ترقی کے کمال کو پہنچاوے گا اور طبیعت کی تاریکی سے نکالکر قدس کے انواروں سے مشرف کرے گا اس واسطے کہ جو شخص کسی کی تعظیم اور بزرگی سے انکار کرتا ہے تو اُس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اُس کو آپ سے بڑا نہیں جانتا تاکہ اس بڑائی کے سبب سے اس کو اپنے سے بڑا سمجھے تو ایسے شخص کی تعظیم کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے اور اُس کی فرمانبرداری اور نافرمانی یکساں ہے سو حق تعالیٰ کی جناب میں ایسا وہم کرنا باطل اور غلط ہے عقل کے نزدیک بھی بدون فکر اور تامل کرنے کے اس واسطے کہ اگر اس کی اس عظمت کو جو تمام عالم میں جلوہ گر ہے تم دیکھ نہیں سکتے ہو تو اپنی ذات ہی میں دیکھو اور اپنی پیدائش میں نظر اور غور کرو وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اور بیشک پیدا کیا ہے تم کو بھانت بھانت کا اور ہر رنگ پہلے رنگ سے بہتر اور خوب ہے اور ہر دوسرا طور تمہاری ترقی کا سبب پڑتا ہے پہلے کی نسبت سے چنانچہ پہلے عناصر تھے پھر غذا کو آپس میں ترکیب دے کر تمہاری اصل درست کی پھر اُس سے نطفے کو بنایا پھر اُس سے خون بندھا کیا پھر اُس کو بندھی بوٹی گوشت کی کی پھر اُس میں بعضے کو ہڈی اور بعضے کو نرم گوشت بنایا اور یہ سات طور بدن میں روح آنے کے پہلے ہوتے ہیں پھر جب نفخ روح کیا تو تم بچے ہو کے ماں کے پیٹ میں مقید ہوئے ہلنا ڈلنا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہاتھ پاؤں سے اپنی خواہش کے موافق کچھ کام کرنا یا آنکھ سے دیکھنا کان سے سُننا کچھ بھی تم سے ہو نہ سکتا تھا پھر اس قیدخانے سے تم کو خلاصی دی اور ماں کے پیٹ سے صحیح وسالم باہر نکالا اور ماں کے دودھ کی لذت تم کو ملی اور اس کی گود میں پلنے لگے اور دودھ پیتے بچے کہلائے اور کچھ ہلنے ڈلنے دیکھنے سُننے کی طاقت تم کو عنایت ہوئی پھر چلنے پھرنے والے بچے ہوئے تم اور چلنے پھرنے سے سیر

اور تماشے کی لذت تم کو ملی لیکن اپنے ہی گھر اور کوچے میں پھر نوجوان ہوئے اور بازار اور باغ اور دریا اور مجلسوں کی سیر اور دیکھنا لوگوں کا اور سننا خوش آوازوں کا تم کو عنایت ہوا پھر جوانی کے کمال کو پہنچے اور دور و دراز سفر کر کے مال کمانا شروع کیا تم نے پھر متوسط عمر کو پہنچے اور عقل اور تجربہ اور تدبیریں کمال کو پہنچ کر بڑا مرتبہ اور نام حاصل کیا تم نے پھر بڑھے پن کی طرف پھیرا تاکہ آخرت کے سفر کے واسطے مستعد اور تیار ہو جاؤ اور قوت شہوی اور غضبی کے مضمحل اور کمزور ہونے کے سبب سے حق تعالیٰ کی راہ چلنے کے مواقع تم سے دور ہو جاویں اور اس عالم آخرت کی ترقی کے اسباب کچھ حاصل کر و اور یہ بھی سات طور ہوئے دنیا میں زندگی پانے کے وقت سے آخر وقت تک اور اگر اپنے بدن اور اعضا میں اور جو جو حکمتیں کہ ان میں سپرد کی گئیں اور چھپائی گئی ہیں ان میں غور کرو اور دیکھو تو ظاہری رکن تمہارے بدن کے بھی سات طور کو شامل ہیں جیسے کھال کہ زینت اور محافظت کے واسطے ہے اور گوشت قوت اور گرمی کے واسطے ہے اور پٹھے ہلنے ڈلنے کیواسطے ہیں اور رگیں اور آنتیں غذا کے پہنچانے کے واسطے مقرر ہیں اور شرایئں کی رگیں روحوں کے در آنیکے واسطے مقرر ہیں اور ہڈیاں ستون یعنے کھمبوں کے قائم مقام ہیں اور روحیں قوتوں کی حامل اور زندگی کی سواری ہیں اور اس میں ہر طور اپنی سفلانی طور سے نفیس اور شریف ہے اور پوشیدگی کے عالم میں بھی چھپے رکن تمہارے سات طرح پر واقع ہوئے ہیں پہلے قویٰ اور دوسرے نفس اور تیسرے عقل اور چوتھے سر اور پانچویں روح اور چھٹے خفی اور ساتویں اخفیٰ یعنی بہت خفی جو غیب الغیوب اور عین جمع تمہاری ذات کی ہے اور اس میں بھی ہر طور سفلانی طور سے بہتر اور اعلیٰ ہے پھر باوجود ان چیزوں کے تم کو کیا ہوا ہے جو غیب کو ظاہر پر اور معقول کو محسوس پر آئندہ کو گذشتہ پر قیاس نہیں کرتے ہو اور آفاق کو انفس کے ساتھ مطابقت نہیں دیتے ہو اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ کس طرح پیدا کیے حق تعالےٰ نے سات آسمان طبقے طبقے یعنی ایک کے اوپر ایک اور ہر طبقہ موٹائی اور بلندی اور کشادگی اور بڑائی میں اپنے نیچے کے طبقے سے زیادہ ہے اور آسمانوں کا سات ہونا اور ہر آسمان کا اپنے نیچے والے آسمان سے زیادہ ہونا اس طرف دیکھنے سے بوجھا جاتا ہے اس واسطے کہ سات حرکتیں مختلف سات ستاروں کی ظاہر دیکھی جاتی ہیں اور ایک ستارے کا حاجب اور کاشف دوسرا ستارہ

دیکھا جاتا ہے سو عقل سے صراحۃً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ساتوں ستارے ایک آسمان پر نہیں ہیں بلکہ ہر ایک جُدے جُدے آسمان پر ہیں اور اُن کی حرکتیں جو دوری دیکھی جاتی ہیں تو اس سبب سے بوجھا جاتا ہے کہ ہر ایک آسمان کُرے کی شکل ہے یعنی گول ہے اور دوسرے آسمانوں کو جو اس کے نیچے ہے گھیرے ہوئے ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ستارے کی حرکت زمین کے نیچے کسی طرح سے نہ ہو سکتی اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز کو گھیرے ہوتی ہے تو گھیرنیوالی زیادہ ہوتی ہے گھیری گئی سے اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر نیچے کے آسمان سے اُس کے اوپر کا آسمان بڑا ہے وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا اور کر دیا ہے چاند کو ان ساتوں آسمانوں کے درمیان میں روشنی کا سبب کامل جو دوسرے ستاروں کی روشنی سے بہت زیادہ ہے گویا کہ اس کی روشنی کے مقابلے میں دوسرے ستاروں کی روشنی نہیں ہے تاکہ یہ دلیل ہو اس بات پر کہ ظلمانی عالم میں نور کا فیض پہنچانا ممکن ہے وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا اور کر دیا ہے سورج کو ایک چراغ چمکتا ہوا اسطور کا کہ چاند کی روشنی حقیقت میں اسی چراغ سے ہے جس طور سے کہ صیقل کیئے لوہے کے تختے پر چراغ کی روشنی پڑکر اس تختے کو چمکا دیتی ہے تاکہ تم لوگ اس بات کو بوجھ لو کہ عالم نور میں بھی ایک ایسی ذات درکار ہے جو فیاض کے مبدا سے ... اور مستفید ہووے اور اسی کے سبب سے جو استعداد اور لیاقت اس کی رکھتے ہیں مستفیض اور منور ہوویں اور اپنی ترقی کا احوال پیغمبروں کی ترقی کی نسبت سے اسی طور پر قیاس کر لو اور یہ بھی جان لو کہ علم اور عمل میں شریعت کی پیروی کے سبب سے ظلمت اور تاریکی دور ہوتی ہے اور نور اور روشنی کی طرف ترقی حاصل ہوتی ہے چنانچہ پیدائش کے طوروں میں ترقی کا حصول یعنی بچپن سے جوانی کو اور جوانی سے بڑھاپے کو پہنچنا حکمت اور قدرت میں طبیعت کی تابعداری سے ہوتا ہے اور اگر عالم علوی کی ترقیات کے درجے اپنی نظر کے قصور کے سبب سے یعنی پست ہمتی سے تم دریافت نہیں کر سکتے ہو تو عالم سفلی کی یعنے دنیا کی ترقیات اور بڑھوتی میں نظر کرو اور دیکھو وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اگایا ہے زمین سے اس واسطے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو تمہارے سب کے باپ ہیں اُن کو زمین سے پیدا کیا ہے پھر اُن کی اولاد میں نطفے کو ولالت کا بیج ٹھہرایا اور نطفے کو غذا سے اور غذا نباتی

ہے یا حیوانی اور یہ دونوں چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں بعضی بواسطہ اور بعضی بے واسطہ سو تم کو ہر چند کہ زمین سے بلاواسطہ نہیں پیدا کیا تاکہ یوں کہا جاوے کہ اَنْبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اَنْبَاتًا لیکن تمہاری پیدائش کا سلسلہ آخر کو زمین تک پہنچتا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ اَنْبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَنَبَتُّمْ یعنے پیدا کیا تم کو زمین سے پھر پیدا ہوئے تم نَبَاتًا ؕ پیدا ہونا اسواسطے کہ اصل قریب تمہارے جو نطفہ ہے سو وہ زمین سے پیدا ہوتا ہے لیکن ایک واسطے سے اور اصل بعید تمہاری یعنی پہلی حضرت آدم علیہ السلام میں جو بے واسطہ زمین سے پیدا ہوئے اور جتنے دنیا کے جسم ہیں ان سب سے ذلیل اور خوار زمین کا جسم ہے اس واسطے کہ جو چلنے والا ہے وہ اس کو روندتا ہے اور باوجود اس ذلت کے جو تمہاری اصل میں پائی جاتی ہے پھر تم کو ایسا عزت والا پیدا کیا کہ دنیا میں ظاہری عزت اور بزرگی سے نوازا یعنے غنی اور حاکم اور بادشاہ کیا اور دین میں نبوت اور رسالت اور امامت اور خلافت اور قطبیت اور ارشاد اور ولایت کی بزرگیوں سے معزز اور سرفراز کیا ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْهَا پھر پھیرے گا تم کو اسی زمین میں باوجود اس تمہاری بزرگی کے جو تم نے حاصل کی ہے تاکہ تمہاری بزرگی کے سبب سے زمین بھی قدر اور منزلت پیدا کرے اور تمہارے بزرگوں کی قبریں متبرک اور زیارت گاہ عام اور خاص لوگوں کی ہو دیں وَیُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًا ؕ اور نکالے گا تم کو زمین سے دوسری بار نکالنا سوائے اس نکالنے کے جو نطفے سے تم کو نکالا تھا اور اس دوسری بار کے نکالنے میں زمین کے جزؤں کو تمہارے وجود میں بہت ترقی اور عظمت حاصل ہوگی جو کسی کے وہم اور خیال میں نہیں آسکتی ہے اور اس درجے کی بزرگی حاصل ہونے کے سبب سے تمہارا جسم مالک الملک کے مشاہدے اور دیدار کی لیاقت پیدا کرے گا اور اس کی ہمیشگی کی حضوری اور ہمسائیگی سے مشرف ہوگا اور اس آیت کی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ یُخْرِجُکُمْ کی تاکید مصدر سے نہ کرنے کی یہ وجہ ہے اور نعید کم کے اعادے سے تاکید نہ کرنے کی یہ وجہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبتکم کی تاکید نباتًا سے نہ کرنا بلکہ نباتًا سے کرنے کی وجہ یہ ہے اسواسطے کہ اعادے کی فقط ایک ہی قسم ہے اور اخراج کی دو قسمیں ہیں ایک تو اخراج ابتدائی جیسے آدمی کا نطفے سے پیدا کرنا اور دوسرا اخراج ابداع کے بعد یعنے مارنے کے بعد پھر جلا کر نکالنا سو ابتدائی اخراج سے احتراز کے واسطے مصدر نوعی سے تاکید لانا ضرور ہوا

اور انبتکم نباتاً فرمایا اور اگر انبتکم انباتاً ارشاد ہوتا تو معلوم ہوتا کہ حق تعالیٰ نے آدمی کو زمین سے بدون کسی واسطے کے اگایا ہے اس واسطے کہ فعل کی تاکید مصدر سے اس واسطے لاتے ہیں کہ مجاز کا وہم جاتا رہے اور اسناد حقیقی کا ثبوت پایا جاوے اور یہاں اسناد مجازی ہی منظور ہے اس واسطے کہ آدمی کو زمین سے اصل اور نطفے کے واسطے سے پیدا کیا ہے یعنے زمین سے ان کو اور نطفے کو پیدا کیا اور نطفے کی طبیعت کی خواہش سے اور باپ کی شہوت کے تقاضے سے یہ لوگ پیدا ہوئے ہیں اور اگر تمہاری خاطر میں یہ شبہ گذرے کہ یہ جتنی عالم علوی اور عالم سفلی کی ترقیات ہیں ایک جنس کی جتنی قسمیں ہیں سب کو شامل ہے اور تم عبادت اور تقویٰ اور اطاعت کے مرتبوں کے موافق خاص ترقیوں کا ہم سے وعدہ کرتے ہو تو اس کے جواب میں ہم تم سے کہتے ہیں کہ اس خاص ترقیوں کے بھی گواہ اور شاہد اس عالم سفلی میں جو قریب تمہارے ہے موجود ہیں وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ اور اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے تمہارے واسطے زمین کو فرش جس پر کھاتے پیتے بیٹھتے اٹھتے سیر کرتے ہو لِّتَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۙ تاکہ چلو اس زمین سے بہت لمبی چوڑی راہیں سو باوجود اس بات کے کہ تمام زمین ایک فرش کے طور پر ہے لیکن بعضوں کو مشرق کی طرف اور بعضوں کو مغرب کی طرف اور بعضوں کو پہاڑوں کی طرف اور بعضوں کو بستیوں کی طرف اور بعضوں کو جنگلوں کی طرف ہم راہ چلاتے ہیں اور ہر طرف میں ان چلنے والوں کو اپنے مطلب کی ایک بات حاصل ہوتی ہے اور اس سبب سے ہر ایک کو ترقی اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے یہاں پر جاننا چاہیے کہ حضرت نوح علیہ السّلام نے ابتدائی نصیحت سے یعنی مالکم لاترجون للہ وقارا سے یہاں تک چار مرتبے معبود کا نام پاک ظاہر کر کے لیا ضمیر اور اشارے پر کفایت نہ کی اگرچہ اشارہ بھی اس جگہ پر کافی تھا لیکن اپنی زبان کو مشرف کرنا اور لذت حاصل کرنا اس نام پاک سے منظور تھا اس واسطے اشارے پر کفایت نہ کی اور اس بات پر خبردار کرنا بھی منظور تھا کہ ابتدا سے انتہا تک اور عرش معلی سے فرش تک اور انفس سے آفاق تک یعنی اعلیٰ سے ادنیٰ تک تمام مخلوق کو ترقی بخشنے والی اور ادنیٰ سے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچانیوالی وہی ایک ذات پاک ہے اور وہ ذات پاک اس طرح کی عظمت اور قدرت رکھتی ہے کہ کوئی چیز جہان میں عالم کی قسموں سے جن ہوں یا فرشتے یا انسان عنصر عنصر اس

بزرگی کا نہیں رکھتے پھر ایسی ذات پاک کی عبادت اور فرمانبرداری سے منہ موڑنا اور انکار کرنا
پرلے درجے کی خرابی اور نقصان ہے اور ان دلیلوں کی ترتیب میں اور ان گواہیوں کے مقدم و
مؤخر لانے میں ایک نکتۂ باریک کی رعایت منظور رہے اور وہ یہ ہے کہ جب آدمی کو منظور ہو کہ کسی
کی عظمت اور بزرگی دریافت کرے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اپنے احوال کو غور اور تامل سے دیکھے
کہ اس کی بزرگی کے آثار مجھ میں کیا کیا پائے جاتے ہیں چنانچہ قد خلقکم اطوارا سے اسی نظر کرنے کی
طرف اشارہ ہے پھر اس کے بعد جس کی بزرگی کا یہ خود قائل اور معتقد ہے اس میں نظر کرے اور
دیکھے کہ اس عظیم الشان کی بزرگیوں کے آثار اس بزرگ جز میں کیا کیا پائے جاتے ہیں چنانچہ اَلَمْ
تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ
الشَّمْسَ سِرَاجًا اس نظر کی طرف اشارہ ہے اس واسطے کہ عظمت اور بزرگی اور بلندی اور
روشنی اور چمک اور آسمان اور چاند اور سورج کی ہر ایک چھوٹے بڑے کو معلوم ہے پھر اس کے
بعد اپنی اصل اور اپنے خاندان میں تامل کرے اور دیکھے کہ اس عظیم الشان کی بزرگیوں کے آثار
اپنے باپ دادوں پر اور اپنے بزرگوں پر کیا کیا پائے جاتے ہیں چنانچہ واللہ انبتکم من الارض نباتاً
اس نظر کی طرف اشارہ ہے پھر اس کے بعد اپنے دوسرے متعلقات اور حاجتوں میں نظر کرے
چنانچہ واللہ جعل لکم الارض بساطا اس نظر کی طرف اشارہ ہے اور جب حضرت نوح علیہ السلام
دعوت کے ان رتبوں کے طے کرنے کے بعد اور انتہائی مرتبے کے سمجھانے کے بعد اپنی قوم
کے ایمان لانے سے مایوس ہوئے تب درگاہ الٰہی میں ان کی ہلاکی کے واسطے دعا کی اور اس دعا
کے پہلے جو حالت یاس اور ناامیدی کی اپنی قوم کی صلاحیت سے ان کو حاصل ہوئی تھی اس کو
اس طور سے حقتعالیٰ کی جناب میں عرض کیا قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ کہا نوح نے اے
رب میرے بیشک ان لوگوں نے نافرمانی کی میری اسقدر کہ اب اُن سے ہرگز اطاعت کی
امید باقی نہ رہی اس واسطے کہ باوجود نافرمانی کے اگر یہ لوگ میرے مخالفوں سے نہ ملتے اور ان
کی تابعداری نہ کرتے تو البتہ امید تھی کہ شاید نصیحت قبول کریں اور صلاحیت پر آویں اور آہستہ
آہستہ فرمانبردار میرے ہو جاویں لیکن یہ سب میرے مخالفوں سے جا ملے وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ
يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۝ اور تابعدار ہوئے ایسے کے جس کے مال اور اولاد نے

زیادہ نہ کیا مگر نقصان اس واسطے کہ مال کے جمع کرنے کی محبت میں اور اولاد کی کثرت کی خواہش میں اس قدر محو اور مستغرق ہوئے کہ اپنے پروردگار کی یاد سے اور آخرت کے سفر کے سامان کی درستی سے غافل ہو گئے اور اپنی عمر کو جو نہایت عمدہ چیز ہے خسیس کام یعنے مال کے جمع کرنے میں اور بچہ کشی میں برباد کیا سو پہلی بات یہ ہے کہ توانگروں کی اور بہت بچے والوں کی پیروی کرنا اور ان ہی چیزوں کی تلاش میں رہنا میرے طریقے کی مخالفت پر کمر باندھنا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مال اور اولاد کی کثرت کو تابعداری کا سبب گردانا میری تابعداری کا انکار کرنا ہے اس واسطے کہ میں بلکہ تمام پیغمبر اولاد اور مال کی کثرت کی خواہش نہیں رکھتے بلکہ اس سے احتراز رکھتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ مال اور اولاد سے چن کر ان لوگوں کی تابعداری انہوں نے اختیار کی ہے جو لوگ اپنے مال اور اولاد کی کثرت پر مغرور ہو کے اپنی آخرت کو بھول گئے ہیں کاش اُن مال والوں اور اولاد والوں کی پیروی کرتے جو اپنے مال اور اولاد کی کثرت سے آخرت کی بہتری کو حاصل کرتے ہیں تو بھی کچھ مضائقہ نہ تھا اس واسطے کہ اس صورت میں اگرچہ مالداروں اور اولاد والوں کی پیروی میں ان کو بھی مال کے جمع کرنے اور کثرت سے اولاد ہونے کی محبت ہوتی اور یہ محبت حق تعالےٰ کی راہ سے ان کو دور کرتی لیکن جب وہ مال جمع کیا ہوا اور اولاد پالی ہوئی اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں مصروف کرتے اور اس کو آخرت کے ثواب کا وسیلہ گردانتے تو بھی حق تعالیٰ کی راہ کے نزدیک ہو جاتے اور انجام ان کا اچھا ہوتا اگرچہ ابتدا ان کی اچھی نہ تھی وَاِنَّمَا الْعِبْرَۃُ بِالْخَوَاتِیْمِ یعنے اعتبار اچھائی کا اور برائی کا خاتمے پر ہے اور میرے مخالفوں کی تابعداری کے سوائے میرے طریقے کے مٹانے میں انتہا درجے کی کوشش کرتے ہیں اگر فقط میری نافرمانی اور میرے مخالفوں کی فرمانبرداری ہی ان میں ہوتی تو بھی ان کے صلاحیت پر آنے کی توقع باقی رہتی سو یہ بات نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس نیک طریقے کو برا کر کے ظاہر کرنے کے واسطے ایک ایسی بات ٹھہرائی ہے کہ عوام لوگ ان کے فریب میں پھنس جاویں اور برائی ان پر ظاہر نہ ہووے وَمَکَرُوْا مَکْرًا کُبَّارًا ؕ اور فریب کیا ہے اُن لوگوں نے ایسا فریب کہ اس سے زیادہ فریب نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ پیغمبروں کے مقابلے میں ان کے دین کے انکار کے واسطے کافر اور منکر جو جو مکر اور فریب کرتے ہیں وہ تین قسم کے ہوتے ہیں اوّل قسم یہ ہے کہ رسولوں کی رسالت میں اور ان کی رسالت کے محقق

ہونے میں شبہ نکالتے ہیں جیساکہ مکہ معظمہ کے کافر اور دوسرے کفار کیا کرتے تھے چنانچہ کہتے تھے کہ اگر یہ رسول ہوتا تو کھاتا پیتا نہیں اور بازاروں میں نہ پھرتا اور فقیر نہ ہوتا اور دوسری بہت سی باتیں واہیات کہا کرتے تھے لیکن یہ مکر ان کا سہل ہے اور اس کا دفعیہ بہت آسان ہے کہ بڑے بڑے معجزے دکھلا کر رسالت ثابت ہو سکتی ہے اور دوسری قسم کافروں کے مکر کی یہ ہے کہ حق تعالےٰ کی ربوبیت میں کہ حضرات پیغمبر اپنے تئیں اسی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کا بھیجا ہوا اپنے تئیں کہتے ہیں شبہ نکالیں اور اپنے تئیں خود مختار ظاہر کریں اور اپنے حق تعالیٰ کی طرف محتاج ہونے کو پوشیدہ کریں اور اس کے حکموں کو اپنے ذمہ سے ساقط کریں جس طرح فرعون کرتا تھا کہ کبھی کہتا تھا وَمَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کیا چیز ہے پروردگار عالم اور کبھی کہتا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی یعنے میں ہی ہوں تمہارا رب سب سے بڑا اور کبھی کہتا تھا مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ یعنے نہیں جانتا ہوں میں واسطے تمہارے کوئی معبود سوائے اپنے سو یہ مکر پہلے مکر سے بھی آسان ہے اس واسطے کہ حق تعالیٰ کی ربوبیت کی دلیلیں رسولوں کی رسالت کے ثبوت کی دلیلوں سے زیادہ تر ظاہر اور کھلی ہیں اور جس کو تھوڑی بھی عقل اور دانائی سے حصہ ملا ہے وہ حق تعالےٰ کے رب ہونے کا انکار نہیں کر سکتا ہے اور تیسری قسم یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ربوبیت کا بھی ظاہر میں قائل اور رسول کی رسالت کا بھی لیکن اس کے ساتھ اس کا اعتقاد یہ ہو کہ رسولوں کا علم عوام لوگوں کی رغبت اور خوف دلانے کے واسطے ہے اور کمینے اور کم عقلوں کے سمجھانے کے واسطے اور ان لوگوں کو راہ پر لانا اور ان کی برائیوں کو چھڑانا مناسب اور بہتر ہے لیکن دانا اور باریک بین جو ہر چیز کی حقیقت سے کماحقہٗ واقف ہیں ان کو پیغمبروں کی نصیحت کی کچھ احتیاج نہیں ہے اور وہ لوگ خطابات اور احکام سے مخاطب اور محکوم بھی نہیں ہیں جو علم نصیحت اور پند کا رسول رکھتے ہیں اس سے ان لوگوں کا مرتبہ بڑھ کے ہے اور ربوبیت کی حقیقت کو اور رسالت کی حقیقت کو جس قدر یہ لوگ جانتے بوجھتے ہیں رسول اتنا نہیں بوجھ سکتے اس واسطے کہ رسولوں کی نظر ظاہر اور سرسری ہے اور ان باریک بینوں کی نظر بہت دور اور تہ کو پہنچتی ہے اور اس قسم کا کفر بہت سخت اور دشوار ہے دوسرے کفروں سے اور یہ مکر بہت بڑا اور قوی ہے دوسرے مکروں سے اور اس کا علاج بہت مشکل ہے چنانچہ اکثر فلسفی طریقے والے اور یونانی حکما اس بلا میں گرفتار ہیں اور اسی قسم

کے وہموں میں مبتلا ہیں اور اس مرض کا دفع ہونا بہت مشکل ہے اور سورۂ مومن میں ان ہی لوگوں کا حال مذکور ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِئُوْنَ یعنے جب آئے اُن کے پاس رسول اُن کے کھلی نشانیاں لے کر تو وہ ریجھے اپنی بوجھ پر اور گھیر لیا اُن کو اس چیز نے جس کی مسخری کرتے تھے اور وہ جو مشہور ہے کہ یونان کے لوگوں میں سے ایک شخص نے اپنے وقت کے رسول کی نصیحت کے جواب میں کہا تھا کہ نَحْنُ اُنَاسٌ مُهَذَّبُوْنَ لَا حَاجَةَ لَنَا اِلٰى مَنْ يُّهَذِّبُنَا یعنے ہم لوگ خود مہذب اور آراستہ ہیں ہم کو کچھ احتیاج کسی ہادی اور ناصح کی نہیں ہے سو یہ کلام بھی اسی قسم میں سے ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو خالص حق تعالیٰ کی عبادت اور شرک سے احتراز کرنے کا جو حکم کیا تو ان لوگوں نے اُنکے جواب میں اس طرح کا کلام فریب آمیز کہا کہ ہم لوگ حق تعالیٰ کی عبادت پر قائم ہیں بلکہ تم سے زیادہ ہم مضبوط ہیں اس واسطے کہ ہم لوگ ان مظاہر کاملہ کی عبادت کرتے ہیں کہ جن میں حق تعالیٰ اپنی صفت الوہیت سے در آیا ہے اور اُن کو اپنا مظہر خاص کیا ہے اور تم ہم کو تنزیہ کے مرتبہ کی عبادت کرنے کا حکم کرتے ہو اور اس مرتبے کی تعریف میں ایسی صفتیں بیان کرتے ہو جن کے سبب سے وہ مرتبہ موہوم محض ہوا جاتا ہے تو گویا تم ہم کو حق تعالیٰ کی عبادت سے پھرا کر ایک موہوم امر کی عبادت کا حکم کرتے ہو تو ظاہر میں تم اپنے تئیں داعی الی اللہ کہتے ہو اور حقیقت میں حق تعالےٰ کی عبادت سے منع کرتے ہو اور اس تقریر فریب آمیز کو اپنے تابعداروں اور احمقوں سے بیان کیا کرتے تھے اور سچی بات کو اس فریب کی تقریر سے جھوٹا کر کے اُن کے دلوں میں جما دی تھی وَقَالُوْا اور کہا بڑی قوم نے اپنے تابعداروں اور کم عمروں سے کہ اگر تم کو حق تعالیٰ کی عبادت کرنا منظور ہے لَا تَذَرُنَّ ہرگز نہ چھوڑنا اس کے مظاہر کی عبادت کو اس واسطے کہ ان مظاہر میں اُس نے خود الوہیت سے ظہور فرمایا ہے اور اسی سبب سے یعنے الوہیت سے ان مظاہر میں ظہور فرمانے کے سبب سے وہ مظاہر ہوئے ہیں اٰلِهَتَكُمْ اپنے معبودوں کو سو اگر تم نے ان مظاہر کی عبادت کو چھوڑا تو ظاہر کی عبادت کو چھوڑا اور ان مظاہر میں خدا ظاہر ہے تو گویا خدا کی عبادت کو چھوڑ دیا تم نے اور حقیقت اس فریب کی یہ ہے کہ مظاہر کی الوہیت اس وقت ثابت

ہووے کہ الوہیت کا مرتبہ ان میں ظاہر ہووے اور الوہیت کے مرتبے کو واجب الوجود ہونا شرط ہے اس واسطے کہ بغیر واجب الوجود ہونے کی کوئی صفت انتہا درجے کی کمال کو قبول نہیں کر سکتی اور بدون ایسے کمال کے انتہا درجے کی تعظیم کا مستحق ہونا متصور نہیں ہے اور معبود کو معبود ہونا اور انتہا درجے کی تعظیم کا مستحق ہونا ضروری ہے اور جتنے حادث اور ممکن ہیں ان میں وجود کا واجب ہونا ممکن نہیں ہے ہاں ان مظاہر میں حق کا ظہور صرف وجود سے البتہ مسلم الثبوت ہے یعنے سب اس کے قائل ہیں لیکن وجود محض بدون قید وجوب کے عام ہے اور سب موجودات کو شامل ہے لیکن اس ظہور کے سبب سے بعضے موجودات دوسرے موجودات کے معبود ہونے کے مستحق نہیں ہو سکتے ہیں والا ترجیح بلا مرجح لازم آوے یا عابد کا معبود ہونا اور معبود کا عابد ہونا لازم آوے اور یہ دونوں چیزیں محال اور ممتنع ہیں ہرگز نہیں ہو سکتیں اس تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ مظاہر کا معبود ہونا کسی طرح سے ہو نہیں سکتا لیکن ان مکاروں نے اپنے تابعداروں سے یوں کہا تھا کہ وَلَا تَذَرُنَّ اور ہرگز نہ چھوڑنا نیک لوگوں کی تصویر کی عبادت کرنا اس واسطے کہ حق تعالیٰ کی تجلی خاص ان کے دلوں پر اصالت کے طور پر واقع ہوئی ہے اور اس تجلی نے ان کے دلوں کو اپنا مظہر یعنے جائے ظہور ٹھہرایا ہے اور اس تجلی کا اثر جو ان کے ظاہر اور باطن میں چھا گیا ہے اس سبب سے ان کی تصویریں بھی اگرچہ پتھر یا پیتل وغیرہ کی ہم نے بنائی ہیں لیکن وہی تاثیر ان میں بھی پائی جاتی ہے اور یہ تصویریں بھی معبود اور مسجود ہونے کی لیاقت رکھتی ہیں سو ہرگز نہ چھوڑنا علی الخصوص وَدًّا ود کو جو حق تعالیٰ کی محبت ذاتیہ کا مظہر ہے اور وہی محبت تمام عالم کے ظہور کا مبدا پڑی ہے چنانچہ اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ یعنے چاہا میں نے کہ پہچانا جاؤں میں پھر پیدا کیا میں نے مخلوقات کو تاکہ پہچانا جاؤں میں اس قول کا مضمون اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اس مظہر کو ایک مرد کی تصویر قرار دیا تھا اس واسطے کہ عالم انسانی کے اصل مبدا کے ظہور میں مرد کی صحبت اور اس کا میلان عورت کی طرف ہے اور اس مظہر کو ہنود کی بولی میں بشن کہتے ہیں وَلَا سُوَاعًا یعنے اور ہرگز نہ چھوڑیو ان مظاہر کو خصوصاً سواع کو جو ثبات اور استقرار اور بقائے الٰہی کا مظہر ہے اور تمام عالم کے بقا کا سبب ہے اور شرع کی عرف میں اس صفت

کو قیوم کہتے ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اس مظہر کو عورت کی شکل بنایا تھا اسواسطے کہ گھر کا انتظام اور اپنی نسل اور خاندان کا ثبوت اور قیام عورت کے سبب سے ہوتا ہے اور ہندوؤں کی بولی میں اس مظہر کو برہما کہتے ہیں اور سواع کا مادہ عرب کے لغت میں سکون اور استقرار کے واسطے موضوع ہے اور سواع کے معنی تھامنے والا تمام جہان کا وَلَا يَغُوثَ یعنے ہرگز نہ چھوڑنا ان مظاہر کو خصوصاً یغوث کو اس واسطے کہ فریادرسی اور مشکلکشائی حق تعالی کا یہی مظہر ہے اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے گھوڑے کی شکل بنایا تھا اس واسطے کہ گھوڑا دوڑنے اور جلد پہنچنے اور مدد کرنے میں مشہور ہے اور اس صفت کو شرع شریف میں غیاث المستغیثین اور مجیب دعوۃ المضطرین کہتے ہیں یعنے فریادرس مصیبت میں پکارنے والوں کا اور پہنچنے والا بیکار پر بیقراروں کی اور ہندوں کی بولی میں اس مظہر کو اندر کہتے ہیں وَيَعُوقَ اور نہ چھوڑنا یعوق کو جو حمایت کرنے اور بلا کے دفع کرنے کا مظہر ہے اور اس صفت کو شرع شریف میں کاشف الضراء اور دافع البلاء کہتے ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اس مظہر کو شیر کی شکل پر بنایا تھا اس واسطے کہ شیر جس وقت کسی درندے جانور کے مقابلہ میں آتا ہے تو وہ جانور بھاگ جاتا ہے اور ہرگز اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے اور ہندوؤں کی بولی میں اس مظہر کو شبو کہتے ہیں وَنَسْرًا ج اور نہ چھوڑنا نسر کو اور یہ قوت الہی کا مظہر ہے اور نسر لغت فارسی میں کرگس کو کہتے ہیں جس کو ہندی میں گدھ کہتے ہیں اور یہ پرند جانوروں میں بڑا قوت والا مشہور ہے اور اڑان میں بھی بڑا تیز ہے ان مناسبتوں کے سبب سے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اس مظہر کو اس شکل کا بنایا تھا اور شرع شریف میں اس صفت کو لطیفہ غیبیہ الہیہ کہتے ہیں اور ہندوؤں کی بولی میں اس مظہر کو ہنومان کہتے ہیں اور جب غیب سے امداد چاہتے ہیں تو اپنے اعتقاد میں اسی کو پکارتے ہیں یہاں پر جاننا چاہیے کہ لا کے لفظ کو یعوق اور نسر سے حذف فرمایا ہے یعنے ذکر نہیں کیا بخلاف پہلے تینوں ناموں کے کہ ان تینوں پر لا کو لائے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جن تدبیروں کو یغوث اور یعوق اور نسر کی طرف نسبت کرتے تھے وہ تدبیریں جزئی ہیں جیسے فریادرسی اور بلا کو دفع کرنا اور غیبی مدد تو گویا حق تعالی کی شانوں سے ایک شان کا حکم ان کے اعتقاد میں ان تینوں نے پیدا کیا تھا جس کو مدبر عالم کہتے ہیں اس واسطے کہ ان

تینوں چیزوں سے جن کو ان کی طرف نسبت کرتے تھے ایک شان تدبیر کی بوجھی جاتی ہے اور ود اور سواع کو ان تدبیروں میں جو کلیہ ہیں اور سب کو شامل ہیں جیسے عالم کا ظہور اور اس کی بقا اپنے اعتقاد میں مختار جانتے تھے تو گویا ہر ایک مستقل بالذات ہو یعنی علٰحدہ علٰحدہ اپنے اپنے کام کا مختار ہو تو گویا لا کا لفظ یغوث اور یعوق اور نسر پر بل کر داخل ہے گویا اس طرح ارشاد ہوا کہ ود کو اور سواع کو اور ان تینوں کو جو ایک مظہر کا حکم رکھتے ہیں ہرگز نہ چھوڑنا تاکہ حق تعالیٰ کی ظاہر شانوں سے محروم نہ ہو اور یہ بھی جان لیا چاہیے کہ یہ پانچوں اسم حضرت ادریس علیہ السلام کے صاحبزادوں کے نام ہیں بہت نیک لوگ تھے لیکن جو ان کو زمانہ بہت گذر رہا تھا اور ان لوگوں میں جو جو صفتیں اکثر پائی جاتی تھیں ان صفتوں نے ان پوجنے والوں کے ذہنوں میں وہم کے غلبے سے ان شکلوں پر ظہور پکڑا تھا اس سبب سے اپنے اسی وہم کے موافق اپنے اپنے بتوں کو ان مختلف شکلوں پر تراشا تھا اور وہم کے غلبے اور زور سے اس طرح کے عجائبات، غرائبات بہت ہوا کرتے ہیں چنانچہ جاہل اسلام کے مدعی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصویر کو شیر کی شکل بناتے ہیں اسواسطے کہ اسد اللہ بھی ان کا لقب ہے اور بعض شہباز کی تصویر کو سفید باز کی شکل بناتے ہیں فقط اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں یہ پانچوں بت زمین کی تہ میں دب گئے تھے ابلیس مردود نے پھر عرب کے لوگوں کو ان بتوں کا نشان بتایا اور عرب کے نادانوں نے ان کو زمین سے نکال کر اپنا معبود ٹھہرالیا چنانچہ بنو قضاعہ نے ود کو لے کر دومۃ الجندل میں رکھا اور اس کی عبادت میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ بنو قضاعہ سے وہ بت بنو کلب کے ہاتھ میں آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک بنو کلب میں تھا اور بنی طے کے کئی فرقوں نے یغوث کو لے کر اپنی بستیوں میں رکھا پھر بنو مراد ان سے چھین کر اپنے شہر میں لے گئے اور اس کو پوجنے لگے پھر بنو ناجیہ نے چاہا کہ ان سے اس بت کو زبردستی چھین لیویں بنو مراد اس خوف سے اس بت کو لے کر بھاگے اور بنو الحرث بن کعب کے ملک میں آرہے اور بنو الحرث کے ملک میں وہ رہا اور یعوق بنو الکہلان کے پاس تھا آخر ہوتے ہوتے بنی ہمدان کے قبیلے میں وارث کی مدد سے پہنچا اور نسر بنو خثعم کے پاس تھا۔ اسلام کے ظہور تک وہ لوگ اسی کی پوجا میں مشغول تھے اور سواع ذوی الکلاع حمیری کی اولاد کے پاس تھا پھر ان سے بنی حمیر کے سب فرقوں کو پہنچا اور ان پانچ بتوں کے سوا عرب کے لوگوں کے

پاس دوسرے بُت بھی تھے چنانچہ بنی ثقیف میں لات تھا اور بنو سلیم اور بنو غطفان اور بنو نصر اور بنو سعد اور بنو بکر میں عزّٰی اور قدید اور عل والوں کا منات تھا اور مدینے والے بھی اُس کے درشن کرنے کو جاتے تھے اور مکے کے لوگوں کے پاس اساف اور نائلہ اور ہبل تھا اساف کو صفا پہاڑ پر حجراسود کے مقابلے میں رکھا تھا اور نائلہ کو رکن یمانی کے مقابلہ میں اور ہبل کو بیت اللہ شریف کے اندر رکھا تھا اور ڈیل میں ہبل سب سے بڑا تھا آٹھ گز کا لمبا تھا اور لڑائی کے وقت کافر اسی کو پکارتے تھے چنانچہ ابوسفیان نے بھی کفر کی حالت میں یعنی اسلام لانے کے پہلے اُحد کے دن جب فتح پائی تھی تو اسی کی تعریف کی تھی حاصل کلام کا حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم ایسی تقریر فریب آمیز سے عوام لوگوں کو بہکایا کرتی تھی اور اسُ ان کے مکر نے عوام کے دلوں میں بہت تاثیر کی تھی دیوانوں کی بے ہودہ باتیں ان کے نزدیک تھیں تاکہ کوئی اس طرف التفات نکرے اور اسُ کے تدارک اور خبر گیری میں غفلت کی جاوے وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ اور تحقیق گمراہ کیا ہے ان لوگوں نے اس مکر اور فریب سے بہت سے لوگوں کو یہاں تک کہ حق تعالے کی عبادت سے سب کے سب محروم رہے اور غیر اللہ کی عبادت میں یعنی تصویروں کے مظاہر میں مشغول ہووے اور حال یہ ہے کہ اس مکر کے باطل ہونے پر اُن کی گمراہی کی خود دلیل ظاہر تھی اس واسطے کہ اگر ان مظاہر کی عبادت حقیقت میں حق تعالیٰ کی عبادت ہوتی تو حق تعالیٰ کی درگاہ میں مقبولیت کا سبب پڑتی اور تاریکی کے پردے اُن کے درمیان سے اُٹھ جاتے اور اُنکو ہدایت نصیب ہوتی لیکن یہاں اس کا عکس پایا گیا یعنے یہ مظاہر کی عبادت زیادہ تردوری کا سبب پڑی اور حق تعالیٰ کی عبادت سے غفلت زیادہ ہوگئی اور عمر بھر اسی مظاہر کی قید میں گرفتار رہے اسی سبب سے معلوم ہوا کہ ان کی عبادت خدا کی عبادت نہ تھی اور یہ لوگ ان مظاہر کی عبادت اور معبود حقیقی کی عبادت ترک کرنے سے ظالم ہوئے اسواسطے کہ کسی کے حق کو تلف کرنا اور جو چیز جس واسطے بنی ہے اس کے غیر میں اس کو صرف کرنا اسی کا نام ظلم ہے سو عبادت خاص الوہیت کے مرتبے کا حق ہے اس کی ذات کے لحاظ سے جزئی مظاہر کا حق نہیں ہے جس طرح کلی ہونا انسان مطلق کا حق ہے اس کو ذات کے لحاظ سے ہر ہر فرد انسان کا حق نہیں ہے اور وسعت اور ہمیشہ بہنا دریا کا حق ہے اس کی ذات کی لحاظ سے ہر ہر موج کو

اس کا حق نہیں ہے اور جو ہر یت شخص کا حق ہے ذات کے لحاظ سے نہ اُس کے سایہ کا اور نہ اُس کے عکس کی صورت کا جو اپنے میں معلوم ہوتا ہے اور قسمت کو قبول نہ کرنا واحد کا حق ہے اس کی ذات کے لحاظ سے اس کے ظہور کے مرتب کا کہ بے انتہا عدد میں حق نہیں ہے اور اسی پر اور بھی قیاس کر لیا چاہیے سو حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی کہ جب ان لوگوں نے اس طرح کا ظلم کیا تو ان کو استدراج کے طور پر بھی معرفت سے آشنا نہ کر اور اپنی شانوں سے کسی شان کی طرف ان کو ہدایت نہ کر اور راہ نہ دکھا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝ اور زیادہ نہ بڑھا ظالموں کو گمراہی کے سوا اس واسطے کہ اگر کسی کو ان میں سے استدراج کے طور پر بھی کسی شان کی طرف معبودیت کی شانوں میں سے ہدایت کرے گا تو تیرا یہ ہدایت کرنا ایک کا دوسروں کی خرابی کا سبب پڑیگا یعنے اللہ تعالے کی عبادت کی طرف بالکل رُخ نہ کریں گے اور غیر اللہ کی عبادت پر مصر ہو جائیں گے اس واسطے کہ یہ کہیں گے کہ جزئی مظاہر کی عبادت بھی معرفت حقیقی پر فتحیاب ہونے کا سبب پڑتی ہے اور فتحیاب ہونا پردے کے اُٹھنے اور مطلب کو پہنچنے کی علامت ہے اس جگہ پر مفسر لوگ ایک اعتراض کرتے ہیں اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اولو العزم پیغمبروں میں ہیں اُن سے اپنی قوم کے واسطے زیادہ گمراہی کی دُعا کرنا بڑا تعجب ہے اسواسطے کہ پیغمبروں کا کام تو ہدایت طلب کرنا ہے نہ گمراہی کی بد دعا کرنا ہے اور اس اعتراض کا جواب اس طور سے دیا ہے کہ یہ بد دعا حضرت نوح علیہ السّلام نے اسوقت کی تھی جب اُن کے ایمان سے بالکل ناامید ہو گئے تھے اور ہدایت کی توقع اُن سے بالکل جاتی رہی تھی چنانچہ دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے خود فرمایا تھا کہ اِنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ یعنے اب ہرگز ایمان نہ لاوے گا کوئی تمہاری قوم کا مگر جو ایمان لا چکا تب حضرت نوح علیہ السلام نے چاہا کہ اپنا عوض اُن سے لیجئے اور بد دعا زیادتی گمراہی کی اُن کے واسطے کیجئے تاکہ ان کے عذاب میں زیادتی ہو چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی جب فرعون اور اس کی قوم کے ایمان سے مایوس ہوئے تھے اسی طور کی بد دعا ان کے واسطے کی تھی چنانچہ سورۂ یونس کے آخر میں حکایت کے طور پر ان کی طرف سے بیان فرمائی ہے کہ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ یعنے اے رب میرے مسخ کر دے اُن کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو اور اس آیت کی تفسیر کے

بیان میں اس اعتراض کا جواب بہت خوب طرح سے بیان ہو چکا کہ زیادتی گمراہی کی بد دعا
حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کے واسطے مطلق نہیں ہے بلکہ ظلم اور شرک کی بھی قید لگی ہوئی
ہے اور یہ بات اصول کے قاعدے کے موافق ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ تَعْلِیْقُ الْحُکْمِ
بِالْوَصْفِ مُشْعِرٌ بِعِلَّۃِ الْوَصْفِ لِذٰلِکَ الْحُکْمِ یعنے حکم کو کسی وصف کے ساتھ
معلق کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف علت پڑا ہے اس حکم کا اور اگرچہ ظلم اور
شرک کی حالت میں ہدایت منظور نہیں ہے لیکن اس دعا میں ایک فائدہ ہے کہ کسی طور سے ہدایت
کا ان میں ظہور نہ ہونے پاوے تاکہ دوسروں کی گمراہی کا سبب نہ پڑے اور جب حضرت نوح علیہ السلام
کی دعا کے بیان سے جو انتہا درجے کی نصیحت اپنی قوم کو کر کے یہ بد دعا کی تھی اور ان کی قوم
کی شکایت کے بیان سے فراغت پائی جو حکایت کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے
بیان کی گئی ہے تو اب ارشاد ہوتا ہے کہ اس دعا اور اس حکایت کا اثر ظاہر ہوا اور حضرت نوح
علیہ السلام کی قوم ان کی نافرمانیوں اور برائیوں میں ہمیشہ پھنسی رہی کسی طرح ہدایت ان کو نہ ہوئی یہاں
تک کہ مِمَّا خَطِیْٓئٰتِہِمْ اپنے گناہوں کے بعد اور مِنْ اس جگہ تعلیل کیواسطے ہے جس
طرح کثیر ما اور دوسری بہت جگہوں پر کثرت کیواسطے ما کو زیادہ کرتے ہیں اور یہاں ان گناہوں کی
زیادتی سے ان کا کفر مراد ہے کہ اپنے وقت کے پیغمبر کے مقابلے ہزار برس تک اسی اپنے کفر
پر اڑے رہے اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں سو اس سبب سے ان کا کفر بہت قوی ہو گیا
اور اسی سبب سے اُغْرِقُوْا غرق کیے گئے ایسے پانی میں جو آسمان سے بھی گرتا تھا اور زمین سے
بھی ابلتا تھا اور ان کو ڈبو دینے سے ان کا نیست نابود کر دینا روئے زمین سے فقط منظور نہ تھا
جو اسی ڈبونے پر کفایت کی جاتی بلکہ برزخ کا عذاب چکھانا بھی ان کو منظور تھا اس واسطے کہ
فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۵ پھر غرق ہونے کے بعد داخل کیے گئے ایک آگ میں سوائے دوزخ کی آگ موعود
کے اسواسطے کہ اس میں داخل ہونے کو ابھی بہت دوری ہے اور اس آیت میں ایک فعل ماضی کو دوسرے
فعل ماضی پر فاء کی تعقیب کے ساتھ جو عطف کیا ہے سو یہ قبر کے عذاب کے ثبوت پر صریح دلیل
ہے چنانچہ ضحاک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ادھر ڈوبتی جاتی تھی ادھر
جلتی جاتی تھی۔ اور یہ بھی اس آیت سے معلوم ہوا کہ نافرمانوں کی موت کسی طرح سے ہو پانی میں

ڈوبنے سے یا آگ میں جلنے سے یا جانور کے کھا جانے سے لیکن قبر کے عذاب میں ضرور گرفتار ہوتے ہیں اور جو کچھ اس مُردے پر جو قبر میں گاڑا جاتا ہے ہوتا ہے وہی اس پر بھی ہوتا ہے اس واسطے کہ جو کچھ عذاب ہے سو روح پر ہے نہ بدن پر تاکہ بدن کا باقی رہنا عذاب کے واسطے شرط ہو فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ پھر نہ پایا حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے واسطے ان اپنے معبودوں کو جنکو پوجتے تھے اس امید سے کہ وقت پڑے پر کام آویں گے اور مصیبت میں مدد کریں گے مِّنْ دُونِ اللَّهِ سوائے حق تعالیٰ کے أَنصَارًا ہ مددگار یعنی نہ ود نے ان سے محبت کی نہ سواع نے ان کو قائم رکھا نہ یغوث ان کی فریاد کو پہنچا نہ یعوق نے حمایت کی نہ نسر نے ان کو کچھ قوت دی تاکہ دنیا کے عذاب سے یعنے طوفان میں غرق ہونے سے ان کو بچاتے یا برزخ کے عذاب کو یعنے آگ میں جلنے کو ان سے دفع کرتے سو ان کی گمراہی کا اثر حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے موافق ظاہر ہوا اور جب طوفان کے پانی کی زیادتی ہوئی اور آسمان سے برسنا اور زمین سے ابلنا شروع ہوا اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے اور کافر ڈوبنے لگے لیکن بعضے کافروں کو دیکھا کہ پہاڑ کی چوٹیوں اور اونچے مکانوں پر بھاگ کر جا بیٹھے ہیں اور بعضوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے اس طوفان کا حال سُنا تھا تو اس خوف سے شیشے کے مکانات پہاڑوں پر احتیاط کیواسطے بنا رکھے تھے اور کئی مہینوں کا کھانا پینا بھی اس میں رکھا تھا سو اس وقت ان مکانوں میں جا کر بے خوف ہو کر بیٹھے تھے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ حال دیکھ کر اندیشہ کیا کہ ایسا نہ ہو کہ بعضے کافر اس عذاب سے اس حکمت سے بچ جاویں اور پھر کفر کا تخم جہان میں باقی رہے یہ سوچ کر پھر درگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہو کر عرض کی چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ اور کہا نوح نے اے رب میرے جو تو نے مجھ کو اس دعا کی قبولیت سے سرفراز کیا ہے اور میری قوم کے سرداروں اور مکاروں کو جنہوں نے عوام لوگوں کو بھی فریب و مکر خراب کیا تھا طوفان کے عذاب میں گرفتار کیا ہے تو ایک عرض تیری جناب میں اور کرتا ہوں کہ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ نہ چھوڑ زمین پر جہان بھر میں نہ یہاں نہ دوسری جگہ مِنَ الْكَافِرِينَ کافروں کی جنس سے سردار اور مکار ہوں یا اُن کے مقلد اور تابعدار میری قوم سے ہوں یا غیر ان میں سے کسی کو دَيَّارًا ہ گھر میں رہنے والا اور چلنے والا اور دیار فیعال کے وزن پر ہے مشتق ہے وار سے یا دور سے اگر دار سے یہ لفظ نکلی ہے

تو اس کے معنی ہیں گھر میں رہنے والا اور بسنے والا اور اگر دور سے نکلی ہے تو اس کے معنے ہیں پھرنے والا اور چلنے والا اور یہ لفظ فعال کے وزن پر نہیں والا دوار ہونا چاہیے تھا نہ دیار اور اس میں تعلیل ایام کے موافق ہوئی ہے جس کی اصل ایوام ہے مثل سید کہ اصل سیود تھا اور تعلیل یہ ہے کہ واو اور ی ایک لفظ میں بلا فاصلہ جمع ہوئے واو کو ی کے ساتھ بدلہ کیا اور یے کو یے میں ادغام کیا دیار اور ایام اور سید ہوا اور قیام بھی فیعال کے وزن پر ہے اور بعضی روایت میں یہ اسم اسمائے حسنیٰ میں معدود ہے اور تہجد کی دعا میں واقع ہوا ہے فعال کے وزن پر نہیں ہے اور متحیز کی لفظ جو سورۂ انفال میں آئی ہے وہ بھی متفعل کے وزن پر ہے اصل اس کی متحیوز ہے نہ متفعل کے وزن پر اس واسطے کہ اصل میں یہ سب صیغے وادی ہیں نہ یائی فقط اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے کلام دعائیہ میں دیار کی لفظ کو لائے متنفسا اس واسطے نہ کہا کہ ابلیس اور اس کی ذریت کی بقا قیامت تک آپ کو معلوم تھی اگر ہر کافر جاندار کی ہلاکی روئے زمین سے درگاہ الٰہی سے طلب کرتے تو ان کا کلام حق تعالیٰ کی تقدیر مبرم کے مخالف واقع ہوتا اور حضرت انبیاء علیہم السلام تقدیر الٰہی کے مخالف دعا نہیں کرتے ہیں اس سبب سے دیار کی لفظ کو لائے تاکہ ابلیس اور اس کی ذریت اس میں داخل نہ ہوں اس واسطے کہ ابلیس اور تمام شیاطین زمین پر انسان کی طرح خانہ داری اور سکونت نہیں کرتے ہیں اور اکثر زمین پر چلتے پھرتے کم ہیں بلکہ ان کی حرکت اکثر ہوا میں ہوتی ہے اور جو کافروں کا روئے زمین پر باقی رہنا کبھی حکمت الٰہی کے تقاضے سے ہوتا ہے اس واسطے کہ ان کافروں سے کسی زمانے میں خلق کی ہدایت مقدر ہوتی ہے اگرچہ سردست کفر اور گمراہی میں گرفتار ہوئے ہیں جیسے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے کافر کہ باوجود کفر میں سخت ہونے کے آخر کو سعادت اسلام سے مشرف ہوئے اور ہزاروں کافروں سے جہاد کرکے اسلام میں داخل کیا یا ان کافروں سے اولاد صالح پیدا ہونا مقدر ہوتا ہے اور ان کی اولاد حق تعالیٰ کی معرفت اور بندگی کو بجالاتے ہیں سو حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کے عرض کرنے کے وقت ان دونوں فائدوں کی نفی بھی بیان کردی کہ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ تحقیق اگر چھوڑے گا تو ان کو تو البتہ گمراہ کریں گے سب تیرے بندوں کو تیری عبادت کی راہ سے اور ان کو نفرت دلا دیں گے اور منع کریں گے سیدھی راہ چلنے سے اور ان کی پیدائش جو معرفت اور عبادت کے

واسطے ہوئی ہے وہ حکمت درہم برہم ہوجائے گی وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا اور ہرگز نہ جنیں گے یہ بدبخت مگر بدکار ناشکرے بس ان کی اولاد میں بھی صالح اور نیک ہونے کی امید نہیں ہے غرض ہر طرح سے یہ لوگ ہلاکی اور خرابی کے سزاوار ہیں اور جب حضرت نوح علیہ السلام نے جناب باری عز اسمہٗ سے ایسا مواخذہ جو عام ہو اور سب کو شامل اور نمونہ ہو قیامت کا طلب کیا تو اس بات کا خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ قہر الٰہی ایسا جوش میں آوے کہ مجھ سے ترک اولیٰ جو کبھی کبھی ہو جاتا ہے اور میری امت کے مسلمانوں سے فرعیہ گناہوں پر جو اُن سے ہو جاتے ہیں مواخذہ اور پکڑ ہو سو اس خوف کے دفع کے واسطے درگاہ الٰہی میں ایک دعا دوسرے مضمون کی بھی کی اور کہا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ اے پروردگار میرے بخشدے مجھ کو جو کچھ تیری مرضی کے خلاف مجھ سے ہوا ہو اور میرے حق میں وہ گناہ کا حکم رکھتا ہو جیسے ترک اولیٰ اور اجتہاد میں خطا اور چوک وَلِوَالِدَیَّ اور بخشدے میرے ماں باپ کو اگرچہ وہ مر گئے تھے لیکن والدین کے مرنے کے بعد بھی اولاد پر واجب ہے کہ اُن کی مغفرت کی دعا مانگی جائے اور اپنے مقدور بھر اُن کے واسطے صدقے بھی دیے جائیں اور حضرت نوحؑ علیہ السلام کے باپ کا نام ملک بن متوشلخ تھا اور آپ کی ماں کا نام شمخا تھا انوش کی بیٹی لیکن انوش وہ نہیں ہیں جو آپ کے اجداد میں ہیں بلکہ یہ دوسرے شخص ہیں اور عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے آبا و اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی کافر نہ تھا سب مسلمان موحد تھے اور آپ کی والدہ بھی مسلمان تھیں وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا اور بخشش کر اس کے واسطے جو داخل ہو میری کشتی میں جو میرا چلتا گھر ہے لیکن مسلمان ہو اسواسطے کہ آپ کی کشتی میں ابلیس بھی تھا اور بخشش کا مستحق نہ تھا اور مسلمانوں کی بخشش اس واسطے طلب کی کہ ایسا نہ ہو کہ ان کی برائیوں اور گناہوں کی شامت سے کشتی ڈوب جاوے تو بے گناہ بھی ہلاک ہو جاویں اس واسطے کہ دنیا کے عام عذابوں میں جو آزمائش اور جانچ کیواسطے ہوتے ہیں ان میں کافر مسلمان کا فرق اور امتیاز نہیں ہوتا ہے اسی واسطے کہ جو بلا کسی قوم پر آتی ہے تو اسمیں اُن کے بچے اور دیوانے بھی ہلاک ہو جاتے ہیں بلکہ جانوروں کی بھی خرابی ہوتی ہے وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور بخشدے تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو قیامت تک جو ہوتے جاویں تاکہ ان کی اولاد کے گناہ جو آگے پیدا ہو کر کریں گے ان لوگوں میں کہ انکے

باپ میں تاثیر نہ کریں اور کشتی کو نہ ڈبودیں وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ؕ اور زیادہ نہ کر ان ظالموں کو جو شرک اور کفر کی شامت سے ڈوب کر آگ میں جلیں گے مگر دکھ اور درد اور عذاب اس واسطے کہ اگر دمبدم ان پر عذاب کی زیادتی نہ ہوتی جاوے گی اور ایک ہی طور پر عذاب رہے گا تو اس عذاب کی ان کو عادت ہوجاوے گی اور سہ جائیں گے اور وہ عذاب ان کو نہ معلوم ہوگا اور یہ بھی ایک طرح کی مغفرت ہے تو یہ بھی مومنین کی مغفرت میں شریک ہوجائیں گے اگرچہ تھوڑی ہی سہی علمانے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا میں بڑی خوشخبری ہے تمام ایمانداروں کیواسطے جو قیامت تک ہوتے جائیں گے اسواسطے کہ کافروں کے حق میں جو بددعا آپ نے کی تھی وہ درگاہ الٰہی میں بالیقین مقبول ہوئی اور اس کی قبولیت کے آثار بھی ظاہر ہوئے یعنی سب کافر ہلاک ہوئے تو ایمانداروں کے حق میں مغفرت کی دعا جو آپ نے کی ہے وہ بھی بلاشبہ مقرون باجابت ہوئی ہوگی اور مسلمان مغفور ہوئے والحمد للہ علیٰ ذٰلک اور یہ بھی علماء نے کہا ہے کہ ود اور سواع وغیرہ پانچوں بُت جو اوپر مذکور ہوچکے ہیں کچھ حضرت نوح علیہ السلام ہی کے قوم کے واسطے خاص نہ تھے بلکہ ہر شخص کے پاس موجود ہیں اور ہر ایک ان کی عبادت اور محبت میں گرفتار ہے جان بوجھ کے یا نادانی سے مگر جس کو حقتعالی بچاوے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی اپنے حال میں خوب غور اور تامل کرکے دیکھے کہ ہر شخص کا بدن ود ہے اس واسطے کہ روح کا محبوب ہے اور یہ بات جبلی اور پیدائشی ہے اور اپنے بدن کی محبت میں ایسا مصروف رہتا ہے کہ اُس کے مقابلے میں سب کو ہیچ جانتا ہے کسی کی حقیقت اُس کے سامنے نہیں ہے اور ہمیشہ اُس کی پرورش اور زینت میں لگا رہتا ہے کھانے میں پینے میں لباس میں زیور میں خضاب میں کنگھی میں دوا کے استعمال میں ورزش میں ریاضت میں حمام کے جانے میں غسل کرنے میں بدن کے ملنے میں حجامت بنانے میں غرض جتنی چیزیں ہیں سب میں بدن کی اصلاح اور بہتری منظور اور ملحوظ رہتی ہے اور ہمیشہ دن اور رات بلکہ ہر ساعت اسی میں مشغول رہتا ہے اور ہر شخص کا نفس اس کا سواع ہے اس واسطے کہ اس کی زندگی کا قیام اسی سے متعلق ہے اسی واسطے جن چیزوں میں اس کو لذت اور خوشی ہوتی ہے اسی کی طرف دوڑتا ہے اور جن چیزوں سے رنج اور ضرر اپنا سمجھتا ہے اُن سے دور بھاگتا ہے یہی سبب ہے کہ عبادت اور تقویٰ میں اس سے قصور ہوتا ہے اور پیغمبرؐ کی فرمانبرداری کماحقہ نہیں کرسکتا اور

ہر شخص کا یغوث اس کا باپ بیٹا یا بہن بھائی بھتیجا خویش اور اقربا ہیں اسواسطے کہ ان لوگوں سے امید فریادرسی کی رکھتا ہے اور ان کے بھروسے پر کودتا ہے اور ان کی خاطر داری اور دلجوئی میں ہمیشہ لگا رہتا ہے یہاں تک کہ ان کی خاطر سے اللہ اور رسول کے حکم کو ٹال جاتا ہے اور سنے کو ان سنا کر دیتا ہے اور ہر شخص کا یعوق اس کا مال ہے جو زکوٰۃ اور صدقات کے دینے سے اور مسکینوں اور محتاجوں کی خبرگیری سے اور حق تعالیٰ کی عبادت اور تقویٰ سے روک دیتا ہے اور منع کرتا ہے اور یہ شخص اپنی مصیبت اور بلا کے دفع کرنے میں اس سے بڑی امید رکھتا ہے اور ہر شخص کا نسر اسکا شیطان ہے جو حرص اور غصے کے دونوں بازوؤں سے پہنچ کر اس شخص کے سب کیے اور نہ کیے کو برابر کر دیتا ہے اور بُرے وسوسے اور جھوٹے اعتقاد اس کے دل میں ڈالا کرتا ہے سو جب تک ان پانچوں بتوں کے پھندے سے نہ چھوٹے گا تب تک ایمان اُس کا درست نہ ہوگا اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعا میں جو تمام ایمانداروں کے واسطے کی ہے داخل نہ ہوگا اب اسجگہ جاننا چاہیے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعا میں عرض کیا ہے کہ میری قوم کے کافر نہ جنیں گے مگر بدبخت ناشکرے یعنی ان کی نسل سے بھی کوئی مسلمان ہونیوالا نہیں ہے لیکن بہت کافر ایسے بھی ہوئے ہیں کہ ان کی نسل سے نیک بخت خدا کے خاص بندے پیدا ہوئے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کہ اُن کے نطفے سے ایسا شخص پیدا ہوا جو سید المسلمین اور ابو المرسلین ہوا اور خلت الٰہی کے مرتبے سے سرفرازی پائی سو ظاہر دعا کا مضمون واقع کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس شبہ کے جواب میں مفسرین نے بھی اختلاف کیا ہے علمائے ظاہر یوں جواب دیتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی سے اپنی قوم کا حال بخوبی معلوم ہو چکا تھا کہ ان لوگوں سے ہرگز مسلمان پیدا ہونے والا نہیں ہے اس واسطے یہ دعا کی اور یہ حکم ان ہی کی قوم کے واسطے خاص ہے عام نہیں ہے کہ ہر کافر کو شامل ہو اور بعضے عالموں نے یوں لکھا ہے کہ طوفان آنے کے پہلے حق تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی تھی کہ اِنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ اور اس حصر کے لفظ سے حضرت نوح علیہ السلام نے بوجھ لیا تھا کہ اب میری قوم سے جو پیدا ہوگا وہ کافر ہی رہے گا اس واسطے کہ قوم کی اولاد بھی قوم میں داخل ہیں اس سبب سے آپ کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا اور اس مضمون کو جو متضمن شرط اور جزا کا ہے جناب الٰہی میں عرض کیا

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ الخ اور حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تنگ دلی اور غضب الٰہی کے غلبے کے سبب سے دعا کے وقت جوش آگیا تھا اور ان پر ایک حالت طاری ہوگئی تھی سو ظاہر حال کے موافق آپ نے حکم فرمایا اس واسطے کہ خبیث اور تاریک نفس سے جو نطفہ کہ پیدا ہوگا اور اسی تاریک اور خبیث نفس کی تدبیر سے ترتیب پاوے گا تو بالیقین وہ بھی خبیث ہوگا اور خباثت ہی کی استعداد پیدا کرے گا جس طرح اولاد کا جسم کہ صنفیت میں والد کے جسم کے موافق ہوتا ہے جیسے حبشی اور رومی اور جس طرح شاگرد اور مرید کہ کمال کی قسم میں اپنے استاد اور پیر کے موافق ہوتا ہے اسی واسطے کہا ہے کہ اَلْوِلَادَةُ الرُّوْحَانِيَّةُ مِثْلُ الْوِلَادَةِ الْجِسْمَانِيَّةِ یعنی ولادت روحانی جسمانی ولادت کے مانند ہے تاثیر میں سو اسی طور سے حضرت نوح علیہ السلام کا عرض کرنا آپ کے حال کی لغزش سے تھا کہ کبھی انبیا سے بھی ہو جاتی ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قبطی مرگیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عمل کی لغزش تھی یہی سبب ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اس عرض کے عوض میں اُن کے بیٹے کے کفر سے جس کا نام کنعان تھا متنبہ اور خبردار کر دیا جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو اوریا کی عورت کے مقدمے میں دو شریکوں کے قصے سے جو آپس میں بکریوں میں جھگڑتے آئے تھے متنبہ اور خبردار کر دیا تھا اور تحقیق اس مقام کی یہ ہے کہ جو کیفیت ماں باپ کے باطن پر غالب ہوتی ہے اس کیفیت کی تاثیر اولاد میں بلاشبہ پائی جاتی ہے لیکن جو کیفیت ماں باپ کے باطن پر غالب نہیں ہوتی ہے اس کی تاثیر کا اثر اولاد میں پایا جانا کچھ ضرور نہیں ہے اسی واسطے کہتے ہیں کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِيْهِ یعنی اولاد اپنے باپ کا بھید ہے جو حالت کہ باپ میں پوشیدہ اور غالب ہے اس کا ظہور اس میں ہوتا ہے پھر جب یہ فرق معلوم ہو چکا تو اب جان لیا چاہیے کہ بعضے وقت میں بعضے کافروں کی استعداد بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور اُن کے باطن پر صفائی کا غلبہ ہوتا ہے اور اس جبلی استعداد کے موافق ان کی اصل بھی پاکیزہ ہوتی ہے لیکن ظاہر میں اپنے باپ دادوں کے دین پر ہوتے ہیں اور اپنی قوم کی عادت اور اپنے بزرگوں کی وضع ان سے چھوڑی نہیں جاتی لیکن باطن ان کا آفت سے بچا ہوا ہوتا ہے اس سبب سے اس نورانیت کی حالت

میں ان کی اولاد با ایمان پیدا ہوتی ہے اور ان کے باطن کی حالت کا ظہور ان کی اولاد میں پایا جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر سے پیدا ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوطالب سے سو جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کا احوال ہزار برس تک دیکھا اور اتنی مدت دور و دراز میں کتنے زمانے اور کتنے قرن گذر گئے اور ہر زمانے کے لوگوں کا تجربہ کیا اور اُن کے باطن کی استعداد کی معرفت کو خوب آزمایا لیکن کسی میں صلاحیت کی لیاقت نہ دیکھی تب بالیقین آپ کو معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی کی پیدائشی استعداد سلامت نہیں رہی اور باطن ان کا تاریک ہوگیا ہے بلکہ سیاہی نے تمام اُن کے باطن کو چھا لیا ہے اور ان کا کفر اپنے باپ دادوں کی پیروی پر اور قوم کی رسم پر نہیں رہا بلکہ اُن کے دل سیہ تاب ہو گئے ہیں اب اُنسے اور اُن کی اولاد سے ہرگز توقع ایمان کی نہیں ہے ناچار ہو کر اس طور کی بد دعا اُن کے واسطے کی اور اس شرط اور جزا کو درگاہ الہیٰ میں یقین کے طور پر عرض کیا سو حق تعالیٰ کی درگاہ میں اسی راستے کے سبب سے ان کی دُعا نے قبولیت کا درجہ پایا اور اس قہار مالک الملک کی درگاہ سے اُن کی قوم پر عذاب نازل ہوا اور حضرت نوح علیہ السلام پر کچھ بھی عتاب نہ ہوا اور اُن کے بیٹے کنعان کا کافر ہونا تنبیہ اور عتاب پر حمل نہیں کیا جاتا اور ان کی دعا میں شرط اور جزا کا جو مضمون ہے اس کے مخالف بھی نہیں ہے اس واسطے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ ان کافروں سے سوائے کافر فاجر کے پیدا نہ ہوگا اس سبب سے اُن کا نیست اور نابود ہونا ضروری ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ کافر فاجر پیدا نہ ہوں اس واسطے کہ کبھی نیک بختوں سے بُرے بھی پیدا ہوئے ہیں لیکن اُن سے اچھے صالح بھی پیدا ہوتے ہیں تو بعضی اولاد کی نیکی اور بعضے کی بدی مقابل ہو کے فنا اور ہستی کے وجوب کی علت نہیں پڑتی ہے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ کنعان کے نطفے کے علوق کے وقت بعضی لغزشیں اور ترک اولیٰ نے جن کا پیغمبروں سے بمقتضائے بشریت کے ہونا کچھ عجب نہیں ہے حضرت نوح علیہ السلام کے باطن میں ایک ظلمانی ہیئت پکڑی ہو اور اسی ہیئت ظلمانی کا کنعان حامل ہو کر اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کا مصداق ہوا ہو اور سوائے اس کے ماں کا مشرکہ اور منافقہ ہونا اس کی استعداد کی خرابی میں بڑی تاثیر رکھتا ہے اب اس لحاظ سے کنعان کی استعداد کے فساد کو حضرت نوح علیہ السلام کی

طرف نسبت کرنا کچھ لازم نہیں ہے اس کی ماں کا اثر ہو تو کچھ عجب نہیں ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ایک تو یہ بات ہے کہ سوائے کافر فاجر کے صالح کا نہ جننا اور دوسرے یہ کہ کافر فاجر بھی پیدا ہوں اور صالح بھی ان دونوں باتوں میں فرق بڑا ہے اور ان دونوں میں سے ایک کا اثبات دوسرے کی نفی نہیں کرتا ہے تاکہ تنبیہ اور عتاب منصور ہو سکے واللہ اعلم بالصواب ۔

سُورَۃُ الجِنّ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں اٹھائیس[۲۸] آیتیں اور دو سو اسی[۲۸۰] کلمے اور نو سو نو[۹۰۹] حرف ہیں اور اس سورۃ کے ربط کی وجہ سورۂ نوح اور اس کے پہلے کی سورتوں کے ساتھ یہ ہے کہ سورۂ نون میں یہ مضمون بیان ہے کہ مکے کے کافروں نے باوجود نہایت نزدیکی نسب کے رسول مقبول[۴] سے اور آپ کے احوال اور اخلاق بزرگ پر واقف ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہ پہچانی اور دیوانگی کی نسبت آپ کی طرف کرنے لگے اور سورۂ حاقہ میں یہ مذکور ہے کہ یہ کافر ایسے بدبخت اور شقی ہیں کہ باوجود عقل اور دانائی کے دعوے کے قرآن مجید کو کبھی شاعر کا کلام اور کبھی کاہن کا کلام اور کبھی پیغمبر کا بنایا ہوا کہتے ہیں اتنی سمجھ نہیں رکھتے کہ اس کی حقیقت حال کو دریافت کریں کہ یہ کلام اعجاز سے بھرا ہوا کس قسم کا ہے اور کہاں سے آیا ہے اور زمین پر اتارنے اور زمین والوں کو سنانے سے مقصود کیا ہے یہاں تک کہ سورۂ معارج میں جان بوجھ کر سچ کو جھوٹا کرنا اور بیقاعدہ جھگڑا کرنا کافروں کا کھول کر بیان فرما دیا کہ یہ کافر اپنی نادانی اور جہالت سے حق تعالیٰ کے عذاب کی درخواست کرتے ہیں اور سورہ نوح میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے واسطے حضرت نوح علیہ السلام کی کامل دعوت کا پورا قصہ بیان فرمایا یعنی جو دعوت کا حق تھا سو وہ بجا لائے اور ہزار سال تک اپنی قوم کو طرح طرح سے سمجھایا لالچ بھی دلوایا اور ڈرایا بھی اور اس کام میں انتہا درجے کی سعی اور کوشش کی لیکن اس قوم نے اپنے باپ دادوں کی تقلید جو کفر میں کی تھی اسے ہرگز نہ چھوڑا اور اسی پر ہٹ کرتے رہے اور اب اس سورۃ میں ارشاد ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا تماشا دیکھو اور خوب جان رکھو کہ دلوں کا پھیرنے والا اور پوری ہدایت کرنے والا وہی مالک الملک ہے اپنی قوم کا حال دیکھو کہ تمہارے احوال کو بخوبی جانتے ہیں اور تم سے طبعی قرابت بھی رکھتے ہیں اور ایک جنس بھی ہیں اور عربی کلام کے بڑے ماہر ہیں اور اسقدر استعداد رکھتے ہیں کہ اگر قرآن شریف کے بوجھنے اور اس کلام کے اعجاز دریافت کرنے میں تھوڑا سا غور اور تامل کریں تو بخوبی بوجھ سکتے ہیں لیکن ہرگز نہیں بوجھتے بلکہ ایسے گمراہ ہیں کہ بوجھ کر انکار کرتے ہیں

اور نہیں مانتے اور بے فائدہ کلام کرتے ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم باوجود اس قدر مدت دراز کی دعوت کے اور ہم جنس ہونے کے یعنی آدمی تھے جن نہ تھے اور عقل پوری رکھتے تھے اور ایمان کی نکوئی اور کفر کی بُرائی بخوبی بوجھ سکتے تھے لیکن ہرگز راہ پر نہ آئے اور حضرت نوح علیہ السلام کا کلام نہ سُنا بلکہ روز بروز گمراہی ان کی اور زیادہ ہوتی گئی اور سیدھی راہ سے دور بھاگتے رہے اور ایک جماعت ان جنوں سے جو تمہارے ہم جنس بھی نہیں ہیں اور انسان کی بات سمجھنے کی فہمید بھی خوب نہیں رکھتے اور تم کو کبھی دیکھا بھی نہیں اور تمہاری صحبت میں بھی نہیں آئے تاکہ قرآن کے معنوں کی تفسیر تم ان کے سامنے بیان کرتے اور اس کے مضمون کو اچھی طرح کھول کر اُن کو سناتے فقط راہ چلتے کئی آیتیں قرآن شریف کی تم سے سُن کر کس قدر ہدایت کے نشہ میں مست ہو گئے اور کیسے قرآن مجید کے معتقد اور تابعدار ہو گئے کہ سُنتے ہی ایمان لائے اور اپنی قوم کے بزرگوں اور پیشواؤں کی تقلید اور پیروی سے بالکل پھر گئے اور ایمان کی خوبی اور کفر کی بُرائی کیا اچھی طرح سے اپنی قوم کے سامنے بیان کی اور تمہاری نبوت کی صحت پر کیا خوب دلیل لائے باوجود اس بات کے کہ برائیاں جنوں کی جبلی اور پیدائشی ہیں جیسے غرور اور تکبر اور ہٹ کرنا اور گڑگڑانا اپنی بات پر اور اپنے بھاگنے اور چھپنے پر اعتماد اور بھروسا کرنا سو ان سب باتوں کو اپنے سے دور کیا اور اقرار کیا اس بات کا کہ لَنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا اور اس بات کا بھی اقرار کیا کہ ہم کو ہرگز علم غیب نہیں ہے اور کہا کہ لَا نَدْرِيْ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا اور اپنی تعریف اور اپنی قوم کی تعریف توصیف سے دست بردار ہوئے اور کھول کر کہہ دیا کہ مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا اور ایمانداروں اور کافروں کے انجام کار کو دریافت کر لیا پس اب جاننا چاہیے کہ جس شخص کی نکوئی کی اور رہنمائی کے واسطے ہدایت الٰہی اس کے حال پر متوجہ ہوئی اور توفیق نیک اس طرف سے ملی تو جتنی برائیاں اور نیک بات سے روکنے والیاں ہیں وہ چیزیں اس کے پاس بھی نہیں آتی ہیں اور جو جو چیزیں نیک بات کی حاصل کرنے والیاں ہیں وہ سب بے خواہش جمع ہوتی ہیں اور جس طرف حق تعالیٰ کی ہدایت متوجہ نہ ہوئی تو کتنی ہی عقل اور دانائی ہوا ور ہم جنسی اور قرابت بھی پائی جاوے اور استاد کی شفقت اور محبت اور مرشد کامل کی صحبت بھی

نصیب ہووے لیکن یہ سب باتیں بیکار اور بیفائدہ محض ہوتی ہیں اور کچھ بن نہیں پڑتی مصرعہ کچھ بن نہیں پڑتی جب تقدیر بگڑتی ہے نظم جس کو توفیق حق کی ہووے رفیق + بن پڑے گر بُرا بھی کام کرے + جس کی تقدیر ہی الٹ جاوے + جو کرے سر پہ اُس کے آن پڑے + اور باوجود ان باتوں کے ان دونوں سورتوں کے متفرق مضمونوں میں بھی مناسبت اور موافقت پائی جاتی ہے چنانچہ اس سورۃ میں یعنی سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے فرماتے ہیں مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا اور اس سورۃ میں جنوں کی زبانی نقل فرمایا ہے وَاَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا اور اس سورۃ میں کافر لوگوں کی زبانی نقل فرمایا ہے لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا اور اس سورۃ میں مسلمان جنوں کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا اور فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا اور اس سورۃ میں مذکور ہے فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا اور اس سورۃ میں مذکور ہے وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا لَنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا اور اس سورۃ میں مذکور ہے اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا اور اس سورۃ میں مذکور ہے وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ آدم کی اولاد اپنی ناخلفی اور نالائقی کے سبب سے اپنے اصل باپ کی خلافت کی خدمت سے معزول ہوئے اور ہلاکی کے سزاوار ہوئے بلکہ واجب القتل ہوئے بموجب اس مضمون کے لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ باوجود مختلف ہونے جنسوں کے اور جدائی اخلاق اور اوضاع کے جنوں میں جو لیاقت اور صلاحیت تھی اس سبب سے پیغمبر آخرالزمان کے خلیفہ ہوئے اور ہدایت اور رہنمائی کے منصب سے سرفراز ہوئے اور اپنی قوم میں جاکر پیغام رسول کا پہنچایا اور نافرمانی سے خوف دلایا اور ڈرایا نظم دہقان کے بیٹے لبسکہ فراست میں طاق تھے پہنچے حضور شاہ کے بلکہ ہوئے امیر + ناداں امیر زادے گئے بھیک مانگتے + دہقان کے در کا جیسے کوئی مبتذل فقیر + اور اس کے سوائے دوسری بھی مناسبتیں ان دونوں سورتوں میں پائی جاتی ہیں جو خوب فکر اور غور کرنے کے بعد معلوم ہوتی ہیں اور اس

سورۃ کا نام سورۂ جن اس واسطے رکھا ہے کہ قرآن شریف کی حقیقت کا ثبوت اس سورۃ میں دو وجہ سے جنوں کی طرف سے ظاہر ہوا ہے سو ان دونوں وجہوں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے فصیح اور بلیغ آدمیوں کا اس قرآن کے مانند عبارت بنالانے میں عاجز ہوجانا ہر خاص وعام کو معلو ہوچکا تھا فقط دو احتمال اس زمانے کے لوگوں کو قرآن شریف کے حق میں ان کی خاطروں میں گذرتے تھے ایک یہ کہ شاید خدا کا کلام ہو جو فرشتے کے واسطے سے پہنچایا ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ شاید جن کا کلام ہو جو کسی کاہن کے واسطے سے دل میں ڈالا گیا ہو اس واسطے کہ اس زمانے میں عرب کے شہروں میں کہانت کا دروازہ کھلا تھا اور جنوں سے علم کا سیکھنا رائج اور مشہور ہو رہا تھا اکثر عرب کے لوگوں کو جنات سے دوستی آشنائی ہوجاتی تھی اور وہ جنات بعضی باتیں جو آدمیوں کو نہیں معلوم ہوتی تھیں بلکہ آدمی اس کو غیب کی بات سمجھتے تھے ان کو اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے تھے اور اس معاملے کے سبب سے اس شخص کا مرتبہ اور اعتبار لوگوں کے دلوں میں بڑھتا تھا اور اس جن کی بھی بزرگی اور عزت لوگوں کے دلوں میں جم جاتی تھی اس سبب سے ان جنوں اور کاہنوں کی طرف لوگ رجوع کرتے تھے اور نذر نیاز چڑھاتے تھے اور ان کاہنوں کا حق جو مقرر کرتے تھے اس کو ادا کرنا ضروری جانتے تھے اور یہ معاملہ ان لوگوں میں بہت جاری تھا جیسا کہ اس زمانے میں بھی اسی قسم کے معاملات ان شخصوں سے جو اپنے اوپر جن یا پری کے آنے کے دعوے کرتے ہیں لوگ کیا کرتے ہیں اور ان جن اور پریوں کو غیب داں جانتے ہیں اور اُن کی نذر نیاز اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں اور عرب کے جاہل لوگ ایسا جانتے تھے کہ جیسی عبارت جن بنا سکتے ہیں ویسی عبارت آدمی ہرگز نہیں بنا سکتے ہیں سو ان کو گمان اس بات کا تھا کہ یہ کلام یعنی قرآن شریف آدمی نہیں بنا سکتے تو شاید کسی بڑے جن کا کلام ہو جو پیغمبر کو سکھلاجاتا ہو اور جب اس سورۃ میں یہ مضمون بیان ہوا کہ اس کلام کو سن کر جن بھی دنگ ہوگئے اور اپنی عاجزی کا اقرار کیا اور کہنے لگے کہ یہ کلام ہرگز مخلوق کا نہیں ہے بلکہ یہ کلام خالق کا ہے تو یہ شبہ بھی بالکل جاتا رہا وہی ایک بات باقی رہی یعنی قرآن حق تعالیٰ کا کلام ہے کسی دوسرے کا نہیں اور اگر کسی کے دل میں شبہ گذرے کہ یہ جنوں کا اپنی عاجزی کا اقرار کرنا یعنی یہ کہنا کہ یہ کلام حق تعالیٰ کا ہے کسی مخلوق کا نہیں ہے یہ بھی تو اسی قرآن سے ثابت ہوا ہے جنوں کی زبان سے کس نے سنا کہ جنوں نے

اپنی عاجزی کا اقرار کیا تاکہ اس کلام کا اعجاز ثابت ہووے اور حق تعالیٰ کا کلام ہونا سب کو یقین ہو جاوے سو یہاں اثبات الشی بنفسہ لازم ہوتا ہے یعنی ایک چیز کے وجود کو ثابت کرنا اس چیز کی ذات ثابت کرنے سے اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اثبات الشیٔ بنفسہ لازم نہیں ہوتا بلکہ یہ اثبات الشیٔ علی فرض نقیضہ کے طور پر ہے یعنی اگر اس چیز کی نقیض کو ہم فرض کر لیں یعنی مان لیں تو بھی یہ چیز ثابت ہو جاتی ہے اور دعوای اور مطلب کے ثابت کرنے میں کوئی دلیل اس سے مضبوط اور قوی نہیں ہے اور یہاں اس مطلب کو یوں بوجھا چاہیے کہ قرآن کے منکروں سے ہم پوچھتے ہیں کہ جس سورۃ میں کلام الٰہی ہونے کا اور اپنی عاجزی کا اقرار جنوں کی زبان سے نقل کیا گیا ہے وہ سورۃ کلام الٰہی ہے یا جنوں کا کلام ہے اب اگر تم کہو گے کہ جنوں کا کلام ہے تو ہمارا مطلب ثابت ہوا۔ یعنی جنوں نے اپنی عاجزی کا اقرار کیا اور اس کو کلام الٰہی کہا اور اگر تم کہو گے کہ یہ کلام الٰہی ہے تو بھی ہمارا مطلب ثابت ہوا کہ یہی ہمارا ابھی مطلب ہے اور جب کلام ہونا صادق ہوا تو کچھ اس میں جنوں کا احوال مذکور ہے وہ بھی سب ثابت ہوا اور اس بات کا شبہ کہ باقی قرآن بھی جن کا کلام ہو اور یہ سورۃ آدمی کا کلام ہو سو یہ شبہہ پہلے سے باطل ہو چکا ہے اسواسطے کہ آدمی اس سورۃ کے مقابلے میں کلام لا نہیں سکتے پس ان ہی دونوں احتمالوں میں سے جو ثابت ہوگا تو اپنا مطلب ثابت ہے اور دوسری وجہ اس قرآن کے ثبوت کی جنوں کی طرف سے یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے جنات آسمان پر جاتے تھے اور جو فرشتے دنیا کے کاموں کی تدبیر پر مقرر ہیں ان کی مجلسوں اور محفلوں میں سے وہ باتیں جو دنیا میں ہونیوالی ہیں چوری اور جاسوسی کے طور پر سن آکے لوگوں سے کہتے تھے تاکہ وہ لوگ ان کی غیب دانی کے معتقد ہوویں اور ان کی پرستش کریں اور کاہنوں کو جو ان جنوں کے خادم اور پجاری ہیں نذر اور نیاز لا کر دیں اور روز بروز ان کاہنوں کی شیخی اور بزرگی ان کے نزدیک بڑھتی جاوے سو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے تب یہ کارخانہ درہم برہم ہو گیا اور آسمان پر جانے سے جنوں کو ممانعت ہو گئی اور فرشتے نگہبانی کو مقرر ہوئے تاکہ آسمان پر جنوں کو آنے نہ دیویں اور اگر وہ آنے کا ارادہ کریں تو آگ کے انگاروں سے ماریں اور اس قسم کی احتیاط اور نگہبانی سے مطلب یہ تھا کہ جب قرآن نازل ہوگا اور زمین والے اگر انکار کریں گے تو ان سے اس قرآن شریف کا مقابلہ طلب

ہوگا یعنی اگر تم اس کو کلام الٰہی نہیں جانتے ہو تو تم بھی ایسا کلام بنا لاؤ اور جب زمین والوں سے اس کے مقابلے میں کلام نہ آسکے گا تو ان کو کلام الٰہی ہونا قرآن کا یقین ہو جائے گا اور اگر جنات آسمان پر آتے جاتے رہیں گے تو ہو سکتا ہے کہ بیت العزت کے فرشتوں کی زبان سے کسی آیت قرآن کو سن کے کسی کاہن کو پہنچاویں اور بیت العزت اس مکان کو کہتے ہیں جو دنیا کے آسمان پر قرآن شریف نازل ہونے کا محل ہے اور وہ کاہن پیغمبر کے مقابلے میں وہ آیت پڑھے تو جاہلوں کے ذہن میں شبہہ پڑجاوے گا کہ قرآن شریف کے برابر عبارت آدمی بھی بنا سکتا ہے تو قرآن کا کلام الٰہی ہونا بالیقین ثابت نہ ہوگا اور یہ بھی تھا کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عام تھی یعنی جس طرح آپ آدمیوں کے نبی تھے اسی طرح جنوں کے بھی نبی تھے اور منکر جنوں سے بھی قرآن کے مقابلے میں عبارت کا طلب کرنا منظور تھا تاکہ وہ بھی عاجز ہو کے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا اقرار کریں اور اگر آسمان پر ان کا آنا جانا بند نہ ہوتا تو وہ بعضی آیتیں فرشتوں کی زبان سے چوری کے طور پر سن کے مقابلے میں موجود ہوتے اور عجز ان کا ثابت نہ ہوتا اس سبب سے تدبیر الٰہی اس امر کو مقتضی ہوئی کہ زمان فیض نشان نبوت میں جو زمانہ قرآن کے نازل ہونے کا ہے اور وہ تینتیس برس تک رہا یہ کارخانہ بالکل موقوف کر دیا چاہیے چنانچہ عرب کے سب کاہن آپ کے نبی ہونے کے وقت سے معطل اور بیکار ہو گئے تھے اور گلہ شکوہ کیا کرتے تھے کہ اب جن ہمارے پاس کوئی خبر نہیں لاتے ہیں اور جنات بھی حیرت میں تھے کہ حق تعالیٰ کو کیا الٹ پلٹ منظور ہے جو ہم لوگ آسمان پر جانے نہیں پاتے اور جانے کا ارادہ جو کرتے ہیں تو مار پڑتی ہے جب اس قرآن مجید کو سنا تب ان کو یقین ہوا کہ یہ سب ممانعت اور حفاظت اس کلام کے واسطے تھی کہ اس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اور قرآن کی حقیقت پر اس طور سے دلیل لانا پہلے امارات اور قرائن کی اعانت سے ہے اور یہی طور عرف میں رائج ہے اور اس دلیل کو دانشمندی کے قاعدوں کے طور پر اس وضع سے لکھ سکتے ہیں کہ جنوں کی ممانعت آسمانی کلام کے سن آنے سے اگر فرشتوں کے کلام کی محافظت کے واسطے ہوتی تو قرآن شریف کے نازل ہونے کے پہلے بھی ہوتی پس معلوم ہوا کہ یہ ممانعت نہ تھی مگر قرآن شریف کی محافظت کے واسطے تاکہ اس کا مقابلہ کسی صورت سے نہ ہو سکے بسبب دلیل واروں کے پس یہ کلام محفوظ ہوا معارضے سے اور جو کلام معارضے سے

ف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح آدمیوں کے نبی تھے اسی طرح جنوں کے بھی نبی تھے۔

محفوظ ہے وہ کلام معجز ہے اور کلام معجز نہیں ہوتا ہے مگر فعل الٰہی سے جو صادق کے ہاتھ پر پیدا ہوتا ہے پس یہ کلام بھی کلام الٰہی ہوا جو ڈالا گیا ہے صادق پر یعنی نبی علیہ السلام پر اور یہی مدعا ہے اور اس جگہ پر جاننا چاہیے کہ جانداروں کا پیدا کرنا بھی عالم میں حکمت کی راہ سے ضروری ہوا اس واسطے کہ اگر عالم میں جاندار نہ ہوں تو فعل اختیاری کا ظہور نہ ہو سکے اور بدون اختیاری فعلوں کے عالم کی رونق نہیں ہے اور ارادے اور اختیار کا مظہر بھی ثابت نہ ہو اور اسی طرح سے شعور اور بوجھ بدون جاندار کے مظہر نہیں رکھتا ہے تو علم کے وصف کا مظہر رہنا اور جاندار کا اختیاری فعل کا مصدر ہونا بدون خواہش اور نفرت کے متصور نہ تھا اس واسطے کہ یہ دونوں صفتیں بھی جاندار کو دینا ضرور ہوا اور بدون دریافت کرنے اچھائی اور برائی کسی چیز کے جس کی طرف جاندار رغبت کرے یا اس سے نفرت کرے خواہش اور نفرت کا وجود متصور نہ تھا اس واسطے جزئی چیزوں کا شعور اور دریافت بھی پیدا کرنا جاندار میں ضروری ہوا اور جو جزئی چیزوں کی سمجھ بوجھ پوری جیسی چاہیے تھوڑی مدت میں ممکن نہ تھی اسواسطے شعور اور ادراک کلی جو سب چیز کو شامل ہو اور سب سے علاقہ رکھے اور ہزاروں چیزوں کی اچھائی اور بدائی اس کے سبب سے بوجھ لی جاوے جاندار کو دینا ضرور ہوا سو خواہش اور نفرت کے واسطے قوت شہویہ اور غضبیہ کو پیدا کیا اور جزئی چیزوں کی اچھائی اور برائی دریافت کرنے کے واسطے وہم اور خیال کو مع اس کے آلات اور اسباب کے پیدا کیا یعنے مع حواس خمسہ پیدا کیا اور شعور اور ادراک کلی کے واسطے روح کو آمادہ اور مستعد کیا اور عقل کی قوت اس کو بخشی سو ہر جاندار میں شہوت اور غضب اور وہم اور خیال اور عقل کا پایا جانا ضرور ہوا لیکن جاندار ان چیزوں کی ترکیب اور کیفیت اور نسبت سے چار قسم کے واقع ہوئے ہیں پہلی قسم وہ ہے کہ ان کی عقلی قوت وہم اور خیال اور شہوت اور غضب پر غالب ہے اور یہ چاروں اس کے محکوم ہیں یہاں تک کہ ان چیزوں کا حکم ان کی قوت عقلی کے سامنے بے حقیقت محض ہے کچھ بھی ان کا چل نہیں سکتا جیسے مردے غسال کے ہاتھ میں ہر طرح سے اسی کے مطیع اور فرمانبردار ہیں سو اس قسم کو فرشتہ کہتے ہیں اور روحانیات اور شرع شریف کی اصطلاح میں ملائکہ اور ارواح اور ملکوت اور فارسی میں سروش اور ہندی میں دیوتا اسی قسم کا نام ہے اور یہ قسم خطا اور گناہ سے معصوم اور پاک ہے اور کھانے پینے سونے عورت سے صحبت کرنے اور دوسری اسی قسم

کی خسیس چیزوں کے محتاج نہیں ہیں اسواسطے کہ اختیاری فعلوں کے صادر ہونے کے واسطے ان کو نور سے جسم عنایت ہوا ہے جو نہ کٹے نہ ٹوٹے نہ گلے نہ سڑے سب جسمانی صدموں سے بری ہے کسی طرح کا نقصان اس میں پایا نہیں جاتا اور قوت عقلیہ کے غلبے اور وہم اور خیال کے خادم ہونے کے سبب سے جس صورت پر چاہیں اپنے تئیں ظاہر کر سکتے ہیں اور ہر شکل میں متشکل ہو سکتے ہیں اور چیز کی کیفیت دریافت کر سکتے ہیں اور اس قسم میں اشرف اور اعلی حملۃ العرش ہیں اس کے بعد گرد عرش معلی کے صف باندھ کر کھڑے ہونے والے اس کے بعد کرسی کے فرشتے بعد اس کے آسمانوں کے فرشتے درجہ بدرجہ آسمانوں کی ترتیب سے اس کے بعد فرشتے بدلی کے کرہ کے اور نسیم کے کرہ کے اور بخار اور زمہریر کے جو شیطانوں پر انگارے مارنے اور پانی برسانے اور بدلی کو کھینچ لانے پر مقرر ہیں رعد اور برق سے یعنی گرج اور چمک سے بدلی کو کھینچ لا کے جمع کرتے ہیں جس طرح جانور کو کوڑے سے مار کر جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں اس کے بعد وہ فرشتے جو پہاڑوں اور دریاؤں پر مقرر ہیں اس کے بعد وہ فرشتے جو عالم سفلی میں یعنی دنیا کے کاموں پر مقرر ہیں یعنی انسانی اور حیوانی اور نباتی جسموں کے تصرفات میں مشغول ہیں اور دوسری قسم وہ جاندار ہیں جن کی عقل اور شہوت اور غضب پر وہم اور خیال غالب ہے اسقدر کہ ہر ایک اختیاری فعل میں عقل اور شہوت اور غضب ان کے وہم اور خیال کے تابع ہوتے ہیں اور ان کا جسم ناری اور ہوائی جزوں کا خلاصہ ہے جس کو قرآن شریف میں کہیں مارج من نار فرمایا ہے اور کہیں من نار السموم فرمایا ہے اور ان کا یہ بدن آدمی کی ہوائی روح کا حکم رکھتا ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے آدمی کی ہوائی روح میں اور ان کے بدنوں میں اتنا فرق ہے کہ آدمی کی ہوائی روح عناصر اربعہ کا خلاصہ ہے جو آدمی کی غذائیں کام آتی ہیں اور اس قسم کا جسم فقط ناری اور ہوائی جزوں کا خلاصہ ہے اور اُن کا بدن نسیمی جو آدمی کی روح ہوائی کے مانند ہے اس قسم سے لطیف ہے کہ اس اصلی بدن سے مختلط اور متحد ہو کے دودھ اور پانی کے طور سے ایک رنگ ہو جاتے ہیں یہی سبب ہے کہ اُن کے وہم اور خیال کی قوت اُن کے ان اصلی بدنوں کو نسیمی بدن کے مانند متغیر الشکل اور متبدل الصورت کر دیتی ہے جس طرح آدمی کا نسیمی جسم خوف اور گھبراہٹ میں اور سرور اور خوشی کی حالت میں متغیر ہوتا ہے ہاں البتہ یہ قسم کبھی اپنے اسی بدن پر اکتفا کرتی ہے اور اسی سے تصرف

کرتی ہے اور تنگ جگہ میں درآتی ہے اور نکل جاتی ہے جیسے آدمی کے مسام اور کبھی وہم اور خیال
کی قوت سے اور جسم کثیف اور ثقیل اپنے واسطے ترتیب دے کے مختلفہ شکلوں سے جو اچھائی اور
بُرائی کی راہ سے معانی میں بھی متفاوت ہوویں انسیت اور ہولناکی سے ظہور کرتی ہے یہی سبب
ہے کہ اس قسم کا جسم اکثر دیکھنے میں نہیں آتا جیسے ہوا اور آگ اور شعاع اور باوجود ان وصفوں کے
یعنی ایسی لطافت کے وہم اور خیال کی قوت سے بہت سخت اور بھاری کام بھی اُن سے ہو سکتے
ہیں جس طرح سے ہوا کہ باوجود لطافت جسم کے بھاری درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے
اور اس قسم کے واسطے کھانا پینا عورت سے صحبت کرنا سب ثابت ہے سو ہندی بولی میں دیوتا کی
لفظ انکو بھی شامل ہے لیکن ان میں سے جو برائی اور خلق اللہ کی ایذارسانی پر قصداً مستعد ہیں اُن کو
دانیت اور دنیت بھی کہتے ہیں اور فارسی زبان میں اس قسم کے شریر اور بروں کو دیو کہتے ہیں اور اچھوں
کو پری کہتے ہیں اور عرب کے لغت میں اس قسم کے شریروں کو شیطان اور جن میں جبلی شرارت نہیں
ہے ان کو جن کہتے ہیں اور حدیث شریف کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی شکلوں میں
اختلاف بہت ہے یعنے ان کی ایک طور کی شکل نہیں ہے بعضوں کے ان میں سے پر ہوتے ہیں
اور وہ تیز ہوا کی طرح ہوا میں اڑتے ہیں اور بعضے ان میں سے آدمیوں کی صورت ہوتے ہیں اور گھر بار
بھی رکھتے ہیں اور اسی طرح کوچ مقام بھی کیا کرتے ہیں لیکن اُن کے گھر اور ٹھہراو کی جگہ اکثر ویرانہ اور
جنگل اور پہاڑ ہوتے ہیں اور یہ ان کی صورتوں کا مختلف ہونا ان کی رغبت کے سبب سے ہے
یعنی جس طرف اُن کی رغبت زیادہ ہوئی اسی شکل خاص پر اپنے تئیں ظاہر کیا نہیں تو اصل اُن
کی وہی ناری اور ہوائی جزوں سے مل کے ترکیب پائی ہے اور یہ قسم گویا کہ عالم ملائکہ اور عالم حیوانات
کے درمیان میں برزخ کے طور پر ہے جس طرح عقل اور طبیعت کے درمیان میں وہم اور خیال
برزخ ہے یہی سبب ہے کہ دونوں طرف کے حکم ان میں پائے جاتے ہیں چنانچہ جس شکل پر چاہنا
ہو جانا اور کلی تدبیروں پر واقف ہونا اور باریک امروں کی اچھائی اور برائی کو سمجھنا یہ سب چیزیں
عالم ملائکہ کی اُن میں پائی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تکلیف کا قلم بھی ان پر جاری ہے یعنی مکلف
بھی ہیں اور کھانا پینا اور عورت سے صحبت کرنا اور جو دوسرے حیوانوں کے خاصے ہیں یہ سب
چیزیں حیوانوں کی سی ان میں پائی جاتی ہیں اور غضب اور شہوت کے وقت نفس کی فرمانبرداری

کرتے ہیں حیوانوں کے مانند ان میں اور حیوانوں میں اتنا فرق ہے کہ حیوانوں نے اپنی عقل اور وہم اور خیال کو شہوت اور غضب کا مغلوب کر رکھا ہے اور انہوں نے اپنی عقل اور شہوت اور غضب کو وہم اور خیال کا مغلوب بنا رکھا ہے اور تیسری قسم وہ جاندار ہیں جن کی عقل اور وہم اور خیال پر انکی شہوت اور غضب غالب ہے یہاں تک شہوت اور غضب کا غلبہ ہے کہ عقل تو گویا پائی نہیں جاتی اور وہم اور خیال ان کی شہوت اور غضب کے فرمانبردار ہیں سو اس قسم کا نام حیوان ہے اس کی دو قسمیں ہیں جن کی شہوت ان کے غضب پر غالب ہے ان کو بہیمہ کہتے ہیں اور جن کا غضب ان کی شہوت پر غالب ہے ان کو سباع کہتے ہیں جیسے پھاڑنیوالے جانور سو سباع اور بہائم جس طرح چرندوں میں ہوتے ہیں اسی طرح پرندوں میں اور حشرات میں بھی ہوتے ہیں چنانچہ بعد تلاش اور غور کرنے کے یہ بات معلوم ہوتی ہے جیسے مکھی کہ یہ حشرات میں بہیمہ ہے اور مکڑی سباع ہے اور اسی طرح دوسروں کو بھی قیاس کر لیا چاہیے اور یہ تینوں قسمیں جانداروں کی جو مذکور ہو چکی ہیں سو ذی روح کی بسائط ہیں اس واسطے کہ پہلی روحوں کا تعلق ان ہی تینوں قسموں کے بدلوں کے ساتھ ظاہر ہوا پھر ان میں سے حق تعالیٰ نے پہلی قسم کو جو فرشتے ہیں آسمان پر رہنے کے واسطے مقرر فرمایا اور جو یہ قسم خطا اور نافرمانی سے پاک تھی اس واسطے عالم کے انتظام کے کام اور اس کی آراستگی کی تدبیریں ان کو سپرد ہوئیں اور دوسری قسم کو یعنی جنات کو اختیاری فعلوں کے صادر ہونے کے واسطے لیکن جو جنسی ہیں زمین پر رہنے کا حکم ہوا اور نباتات یعنی اگنے والی اور بڑھنے والی چیزیں جیسے درخت اور گھاس اور معادن یعنی زمین سے خود بخود پیدا ہونیوالی چیزیں جیسے چاندی سونا لوہا پتھر وغیرہ اور حیوانات چرند ہوں یا پرند ان سب میں تصرف کرنے اور اپنے کام میں لگانے کے واسطے اس کو حکم ہوا یعنی جنات کو یہ حکم ہوا کہ ان چیزوں کو جس طرح چاہو اپنے کام میں لگاؤ اس واسطے کہ جنات کی روحیں صفائی اور لطافت میں ملائکہ کے رتبے سے کم تھیں اور غلاظت اور کثافت میں سباع اور بہائم کے رتبے سے اعلیٰ تھیں اس واسطے ان کے بدلوں کو بھی عناصر کے جرموں میں سے جو لطیف جرم تھے ان سے بنایا یعنی ناری اور ہوائی کے خلاصے سے بنایا تاکہ علموں کے حاصل کرنے اور بوجھنے میں اور حرکات کی سرعت میں درمیان کا مرتبہ ان کو حاصل ہووے یعنی فرشتے اور جانوروں کے درمیان کا مرتبہ ان کو حاصل ہووے اور جو اس قسم کی روحیں اور جسم اور وے طبیعت کے ملائکہ

کی روحوں اور بدنوں کے قریب ہیں تو اس قسم کو ممکن ہوا کہ عالم ملکوت سے یعنی فرشتوں سے بعضی غیب کی چیزیں معلوم کر لیں اور اُن کی مجلسوں اور محفلوں میں آسمان پر حاضر ہو سکیں اور تیسری قسم کو یعنی حیوانوں کو فقط ان کی خدمت اور ان کی خواہش کی پیروی اور نصرت کے واسطے پیدا کیا ہے پھر تینوں قسموں کی پیدائش کے بعد حق تعالیٰ نے چوتھی قسم کو یعنی انسان کو خلعت وجود کا عنایت فرمایا اور یہ قسم ان تینوں قسموں سے گویا مرکب ہو کر معجون کے طور پر ظاہر ہوئی ہے اور عقل اور وہم اور خیال اور شہوت اور غضب اس قسم کا ہر ایک اعتدال کے قریب ہے اس سبب سے زمین کی سلطنت اس کو سپرد ہوئی اور خلعت خلافت کا اس کو عنایت ہوا اور غیب کے علم اس کے حوصلے کے موافق ملائکہ کے وسیلے سے خاص اسی قسم پر نازل فرمائے اور تمام حیوانات کو اور سب اگنے والی اور زمین کے اندر پیدا ہونیوالی چیزوں کو اس کا تابعدار اور فرمانبردار کر دیا تاکہ خلافت کبریٰ کے امورات کو اچھی طور سے سر انجام کرے اور جو چیز بسائط ذوی الارواح سے یعنی پہلی تینوں قسموں سے متوقع نہ تھی یعنی نہ ہو سکی وہ اس میں ظاہر ہوئی ایک نکتہ پوشیدہ یعنی جنات کی خلقت کی تقدیم کا بھید انسان کی خلقت پر واضح ہو گیا کہ جو بات منظور تھی جب اس قسم سے نہ ہو سکی تب انسان کو پیدا کیا اور جنات کا شریک ہونا انسان کے ساتھ امانت الٰہی اٹھانے کی تکلیف میں بھی ظاہر ہو گیا یعنی اس امانت کے اُٹھانے میں یہ دونوں شریک ہیں لیکن جو عالم جنات کا گویا سطح سفلانی عالم ملائکہ کی ہے اس سبب سے انسان کے کمال کی راہ اس عالم جنات نے خراب کر دی اور عالم بالا پر انسان کی ترقی کو روکا ہے حتی المقدور چڑھنے نہیں دیتا اور اکثر بنی آدم کو اسی سطح سفلانی میں گرفتار کر کے خراب کر ڈالتا ہے یہاں تک نوبت پہنچی کہ انسان کی ہمتیں اور اس کی دریافت کی قوتیں بھی اسی سطح سفلانی میں منحصر ہو گئیں اس سطح کو پھاڑ کر اوپر چڑھنے کی طاقت اور حوصلہ نہ رہا سو بعضے بنی آدم نے اس سطح کے عمدہ شخصوں کو اپنا معبود ٹھہرالیا اور بعضوں نے اپنی حاجتوں میں ان ہی سے مدد مانگنا شروع کیا اور بعضوں نے غیب کا علم ان میں ثابت کر کے آگے ہونیوالی چیزوں کا احوال اُن سے دریافت کرنا شروع کیا اور شرک پیدا ہوا یہاں تک کہ بعضے بنی آدم کے جاہلوں نے اس قسم کے وجود کو بلا واسطہ حضرت رب العزت سے سمجھ کر اس ذات پاک کی لڑکیاں ان کو قرار دیا ہے نعوذ باللہ من ذلک اور ہندوؤں کے اور عرب کے مشرکوں کے دوسرے کافروں کے مذہبوں اور رسموں

میں اگر خوب غور اور تامل کر کے دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہو جاوے کہ ان لوگوں کا علم اور دریافت
اور ہمت سوائے اس سفلانی سطح کے زیادہ نہیں ہے بلکہ جاہل مسلمان بھی اس بلا میں گرفتار ہیں اور
اس عالم کے بعضے شخصوں کا پیر نام رکھا ہے اور اکثر غیب کی بات ان سے پوچھا کرتے ہیں یعنی یوں
پوچھتے ہیں کہ اب آگے ہمارے دن کیسے ہیں اچھے یا برے اور ہر کام میں ان ہی سے مدد چاہتے ہیں
مثلاً روزی کی کشادگی اور اولاد اور دوسری اسی طرح کی چیزیں اُن سے طلب کرتے ہیں اور بعضوں
کا نام پریاں رکھا ہے جیسے سبز پری اور لال پری اور بعضوں کو پیر ٹھہرایا ہے اور اسی پر دوسروں کو
قیاس کر لینا چاہیے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس آفت سے بچاوے اور توحید کامل نصیب
کرے سو جب ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قریب ہوا تو پہلے اس سطح کو
جو عالم غیب کی راہ کو مانع تھی توڑ ڈالنا اور دور کر دینا ضرور ہوا کہ انسان کی ارواح کی ترقی کی راہ
کھل جاوے اور صاف ہو جاوے اسی واسطے فرشتوں کو حکم الٰہی صادر ہوا کہ اگر جنات آسمان پر
آنے کا ارادہ کریں تو ان کو آگ کے انگاروں سے مار دو اور اوپر آنے نہ دو تا کہ آسمانی احوال پر یہ
مطلع نہ ہوویں اس سبب سے ابلیس اور اس کے تابعدار لوگ کو گمراہی اور گمراہ کر دینے کا عہدہ
اٹھائے ہوئے ہیں بلکہ ان کی طبیعت برائی ہی کو چاہتی ہے نہایت ذلت اور رسوائی حاصل ہوئی
اور جتنے ان کے مکر اور فریب تھے جیسے کبھی کاہنوں کو کوئی بات غیب کی بتلا کے اپنی غیب دانی
ثابت کرتے تھے اور کبھی شاعروں کی فکر میں دخل دے کے کوئی مضمون عجیب باریک تراش کر اپنی
تعریفیں سنتے تھے اور کبھی ہوا ہو کر بتوں کے جسموں میں در آکر عجیب اور غریب آوازیں کیا کرتے تھے
سو اس ممانعت سے ان کی بزرگیوں میں خلل پڑ گیا اور ان کی شیخیاں جاتی رہیں اور بالکل یہ کارخانہ
بیکار ہو گیا اور ان ہی عجائبات سے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے سو اس کو بھی جنوں
کی زبان سے ثابت کرتے ہیں اس واسطے کہ ایسے کاموں پر جن بہت واقف اور خبردار ہیں اور ان
کی دریافت زیادہ ہے سو اس سبب سے گویا یہ سورۃ سورۂ جن ہے اس واسطے کہ ان ہی کے
کلام کی تفصیل اس سورۃ میں بیان ہے جیسے ایمان کی اچھائی اور کفر کی برائی اور شرک کا رد اور
توحید کا اثبات اور شیطان کے مکروں کا دفع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی حقیقت
کا اثبات یہ سب باتیں جنوں کی زبان سے بالتفصیل اس سورۃ میں بیان کی گئی ہیں اور اس سورۃ

کے نازل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہونے کے بعد مکہ معظمہ میں دس برس تک طرح طرح سے کافروں کو سمجھاتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف بلاتے رہے پھر جب دیکھا کہ یہ لوگ بالکل ہماری بات کو نہیں سُنتے اور ہماری نصیحت کو قبول نہیں کرتے آخر کو اُنکے ایمان سے مایوس ہو کر آپ نے چاہا کہ اب ان کو چھوڑیے اور بیگانوں کو غیروں کو نصیحت کیجئے شاید وہ راہ پر آویں اس ارادے سے پہلے آپ طائف کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں ایک علاقہ بھی تھا یعنی ایک عورت قریش کے قبیلے کی جو بنی جمح کے بطن سے تھی طائف کے کسی سردار کے نکاح میں تھی اور طائف میں سب تین سردار تھے ایک[۱] عبد یالیل اور دوسرا[۲] مسعود اور تیسرا[۳] حبیب لیکن تینوں سردار آپ کے ساتھ بدسلوکی اور بُرائی سے پیش آئے یہاں تک کہ اپنے شہر سے نکال دیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوق عکاظ کی طرف اسی نیت سے تشریف لے گئے کہ شاید یہ لوگ ہماری بات سُنیں اور یہ سوق عکاظ ایک بازار کا نام ہے پینٹھ کے طور پر تھی سال میں ایک مرتبہ بیسویں[۲۰] شوال سے دسویں[۱۰] ذیقعد تک وہاں مجمع رہتا تھا اطراف و جوانب کے لوگ بیع اور شرا کے واسطے وہاں جمع ہوتے تھے سو اس طرف جانے میں ایک دن راہ میں آپ نے نخلہ میں مقام کیا تھا اور صبح کو آپ صحابہؓ کے ساتھ فجر کی نماز میں مشغول تھے اور قرأت جہر سے آپ پڑھ رہے تھے اس وقت کو جن اس طرف آگئے اور وہ جو بنو الشیصبا کے فرقے سے تھے جو جنوں کے قبیلے میں بہت عمدہ قبیلہ ہے اور شہر نصیبین کے رہنے والے تھے اور اس طرف اُن کے آنے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ جب آسمان پر جانے سے جن منع کیے گئے اور جب ارادہ اوپر جانے کا کرتے تو آگ کے انگارے ان پر پڑتے تب سب جنوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کا سبب کیا ہے جو ہم کو آسمان پر چڑھنے کی ممانعت ہوئی اور وہاں کی خبر سے ہم کو روکا ہے پھر آپس میں ایسی صلاح ٹھہرائی کہ تمام دنیا میں مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک پھر کر خبر لو اور دیکھو کہ کونسی نئی چیز زمین پر ظاہر ہوئی ہے جس کے سبب سے ہم لوگوں کے واسطے اس طور کی ممانعت ہوئی ہے اس تدبیر سے اگر کچھ معلوم ہو جاوے اور اس کا تدارک ہم سے ہو سکے تو اُس کے دفع کرنے کا کچھ علاج کریں سو اس چیز کی تلاش میں یہ نو[۹] شخص ادھر تہامہ کی طرف آ نکلے تھے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے قرآن شریف اور فرقان

نیف کو سُنا اور اس کی تاثیر انہوں کے دلوں پر پڑی اور اس کے سُنتے ہی ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ
کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُترا ہے اور یہی ہماری ممانعت کا سبب ہے تاکہ کوئی ہم میں سے اس کو
چوری سے آسمان سے سُن کر کسی دوسرے کو نہ پہنچاوے پھر جب تمام قرأت آپ کی زبان مبارک سے
سُن لی تب اپنی قوم کی طرف گئے اور ان کو اس خبر سے آگاہ کیا اور اس جماعت میں جنہوں نے قرآن
شریف سُنا دو سردار تھے ایک کا نام زولیعہ اور دوسرے کا نام عمرو تھا ان دونوں کا قصہ تاریخ کی کتابوں
میں تفصیل سے مذکور ہے بعد اس کے اُن کے سمجھانے سے نوٹے سردار جنوں کے نصیبین اور نینوا کے
رہنے والوں نے اپنے لشکر اور تابعداروں کو لے کر قرآن کو سُننے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
جمال باکمال اور آپ کی صحبت سے مشرف ہونے کا ارادہ کیا جب قریب پہنچے تب زولیعہ نے آگے
جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ بہت سے جن آپ کے جمال مبارک کے دیکھنے کو اور
قرآن شریف کے سُننے کو آتے ہیں جس مکان میں جس وقت حکم ہووے حاضر ہوویں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے وقت شعب الحجون کے نواح اور میدان میں جمع ہوویں اسواسطے
کہ دن کو اگر ملاقات ہوگی تو شہر کے لوگوں کو دہشت اور خوف حاصل ہوگا اور شعب الحجون ایک پہاڑ
کے درے کا نام ہے بڑا میدان ہے مکہ معظمہ کے قریب پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا سے
فراغت کر کے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لے کے اس طرف کو تشریف فرما ہوئے
جنوں کا ہجوم بہت دیکھا اور سب کو مشتاق پایا عبد اللہ بن مسعود کو درے کے باہر چھوڑا اور ایک
خط اپنے دست مبارک سے اُن کے گرد کھینچ کے فرمایا کہ جب تک ہم نہ آویں اس خط کے باہر
قدم نہ رکھنا کہ مبادا کچھ تم کو جنوں سے اذیت پہنچے اور آپ نے وہاں تشریف فرما ہو کے اپنے دیدار
سے ان سب کو مشرف کیا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دور سے دیکھتا تھا ان
میں بعضے گدھ کی شکل کے تھے اور بعضے زط یعنی جٹ کی شکل اور طور پر اور یہ ایک فرقہ ہے
بصرہ کے متصل رہتا ہے ننگے سر اور ننگے پاؤں رہتے ہیں اور سفید کپڑے سے ستر عورت کرتے
ہیں اور رنگ اُن کے بدن کا سیاہ ہوتا ہے اور اُن کے سر اور داڑھی کے بال دوہرے ہوتے ہیں
سرخی مائل اور بعضے دوسری شکل کے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہجوم کیا اور آپ
کی صحبت بابرکت سے مشرف ہوئے صبح تک آپ ان کی تعلیم و تلقین میں مشغول رہے پھر انہوں

نے عرض کی کہ تبرک کے طور پر کچھ ہم کو عنایت فرمائیے آپ نے فرمایا کہ میں ایسا توشہ تم کو دیتا ہوں جو قیامت تک تمہاری قوم کو نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن کام آوے اور وہ یہ ہے کہ جہاں کہیں ہڈی خالی یا اونٹ یا بکری کی مینگنی یا گائے بھینس کا گوبر پڑا ہوا پاؤ اس کو اپنے تصرف میں لاؤ حق تعالیٰ جل شانہ میری دعا سے تم کو اس میں ایسا رزق اور ایسی لذت عنایت فرماوے گا جو تمہارے اگلے کھانے پینے سے بھی بڑھ کر ہوگی اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ کوئلے کو بھی آپ نے ان کو عنایت فرمایا پھر جنوں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو آدمی گندا کر ڈالتے ہیں اور نجاست سے خراب کر دیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہم آدمیوں کو منع کر دیں گے کہ ان چیزوں کو نجاست سے آلودہ مت کیا کرو چنانچہ اسی وقت سے ہڈی اور خشک گوبر اور مینگنی سے استنجا کرنا منع ہوا ان دنوں میں جنات کے آپس میں ایک خون ہوگیا تھا اس کے فیصلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کیا آپ نے جو حق بات تھی سو کہہ دی پھر وہ سب اس پر راضی ہوئے اور جتنے تھے رخصت ہو کر روانہ ہوئے اور آپ مکان کو تشریف فرما ہوئے اور دوسری مرتبہ بہت سے جن حرا پہاڑ پر جس کو اب جبل نور کہتے ہیں جمع ہوئے اور وہ جزیروں کے باشندے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جن کو خبر کرنے بھیجا اس شب کو آپ تنہا تشریف فرما ہوئے تھے اور تمام شب اُنکی تعلیم اور تلقین میں رہے چنانچہ صبح کے وقت صحابہؓ کو ان کی آگ اور لکڑیاں اور دوسری چیزیں جو وہ چھوڑ گئے تھے آپ نے بتائی تھیں اور یہ صحیح مسلم میں مذکور ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ جنوں کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا اور دین کی باتوں کی تحقیق کرنا کتنے مرتبے ثابت ہے عبداللہ ابن مسعودؓ کوفے میں زط کی قوم کو جب دیکھتے تھے تب خوف کھاتے تھے اور پوچھتے تھے کہ کیا یہ جن ہیں لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور کہتے تھے کہ یہ جن نہیں ہیں یہ تو آدمی ہیں تب عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں نے جسوقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں جنوں کو اس شکل اور صورت کا دیکھا ہے اسوقت سے یہ مجھکو جب نظر پڑتے ہیں مجھ کو اُن ہی جنوں کا گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ جن ہوویں اور یہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ رحمٰن کو جب جنوں پر پڑھا تھا تو جنوں نے اس سورۃ کو نہایت مودب ہو کے سُنا تھا اور جب یہ آیت پڑھتے تھے کہ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ہ یعنے پھر کس کس نعمتوں کو اپنے پروردگار کی جھٹلاؤ گے

تم دونوں اے آدمیوں اور جنو تو اس کے جواب میں وہ سب پکار کر کہتے تھے کہ ہم کسی تیری نعمت کی اے پروردگار ناشکری نہیں کرتے سو حق تعالیٰ جل شانہٗ اس سورۃ کا مضمون کافروں کو سناتا ہے تاکہ ان کو بھی عبرت اور نصیحت ہووے اور اس بات کو خوب طرح سوچیں کہ جنات کی خلقت تابعداری اور فرمانبرداری سے بہت بعید اور دور ہے یہ ہرگز نہیں چاہتے کہ کسی کے تابعدار ہوویں لیکن باوجود اس کے ان کا تو یہ حال ہے کہ سنتے ہی قرآن کے اس پر ایمان لائے اور پیغمبرؐ کے فرمانبردار ہوگئے اور دل اور جان سے اس کی تابعداری قبول کی تم لوگ تو ہم جنس ہو تم کو تو چاہیے تھا کہ اپنے سر کو قدم بنا کے دین اسلام میں داخل ہوتے اور رسول کی فرمانبرداری کو خوش ہو کر دل اور جان سے قبول کرتے باقی رہے یہاں پر دو سوال جن کا جواب دینا ضرور ہے پہلا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ میں پہلا لفظ اُوحِیَ اِلَیَّ کا واقع ہوا ہے اور یہ جملہ حاکیہ ہے اس کے واسطے محکی عنہ ضرور چاہیے اور اگر اسی سورۃ کو محکی عنہ ٹھہراویں تو وہی مغالطہ جو منطقیوں میں جذر اصم کر کے مشہور ہے یعنے مشکل مشہور ہے در پیش ہوتا ہے اور متحد ہونا حکایت اور محکی عنہ کا لازم ہوتا ہے تو چاہیے کہ اس سورۃ کے مضمون کی خبر اس سورۃ کے نازل ہونے کے پہلے وحی میں آئی ہو اور یہ بات واقع کے خلاف ہے سو جواب اس سوال کا یہ ہے کہ سورۃ کے نازل ہونے کے پہلے پانچ آیتیں جو سورۂ احقاف میں ہیں اور اس قصہ کی اصل میں وحی ہو چکی تھیں اور وہ آیتیں یہ ہیں وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ اور چار آیتیں اس کے بعد کی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے اس سورۃ کا مضمون بغیر عبارت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر القا کر دیا ہو بعد اس کے اس سورۃ کو اس عبارت سے نازل کر کے حکم فرمایا ہو کہ اس وحی کے مضمون کو اور اس عبارت کو کافروں کے سامنے بیان کرو تاکہ اس کو قرآن کی حقیقت اور تمہاری نبوت پر دلیل پکڑیں اور انکار کو چھوڑیں دوسرا سوال یہ ہے کہ جنوں کے قول سے تیرہ باتیں اس سورت میں بیان فرمائی ہیں سو پہلے کلام میں حرف اِنَّ کا ہمزہ کے زیر سے آیا ہے یعنے یوں فرمایا ہے اِنَّا سَمِعْنَا اور دوسرے بارہ کلموں میں اَنَّ کا ہمزہ مفتوح ہے یعنے زبر ہے اور قول کے مقولہ میں اَنَّ مفتوح نہیں آتا ہے بلکہ اِنَّ مکسور آتا ہے سو اس میں عربیت کے قاعدے کا خلاف لازم آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلا کلام یعنی انا سمعنا

یہ صریح جن کا مقولہ ہے اس میں ہمزہ کا مکسور لانا ضروری ہے سو موجود ہے اور باقی بارہ کلموں میں ضرور نہیں ہے اسواسطے کہ وہ فاصلے کے سبب سے صریح مقولہ نہیں ہے بلکہ وہاں اذکروا یا اخبروا کی لفظ مضمر ہے اور اُن سب کا عطف قالوا پر ہے اور ان کے ہمزہ کو بعد معنی قول کے فتحہ لازم ہے اور اس کے بعد جو بارہ کلمے ہیں جیسے وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ اور اس کے سوائے یہ سب جنوں کے قول میں داخل نہیں ہیں بلکہ یہ وحی میں داخل ہیں اور انہ استمع پر معطوف ہیں واللہ اعلم بالصواب ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ کہہ تو اے پیغمبر کہ تمہارے دلوں میں یوں سمایا ہے کہ آدمیوں کا عاجز ہو جانا اس کلام سے اس سبب سے ہے کہ یہ کلام جن کا ہے اور آدمی جن کے برابر کلام بنا نہیں سکتے تو جنوں کا حال سنو کہ جنوں نے اس کلام کے سُنتے ہی اُس کے اعجاز کا اقرار کیا اور یہ جنوں کا اقرار کرنا میرے پاس جنوں کے واسطے سے نہیں پہنچا ہے تاکہ اس خبر میں احتمال صدق اور کذب کا ہو بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی کے طور پر مجھ پر نازل ہوا ہے اسواسطے کہ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ وحی کی گئی ہے میری طرف اس مضمون کی کہ جنوں نے اس کلام کے معجز ہونیکا اقرار کیا اور یہ اقرار اس طور کا نہیں ہے کہ اس کلام کو سرسری سُن کے بدون سمجھے بوجھے اس کی فصاحت اور بلاغت کے اس کے اعجاز کا اقرار کر لیا ہو بلکہ اِسْتَمَعَ نہایت توجہ سے کان رکھ کے سُنا ایک دو نے نہیں کہ اُن کے اقرار پر اعتماد نہ ہو بلکہ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ بڑی جماعت نے جنوں سے جنکی خبر کو حکم تواتر کا ہے اور جب ایک امر وجدانی سے اس قدر بہت لوگ خبر دیویں تو اس خبر کا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور یہ خبر جنوں نے کچھ مجھ ہی کو اور دوسرے آدمیوں کو فقط نہیں دی تاکہ کسی کی پاسداری اور خاطر داری کا احتمال ہووے بلکہ ان جنوں نے اپنی قوم میں جاکر یہ خبر پہنچائی فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا پھر کہا بے شک ہم نے سُنا ہے قرآن یعنی ایک پڑھنے کی چیز یہاں پر جاننا چاہیے کہ دنیا میں کتابیں تصنیف کی ہوئیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک قسم تو فقط خواندنی ہوتی ہے جس میں خدا کا ذکر بہت ہو اور اللہ تعالیٰ کی وہ صفتیں اور مدحیں اس میں ہوویں جو وقت

طلب نہ ہو ویں بلکہ عقل کے نزدیک ظاہر اور عام فہم ہو ویں جیسے اذکار امام نووی اور حصن حصین اور اوراد فتحیہ اور اس قسم کی دوسری کتابیں جن میں اللہ تعالیٰ کے کھلے کھلے وصف بیان ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو دینی ہوتی ہے یعنے بدون مطالعہ اور غور کے اس کا مطلب بوجھ میں نہیں آتا جیسے عقائد اور حدیث اور فقہ اور سلوک اور دوسرے دینی علموں کی کتابیں کہ ان میں حقتعالیٰ کی دقیق اور باریک صفتیں اور مدحیں جو عام کے فہم سے باہر ہیں اور عجائب اور غرائب اس کی قدرتیں اور صنعتیں اور دنیا اور آخرت کے حکم اور انبیا اور اولیا اور دوسرے اس کے خاص بندوں کے احوال اور ایسے مسئلے اور قاعدے جو ان چیزوں کے بوجھنے اور سمجھنے میں کام آویں بلکہ واسطہ پڑیں یہ سب ان میں مندرج ہیں اور یہ حق تعالیٰ کا کلام جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اس طرح کے ذکر اور صفات الٰہی سے پُر ہے کہ سب عالم کے بلکہ آدمیوں کے فہم میں آتا ہے اور ہرگز عقل کے نزدیک اس میں کسی طور کی پوشیدگی پائی نہیں جاتی اور کوئی آیت اس کلام پاک کی بلکہ کوئی جملہ طویلہ اس کا ذکر الٰہی سے خالی نہیں ہے اسی واسطے اس کلام کا نام قرآن رکھا ہے اسواسطے کہ اذکار اور اوراد کے حکم میں ہے لیکن جنوں نے جب یہ کلام سُنا اور بوجھا کہ یہ کلام ذکر اور ورد ہے تو اس کے ساتھ ہی ایک بات اور بھی انہوں نے اس سے بوجھی اور کہا کہ عَجَبًا ۙ یعنے ایک ذکر ہے لیکن نہایت عجیب اور غریب نکات کو شامل ہے اسواسطے کہ باوجود ذکر ہونے کے حقائق الٰہیہ اور کونیہ کے دقیقوں کو جامع ہے اور بہت ہی عمدہ داناؤں کی سی اس کی تقریر ہے کہ ہر چیز کی کنہیں اور باریکیاں خوب توضیح سے بیان کی ہیں پھر اس کے وعظ اور نصیحت کے کلموں میں تامل اور غور کیجئے تو وہ بھی بہت ہی دلچسپ اور مناسب ہیں اور خطابت کے طریق کو اس میں انتہا درجے کو پہنچایا ہے پھر اگر اس کے عمدہ مضامین میں خوب غور اور تامل کیجئے تو عجیب لفظوں میں ان مضمونوں کو بیان فرمایا ہے کہ ہرگز کسی مخلوق کا کلام اس اسلوب کا پایا نہیں جاتا اسواسطے کہ یہ کلام نہ نظم ہے نہ مسجع نثر ہے لیکن باوجود اس بات کے تشبیہ اور استعارے کی رعایت اس خوبی سے اس میں کی ہے کہ انتہا درجے کی فصاحت اور بلاغت کے رتبے کو پہنچایا ہے اور ان سے علاوہ یہ ہے کہ یَهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ راہ دکھاتا ہے صواب اور بہتری کی روح میں بڑی تاثیر کرتا ہے اور اپنے معنوں کو روح میں منقش کر دیتا ہے اور مدرکہ کو اس طور سے منور کر دیتا

ہے کہ اس کی تاثیر تمام قوتوں کو غضبیہ ہوں یا شہویہ سب کو گھیر لیتی ہے پس یہ کلام وِذْ ہا اور ذکر کا بھی حکم رکھتا ہے اور معلم اور استاد اور پیر اور مرشد کا بھی اور باوجود اس کے اس قسم کا یہ کلام نہیں ہے کہ فکر اور تخیلات سے علاقہ رکھے یا عقلی قیاسوں سے نکلا ہو یا وہمی اور خیالی مقدموں سے مرکب ہو بلکہ نہایت ہی عمدہ عجائبات اور غرائبات کو شامل ہے فَآمَنَّا بِہٖ پھر ایمان لائے ہم اس کلام پر اور جان لیا ہم نے کہ اس قسم کا کلام نہ ہوگا مگر حق تعالیٰ کی طرف سے اور اگر باوجود ایسی تاثیر اور ایسی خوبی اس کلام کے بوجھنے کے بعد بھی اس کلام کو کلام الٰہی نہ جانیں ہم بلکہ اس کلام کو حق تعالیٰ کے غیر کی طرف سے جانیں کہ دوسرا بھی اس قسم کا کلام بنا کر نازل کر سکتا ہے تو گویا شرک ثابت کیا ہم نے وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ اور ہرگز ہم شریک نہیں کریں گے اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو اور یہ بھی جنوں نے ذکر کیا کہ پروردگار مطلق وہ ہے کہ عظمت اور بزرگی انتہا درجے کی اس میں پائی جاوے اور کوئی اسکی برابری نہ کر سکے وَّ اَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا اور بے شک حال یہ ہے کہ بہت ہی بلند ہے بزرگی ہمارے پروردگار کی اس سے کہ کوئی اس کا شریک ہو سکے اور یہی وجہ ہے جو مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ نہیں لیا ہمارے پروردگار نے عورت کو اور نہ لڑکے کو اس واسطے کہ عورت اکثر خانگی کاموں میں مرد کے شریک ہوتی ہے اور لڑکا باپ کے مال اور ملک میں شریک ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اس بات سے کہ کوئی بزور اس کا شریک ہو جاوے یا کسی کو وہ خود اپنی رضا سے اپنا شریک کرے اس واسطے کہ دونوں قسم کی شرکتوں میں انتہا درجے کی عظمت کا نقصان ہے اور یہ بھی ہوا کہ قرآن شریف کے سننے کے پہلے جو اُن کے دلوں میں بری باتیں گڑی ہوئی تھیں جس طرح اُن کے اعتقاد میں یہ تھا کہ بعضے اس کے بندے اس کے کارخانے میں شریک ہیں یا بعضے اس کی اولاد ہیں یا بعضے اس کی جورو ہیں سو ان سب باتوں سے توبہ کی اور اس کا عذر اس طور سے بیان کیا وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ اور بے شک حال یہ ہے کہ کہتے تھے احمق لوگ ہم میں سے اللہ تعالیٰ پر ایسی بات جو اس کی شان سے بہت بعید ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ ابلیس اور دوسرے جن جو اس کے تابع تھے بُرے اعتقاد حق تعالیٰ کی جناب میں رکھتے تھے اور اُسکی مخلوقات میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کی جورو ٹھہرایا تھا اور کسی کو اس کی اولاد اور بعضوں کو اس کا شریک ٹھہرایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خاص صفتیں اُن میں ثابت کرتے تھے اس طور سے کہ بعضوں کو کہتے تھے کہ یہ

ف حق تعالیٰ کا کوئی نہ بزور شریک ہو سکے اور نہ اس کی رضا سے۔

شخص قدرت کاملہ رکھتا ہے جو چاہے سو کر سکتا ہے اور بعضوں کے علم کو محیط جانتے تھے یعنی دور اور نزدیک کھلا اور چھپا سب اُس کے نزدیک برابر ہے کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں اور بندہ وا کو اپنے فعل کا خالق جانتے تھے اور بعضوں کو ایسا جانتے تھے کہ اگر کوئی مشکل کے وقت ان کو پکارے تو غیب سے اُس کی حاجت روائی کر سکتے ہیں اور بعضوں کو عبادت کا مستحق جانتے تھے یعنی اُن کے واسطے عبادت کرنا ضروری ہے جیسے سجدہ کرنا یا اُن کے نام کا روزہ رکھنا اور سوائے اُس کے اور بعضوں کو ذکر دائم کا مستحق جانتے تھے یعنی اُن کے نام کو ہر وقت جپنا بڑا ثواب رکھتا ہے اور بعضوں کو ایسا جانتے تھے کہ اُن کے نام پر جانور کو ذبح کرنا بڑا ثواب ہے اور وہ اُس کے مستحق ہیں اور مال کو کسی کے نام پر خرچ کرنا اور نذر و ہدیہ اُس کو پہنچانا اس کو اُس کی نزدیکی اور خوشی کا سبب جانتے تھے اور بعضوں کو ایسا جانتے تھے کہ اگر لوگ اپنے تئیں اپنا بندہ اور پرستار کہیں تو درست ہے اور وہ اُس کے مستحق ہیں اور اسی طرح بہت سی چیزوں کے معتقد تھے سو اب قرآن شریف کے سننے سے ہم کو معلوم ہوا کہ وہ سب اعتقاد ہمارے بے اصل اور باطل تھے اللہ تعالیٰ ایسے فاسد اور برے اعتقادوں سے بری اور پاک ہے اور اپنے باطل اعتقادوں سے عذر کرنے میں یہ بھی جنوں نے بیان کیا کہ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اور بے شک ہم نے گمان کیا تھا کہ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ ہرگز نہ کہیں گے آدمی اور جن جرأت کر کے اور بیباک ہو کے عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اللہ پر جھوٹ کو اُن کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ہم اتنی مدت تک ایسے باطل اعتقادوں میں جو پھنسے رہے اس کا سبب یہ تھا کہ ہم نے تقلید کی تھی ان لوگوں کی جو عقل اور دانائی میں سارے جہان سے ممتاز تھے اور حق اور باطل کے دریافت کرنے میں اپنے تئیں یکتائے زمانہ جانتے تھے اور ہم نے یہ جانا تھا کہ اس قدر جماعت کثیر جن اور انس سے کہ ہر ایک ان میں سے عقل اور دانائی میں کسی کو اپنا ثانی نہیں جانتا ہے اور ہر بات کی تہ کو پہنچنے میں ہر ایک اپنے تئیں دوسرے سے بڑھ کر جانتا ہے سو ایسے عاقل اور فہمیدہ لوگ سب کے سب ایکبارگی کسی بڑے شخص پر مخلوقات سے جھوٹ نہ باندھیں گے پھر ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا جو سب بڑوں سے بڑا ہے اور اُس کی عظمت اور بزرگی کے سامنے کسی کی عظمت اور بزرگی پاسنگ کو بھی نہیں پہنچتی ہے کسی طرح ممکن نہیں ہے اور ہرگز یہ لوگ ایسی جرأت اور بے باکی نہ کریں گے لیکن ان لوگوں نے بڑی جرأت اور بیباکی کی کہ اللہ تعا

پر جھوٹ باندھا تھا اور اس اُنکی جرأت اور بے باکی کا سبب بھی ہم نے دریافت کیا اور اس سبب کو جنوں نے یوں بیان کیا وَّاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ اور بے شک تھے بہت لوگ آدمیوں سے کہ باوجود مرد ہونے کے کہ عقل کا کمال اور دل کی قوت اور بے خوفی مرد کو لازم ہے یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ پناہ مانگتے تھے جن کے فرقے کے مردوں سے اور یہ ان کا پناہ مانگنا کئی قسم کا تھا پہلا طور پناہ مانگنے کا یہ تھا کہ جب کوئی مرض ان کو لاحق ہوتا تھا تو وہ جانتے تھے کہ یہ جن کی بدنظری کا اثر ہے سو اس جن کے واسطے کھانا اور خوشبو اور بخور تیار کر کے جس جگہ پر جانتے تھے کہ یہاں جنوں کے آنے کا گمان ہے وہاں وہ چیزیں رکھ دیتے تھے تاکہ اس چیز کو رشوت کے طور پر قبول کریں اور ہم کو ایذا پہنچانے سے باز آئیں اور دوسرا طور پناہ مانگنے کا یہ تھا کہ مشکل اور کٹھن چیزوں میں اُنکی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کے نام کو وظیفے کے طور پر جپا کرتے تھے اور ان کی تراشی ہوئی صورتوں پر جن کو ان ہی جنوں کے نام کا ٹھہرایا تھا اور اُن کو بُت کہتے تھے نذریں اور ہدیے اور قربانی چڑھاتے تھے تیسرا طور یہ تھا کہ جب کسی کو ان میں سے آگے کی بات دریافت کرنا منظور ہوتا تھا تو کاہنوں کے پاس جاتے اور اُن سے پری خوانی کراتے یعنے جو جنوں کے بلانے کا طور ہے جیسے مکانوں کو صاف کرنا اور پھول رکھنا لوبان جلانا راگ کرنا تاکہ اس سبب سے جن اس جگہ آکر حاضر ہوں اور اُس چیز کی جو مطلوب ہے خبر دیویں کہ فلانی چیز یوں ہوگی اور فلانی چیز یوں چوتھا طور یہ تھا کہ جب سفر میں کسی جنگل یا پہاڑ یا مکان میں اُترتے تو جنوں کے بادشاہوں اور سرداروں کے نام لیتے اور اُن سے پناہ اور مدد چاہتے تاکہ اس مقام پر اُن کے تابعداروں سے کوئی صدمہ ہم پر نہ پہنچے اور اس مضمون کے کچھ کلمات بنا رکھتے تھے اُس کو پڑھتے جیسے دُھائی لونا چماری کی یا کلوا بیر کی اور اسی طور کے دوسرے کلمات اب بھی مشہور ہیں اور ان کے اعتقاد میں یوں سمایا تھا کہ جب اُنکی پناہ میں آگئے تو اب سب بلاؤں سے محفوظ رہیں گے پانچواں طور یہ تھا کہ ان کی تعریفیں اور خوشامد اور چاپلوسی کیا کرتے تھے اور نذریں اور ہدیے اور اچھے اچھے کھانے اُن کے نام پر دے کر اُن کو اپنی طرف متوجہ کرتے تھے تاکہ وہ عاجزی اور احتیاج کیوقت اس حیلے سے اُن کے کام آویں اور اُن کی مدد کریں چنانچہ کردم بن السائب اپنے باپ سے کہ وہ صحابی تھے روایت کرتے ہیں کہ اُن کے باپ کہتے تھے کہ سفر میں ایک مرتبہ ایک عجیب چیز دیکھنے میں آئی کہ جنگل میں ایک شخص بکریاں چراتا تھا ایک بھیڑیا آیا اور اس کی بکریوں میں سے ایک بکری کو

فـ بیماری میں لوگ جنوں کے واسطے کھانا بھی مقرر کرتے ہیں۔

اٹھائے گیا اس شخص نے ایک جن کا نام لے کر پکارا کہ اے فلانے جلد آؤ کہ بھیڑیا میری بکری کو لیے جاتا ہے اس آواز کے ساتھ ہی سنا ہم نے کوئی شخص کہتا ہے کہ اے بھیڑیے اس کی بکری کو چھوڑ دے پھر اسی وقت بھیڑیے نے اس بکری کو چھوڑ دیا بلکہ جہاں سے لے گیا تھا اسی جگہ پر پہنچا کر واپس چلا گیا فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ پھر زیادہ کیا آدمیوں نے جنوں کا تکبر اور غرور اس واسطے کہ جنوں نے جانا کہ خدا کے بندے ان کاموں میں جو ہماری طرف محتاج ہوتے ہیں اور ہم ان کی کارروائی کر دیتے ہیں اور بعضی بلائیں اور آفتیں جو حق تعالیٰ ان پر بھیجتا ہے ہم ان سے دفع کر دیتے ہیں تو ہم کو بھی شاید خدا کے کارخانے میں ایک طرح کی شرکت اور دخل ہے اور اگر مستقل اور بلاواسطہ شرکت ہم کو نہیں ہے تو فرزندی کی نسبت تو ہم کو اللہ تعالیٰ سے بے شبہ ثابت ہے اور ہم لوگ محض بندے نہیں ہیں اور یہی سبب ہے کہ اپنے محض بندوں کو ہمارے سپرد کیا ہے اور ہم ان کی حاجت روائی کرتے ہیں اور آدمیوں نے یہ جانا کہ یہ غیب کے لوگ جو ہمارے وقت پر کام آتے ہیں اور ہماری حاجت روائی کرتے ہیں تو ان کو ربوبیت میں بھی کچھ شرکت ہے اور یہ لوگ محض بندگی کا علاقہ حق تعالیٰ سے نہیں رکھتے ہیں بلکہ یہ لوگ یا تو اللہ تعالیٰ سے فرزندی کا علاقہ رکھتے ہیں یا اس کے ولی عہد ہیں یا اس کے کارخانوں کی خدمت ان کے سپرد ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم لوگوں کو باوجود بندگی میں برابر ہونے کے ان کا محتاج کاہے کو کرتا سو ان دونوں کی فہمید کی غلطی سے اس قسم کی استعانت اور اعانت یعنی مدد چاہنا اور مدد کرنا جنوں اور آدمیوں میں واقع ہوا اور یہ سمجھ ایسے باطل اور جھوٹے اعتقادوں کی جرأت کا سبب پڑی اسی واسطے حدیث شریف میں جنوں سے استعانت اور مدد طلب کرنے کو کسی طور سے ہو منع فرمایا ہے اور یوں ارشاد ہوا کہ جس کسی کو سفر میں یا شہر میں یا بیماری میں جنوں کا کچھ خوف ہووے تو اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے تعوذ کرے اور اس کی پناہ میں آوے اور یوں کہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ یعنے پناہ چاہتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی شیطان راندے گئے سے کہہ تو اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیاطینوں کی چھیڑ سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں میں اس سے کہ میرے پاس آویں یہ اور معوذتین پڑھے یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس یا دوسری اسی طور کی آیتوں کو پڑھے اور یہ دعا بھی پڑھے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ

ف جنات کے ضرر سے بچنے کی دعا اور ان سے مدد طلب کرنے کی ممانعت۔

اللہ التامات من شر ما خلق یعنی پناہ میں آیا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے پورے کلموں کی برائی سے
اُس چیز کی جس کو پیدا کیا تو انشاء اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کے پڑھنے سے جنات کے آسیب سے محفوظ
رہے گا اور جنوں کے نام سے کسی جانور کے ذبح کرنے کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت منع
فرمایا ہے اور وہ افسون اور منتر جس میں جنوں کے بزرگوں اور سرداروں کا نام ہو ان کے پڑھنے سے
بھی بہت منع فرمایا ہے اسواسطے کہ شرک کی اصل ان ہی معاملوں سے پیدا ہوئی ہے اور بنی آدم اور
جنات کی خرابی کا سبب پڑی گویا یہ شرک کا بیج ہے اور جو جنات کی اصل پیدائش آگ کا مادہ ہے اسی
سبب سے ان میں تکبر اور غرور اور شرارت اور نافرمانی اور اپنے تئیں سب سے بڑا جاننا بلکہ اپنے کو
معبود قرار دینا ان کی پیدائشی اور خلقی بات ہے اور ان چیزوں کو بالطبع دوست رکھتے ہیں اور جب
اس قسم کا معاملہ آدمی ان کے ساتھ کرتے ہیں تو وہ بھی اپنی طاقت بھر آدمیوں کی حاجت روائی میں قصور
نہیں کرتے ہیں تا ان کی بزرگی اور عظمت آدمیوں کے دلوں میں جم جاوے اور شرک کے درخت کو
سرسبزی حاصل ہووے اور پہلے اپنے تئیں مکر اور فریب سے بزرگوں کی پاک روحوں میں ظاہر کرتے ہیں
اور ان بزرگوں کا نام اپنا رکھتے ہیں تاکہ آدمی وہ نام سن کے جلد گرویدہ اور فریفتہ ہو جاویں اور کسی طرح
سے انکار نہ کریں آخر کو رفتہ رفتہ جب یہ بات آدمیوں کے دلوں میں خوب بیٹھ گئی اور یہ اعتقاد پکا ہوا
تب اپنی خباثت اور باطنیتی ظاہر کرتے ہیں اور صریح شرک کروانے لگتے ہیں اور لوگ اس فریب سے
غافل ہو کے ان کی فرمانبرداری کو اپنا فخر سمجھتے ہیں بلکہ اس کو کرامت جانتے ہیں اور یہ بلا اسطرح کی پھیلی
ہے کہ جتنے فرقے بنی آدم کے ہیں سب کو گھیر لیا ہے یہاں تک کہ امت مرحومہ میں بھی اس امر نے رواج
تمام پایا ہے اور یہ مرض تمام عالم میں پھیل گیا ہے اللہ تعالیٰ اس امت مرحومہ پر رحم کرے اور توفیق
خیر کی عنایت کرے اور اس بلا سے ہر مسلمان کو بچاوے العیاذ باللہ من ذالک اور جو یہ معاملہ انسان اور
جنات کے درمیان میں مدتوں تک جاری رہا یعنے آدمی پناہ اور استعانت سے اور ہر کام کو جنوں کیطرف
رجوع کرنے سے باز نہیں آتے تھے حالانکہ یہ جانتے تھے کہ ہم سب آدمی ہوں یا جن خدا کے بندے
ہیں ہم کو ہر کام میں اسی مالک الملک کی طرف رجوع اور التجا کرنا چاہیے نہ اپنے ہم جنسوں کی طرف اور جن
بھی بہکانے اور گمراہ کرنے سے اور تکبر اور غرور الوہیت کے دعوے سے دست بردار نہیں ہوتے
تھے اور یہ نہیں بوجھتے تھے کہ اگر ایک مالک کے بندے آپس میں ایک دوسرے کی طرف کسی کام

میں محتاج ہوئے اور دوسروں سے اُن کی حاجت روائی ہوئی تو یہ نہیں ہے مگر اسی مالک کے کرم اور فضل اور اعانت سے پھر اس میں تکبر اور غرور کرنا اور اس کام پر رشوت لینا اور اپنے تئیں مالک اور مختار جاننا بلکہ مالک کے کارخانے کا شریک جاننا کسی طرح سے درست نہیں ہے اور عقل کے خلاف ہے سو جنوں نے اس معاملہ کے سبب کے بیان میں یہ بھی ذکر کیا وَّاَنَّھُمْ ظَنُّوْا اور یہ کہ گمان کیا ان آدمیوں نے کَمَا ظَنَنْتُمْ جیسا گمان کیا تم نے اے جنو اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا ۙ نہ زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ کسی کو جن ہوں یا آدمی عملوں کی جزا اور سزا کے واسطے اور اچھائی اور برائی کی پرسش اور حساب اور کتاب کے واسطے سو اس سبب سے آدمیوں نے یہ چاہا کہ جس طرح سے ہو سکے اپنی حاجت روائی کیا چاہیے اور دنیا کی زندگانی میں اپنی بلاؤں اور مصیبتوں کو دفع اور دل کی خواہشوں اور فائدوں کو حاصل کیا چاہیے اگرچہ اس میں شرک اور ناشکری بھی ہو جاوے اور مالک ناراض اور خفا بھی ہو جاویں اور جنوں نے یہ چاہا کہ اپنا نام حاصل کیا چاہیے اور مشکل کشائی اور حاجت روائی کا منصب اپنے واسطے ثابت کیا چاہیے اگرچہ اس میں اپنے مالک کے کارخانے میں دخل بھی بوجھا جاوے بلکہ شراکت کا دعویٰ بھی پایا جاوے اور اس کا سبب یہ تھا کہ دونوں کے اعتقادوں میں یہ سمایا تھا کہ مر کے اٹھنا نہیں ہے اور مالک کی پرسش کا خوف اور حساب کتاب کے سمجھانے کی دہشت ہرگز نہیں ہے اور اس بات کے ثابت کرنے میں کہ یہ قرآن آسمان سے اترا ہوا ہے زمین والوں کا کلام نہیں ہے کہ کسی انسان یا جنات نے بنا لیا ہو ان جنوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ اور یہ کہ ہم نے چھوا اور ٹٹولا آسمان کو یعنی اس قدر آسمان کے متصل ہم پہنچے کہ گویا اس کو ہاتھ سے چھو لیا اور جب ہم کو ان راہوں سے جدھر سے ہمیشہ ہم آسمان پر جایا کرتے تھے ممانعت ہوئی تو ہم نے چاہا کہ کوئی دوسری راہ ڈھونڈ کے نکالیے اور اس راہ سے آسمان کے اوپر جا کے حقیقت حال کی معلوم کیجے کہ ہماری ممانعت کا تشدد اس قدر کس واسطے ہوا فَوَجَدْنٰھَا مُلِئَتْ پھر پایا ہم نے اس آسمان کو بھرا ہوا اور کسی راہ کو خالی نہ پایا حَرَسًا شَدِیْدًا نگاہبانوں اور چوکیداروں سے جو بہت سخت اور زور آور ہیں اور وہ فرشتے ہیں کہ ہم کو ہرگز ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے اور سوائے اس کے ان تمام راہوں میں آسمان کے ایک اور آفت ہے وَّشُھُبًا ۙ اور آگ کے انگارے دہکتے دوڑتے ہوئے کہ وہ نگہبان اور چوکیدار ہم کو ان سے مارتے ہیں اور جلاتے ہیں چنانچہ معمر نے زہری رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ قرآن اترا

کے اترنے کے پہلے ایام جاہلیت میں بھی اسی طور سے یہ انگارے معلوم ہوتے تھے انہوں نے کہا کہ
ہاں تھے لیکن اس کثرت سے نہ تھے جیسے بعثت اور قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت سے
شروع ہوئے ہیں اور پہلے کسی دوسری غرض کے واسطے تھے اور اب شیطانوں اور جنوں کے مارنے
اور ہنکانے کے واسطے مقرر ہوئے ہیں اور احتمال اس بات کا کہ یہ آسمان کی زیادتی نگہبانی شاید کسی
دوسری چیز کے واسطے ہو جنس کلام کی محافظت کے واسطے نہ ہو اور اگر بالفرض جنس کلام کی محافظت
کے واسطے ہو لیکن فرشتوں کے کلام کی محافظت کے واسطے ہو جو اپنے مجمع اور مجلسوں میں بیٹھ کر کسی
مطلب کی تدبیر کے واسطے آپس میں کچھ باتیں کیا کرتے ہیں نہ اس کلام الٰہی کی محافظت کے واسطے
سو اس شبہہ کے باطل کرنے کے واسطے اور اصل مطلب کو یعنی یہ ممانعت کلام الٰہی کے واسطے ہوئی
ہے اس کو ثابت کرنے کے واسطے جنوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ
لِلسَّمْعِ ط اور یہ کہ ہم بیٹھتے تھے قدیم سے آسمانوں کی معین جگہوں میں جو فرشتوں کے مجمع اور مجلسوں
کے قریب تھیں ان فرشتوں کے کلام کے سننے کے واسطے اور ان کے کلام کی محافظت اور ممانعت
کبھی ہم سے نہیں ہوئی دوسری کوئی چیز ہم آسمان سے چرا کر لاتے نہ تھے جس کے واسطے اس قدر
محافظت ہوئی ہو کہ ہر طرف سے ہمارا گذر بند کر دیا گیا اور ملائکہ کے کلام کی محافظت کے واسطے
اس قدر شدت ممانعت کی خیال میں نہیں آتی ہے اس واسطے کہ ملائکہ کا کلام اب بھی ہم آسمان کے
نیچے سے سن آتے ہیں لیکن آسمان پر ہم کو جانے نہیں دیتے فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ پھر جو کوئی اسوقت
میں کان لگاتا ہے سننے کے واسطے یعنی جب سے قرآن شریف کا نزول شروع ہوا ہے سو اگرچہ اپنی
معین جگہ تک نہ پہنچے بلکہ دور ہی سے کان لگا دے اور سننے کا ارادہ کرے تو اسی وقت يَجِدْ لَهٗ
شِهَابًا رَّصَدًا ہ پاتا ہے اپنے واسطے آگ کے انگارے کو گھات میں لگا ہوا سو معلوم ہوا کہ اس قدر
تقید اور تشدد ہماری ممانعت کا نہیں ہے مگر اس کلام الٰہی کی محافظت کے واسطے تاکہ ہماری ناپاک
زبانوں پر جاری نہ ہو وے اور غیر جگہ پر نہ پہنچے اور کسی طرح سے اس کا معارضہ اور مقابلہ کسی سے
نہ ہو سکے غرض یہ ہے کہ نہایت عظمت اور بزرگی اس کلام کی ثابت ہوتی ہے جو دوسرے کسی
کے کلام میں یہ عظمت اور بزرگی نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ کلام پاک آسمان سے اترتا ہے
اور آسمان ملائکہ کے رہنے کی جگہ ہے وہاں کذب اور دروغ اور جھوٹ اور افترا اور بندش کسیطرح

کی گنجائش نہیں رکھنی اور جو حکم اس کلام پاک میں ارشاد ہوا ہے وہ بلاشبہ حق ہے اور حق تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے وہ حکم ہوا ہے اور یہ معاملہ جو آدمیوں اور جنوں میں جاری ہو رہا تھا یعنے جن آسمان پر جاکے زمین کے کاموں کی تدبیریں فرشتوں کی زبانی سُن آتے تھے اور اُسی کے موافق آدمیوں سے اُن کے مطلب کے موافق بیان کر کے گویا ان کی حاجت روائی میں معین اور مددگار ہوتے تھے اور آدمی بھی اُن کے کہنے پر اعتماد کر کے آگے ہونے والی چیزوں کا حال دریافت کرتے تھے اور اپنی اچھائی برائی اس سبب سے معلوم کر کے اپنی بہتری کی تدبیر کر لیتے تھے اور ظاہر میں اس کو اپنے بڑے فائدے کی چیز جانتے تھے اور اس سبب سے جنوں کی تعظیم اور توقیر حد سے زیادہ کیا کرتے تھے اس واسطے کہ اپنی حاجت روائی کا وسیلہ ان ہی جنوں کو سمجھتے تھے گویا دربار الٰہی میں جنات ان کی طرف سے وکیل بھی تھے اور جاسوس اور بھیدی بھی تھے اور اس معاملے کے جاری ہونے کے سبب سے دونوں فرقوں کو بڑے بڑے فائدے تھے سو اس معاملے کے درہم برہم ہوجانے کے بیان میں حیرت کے طور پر جنوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ آیا برائی کا ارادہ کیا گیا ہے زمین کے رہنے والوں کے ساتھ جو یہ معاملہ یعنی غیب کی باتیں دریافت کر کے دوسروں کو بتانا موقوف ہو گیا اور آسمان پر جانے کی راہیں بالکل بند کر دی گئیں تاکہ اپنی مصیبتوں اور آفتوں کا حال کسی کو معلوم نہ ہو ان ہی بلاؤں میں گرفتار رہیں اور سب کی حاجتیں بند ہو جاویں کوئی کسی کی فریادرسی نہ کر سکے اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝ یا ارادہ کیا ہے ان لوگوں کے ساتھ ان کے پروردگار نے بہتری اور ہدایت کا یعنے یہ چاہا ہے کہ جنوں کی وکالت اور میانجی گری موقوف ہو جاوے اس واسطے کہ جنوں نے رشوت لینے کی اپنی عادت ڈالی ہے بلکہ خُدائی کارخانے میں شرکت کا دعویٰ کرتے ہیں اور سوائے اس کے طرح طرح کی برائیاں اُن سے صادر ہوتی ہیں سو اس کام سے اُن کا معزول اور موقوف ہونا بہتر ہے اور اس کام کے سرانجام کے واسطے فرشتے اور اولیاء اللہ اور شہدا کی طیب اور پاکیزہ روحیں مقرر کیا چاہیے کہ وہ حق تعالیٰ کے حکم سے اس وکالت اور سفارت کے کام کو سرانجام پہنچاویں اور آدمیوں کی ترقی کی راہیں اور امور غیبیہ سیکھنے کے طریق صاف کر دیں تاکہ آدمی خود اس درگاہ کے روشناس ہو جاویں اور اپنی غرض آپ کر لیا کریں اور ان دغاباز اور چور وکیلوں کے خوف سے خلاصی پاویں اس واسطے کہ آدمی کی اصل پیدائش اور خلقت اسی بات کو

چاہتی ہے اور راہ مستقیم بھی یہی ہے اور جو نوع انسان کو یہ ترقی حاصل ہوگی تو ان کی موروثی خلافت کے معنی بھی تمام ہوویں گے وہ خلافت جو ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو عنایت ہوئی تھی اور جس طرح زمین کی خلافت اور سلطنت سے جنات معزول اور موقوف ہوئے ہیں اسی طرح وکالت اور سفارت اور مختاری کے عہدے سے بھی موقوف ہوویں اور جس کام کی بنا ان کے باپ یعنی حضرت آدم علیہ السلام ڈال گئے ہیں سو اس کو یہ سعادت مند فرزند انجام کو پہنچاویں اور اپنے باپ کے دشمنوں اور حاسدوں سے قرار واقعی عوض اور بدلا لیویں اسی سبب سے جن اپنے کلام میں شر کے مقابلے میں رشد کا لفظ لائے ہیں نہیں تو ظاہر یہ ہے کہ شر کے مقابلے میں خیر مذکور ہوتا ہے اور گمراہی کے مقابلے میں رشد بولا جاتا ہے اور ایک بات دوسری یہاں پر دریافت کر لیا چاہیے یعنی جنوں نے اس اپنے کلام میں ایک ادب کی بہت باریک بات کی رعایت کی ہے یعنے ارادۂ شر کے بیان میں فعل مجہول کے صیغے کو لائے ہیں اور فاعل کے ذکر کو ترک کیا ہے اور ارادہ رشد کے بیان میں فعل معروف کے صیغے کو لائے ہیں اور ربہم کو اس کا صریح فاعل گردانا ہے بِلّٰهِ دَرُّهُمْ مَا اَحْسَنَ تَادُّبُهُمْ یعنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوبی ہے ان جنوں کی کیا اچھا ادب کا کلام بیان کیا ہے اور اس بات کے بیان کرنے میں کہ حق تعالےٰ نے اس معاملے کے موقوف کر دینے میں جو جنوں اور آدمیوں میں جاری تھا بنی آدم کے ہر ہر فرد کی رہنمائی اور اچھائی کا ارادہ کیا ہے بلکہ بنی الجان کی بہتری کا ارادہ کیا ہے اور حقیقت میں بھی یہی بات ہے کہ جنات وکالت اور سفارت کی لیاقت نہیں رکھتے بلکہ قابل موقوف کر دینے کے ہیں سو جن بھی یہاں انصاف کی راہ چلے ہیں اور یہ ذکر کیا کہ وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ اور یہ کہ ہم میں بعضے نیک بخت تھے جو اس خدمت کی لیاقت رکھتے تھے اور اس وکالت اور سفارت کا عہدہ ان سے بخوبی سرانجام ہوتا اور اس خدمت کی لیاقت اور ذمہ برداری کے واسطے تین شرطیں لازم ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ عالم غیب کی خبروں اور حکموں کو کہ دربار حقیقی وہی ہے بدون زیادتی اور کمی کے اور بغیر تغیر اور تبدل کے آدمیوں کو پہنچا دینا اور اپنی طرف سے کچھ بھی اس میں نہ ملانا تاکہ اس مقدمے میں جھوٹ کو دخل نہ ہو اور اس سبب سے آدمیوں کے نزدیک بعضے حکم اور بعضی چیزیں اس دربار کی بے اعتبار نہ ہو جاویں اور یہ جانیں کہ جس طرح ہماری تدبیروں اور خبروں میں جابجا تغیر اور تبدل ہوتا ہے اسی طرح عالم غیب کی تدبیروں اور خبروں میں بھی ہوا کرتا ہے اور اس سبب سے

بد اعتقادی اور جہالت میں گرفتار نہ ہو جاویں اور دوسری شرط یہ ہے کہ اگر اپنی عرض معروض سے
کسی کی کارروائی اور حاجت برآری ہو جاوے یا کسی تدبیر سے کسی کی کوئی مصیبت اور بلا دفع
ہو جاوے تو تکبر اور غرور نہ کرنے لگیں اور اپنے تئیں حاکم کا شریک نہ ٹھہراویں اور آدمیوں پر اپنی بڑائی
اور بزرگی نہ جتاویں اور عبادت کے کام آدمیوں سے اپنے واسطے نہ چاہیں اور اس مضمون کو ہر
وقت پیش نظر رکھیں کہ ہم سب ایک خاوند کے بندے ہیں بعضوں سے بعضوں کی کارروائی ہوتی
ہے لیکن جو کچھ ہوتا ہے سب اسی خاوند کی عنایت ہے فخر اور تکبر اس میں کرنا نہ چاہیے اور تیسری
شرط یہ ہے کہ اس وکالت اور سفارت کے عوض میں رشوت لینا شروع کریں اور اپنے واسطے
ہدیے اور نذریں اور قربانیاں مقرر کریں اور اگر انسان اس قسم کی نذریں اور ہدیے اور قربانیوں کے
دینے میں انکار کریں یا کسی بہانے سے ٹال دیویں تو ان کے پیچھے نہ پڑیں اور ان کو اذیت نہ پہنچاویں
اور اُن کو نہ ستاویں سو ان شرطوں کی جمعیت ہم لوگوں میں بہت کم پائی جاتی ہے لیکن بعضے لوگ ہم
میں سے البتہ اس کی لیاقت رکھتے ہیں وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ط اور ہم میں سے بہت لوگ ایسے
ہیں کہ بہت پست ہمت ہیں اس مرتبے سے اور اس خدمت کی لیاقت ہرگز نہیں رکھتے چنانچہ
بعضے ایسے ہیں کہ آدمیوں کی خوشنودی کے واسطے یا اُن کے دغا دینے کے واسطے غیب کی خبروں میں
اپنی طرف سے جھوٹ ملاتے ہیں اور تھوڑا بھی جھوٹ نہیں بلکہ ایک بات سچی میں سو جھوٹ اپنی طرف
سے ملاتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں اس بات کی تصریح آگئی ہے اور بعضے ایسے ہیں کہ کام کر دینے
اور حاجت نکال دینے کے بعد تکبر اور غرور کرنے لگتے ہیں اور اپنی خوشامد اور تعریف چاہتے ہیں بلکہ
عبادت کے لوازمات ان لوگوں سے اپنے واسطے طلب کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اپنا نام ایسا
رکھو کہ جس میں ہماری طرف نسبت پائی جاوے جیسے بھوانی داس اور شیو داس اور گر بخش اور اندر بخش
اور اپنے ہر کام میں ہم ہی سے مدد مانگا کرو دوسرے کی طرف التجا مت کیا کرو اور خدا کے رسولوں
کا پیغام جو بدون ہمارے واسطے کے تم کو پہنچاتے ہیں اس کو مت مانو نہیں تو ہم تمہاری وکالت
نہ کریں گے اور اس عہدے سے دست بردار ہوں گے پھر تم محتاج رہو گے کسی سے تمہاری
حاجت روائی نہ ہو سکے گی اور بعضے ان میں سے بہت ہی طماع اور لالچی ہیں بدون رشوت لیے کام میں
ہاتھ نہیں ڈالتے اور ہر کام اور ہر چیز پر کچھ اپنے واسطے مقرر کرا لیتے ہیں جیسے بھیڑ بکری مرغ مرغی کپڑا

نقد پکوان پان پھول ناچ گانا اپنی تعریف اور سوائے اس کے بہت سی چیزیں ہیں جو شرط کر لیتے ہیں اور اس شرط کے پوری کرنے میں اگر آدمی کچھ قصور کرتے ہیں تو اپنے وہم اور خیال کی قوت سے جو ان میں بہت زور پر ہوتی ہے ان آدمیوں کو ایذا دیتے ہیں اور جانی اور مالی نقصان اس کو پہنچاتے ہیں اسی سبب سے ہر ایک کے مرغوبات دوسرے سے جدا ہوتے ہیں اور ایک کی فرمائش دوسرے کی فرمائش کے موافق نہیں ہوتی ہے اور ہر ایک کا مطلب بھی آپس میں تقسیم کر لیا ہے چنانچہ چیچک کے مرض کے دفع کے واسطے ایک کو علیحدہ مقرر کر دیا ہے اور خون کے فساد کی بیماری دفع کرنے اور طبیعت کو صلاحیت پر لانے کے واسطے ایک دوسرا مقرر ہوا ہے اور اسی طرح خبروں کے پہنچانے میں بھی ہر ہر اقلیم اور ہر ہر شہر اور بستیوں کو آپس میں تقسیم کر کے ایک ایک وہاں کا حاکم بن بیٹھا ہے سو اس سبب سے کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ تھے ہم مختلف طریقوں پر اور طرح طرح کی راہوں پر اور آپس کے نفاق اور طمع اور حسد اور تکبر اور خدائی کارخانے میں شرکت کے دعوے کے سبب سے اس خدمت کی لیاقت ہم لوگوں میں بالکل نہ رہی تھی یہ حق تعالیٰ کی عین حکمت ہے جو ہم لوگوں کو اس خدمت سے معزول اور موقوف کیا اور آسمان پر چڑھنے اور دربار میں حاضر ہونے سے ممانعت فرمائی اور بنی آدم کی حاجت روائی کو ہم سے باز رکھا اور ان ہی بنی آدم میں سے بعضوں کو اپنے دربار کی روشناسی سے مشرف کیا تاکہ وہ بعضے یعنی جو مقرب درگاہ الٰہی کے ہیں اپنے ہم جنس کی حاجتوں کی عرض معروض کر کے کارروائی کر لیا کریں اور غیب کی خبروں کو جو دین اور دنیا میں اُن کے کام آویں اور نفع پہنچاویں بغیر تغیر اور تبدل کے سب لوگوں کو پہنچاویں اور بری چیزوں سے ڈراویں اور اچھی چیزوں کی رغبت دلاویں اور اپنے تئیں محض درمیانی کہیں نہ جنوں کی طرح شریک کہیں اور آدمیوں کے قصد اور ہمتیں اور بوجھیں اور مطلب بلا واسطہ اور بلا برزخ اور بلا حجاب کے اپنے خاوند کی طرف پہنچاویں اور رشوت اور نذر اور مزدوری اس کام پر آدمیوں سے نہ لیویں اور ان میں سے ایک شخص کو سردار اور گروہ کا کر دیا اور اس خدمت کے کلی قاعدے اور آئین اپنی مرضی کے موافق اپنے کلام پاک میں اس شخص پر اتارے تاکہ وہ شخص آپ بھی اس پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی اسی آئین پر خبردار کر کے اس پر عمل کرنے کی رغبت دلاوے تاکہ اس آئین پر عمل کرنے کے وسیلے سے اس منصب جلیل القدر کی لیاقت پیدا کر دیں اور ہمیشہ ہر زمانے اور ہر قرن میں اس آئین پر عمل کرنے

کے سبب سے اس عہدے کی لیاقت والے اور اس نشان کے اٹھانے والے پیدا ہوتے رہیں بلکہ جنوں کو بھی ان قاعدوں پر مطلع اور خبردار کر دیا اور ان کی وکالت اور سفارت کو بھی اسی آئین اور قاعدے پر مقرر کیا تاکہ وہ بھی ایک دوسرے کی اعانت اور مدد کر کے اپنے خاوند کے دربار میں روشناس اور عرض کرنے والا کر دیں اور اس قانون پر عمل کرنے کے سبب سے دونوں فرقے انسان اور جنات کی صلاحیت پر آویں اور شرک اور فساد سے نجات پاویں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس طرح مذہبوں کا اختلاف آدمیوں میں پایا جاتا ہے اسی طرح کا اختلاف جنوں میں بھی پایا جاتا ہے اور جن بھی مذہب مختلف رکھتے ہیں چنانچہ بعضے ان میں قدریہ ہیں اور بعضے مرجیہ اور بعضے رافضی اور بعضے خارجی اور بعضے ہندو اور بعضے مجوسی اور بعضے یہودی اور بعضے نصرانی اور سوائے اس کے ہر مذہب والے جن اپنے مذہب والے آدمیوں کے موافق اپنے مذہب کے خبریں پہنچایا کرتے ہیں کبھی خواب میں کچھ دکھا دیا یا کبھی ہوشیاری میں کچھ اُن کے دل میں ڈال دیا اور آدمی یہ جانتے ہیں کہ غیب سے اس مذہب کی تصدیق اور تائید ہوئی اس سبب سے اور گمراہ ہو جاتے ہیں اسی صورت سے ہر مذہب والوں کی اعانت میں لگے رہتے ہیں اور ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی اور بلاؤں کے دفع میں حتی المقدور مدد کرتے ہیں تاکہ ان مذہب والوں کو یہ یقین ہو جاوے کہ یہ مذہب بھی عالم غیب میں کچھ حقیقت رکھتا ہے اور درگاہ الٰہی میں پسند ہے اسی واسطے غیب سے ہماری حاجت روائی میں مدد ہوا کرتی ہے اور ہماری بلائیں دفع ہوا کرتی ہیں سو ان وجہوں سے جنوں کا سفیر اور درمیانی ہونا غیب کی باتیں آدمیوں کو پہنچانے میں طرح طرح کی برائیوں اور گمراہیوں کو مستلزم تھا اور خود جنوں کی بھی گمراہی کا سبب تھا اسی واسطے اس کارخانے کو بالکل موقوف اور بے اعتبار کر دیا اور اگر کسی کو اس جگہ پر شبہ گذرے اور کہے کہ اس کارخانے کے موقوف کرنے اور اس معاملے کے باطل کرنے اور جنوں کو اس خدمت سے معزول کرنے سے کچھ حاصل اور فائدہ نہ ہوا اس واسطے کہ جتنی اس قسم کی چیزیں ہیں وہ سب اب بھی بنی آدم میں رائج اور پھیلی ہوئی ہیں غیب کی باتیں اب بھی لوگ ان سے پوچھا کرتے ہیں اور اپنے مشکل کاموں میں اُن سے مدد مانگا کرتے ہیں اور غیر اللہ کا تقرب اور شرک کیا کرتے ہیں اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ معزول کو منصوب بوجھنا اور اس کے مکر اور فریب اور دغابازی میں پھنسنا اور اپنے کاموں کو اس کی طرف رجوع کرنا یہ سب اپنا قصور اور نادانی ہے آدمیوں کو لائق یہ

تھا کہ اس فرقے کی معزولی اور موقوفی کی خبر جو سُنی تھی تو ان سے دست بردار ہوتے اور ان کی طرف رجوع نہ کرتے جو کہ بیل دربار سے نکالا گیا اور وہاں جانے کی بھی ممانعت ہوگئی اس کی طرف اپنے مقدمے کو رجوع کرنا اور اپنے معاملے کے سوال و جواب کے واسطے اس کو واسطہ گردانتا کمال نادانی اور حماقت پر دلالت کرتا ہے قرآن شریف میں اس فرقے کی معزولی اور موقوفی اور اس کارخانے کا باطل اور بیکار محض ہو جانا ہزار جگہ سے زیادہ ذکر ہو چکا ہے پھر سُننے کو ان سُنا کر دینا اور دیکھ بھال کے اندھے بن جانا اس رسولؐ کی ہدایت اور تبلیغ میں کیا قصور ہے اب رہی یہ بات کہ جو اس خدمت سے اس فرقے کو موقوف کیا تھا پھر ان کو عالم غیب میں دخل دینا کیا ضرور تھا تاکہ وہاں کی خبروں پر یہ مطلع ہو ویں اور لوگوں کی مدد اور حاجت روائی ظاہر میں کر کے ان کو خراب کریں سو اس کا جواب یہ ہے کہ عالم غیب کی خبروں پر کچھ نہ کچھ خبردار ہونا جنوں کی پیدائشی بات ہے اور اسی طرح بڑے مشکل کام کرنا جو آدمی سے نہ ہو سکیں جیسے کوئی بہت بھاری چیز اُٹھا لینا اور تاثیریں جیسے خوفناک شکل سے ڈرا دینا اور آدمی کے بدن یا روح کو ضرر پہنچانا جیسے بدن کو زخمی کر دینا اور دل میں وسوسہ ڈال دینا یہ سب چیزیں جنوں کی خلقت کے لوازمات سے ہیں ایسے علم اور اس قسم کے عملوں کی قدرت کو جنوں سے لے لینا گویا ان کو خلقت سے خارج کر دینا ہے اور وکالت اور سفارت کی خدمت سے موقوف کرنے کو یہ بات لازم نہیں ہے کہ یہ چیزیں بھی اُن سے لے لی جاویں جس طرح آدمی کو کسی کام سے موقوف کرنا اس بات کو لازم نہیں ہے کہ اس کی آنکھ بھی پھوڑ دینا تاکہ اندھا ہو کے بیٹھے غرض اس خدمت کی موقوفی سے یہ ہے کہ بنی آدم اُن کی طرف اب رجوع نہ کریں اور اُنسے مدد نہ چاہیں اور غیب کی خبر نہ پوچھیں اگرچہ بعضے کام میں یہ مدد کر سکتے ہیں اور بعضی غیب کی بات کو ان کو معلوم ہو سکتی ہے لیکن بنی آدم کو ان سے احتراز کرنا واجبات سے ہے اور اُن سے رجوع کرنا اپنے خاوند کی عدول حکمی ہے چنانچہ اس کارخانے کی موقوفی اور اس خدمت کی معزولی کے سبب سے لاکھوں کڑوروں آدمیوں کو اُن کے فریب اور دغا بازی سے مخلصی حاصل ہوئی گو کہ بعضے بیوقوف اب تک اُن کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں اس واسطے کہ ہر ہر فرد بنی آدم کی ہدایت اصل سے منظور نہیں ہے اور حکمت بھی اس بات کو نہیں چاہتی ہے تاکہ بھلے بُرے کا فرق ظاہر رہے فقط اور کلام الٰہی کے سُنتے ہی اس کو مان لینا اور باوجود اپنی قوم کی معزولی دریافت کرنے کے ایسی عمدہ خدمت سے جو اس کلام سے بوجھی جاتی تھی نفسانیت

کو دخل نہ دینا اور اس کلام کا انکار اور مخالفت نہ کرنا ان لوگوں کی طرح سے جو عقل نور رکھتے ہیں لیکن معصوم نہیں ہیں اور طبیعت کے تقاضے سے کبھی ایسی جگہ پر نفسانیت کی راہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں جن ہوں یا انسان لیکن ان جنوں نے جنہوں نے کلام الٰہی سُنا تھا ایسا نہ کیا بلکہ سُنتے ہی فرمانبردار ہو گئے اور اس فرمانبرداری بے تکراری کی وجہ میں یہ بھی بیان کیا کہ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اور یہ کہ ہم نے گمان کیا اس بات کا کہ اگر اس کلام پر ہم ایمان نہ لاویں گے اور اپنے خاوند کی فرمانبرداری سے انکار کریں گے اور اس خدمت سے معزول ہونے پر ہم راضی نہ ہوں گے تو بلاشبہ ہمارا پروردگار ہم پر غصہ ہوگا اور ہم کو اسمیں مواخذہ کرے گا اور پکڑے گا اور پھر اس صورت میں ہم کو یقین ہے کہ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے ہم خدا کو زمین میں چھپ کے یعنی کہیں اندھیرے مکان میں چھپ کے یا بڑے جنگل میں بھاگ کے یا کسی غار اور کوہ میں گھس کے اس سے بچ رہیں گے جس طرح ہم عمل پڑھنے والوں اور موکلوں کے ساتھ ایسے حیلے اور فریب کر کے ان کو عاجز کر کے تھکا دیتے ہیں وَّلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ اور یہ بھی ہے کہ ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے ہم اس کو بھاگ کے ادھر میں آسمان اور زمین کے جس طرح فرشتوں کو آگ کے انگارے مارنے کے وقت جلدی بھاگنے سے عاجز کر دیتے ہیں کہ وہ ہم کو نہیں پاتے ہیں اور انگارا ہم تک نہیں پہنچتا ہے اور اس جگہ پر اگرچہ مقام یقین قطعی کا تھا لیکن جنوں نے ظن کو استعمال کیا اور انا ظننا کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام الٰہی کی تصدیق اور احکام الٰہی کی قبولیت اور اپنی خدمت کی موقوفی میں ظن غالب کفایت کرتا ہے کچھ احتیاج یقین قطعی کی نہیں ہے چنانچہ معاملات دنیاوی میں لوگوں کے درمیان بھی یہی رائج اور دستور ہے کہ جہاں کسی کے مقابلے سے اپنی عاجزی کا ظن غالب ہوا تو اس کی تابعداری قبول کر لیتے ہیں قطعی یقین حاصل کرنے کی انتظاری نہیں کرتے والّا کام ہاتھ سے جاتا رہے اور پھر کچھ تدبیر بن نہ پڑے اور یہاں تو یقین قطعی حاصل ہے اسواسطے جنوں نے ذکر کیا کہ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ اور یہ کہ جس وقت سُنا ہم نے ہدایت کے مضمون کو اس قرآن میں تو اسی وقت بلا مہلت ایمان لائے ہم اس پر اس واسطے کہ اس کلام کے سُننے کے بعد تاخیر کرنے میں حق تعالیٰ کے غصے اور غضب کا خوف تھا اور اس کے غضب سے بھاگ بچنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے اور اگر ہماری قوم ہم سے کہے گی کہ جلدی ایمان لانے کے سبب سے اپنے ظن غالب کے بموجب غضب الٰہی کے

خوف سے تو تم نے نجات پائی لیکن سر دست تمہارا بڑا نقصان ہوا کہ نذر نیاز آدمیوں سے جو ملتی تھی سو موقوف ہوئی اور اس وکالت کے سبب سے جو رشوت لیتے تھے اس کا بھی دروازہ بند ہوا اور ذلت اور رسوائی بھی بہت حاصل ہوئی کہ ایسے عہدۂ جلیل القدر سے تم کو موقوف کیا اور تم نے اس عہدے کی بحالی کی کچھ تدبیر نہ کی چپ ہو کر بیٹھ رہے اور ایسی عمدہ خدمت ہاتھ سے نکل گئی تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ان چیزوں سے جو تم نے بیان کیں ہم کو کچھ خوف نہیں ہے اس واسطے کہ ہمارے ایمان کامل نے ہم کو سب چیزوں سے بے خوف کر دیا ان کی کچھ بھی پروا ہم کو نہ رہی فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ پھر جو کوئی ایمان لاوے گا اپنے پروردگار پر وہ ہرگز نہ ڈرے گا مال کے نقصان سے اور نہ ذلت اور بے حرمتی اور بے آبروئی سے اس واسطے کہ حق تعالیٰ اس کو ایمان کی برکت سے اس نقصان کے عوض میں دوسری طرح نوازے گا اور مال کے حاصل ہونے کا کوئی دوسرا سبب کر دے گا اور ثواب علاوہ اس کے ملے گا اور اس ذلت اور بے حرمتی کے عوض میں ہمیشگی کی عزت اور مرتبہ عنایت کرے گا اور عرب کی اصطلاح میں رہق اس ذلت حاصل ہونے کو کہتے ہیں جو آدمی پر چھا جاتی ہے اور اس کو ڈھانک لیتی ہے جیسے کپڑا بدن کو ڈھانک لیتا ہے چنانچہ دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ یعنے ڈھانکے لیتی ہے ان کو رسوائی اور اس قرآن شریف پر اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر باوجود ایسے قوی سببوں کے اور ایسے قادر زبردست کی پکڑ کے خوف کے کہ کسی کو اس کے مواخذے سے بچاؤ اور خلاصی ممکن نہیں ہے جنوں نے تعجب کر کے یہ بھی ذکر کیا کہ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ اور یہ کہ ہم میں سے بعضے حکم الٰہی کے مطیع منقاد ہونیوالے ہیں اور اپنی ایسی عمدہ خدمت کے معزول ہونے پر راضی ہو کر اپنے خاوند کے حکم کی فرمانبرداری پر مستعد ہو گئے اور تابعداری کی راہ پر چلنے لگے اور اس کلام پر ایمان لائے اور جو جو معاملے آدمیوں سے رکھے تھے ان سب سے دست بردار ہوئے بلکہ نہایت انصاف کی راہ چلے کہ اپنی معزولی کی خبر آپ آدمیوں سے پکار کر کہدی اور پیغمبر آخر الزماں کی خدمت میں خود آن کر حاضر ہوئے اور ان کی پیروی کو اپنے اوپر واجب جانا چنانچہ بہت سے جنات جو عرب کے جزیروں میں رہتے تھے انہوں نے یہی طور اختیار کیا تھا کہ خود حاضر ہو کر ایمان لاتے تھے چنانچہ بہت سی حکایتیں تواتر کے طور پر اس مقدمے

میں جنوں سے منقول ہیں اُن ہی حکایتوں میں سے ایک حکایت وہ ہے جو حضرت امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح بخاری اور دوسری کتابوں میں روایت آئی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں ایک روز اپنے بتوں کے پاس بیٹھا تھا اسوقت ایک شخص ایک بچہ گائے کا بتوں کی نذر کے واسطے لایا اور اُس کو وہاں ذبح کیا اس وقت ایک بُت کے اندر سے ایک آواز بہت سخت نکلی کہ میں نے کبھی ایسی آواز نہ سُنی تھی اور ہر خاص وعام نے وہاں اُس آواز کو سُنا وہ کہتا تھا یَاجَلِیحُ اَمْرٌ نَجِیحٌ رَجُلٌ یَصِیحُ یَقُوْلُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنے اے قوت والے آدمی ایک ایسا کام ظاہر ہوا ہے جس میں مطلب کی بات ہے ایک شخص پکار کر کہتا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ جتنے لوگ وہاں تھے سب بھاگے لیکن میں وہاں کھڑا رہا کہ دیکھوں یہ کس کی آواز ہے پھر دوسری مرتبہ میں نے وہی آواز سُنی اور تیسری مرتبہ بھی وہی آواز ہوئی مجھ کو نہایت حیرانی ہوئی کہ یہ امر کیا ہے پھر لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہاں ایک شخص پیغمبر ظاہر ہوا ہے اور لوگوں کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تعلیم کرتا ہے اور اسی طرح کی حکایت ایک بڈھے سے مجاہدؒ روایت کرتے ہیں کہ وہ بڈھا کہتا تھا کہ ایک روز میں ایک گائے کو ہانکے لیے جاتا تھا یکایک ایک آواز میں نے سُنی کہ کوئی کہتا ہے۔ یَاالذَرِیحُ قَوْلٌ فَصِیحٌ رَجُلٌ یَصِیحُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنے اے لذریح بات اچھی اور کھلی ہے ایک شخص پکار کر کہہ رہا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ بعد اس کے شہر مکے میں جو میں پہنچا تو وہاں سُنا کہ یہاں ایک پیغمبر مبعوث ہوا ہے اور وہ بھی یہی کلمہ کہتا ہے اور اسی طرح بیہقی نے سواد بن قاربؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا آشنا تھا اور ہونیوالی چیزوں کی مجھ کو خبر دیا کرتا تھا اور میں اُس کے کہنے کے بموجب لوگوں سے کہا کرتا تھا اور وہ خبریں اکثر سچی ہوا کرتی تھیں اس سبب سے نذر نیاز مجھ کو بہت ملا کرتی تھی ایک رات کو میں سوتا تھا کہ وہ جن میرا آشنا آیا اور کہا اُٹھ اور بوجھ اگر تجھ کو عقل اور شعور ہے کہ ایک شخص لوی بن غالب کی اولاد سے پیدا ہوا ہے پھر یہ کئی بتیں پڑھیں۔ نظم۔ عَجِبْتُ لِلْجِنِّ وَاَذْهَاسِهَا + وَشَدِّهِنَّ الْعِيْسَ بِاَحْلَاسِهَا تَهْوِىْ اِلٰى مَكَّةَ تَبْغِى الْهُدٰى + مَا مُؤْمِنُوْهَا مِثْلَ اَرْجَاسِهَا + فَانْهَضْ اِلَى الصَّفْوَةِ مِنْ هَاشِمٍ + وَاسْمُ بِعَيْنَيْكَ اِلٰى رَاْسِهَا یعنی تعجب آتا ہے مجھ کو جنّات کے احوال اور ان کی بیقراری سے کجاوے اور زین باندھنے سے اُن کے اونٹوں پر سفر کرنے کے واسطے جاتے

ہیں مکہ کی طرف ہدایت کی تلاش میں ایمان دار اور جنات نہیں ہیں مانند اُن کے ناپاکوں کے تو بھی اُٹھ
اور چل اس شخص کی طرف جو چُنا ہوا ہے بنی ہاشم سے اور بلندی کر اپنی دونوں آنکھوں کو ہمارے قبیلے
کے سرداروں کی طرف مطلب اس کا یہ تھا کہ ہماری قوم اور سب سردار مکہ معظمہ کو جانتے ہیں ایمان لانے
کو تو بھی جا اور ایمان لا۔ سوادؓ کہتے ہیں کہ ان بتیوں کے سُننے سے میں جاگ پڑا اور تمام رات اسی تشویش
میں گذری کہ یہ ماجرا کیا ہے پھر دوسری رات کو بھی اس طور سے آکر مجھ کو جگا کر وہی بتیں پڑھیں اور
اور چلا گیا اور اسی طرح تیسری رات کو بھی جب تین رات پے در پے مجھ پر یہی ماجرا گذرا تو میرے دل
میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی اور مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی حضوری میں حاضر ہوا میں اور آپ کے جمال باکمال کے دیدار سے مشرف ہوا تو مجھ کو دیکھتے ہی آپ
نے فرمایا مرحبا اے سواد بن قارب مجھ کو معلوم ہے جو چیز تجھ کو یہاں لائی ہے میں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ
میں نے کچھ بتیں آپ کی مدح میں کہی ہیں پہلے آپ ان بتیوں کو مجھ سے سُن لیجیے آپ نے فرمایا
پڑھ۔ سوادؓ بن قارب نے قصیدہ بائیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں کہا تھا اُسے پڑھا
اُس قصیدہ کی آخر بیت یہ ہے وَكُنْ لِي شَفِيعًا يَوْمَ لَا ذُو شَفَاعَةٍ - سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ
بْنِ قَارِبٍ یعنے اور ہونا واسطے میرے شفیع جس دن نہ ہوگا کوئی صاحب شفاعت کا تیرے سوا اور
کوئی کام آنے والا سواد بن قارب کے اور یہ بھی بیہقی نے روایت کی ہے کہ عمان کے ملک میں
مازن طائی بتوں کی خدمت پر مقرر تھا ان بتوں میں ایک بُت تھا اس کو ناجر کہتے تھے سو مازن کہتا ہے
کہ ایک روز میں نے اُس بُت کے واسطے ایک جانور ذبح کیا اس وقت ایک آواز اس بُت کے اندر
سے سُننے میں آئی یہ کہتا تھا یا مَازِنُ أَقْبِلْ إِلَيَّ أَقْبِلْ + تَسْمَعْ مَا لَا تَجْهَلْ هٰذَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ +
جَاءَ بِحَقٍّ مُنْزَلٍ فَآمِنْ بِهِ كَيْ تَعْدِلْ + عَنْ حَرِّ نَارٍ تَشْعَلْ وَقُودُهَا بِالْجَنْدَلِ + یعنے
اے مازن متوجہ ہو میری طرف متوجہ ہو سُن ایسی چیز جس کو جہل اور نادانی میں نہ رکھا چاہیے یہ پیغمبر ہے
بھیجا گیا لایا ہے حق جو اتارا گیا ہے سو ایمان لا اس پر تا کہ کنارا پکڑے تو آگ کی گرمی سے جو لپک والی
ہے جس آگ کا ایندھن پتھر ہیں لکڑی کی جگہ مازن کہتا ہے کہ یہ آواز سُن کے مجھ کو نہایت تعجب ہوا
پھر دوسرا ایک جانور ذبح کیا میں نے پھر دوسری مرتبہ اس سے بھی زیادہ کھلی ہوئی واضح آواز
اس بُت سے سُنی میں نے کہ کہتا تھا یا مَازِنُ اسْمَعْ تُسَرّ خَيْرٌ ظَهَرَ وَبَطَنَ شَرٌّ + بُعِثَ نَبِيٌّ

مِنْ مُضَرَ - بِدِیْنِ اللّٰہِ الْاَکْبَرُ - فَدَعْ نَحِیْتًا مِنْ حَجَرٍ - تَسْلَمْ مِنْ حَرِّ سَقَرْ یعنی
اے مازن سن کہ بھلائی ظاہر ہو گئی اور چھپ گئی بدی اٹھایا گیا ہے ایک پیغمبر مضر کے قبیلے سے دین
خدا پر ایسا خدا جو بہت بڑا اور بزرگ ہے سو چھوڑ بُت کو جس کو پتھر سے تراش کے بنایا ہے تاکہ بچے تو
آگ سے دوزخ کی ۔ مازن رض کہتے ہیں کہ اسی وقت سے میں اس خبر کی تلاش میں ہوا کہ مضر سے کون پیغمبر
مبعوث ہوا ہے یہاں تک کہ قافلہ حجاز کا ان دنوں میں وہاں آیا اُن سے میں نے پوچھا اُدھر کی خبر کیا ہے
ان لوگوں نے کہا کہ تہامہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے اس کو لوگ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اور وہ
اپنے تئیں داعی الی اللہ کہتے ہیں میں پہچانا کہ اس آواز کی تعبیر یہی ہے پس زاد و راحلہ یعنی سفر کا سامان تیار
کر کے مکے کی طرف روانہ ہوا میں وہاں پہنچ کر آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا جمال باکمال دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف مائل ہوا پھر اسلام لایا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ اگر کچھ تمہارا مطلب ہو تو کہو میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے تین مقصد ہیں
اوّل تو یہ ہے کہ مجھ کو راگ سُننے اور ناچ دیکھنے اور شراب پینے اور زنا کرنے کی لت ہو گئی ہے اور
دوسرا یہ کہ میری اولاد نہیں ہے اور مجھ کو اولاد کی نہایت آرزو ہے اور تیسرا یہ کہ ہمارے مُلک میں
قحط پڑا ہے سو ان تینوں چیزوں میں آپ سے دُعا چاہتا ہوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
زبان فیض ترجمان سے حق تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کی کہ اے بار خدایا اس کو راگ اور باجے کے عوض
میں قرآن شریف پڑھنے کی توفیق دے اور حرام کاری سے بچا اور اس کے عوض میں حلال عورتیں اس کو
عنایت کر اور صاحب حیا اور صاحب شرم کر دے اسکو اور اپنے فضل سے اسکو اولاد عنایت کر اور قحط کو دور کر مازن رض کہتے
ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپکی دُعا کی برکت سے سب برائیاں مجھ سے دور کیں اور اچھائیاں نصیب ہوئیں ملک ہمارا آباد اور سرسبز ہوا
اور چار عورتیں خوبصورت میرے نکاح میں آئیں اور لڑکا بہت قابل مجھ کو حق تعالیٰ نے دیا چنانچہ
حیان بن مازن رض مشہور ہیں اور اسی طرح امام احمد رح نے حضرت جابر بن عبد اللہ رض سے اور ابو نعیم رح نے
حضرت ضمرہ رض سے روایت کی ہے اور بیہقی نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ارسال
کے طور پر اس قصّہ کو ذکر کیا ہے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر مدینہ منورہ میں اس سبب
سے پہنچی تھی کہ ایک عورت مدینے والوں کی کسی ایک جن کے ساتھ تعشق رکھتی تھی اور وہ جن ہمیشہ
رات کو اس کے پاس آتا تھا اور اکثر پرند جانور کی شکل پکڑ کے اُس کی دیوار پر آبیٹھتا تھا پھر جب تنہائی

ہوتی تھی تب آدمی کی شکل بن کے اُس عورت سے صحبت کرتا تھا پھر یکایک چند روز اُس کا آنا موقوف ہو گیا پھر تھوڑی مدت کے بعد اُسی پرند جانور کی شکل سے اُس کی دیوار پر آبیٹھا اس عورت نے اُس کو دیکھتے ہی پہچانا اور کہا آؤ یار اتنے دنوں کہاں رہے جو ہمارے پاس نہ آئے اُس نے کہا کہ اب ہمارے تمہارے جدائی ہے ہمارے آنے کی امید اب مت رکھو اس واسطے کہ مکہ معظمہ میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے اس نے ہم پر زنا کو حرام کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا ماجرا شام میں دیکھا تھا چنانچہ ابونعیمؒ نے اُن سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم ایک مرتبہ شام کی طرف گئے تھے سو اُس طرف ایک عورت بڑی کاہنہ مشہور تھی بلکہ اس فن میں کمال رکھتی تھی ہم بھی اُس کی ملاقات کیواسطے گئے اور اپنے سفر کا حال اُس سے پوچھا کہ آگے کیا ہوگا اُس نے کہا کہ اَب مجھ کو کچھ معلوم نہیں ہوتا اس واسطے کہ جس جن سے مجھ سے دوستی تھی اور اُس سے احوال دریافت کر کے میں سب کو جواب دیتی تھی سو وہ جن ایک دن آکے میرے دروازے پر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اَب ہم رخصت ہوتے ہیں میں نے اُس سے پوچھا کس واسطے اُس نے کہا کہ خَرَجَ اَحْمَدُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ جَآءَ اَمْرٌ لَا یُطَاقُ یعنے ظاہر ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آیا حکم جن کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے یہ کہہ کے چلا گیا اور پھر نہ آیا اور اسی طرح ابن شاہین اور دوسرے محدثوں نے ذباب ابن الحارث سے روایت کی ہے کہ وہ کہتا تھا کہ ایک جن میرا آشنا تھا اور غیب کی خبریں مجھے بتایا کرتا تھا ایک دن وہ آیا میں نے اُس سے کچھ پوچھا اُس نے حسرت سے میری طرف دیکھا اور کہا نظم یَا ذُبَابُ یَا ذُبَابُ اِسْمَعِ الْعَجَبَ الْعُجَابْ + بُعِثَ مُحَمَّدٌ بِالْکِتَابْ + یَدْعُوْا بِمَکَّۃَ فَلَا یُجَابْ - یعنے اے ذباب سن بڑے تعجب کی بات کہ مبعوث ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ کتاب کے ساتھ بلاتے ہیں اللہ کی طرف مکہ میں پھر نہیں جواب دیے جاتے ہیں یعنی ان کی بات کوئی نہیں سنتا ذباب کہتا ہے کہ میں نے اس سے کہا کہ تو کیا کہتا ہے سوال دیگر جواب دیگر اُس نے کہا کہ تھوڑے دنوں میں میری بات کو بوجھے گا وہ یہ کہہ کے اُٹھ گیا پھر چند روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی خبر مجھ کو پہنچی اور اسی طرح عمرو بن شیبہ نے جموع بن عثمان غفاری سے بھی روایت کی ہے کہ بنی غفار کے قبیلے میں ایک کاہن تھا اس کا بھی ایک جن یار تھا وہ جن بھی اسی طرح جواب دے کر رخصت ہو کر چلا گیا اور ابونعیمؒ نے بھی روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی

اللہ عنہ اپنی مجلس میں گفتگو کرتے بیٹھے تھے ایک شخص آیا آپ نے اُس سے پوچھا کہ تیرے قیافے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو کاہن تھا اور جنوں سے صحبت رکھتا تھا اُس نے کہا کہ ہاں آپ نے کہا بھلا اب بھی جنوں سے صحبت میسر ہوتی ہے اُس نے کہا اب نہیں ہوتی دین اسلام کے ظہور سے پہلے میری صحبت والے جن میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ یَاسَانُ ظَهَرَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ وَالْخَيْرُ الدَّائِمُ غَيْرُ حُلْمِ النَّائِمِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ یعنے اے سالم حق کھلا اور بہتری ہمیشگی کی ظاہر ہوئی یہ بات خواب پریشان سونے والے کا نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا اور بزرگ ہے ایک شخص دوسرا اُس مجلس کے حاضروں میں سے بولا کہ مجھ کو بھی اسی طور کا اتفاق ہوا کہ ایک دن میں ایک بیابان کے چٹیل میدان میں چلا جاتا تھا اور کوئی آدمی گرد و پیش میرے نہ تھا یکایک ایک ناقہ سوار میرے سامنے نمود ہوا اور پکار کر یہ کلمے کہے یَا اَحْمَدُ یَا اَحْمَدُ اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَمْجَدُ اَتَاكَ مَا وَعَدَكَ مِنَ الْخَيْرِ يَا اَحْمَدُ اللہ بہت برتر اور بزرگ ہے آیا تجھ کو جو تجھ سے وعدہ کیا تھا بہتری سے اے احمد اور پھر نظر سے میری غائب ہو گیا ایک شخص دوسرا انصاریوں میں سے اسی مجلس میں حاضر تھا اُس نے کہا کہ مجھ کو بھی اسی قسم کا ماجرا درپیش آیا تھا چنانچہ شام کی طرف میں گیا تھا ایک دن ایسی زمین پر میرا گذر ہوا کہ نہ وہاں پانی تھا نہ گھانس یکایک میں نے پیچھے سے ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے قَدْ لَاحَ نَجْمٌ فَاَضَاءَ مُشْرِقَهُ يُخْرِجُ مِنْ ظِلِّهِ عَرْفُ مُوْلِقِهِ ذٰلِكَ رَسُوْلُ مُفْلِحٍ مَنْ صَدَّقَهُ اَللّٰهُ اَعْلٰى اَمْرَهٗ وَحَقَّقَهٗ یعنے تحقیق ظاہر ہوا وہ ستارہ جس نے روشن کر دیا مشرق اپنے کو نکلتی ہے سایہ اُس کے سے خوشبو کہ روشن کرتی ہے اس کو یہ رسول ہے بہتری کو پہنچے گا جس نے سچا جانا اُس کو اللہ نے بہت بلند کیا کام اس کا اور ثابت کیا اس کو اور اسی طرح فاکہی نے بھی مکہ کے اخبار میں عامر بن ربیعہ سے اور ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور دوسرے محدثوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور دوسرے صحابیوں سے روایت کی ہے کہ ایک دن جبل ابو قبیس پر ایک جن نے آکے بہت سخت آواز کی اور چند بیتیں پڑھیں اس میں دین اسلام کی ہجو تھی اور یہ مضمون تھا کہ مسلمانوں کو جلدی قتل کرنا چاہیے اور شہر سے نکال دینا اور بت پرستی کو ہرگز نہ چاہیے چھوڑنا کفار اس مضمون سے بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہنے لگے دیکھو تمہارے قتل اور شہر بدر کرنے کا حکم غیب سے بھی آیا مسلمانوں کو بہت رنج ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب خاطر جمع رکھو یہ آواز ایک شیطان کی تھی مسعر اس کا نام ہے سو عنقریب حق تعالیٰ اس کو سزا دیتا ہے جب تیسرا دن ہوا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خوشخبری دی اور فرمایا کہ آج ایک ولیو بڑا زور آور میرے پاس آیا اور مسلمان ہوا اس کا نام سمحج تھا میں نے اس کا نام عبداللہ رکھ دیا اس نے مجھ سے کہا کہ اگر حکم ہو تو مسعر کو قتل کر دوں سو میں نے اجازت دی انشاء اللہ تعالیٰ آج مسعر جہنم واصل ہوگا مسلمانوں کو بہت خوشی حاصل ہوئی اور اس خوشخبری کے منتظر ہوئے شام کے وقت اسی پہاڑ سے ایک آواز بہت سخت سنی کہ کوئی کہتا ہے نَحْنُ قَتَلْنَا مُسْعِرًا ۔ لَمَّا طَغٰی وَاسْتَکْبَرَ صَغَّرَ ۔ وَصَغَّرَ الْحَقَّ وَسَنَّ الْمُنْكَرَا نَبِيَّنَا الْمُطَهَّرَ ابْشَتْمِهٖ اَوْرَدْتُهٗ سَیْفًا جَزُوْمًا مُبَتِّرًا اِنَّا نَدُوْدُ مَنْ اَرَادَ الْبَطَرَا ۔ یعنی میں ہوں جس نے قتل کیا مسعر کو جب کہ سرکشی کی اس نے اور تکبر کیا اور جھوٹا جانا اس نے حق کو اور طریقہ ڈالا بوجہ برا کہنے اس کے نبی ہمارے کو جو پاک ہے رنگین کیا ہم نے اس کے خون سے تلوار کو جو بڑی کاٹو اور جڑ سے قطع کرنے والی ہے ہم منع اور رد کریں گے اس کو جو ارادہ کرے گا تکبر اور غرور کا اور اسی طرح ابن سعد نے کتاب شرف المصطفےٰ میں جندل بن ثعلبہؓ سے روایت کی ہے کہ جندل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ میرا ایک جن دوست تھا غیب کی خبریں مجھے پہنچایا کرتا تھا ایک رات کو گھبرایا ہوا آیا اور مجھ کو سوتے سے جگایا اور کہنے لگا هَبْ فَقَدْ لَاحَ سِرَاجُ الدِّيْنِ بِصَادِقٍ مُهَذَّبٍ اَمِيْنٍ فَارْحَلْ عَلٰى بَاذِلٍ اَمُوْنٍ تَمْشِيْ عَلَى الصَّحْصَحِ وَالْحُزُوْنِ یعنی بیدار ہو پس تحقیق روشن ہوا چراغ دین کا سچا اور آراستہ اور امانت دار سو کوچ کر مضبوط اونٹ پر سوار ہو کے چل اوپر راہ برابر اور خراب کے جندلؓ نے کہا کہ یہ عبارت مسجع اس کی سن کے میں دہشت سے اٹھ بیٹھا اور پوچھا میں نے کہ ہے کیا صاف کہہ پھر اس نے کہا وَسَاطِحِ الْاَرْضِ وَفَارِضِ الْفَرْضِ لَقَدْ بُعِثَ مُحَمَّدٌ فِي الطُّوْلِ وَالْعَرْضِ نَشَاَ فِي الْحُرُمَاتِ الْعِظَامِ وَهَاجَرَ اِلَى الطَّيْبَةِ الْاَمِيْنَةِ یعنے قسم ہے بچھانے والے زمین کی اور لازم کرنے والے فرض کی ہر آئینہ رسول کر کے بھیجے گئے محمدؐ تمام جہان پر پیدا ہوئے حرم بزرگ میں اور ہجرت کی طرف طیبہ امینہ کے یعنی مدینہ کی طرف جندلؓ کہتے ہیں کہ یہ خبر سنتے ہی میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا راہ میں پھر ایک ہاتف نے مجھے آواز دی کہ شعر يَا اَيُّهَا الرَّاكِبُ

المُرخِي مَطِيَّتَهُ نَحْوَ الرَّسُولِ لَقَدْ وُفِّقْتَ لِلرُّشْدِ۔ یعنے اے سوار پھیرنے والے سواری اپنی کو طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر آئینہ تحقیق توفیق دیا گیا تو طرف ہدایت کے اور اسی طرح ابن کلبیؒ نے عدی ابن حاتم طائیؓ سے روایت کی ہے کہ عدی کہتے تھے کہ میرا ایک نوکر تھا بنو کلب کے قبیلے کا اس کو جالس بن وغنہ کہتے تھے ایک دن میں گھر کے باہر بیٹھا تھا یکایک اس کو دیکھا میں نے کہ کچھ دہشت کھایا ہوا حواس باختہ آتا ہے میں نے پوچھا کیا ہوا تجھ کو خیر ہے اس نے کہا کہ یہ اونٹ اپنے مجھ سے لو اور نوکری سے مجھ کو معاف کرو میں نے اس سے کہا کہ کچھ ہم سے قصور ہوا جو تم نوکری چھوڑے دیتے ہو اس نے کہا کچھ نہیں لیکن میرے اوپر ایک حادثہ گذرا ہے اس سبب سے میں چھوڑتا ہوں اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمہارے اونٹ لے کر میں چراگاہ میں گیا تھا وہاں دیکھا میں نے کہ ایک شخص بڈھا پہاڑ کی گھاٹی سے نکل آیا سر اس کا گول لوکا سا اور طول اور عرض کا حال کچھ نہ پوچھو کہ کس قدر تھا پہاڑ کی چوٹی سے سر اسکا باتیں کرتا تھا اور دونوں پاؤں اس کے پہاڑ کی جڑ میں لگے تھے سو اس نے مجھ کو پکارا اور کہا کہ یَا جَالِسَ بْنَ وَغْنَةَ یَا جَالِسُ لَا يَعْرِضَنَّ لَكَ الْوَسَاوِسُ هٰذَا سَنَا النُّوْرِ بِكَفِّ الْقَابِسِ فَاجْنَحْ إِلَى الْحَقِّ وَلَا تُوَاجِسْ

یعنے اے جالس بن وغنہ نہ باز رکھیں تجھ کو وسوسے یہ دیکھ روشنی پھیلی ہوئی اس نور کی ہے جس کے ہاتھ میں مشعل ہے سو رجوع کر حق کی طرف اور دل میں کچھ دغدغہ مت کر اتنا کہہ کر غائب ہو گیا میں اس خوف سے وہاں ٹھہر نہ سکا اونٹوں کو دوسری چراگاہ میں لے گیا اور ایک درخت کے نیچے لیٹا میں کہ ذرا آرام کروں جوں ہی میری آنکھ لگی وہیں کسی نے مجھ کو ایک ٹھوکر پاؤں سے ماری میں چونک پڑا دیکھتا کیا ہوں کہ وہی بڈھا کھڑا ہے اور کہتا ہے یَا جَالِسُ اسْمَعْ مَا أَقُوْلُ تُرْشَدُ: لَيْسَ ضَلُوْلٌ حَائِرٌ كَمُهْتَدِ، لَا تَتْرُكَنَّ نَهْجَ الطَّرِيْقِ الْأَقْصَدِ: قَدْ نُسِخَ الدِّيْنُ بِدِيْنِ أَحْمَدَ۔ یعنی اے جالس سن جو کہتا ہوں میں تاکہ راہ پاوے تو نہیں ہے گمراہ متحیر ہدایت پانے والے کے مانند مت چھوڑ چلنا راہ سیدھی کا تحقیق ناسخ ہوئے سب دین دین احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ابو نعیم اور ابن عساکر نے بنی خثعم کے قبیلے کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ وہ کہتا تھا کہ اہل عرب کا دستور ایسا تھا کہ کچھ بھی حرام اور حلال نہیں پہچانتے تھے اور بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے اور اگر آپس میں کچھ جھگڑا یا قصہ ہوتا تھا تو اس کے فیصلے کے واسطے بھی بتوں

کے روبرو مودّب ہوکر بیٹھتے تھے پھر ان بتوں کے اندر سے جو آواز ہوتی تھی اس کو ہاتف غیب کی صدا تصوّر کرکے اسُی کے موافق عمل کرتے تھے سو مجھے بھی اسی دستور کے بموجب ایک جھگڑے میں ایک رات کو بُت کے اندر سے یہ آواز آئی کہ یَا اَیُّھَا النَّاسُ ذُوُالاَجْسَامِ + وَمُسْنِدُوْا الْحُکْمِ اِلَی الْاَصْنَامِ + مَا اَنْتُمْ وَطَائِشُ الْاَحْلَامِ + ھٰذَا نَبِیٌّ سَیِّدُ الْاَنَامِ + اَعْدَلُ ذِیْ حُکْمٍ مِنَ الْحُکَّامِ + یَصْدَعُ بِالنُّوْرِ وَبِالْاِسْلَامِ + وَیَنْزَعُ النَّاسَ عَنِ الْاٰثَامِ۔ یعنی اے وہ لوگو جو اپنے جھگڑوں کو بتوں کے سامنے فیصلے کے واسطے لاتے ہو کیا ہوا ہے تم کو جو ایسے عقل کے ہلکے ہوگئے ہو یہ نبی ہے جو سردار ہے تمام مخلوقات کا بڑا عادل ہے سب جہان کے حاکموں سے ظاہر کرتا ہے نور اور اسلام کو اور منع کرتا ہے لوگوں کو گناہوں سے یہ آواز سُنتے ہی ہم جتنے وہاں تھے سب بھاگے اور متفرق ہوگئے پھر ہر مجلس میں یہی تذکرہ رہتا تھا یہاں تک کہ ہم کو خبر پہنچی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے اور وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تب ہم بھی آکر مسلمان ہوئے اور اسی طرح ابونعیم اور ابن سعد نے جبیر بن مطعمؓ سے روایت کی ہے کہ جبیر کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پہلے بوانہ میں ایک بت کے پاس ہم بیٹھے تھے اور ایک اونٹ اس بُت کی نذر کے واسطے ہم نے ذبح کیا تھا یکایک ایک آواز اسُ بُت کے اندر سے نکلی کہ اَلَا اِسْمَعُوْا اِلَی الْعَجَبِ ذَھَبَ اِسْتِرَاقُ السَّمْعِ بِالْوَحْیِ وَتُرْمٰی بِالشُّھُبِ لِنَبِیٍّ بِمَکَّۃَ اِسْمُہٗ اَحْمَدُ مُھَاجَرُہٗ اِلٰی یَثْرِبَ یعنے خبردار ہو اور سُن تعجب کی بات کو گیا زمانہ آسمان کی خبریں چُرانے کا وحی آنے کے سبب سے اور مارے جاتے ہیں جنات انگارے دہکتے ہوئے سے یہ سب ہوا ہے سبب نبی کے آنے کے مکے میں جن کا نام احمدؐ ہے اور اُن کی ہجرت کا مکان یثرب ہے جبیرؓ کہتے ہیں کہ ہم کو اس بات کے سُننے سے نہایت تعجب ہوا اور وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے پھر بعد چند روز کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر فاش ہوگئی اور اسی طرح ابونعیمؒ نے تمیم داریؓ سے روایت کی ہے کہ تمیمؓ کہتے تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے اس وقت میں شام میں تھا پھر کسی کام کے واسطے سفر کیا میں نے جب رات ہوئی تب عربوں کے قدیم دستور کے بموجب جنوں کے خوف سے اس جنگل میں پکار کر میں نے کہا کہ اِنَا فِیْ جَوَارِ عَظِیْمِ ھٰذَا الْوَادِیْ یعنی پناہ میں آیا میں (   ) اس جنگل کے سردار کی اسُی وقت ایک آواز آئی اور کوئی شخص ظاہر

میں معلوم نہ ہوتا تھا اور اس آواز کا مضمون یہ تھا کہ عُذْ بِاللّٰہِ فَاِنَّ الْجِنَّ لَا تُجِیْرُ عَلَی اللّٰہِ اَحَدًا یعنی پناہ اور دہائی میں آ خدا کی اسواسطے کہ جنوں کو یہ طاقت نہیں ہے کہ بے حکم الٰہی کسی کو پناہ دیویں میں نے کہا کہ کون ہے تو اور کیا کہتا ہے تب اُس نے پھر کہا قَدْ خَرَجَ رَسُوْلُ الْاُمِّیِّیْنَ وَ صَلَّیْنَا خَلْفَہٗ بِالْحَجُوْنِ فَاَسْلَمْنَا وَاتَّبَعْنَاہُ وَذَھَبَ کَیْدُ الْجِنِّ وَرُمِیَتْ فَانْطَلِقْ اِلٰی مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے تحقیق ظاہر ہوئے رسولؐ عربوں کے نماز پڑھی ہم نے ان کے پیچھے حجون میں جو مکہ معظمہ کا ایک محلہ ہے سو ایمان لائے ہم اور پیروی کی ہم نے اس کی اور اب گیا فریب جنوں کا اور مارے جاتے ہیں یعنی انگاروں سے سو چلا تو طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو رسول ہیں سارے جہان کے پروردگار کے تمیم کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو میں وہاں سے روانہ ہوا ایک شہر میں پہنچا وہاں ایک راہب سے اس قصے کو بیان کیا میں نے اُس نے کہا کہ جنوں نے تجھ سے سچ کہا ایک پیغمبر حرم سے ظاہر ہوگا اور دوسرے حرم کی طرف ہجرت کرے گا اور اُس کا مرتبہ سب پیغمبروں سے زیادہ ہے تو جلدی اُس کی خدمت میں پہنچ اور اسی طرح ابو نعیمؒ نے خویلد ضمیری سے روایت کی ہے کہ خویلدؓ کہتے ہیں کہ میں ایک بُت کے پاس بیٹھا تھا یکایک اُس کے اندر سے ایک آواز سُنی میں نے کہ کہتا ہے ذَھَبَ اِسْتِرَاقُ الْوَحْیِ وَرُمِیَ بِالشُّھُبِ لِنَبِیٍّ بِمَکَّۃَ اِسْمُہٗ اَحْمَدُ وَمُھَاجِرُہٗ اِلٰی یَثْرِبَ یَاْمُرُ بِالصَّلٰوۃِ وَالصِّیَامِ وَالْبِرِّ لِلْاَرْحَامِ یعنے گیا زمانہ وحی کی چوری کا اور مارے جاتے ہیں جن انگاروں سے مکہ میں نبیؐ پیدا ہونے کے سبب سے جن کا نام احمدؐ ہے اور اُن کی ہجرت کا مکان یثرب ہے حکم کرتا ہے سب کو نماز اور روزے کا اور اپنے خویش و اقربا سے نیکی کرنے کا خویلدؓ کہتے ہیں کہ ہم اس آواز کے سُنتے ہی وہاں سے اُٹھے اور اس خبر کو دریافت کیا معلوم ہوا کہ سچ ہے ایک پیغمبر مکہ میں پیدا ہوا ہے اور اس کا نام احمدؐ ہے اور اسی طرح ابو نعیم اور ابن جریرؒ اور طبرانی اور خرائطیؒ اور دوسرے محدثینؒ کئی اسنادوں اور کئی طریقوں سے عباس بن مرداسؓ سے روایت کرتے ہیں اور عباسؓ عرب کے سرداروں میں سے مشہور شخص ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے اسلام میں داخل ہونے کی وجہ ابتدا میں یہ ہوئی کہ مرداس یعنی میرے باپ نے مرتے وقت مجھ کو وصیت کی تھی کہ اس بُت کی عبادت جس کا نام ضمار ہے ہرگز نہ چھوڑنا اور جو کام مشکل درپیش ہو اس کام میں اسی کی طرف رجوع کرنا اسواسطے کہ یہ بت مشکل کشائی

میں بے نظیر ہے سوا اپنے باپ کی وصیت کے بموجب ہمیشہ اس بُت کی خدمت میں مشغول رہتا تھا میں اور ہر روز باوجود کاروبار ریاست کے اس کی زیارت کو ایک مرتبہ جاتا تھا میں ایک دن جنگل میں شکار کے واسطے گیا تھا میں جب دوپہر ہوئی تو گرمی کی شدت سے ایک درخت کے سایہ تلے بیٹھ گیا میں اور نوکر چاکر بھی جو میرے ساتھ تھے اِدھر اُدھر درختوں کے تلے بیٹھ گئے یکایک دیکھا میں نے کہ ایک شتر مرغ سفید رنگ جیسا روئی کا گالہ دُھنا ہوا اوپر سے نیچے آیا اور اس شتر مرغ پر ایک شخص سفید پوش نورانی شکل سوار ہیں اور میری طرف خطاب کر کے کہتے ہیں کہ اے عباس بن مرداس کچھ تجھ کو خبر ہے کہ آسمان کی نگہبانی کے واسطے چوکیاں مقرر ہوئیں اور لڑائی اور جہاد زمین پر پھیل گیا اور زین اور لگام والے گھوڑے جہاد کو تیار ہوئے ہیں اور یہ نیک طریقہ جو زمین پر لایا ہے وہ دوشنبہ کے دن اور منگل کی رات کو پیدا ہوا اور اس کی سواری کی ایک اونٹنی ہے اس کا نام قصوای ہے عباس کہتے ہیں کہ یہ بات سُنتے ہی مجھ کو خوف اور رعب زیادہ ہوا وہاں سے سوار ہو کر گھر کو آیا اور پہلے اُس بُت کے پاس جس کا نام ضمار تھا گیا میں تھوڑی دیر اُس کے سامنے مؤدب ہو کے بیٹھا اس کے اندر سے آواز نکلی یہ بیتیں پڑھتا تھا قُلْ لِلْقَبَائِلِ مِنْ سَلِیْمٍ کُلِّهَا + هَلَكَ الْاَنِیْسُ وَعَاشَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ + اُودِیْ ضِمَارُ وَکَانَ یُعْبَدُ مُدَّةً + قَبْلَ الْکِتَابِ اِلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ + اِنَّ الَّذِیْ وَرِثَ النُّبُوَّةَ وَالْهُدٰی + بَعْدَ ابْنِ مَرْیَمَ مِنْ قُرَیْشٍ مُهْتَدِیْ۔ یعنی کہہ دے سلیم کے سب قبیلوں سے کہ ہلاک ہوا انیس اور زندہ ہوئے مسجد والے اور ہلاک ہوا ضمار اور پوجا گیا تھا ایک مدت تک قبل اترنے کتاب کے طرف نبی کے جنکا نام محمدؐ ہے بے شک جو شخص وارث ہوا ہے نبوت کا اور ہدایت کا بعد مریمؑ کے بیٹے کے وہ قریش سے ہے سیدھی راہ چلنے والا عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کو لوگوں سے ظاہر نہ کیا بلکہ پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ جب کافر جنگ احزاب سے جس کو جنگ خندق بھی کہتے ہیں پھرے اُسوقت میں اونٹ خریدنے کے واسطے عقیق کی طرف جو ذات عرق کے متصل بستی ہے گیا تھا یکایک ایک سخت آواز آسمان سے آئی میں نے نظر اوپر کی تو دیکھا میں نے کہ وہی پیر مرد سفید پوش سفید شتر مرغ پر سوار ہیں اور کہتے ہیں کہ جو نور دوشنبہ کے دن اور منگل کی رات کو دنیا میں آیا ہے سو اب ناقہ قصوای کے صاحب کے ہمراہ نجد میں آتا ہے اُسوقت سے دین اسلام کا اعتقاد میرے دل میں بیٹھ گیا اور اسی طرح ابوسعید اور ابونعیم

نے سعید بن عمر ہذلیؓ سے روایت کی ہے کہ سعید کہتے تھے کہ ایک روز ایک شخص کے باپ نے ایک بکری ایک بت کے سامنے نذر کے طور پر ذبح کی تھی اس وقت اس بت کے اندر سے یہ آواز آئی کہ اَلْعَجَبُ کُلَّ الْعَجَبِ خَرَجَ بَنِیٌّ مِنْ بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یُحَرِّمُ الزِّنَا وَیُحَرِّمُ الذَّبْحَ لِلْاَصْنَامِ وَحُرِسَتِ السَّمَاءُ وَرُمِیْنَا بِالشُّھُبِ یعنے بڑا تعجب ہے پیدا ہوا ایک نبی عبد المطلب کی اولاد سے حرام کرے گا زنا اور حرام کریگا ذبح کو جو بتوں کے واسطے کرتے ہیں اور نگہبانی کی گئی آسمانوں کی اور مارے جاتے ہیں ہم انگاروں سے سعیدؓ کہتے ہیں کہ میرا باپ اس خبر کی تحقیق کے واسطے مکہ کی طرف گیا کسی نے ان کو اس چیز کا پتہ نہ بتایا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اُن سے پوچھا انہوں نے کہا کہ ہاں سچ ہے محمدؐ بن عبد المطلب خدا کا رسول ہے تم کو بھی لازم ہے کہ اس پر اسلام لاؤ حاصل کلام یہ کہ اس قسم کے قصے بیشمار ثابت ہیں جو حد تواتر کو پہنچے ہیں بلکہ بعضے جنات نے جو اسوقت تک اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے بعضے آدمیوں کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام اور تحیات اور اپنی عاجزی اور فرمانبرداری کہلا بھیجی تھی چنانچہ ابن سعد نے جعد بن قیس مرادی سے روایت کی ہے کہ جعد کہتے تھے کہ ہم چار آدمی اپنے وطن سے حج کے ارادے سے چلے راستے میں ایک جنگل ملا اُس کے متعلقات سے تھا اس جنگل میں ایک آواز سنی ہم نے کہ کوئی یہ بیتیں پڑھتا ہے اَلَا اَیُّھَا الرَّاکِبُ الْمُعَرِّسُ بَلِّغُوْا + اِذَا مَا وَقَفْتُمْ بِالْحَطِیْمِ وَزَمْزَمَا + مُحَمَّدَنِ الْمَبْعُوْثَ مِنَّا تَحِیَّۃً + تُشَیِّعُہٗ مِنْ حَیْثُ سَارَ وَیَمَّمَا + وَقُوْلُوْا لَہٗ اِنَّا لِدِیْنِکَ شِیْعَۃٌ + بِذٰلِکَ اَوْصَانَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَا + یعنے اے اونٹوں کے سوار پچھلی رات کو مقام کرنے والے پہنچانا جب کھڑے ہو تم حطیم اور زمزم کے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مبعوث ہوئے ہیں سلام ہماری طرف سے اور تحیت جانا تم اُس کے پاس جہاں کہیں اُس نے سیر کی ہو اور قصد کیا ہو اور کہنا اس سے ہم سب یعنی یہاں کے جنات تمہارے دین کے گروہ ہیں اسی طرح وصیت کی تھی ہم کو عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے نے اور ابن عساکر اور خرائطی نے مرداس بن قیس دوسی سے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کاہنوں کا اور کہانت کا کچھ ذکر تھا لوگ نقل کرتے تھے کہ یہ کارخانہ نبوت کے ظہور اور وحی کے نزول ہوتے ہی موقوف ہوگیا مرداس مذکور

نے کہا کہ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اس مقدمے میں عجب اتفاق ہوا تھا جو قابل سُننے کے ہے آپ نے فرمایا کہ بیان کرو مرداس نے کہا کہ ہمارے پاس ایک لونڈی تھی اس کا نام خاصہ تھا بہت نیک بخت اور صالحہ تھی کبھی بُرائی کا وہم بھی اُس کی طرف نہ ہوا تھا ایک روز میرے نزدیک آئی اور کہنے لگی کہ تم مجھ کو کیا جانتے ہو ہم نے کہا کہ تجھ کو بڑی نیک بخت اور صالحہ ہم جانتے ہیں کبھی بُرائی کا وہم بھی تیری طرف ہم کو نہیں ہوا پھر اُس نے کہا کہ ان دنوں مجھ پر ایک عجیب احوال گذرا ہے کہ میں ایک روز اکیلی اپنے گھر میں بیٹھی تھی ایک چیز سیاہ میرے اوپر آکر چڑھ بیٹھی اور جس طرح مرد عورت سے صحبت کرتا ہے اسی طرح اُس نے میرے ساتھ کیا اور پھر کچھ معلوم نہ دیا سو مجھ کو یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو مجھے حمل رہ گیا ہو اور تم لوگ مجھ پر زنا کی تہمت کرو ہم نے اُس سے کہا کہ ہم کو تیری طرف ایسی چیز کا وہم بھی نہیں آئیگا تو جا خاطر جمع رکھ بعد کتنے روزوں کے معلوم ہوا کہ اس کو حمل ہے پھر موافق معمول کے لڑکا جنی لیکن لڑکے دونوں کان کتے کے سے تھے اور اس کا رنگ بھی آدمیوں کا سا نہ تھا سو وہ لڑکا ہمارے لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا یکایک ایک روز ننگا ہو کے چلانے لگا اور کہنے لگا کہ افسوس اور خرابی ہے کہ دشمن کے سوار تمہارے لوٹنے کو اس پہاڑ کے اس طرف آن پہنچے اور تم غافل بیٹھے ہوئے ہو ہم سب اِس کے کہنے کے بموجب مسلح ہو کر اس پہاڑ پر گئے اور دیکھا تو واقعی دشمن کے سوار ہیں آخر اُن سے لڑائی کر کے اُن کو ہٹا دیا اس وقت سے اُس لڑکے کے کہنے کا اعتبار ہو گیا جو وہ کہتا تھا ویسا ہی ہوتا تھا کبھی اُس کی بات جھوٹ نہ ہوتی تھی پھر جب سے آپ نبی ہوئے اور وحی آنا شروع ہوئی تب سے اس کی بات جھوٹی ہونے لگی اکثر باتیں جھوٹی کیا کرتا تھا ہم نے اُس سے پوچھا کہ تجھ کو اب کیا ہوا جو جھوٹ بولنے لگا تو اُس نے کہا مجھ کو کچھ حال نہیں معلوم جو شخص مجھ کو پہلے سچی خبر پہنچاتا تھا اب جھوٹی خبریں پہنچاتا ہے میں اپنی طرف سے اس میں کچھ ملاتا نہیں ہوں اب اس کی تدبیر یہ ہے کہ تم مجھ کو تین۳ دن ایک اندھیری کوٹھری میں بند کرو تاکہ جب میں تنہا ہوں گا تو وہ جن جو مجھ کو خبریں دیتا ہے وہ میرے رگ اور پوست میں گھس جاوے گا پھر تم اُس سے پوچھنا تو کچھ معلوم ہوگا سو ہم نے ویسا ہی کیا پھر تین۳ دن کے بعد حجرے کو کھولا تو دیکھا ہم نے کہ اس لڑکے کا بدن ایسا ہو گیا ہے جیسا آگ کا انگارا ہم نے دریافت کیا کہ یہ رنگت آگ کی اسی جن کی ہے جو اس کے اندر در آیا ہے آخر ہم نے اُس سے کہا کہ اے عزیز اب تک

تمہاری خبریں سب سچی ہوتی تھیں چند دنوں سے کیوں جھوٹی ہونے لگیں اس نے کہا یَا مَعْشَرَ دُوْسٍ حُرِسَتِ السَّمَاءُ خَرَجَ خَيْرُ الْاَنْبِيَاءِ یعنی اے گروہ دوس کے قبیلے کے نگہبانی کیے گئے آسمان اور پیدا ہوئے ایسے نبی جو بہتر ہیں سب نبیوں میں میں نے پوچھا کہ کہاں اس نے کہا کہ مکہ میں اور اس کے بعد یہ بھی کہا کہ اب میں مرتا ہوں مجھ کو پہاڑ کی چوٹی پر دفن کرنا اور میرے دفن کے بعد آگ کی طرح شعلے نکلیں گے جب تم یہ حال دیکھنا تو تین پتھر مجھ پر مارنا یعنے اس آگ پر اور ہر پتھر پر یہ کلمہ پڑھنا کہ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ یعنے اے اللہ تیرے نام کی برکت سے اسوقت وہ شعلے بجھ جاویں گے یعنی میری آگ ٹھنڈی ہو جاوے گی پھر جس طرح اس نے کہا تھا ویسا ہی ہم نے کیا اس کے مرنے سے کتنے دنوں کے بعد آپ کی نبوت کی خبر ہم کو پہنچی اور ہم خدمت میں حاضر ہوئے یہ ہے عرب کے جزیرے کے جنوں کا حال جن کی گواہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت اور آسمان کی نگہبانی اور انگاروں کا گرنا اور قرآن شریف کا نازل ہونا تواتر کے قول پر منقول ہے جس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہے جو ان میں سے اسلام سے مشرف ہوئے ہیں اور صحابیت کے درجے کو پہنچے ہیں وہ بھی بہت ہیں چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ پہلی لیلۃ الجن میں جو مکہ معظمہ کے متصل درہ حجون میں ہوئی تھی اور دوسری لیلۃ الجن جو مدینہ منورہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد بقیع غرقد کے میدان میں ہوئی تھی ان دونوں راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور جنوں کو دیکھا بھی تھا اور ان کی باتیں بھی سنی تھیں وہ بھی اسی طرح کی کثرت ان کی بیان کرتے ہیں چنانچہ ابو نعیمؒ نے دلائل النبوۃ میں اور دوسری حدیث کی کتابوں میں ان قصوں کی تفصیل بیان کی ہے اور صحاح ستہ میں بھی آیا ہے عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِالْمَدِيْنَةِ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ اَسْلَمُوْا فَمَنْ رَّاٰى مِنْ هٰذِهِ الْعَوَامِرِ شَيْئًا فَلْيُؤْذِنْهُ ثَلٰثًا فَاِنْ بَدَا لَهٗ بَعْدَ ثَلٰثٍ فَاِنَّهٗ شَيْطَانٌ یعنے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے صحاح ستہ میں روایت کی ہے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینے میں بہت جن ہیں کہ وہ اسلام لائے ہیں پھر جو شخص دیکھے ان سانپوں سے کسی کو تو کہے اعوذ باللہ منک تین مرتبے پھر اگر ظاہر ہو اس کو کوئی چیز بعد تین مرتبے کے تو وہ شیطان ہے یعنی اسے مارو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ بہت سے جن کسی جزیرے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے مشرف ہونے کو آئے تھے اور کئی دن یہاں مقام بھی کیا تھا اور پھر اپنے وطن کو لوٹ کر گئے اور امام احمد اور بزار اور ابویعلی اور بیہقی اور دوسرے محدثوں نے بلال بن حارث سے روایت کی ہے کہ بلال کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا عروج میں مقام ہوا میں نے اپنے خیمے سے نکل کر چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں دیکھا میں نے کہ آپ سب لشکر سے اکیلے باہر دور بیٹھے ہیں میں نے چاہا کہ آپ کے پاس جاؤں جب آپ سے ملاقات کرنے کے لئے آپ کے قریب پہنچا تو آواز غل اور شور کی میرے کان میں پہنچی گویا بہت لوگ آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں اور سخت گوئی بھی کرتے ہیں میں ٹھہر گیا اور پوچھا میں نے کہ آپ کے پاس غیب کے لوگوں کا ہجوم ہے اسوقت جانا مناسب نہیں ہے پھر تھوڑی دیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھ کو دیکھ کر آپ نے تبسم فرمایا میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شور و غل کیا تھا آپ نے فرمایا کہ مسلمان اور کافر جنوں میں جھگڑا ٹھہرا رہنے کے مقدمے میں میرے پاس فیصلے کے واسطے آئے تھے سو میں نے ایسا حکم کیا کہ مسلمان جن جلس کے ملک میں اور کافر غور کے ملک میں رہیں آپس میں ملے ہوئے نہ رہیں چنانچہ کثیر بن عبداللہؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جس کو جلس کے ملک میں کچھ جن کا آسیب ہوتا ہے وہ جلدی اچھا ہو جاتا ہے ہلاک نہیں ہوتا اور غور کے ملک میں جس کو جن کا آسیب ہو جاتا ہے وہ اکثر اچھا نہیں ہوتا بلکہ ہلاک ہوتا ہے اور خطیب نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ جابرؓ کہتے تھے کہ ہم ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے درخت کے نیچے تھے یکایک ایک کالا سانپ بہت ہی بڑا آپ کی طرف چلا لوگوں نے چاہا اس کو ماریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو مت چھیڑو آخر کو وہ سانپ آپؐ کے نزدیک پہنچا اور اپنے منہ کو آپؐ کے کان کے پاس لے گیا جیسے کوئی بات کان میں کہتا ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے منہ مبارک کو اسکے کان کے پاس لیجا کے کچھ فرمایا پھر وہ سانپ غائب ہو گیا اور معلوم بھی نہ ہوا گویا اس کو زمین نگل گئی ہم لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہؐ آپ نے اس سانپ کو اپنے کان تک آنے دیا ہم کو بڑا خوف ہوا تھا کہ یہ جانور بے سمجھ ہے ایسا نہ ہو کہ آپ کو کچھ ایذا دیوے یا کاٹ کھاوے آپؐ نے فرمایا کہ یہ جانور نہ تھا بلکہ جنوں کا بھیجا ہوا تھا فلانی سورت کی آیتیں وہ بھول گئے سو اس کے پوچھنے کے واسطے اس کو

بھیجا تھا جب اس نے تم لوگوں کو دیکھا تب سانپ کی شکل بن کے تمہارے سامنے آیا اور پوچھ کر چلا گیا پھر جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بعد اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور آگے کو چلے راستے میں ایک گاؤں ملا وہاں کے لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ایک عورت ہے خوبصورت ایک جن اس پر عاشق ہو گیا ہے وہ اس کے اندر گھس کے اس کو بے ہوش کر دیتا ہے نہ کچھ کھاتی ہے نہ کچھ بات کہتی ہے بلکہ ہلاکی کے قریب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اپنے سامنے بلایا اور فرمایا کہ اے جن تو مجھ کو جانتا ہے کہ میں کون شخص ہوں میں محمدؐ ہوں حق تعالیٰ کا رسول تو اس عورت کو چھوڑ دے یہ بات فرماتے ہی وہ عورت ہوش میں آگئی اور اپنے منہ کو نقاب سے چھپا لیا اور لوگوں سے حیا کرنے لگی اور بالکل اچھی ہو گئی جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس عورت کو دیکھا تھا ایسی خوبصورت تھی جیسے چودھویں رات کے چاند کا ٹکڑا اور عقیلی اور بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ ایک روز ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہامہ کے ایک پہاڑ پر بیٹھے تھے کہ یکایک ایک پیر مرد ہاتھ میں عصا لیے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آن کر حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ اس کی آواز جن کی سی ہے پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے عرض کیا کہ اس غلام کا نام ہامہ ہے اہیم کا بیٹا اور اہیم لاقیس کا بیٹا ہے اور لاقیس ابلیس کا بیٹا ہے آپ نے فرمایا کہ ابلیس کے اور تیرے درمیان میں دو ہی پشتیں ہیں بھلا کہہ تو تیری عمر کتنی ہوگی اس نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ جتنی دنیا کی عمر ہے اتنی ہی میری عمر ہے کچھ تھوڑی سی کم ہے اس واسطے کہ جن دنوں میں قابیل نے ہابیل کو مارا تھا اس وقت میں بچہ تھا کئی برس کا لیکن بات سمجھتا تھا اور پہاڑوں پر دوڑتا پھرتا تھا اور لوگوں کا غلہ اور کھانا چرا لاتا تھا اور لوگوں کے دلوں میں اپنے خویش اور اقربا سے بدسلوکی کرنے کے وسوسے ڈالا کرتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تیرے بڑھاپے کے عمل تو ایسے ہیں اور جوانی اور بچپن کے کام ویسے تو بہت برا شخص ہے اس نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ آپ مجھ کو کچھ ملامت نہ کیجئے اس واسطے کہ اب میں توبہ کرنے کو آیا ہوں اور میں نے حضرت نوح علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اور ان کی مسجد میں ان کی صحبت میں بہت رہا ہوں میں اور پہلے ان کے ہاتھ پر توبہ کی تھی میں نے اور ایک سال ان کی مسجد میں رہا ہوں میں اور حضرت ہودؑ اور

حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کی صحبتوں میں رہا ہوں میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی ہے میں نے اور اُن سے توریت سیکھی تھی اور ان کا سلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچایا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنا تو میرا سلام ان کو پہنچانا سو اب اِس امانت کے بار کے ادا کرنے کے واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور یہ بھی میری آرزو ہے کہ آپ اپنی زبان فیض ترجمان سے مجھ کو کچھ قرآن شریف تعلیم فرمائیے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سورتیں جیسے سورۂ واقعہ اور سورۂ مرسلات اور عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت اور قل ہو اللہ احد اور قل اعوذ برب الناس اُس کو تعلیم فرمائیں اور یہ بھی آپ نے اُس سے ارشاد فرمایا کہ اے ہامہ جس وقت تجھ کو کسی چیز کی احتیاج ہو تو میرے پاس آنا اور ہم سے ملاقات نہ چھوڑنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وفات پائی اور اُس کی موت کی خبر ہم کو نہیں دی اب ہم کو معلوم نہیں ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو جنات سے تھے ان میں سے ایک کا نام عمرو بن جابر ہے جن کی صفوان بن معطل نے تجہیز اور تکفین کی تھی اور اُن میں سے ایک کا نام عمرو ہے جو کافر جنوں کی لڑائی میں شہید ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے یاروں نے ان کو دفن کیا تھا اور ان ہی میں سے ایک کا نام سرق ہے جن کو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مرو کے جنگل میں دفن کیا تھا یہ سرق اس جماعت کے تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اور ان ہی میں سے ایک کا نام زوبعہ تھا یہ جنیہ تھی یعنی عورت تھی اس کو عمر بن عبد العزیزؒ نے مکہ معظمہ میں دفن کیا تھا اور ان سب کا قصہ بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں صحیح اسنادوں سے بیان کیا ہے فقط یہاں تک احوال ان جنوں کا بیان ہوا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار اور تابعدار ہوئے تھے اور قرآن کے حکموں کو مان لیا تھا اور نہایت پیروی اور تابعداری کے سبب سے اپنی اس خدمت سے جس سے موقوف اور معزول ہوئے تھے بالکل دست بردار ہوئے اور بنی آدم کی ہدایت اور رہنمائی پر کمر باندھی اور مستعد ہوئے وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ اور بعضے ہم میں سے کجرو اور بے انصاف ہیں جو اس خدمت سے اپنی معزولی اور موقوفی پر راضی نہیں ہیں اور اس رسولؐ اور اس قرآن کی فرمانبرداری

جیسی چاہیے ویسی نہ کی سواس قسم کے چار فرقے ہیں پہلا فرقہ کافر جنوں کا جو ظاہر میں مخالفت اور دشمنی کرتے ہیں اور اپنے کفر کو چھپاتے نہیں ہیں اور بنی آدم کو جہاں تک ہو سکتا ہے بہکانے میں قصور نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اپنی خدمت سے معزول اور موقوف نہیں ہوئے ہیں غیب کی خبریں ہم سے پوچھا کرو اور اپنے اڑے کاموں پر ہم سے مدد مانگا کرو ہم تمہاری حاجت روائی اور مشکل کشائی کیا کریں گے چنانچہ کافروں کے جھوٹے معبود جن کو دیوتا کہتے ہیں جیسے ہنودوں کے اور حبشیوں کے اور زنگیوں کے اور دوسرے بت پرستوں کے کہ باوجود آسمان پر نہ جانے پانے کے اور آگ کے انگاروں سے مارے جانے کے اور اپنی خدمت سے معزول اور موقوف ہونے کے بنی آدم کے بہکانے اور خراب کرنے سے دست بردار نہیں ہوتے ہیں بلکہ کافروں کی مدد اور اعانت حتی المقدور کیے جاتے ہیں تاکہ وہ ان سے نہ پھریں بلکہ بزور ان سے شرک کرواتے ہیں اور اسلام میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں دوسرا فرقہ منافق جنوں کا جو ظاہر میں اپنے تئیں ایمانداروں میں داخل کرتے ہیں اور پوشیدہ مکر اور فریب سے آدمیوں کی خرابی کے پیچھے پڑے ہیں اور اپنے تئیں کسی بزرگ کے نام سے مشہور کر کے آدمیوں کے نزدیک پیر بن بیٹھے ہیں جیسے شیخ سدو اور زین خان اور سرور اور بالے اور سوائے ان کے اور پردے میں اپنی ولایت اور غیب دانی اور مشکل کشائی کا دعویٰ بلکہ الوہیت اور خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور شرک اور بت پرستی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے جو اپنے معتقدوں سے اپنے واسطے نہ کروا دیں تیسرا فرقہ فاسق جنوں کا جو ڈکیت اور بٹ مار کے طور پر ہیں جو آدمیوں کو طرح طرح کی ایذا پہنچاتے ہیں اور ایسے جن نذر اور نیاز اور ہدیے اور مٹھائیاں اور پانی اور شربت اور سوائے اس کے سب کچھ اپنے واسطے لیتے ہیں اور چوتھا فرقہ جنوں کا ایک اور ہے جو چوروں کی طرح بعضے آدمیوں کی روحوں کو جو بد خلقی اور تکبر اور غرور اور کینہ اور حسد میں اور ہر وقت نجاست سے آلودہ رہنے میں خبیث جنوں سے مناسبت بہم پہنچا چکی ہیں کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اپنے رنگ میں ان کو بھی رنگتے ہیں اور اپنی چال ان کو سکھاتے ہیں جیسے آدمیوں کے بدن میں مساموں کی راہ سے در آنا اور رائس کے مزاج کو خراب کر دینا اور شکل کا بدلنا ان کو تعلیم کرتے ہیں تاکہ اس وسیلے سے ایذا اور رنج آدمیوں کو پہنچا دیں اور بنی آدم کے فرقے کو خراب کریں سو یہ چار فرقے قاسطون سے یعنی بے انصافوں سے ہیں گردن

اور قرآن شریف کی پیروی نہ کی اگرچہ ظاہر میں بعضوں نے اپنی زبان پر کلمۂ توحید کا جاری کیا فَمَنْ اَسْلَمَ
پھر جو کوئی حکم الٰہی کا فرمانبردار ہوا اور کجروی اور ناانصافی کو چھوڑا فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ پھر انہوں
نے سوچی اور اٹکلی تدبیر سیدھی راہ چلنے کی اسواسطے کہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری کے سبب سے خاوند
کے نزدیک اپنا رتبہ پیدا کیا اور کجروی اور ناانصافی اور بنی آدم کو فریب دینے کی صورت میں بعضے مخلوقات
کے نزدیک البتہ کچھ مرتبہ اور جاہ اس دنیائے چند روزہ کا حاصل ہوتا ہے لیکن اپنے خاوند کے نزدیک
ذلت اور بے قدری ہوتی ہے اور ہمیشگی کی نعمت سے بے نصیبی اور محرومی وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ ۝
اور لیکن کجرو ناانصاف جنہوں نے حکم الٰہی کی فرمانبرداری سے سرکشی کی اور باوجود معزولی کے اپنی خدمت
سے آدمیوں کو فریب دیا کہ ہم معزول نہیں ہیں بلکہ اپنے تئیں آدمیوں کے نزدیک کارخانۂ الٰہی کا شریک
ٹھہرایا فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ پھر ہوئے وہ دوزخ کے کندے اور آگ کے بھڑکانے والے کہ اپنے
تئیں بھی آگ میں جلایا اور آگ کی مناسبت کے سبب سے اُس آگ کو اور بھڑکا کے دوسروں کو بھی
خوب جلا کر بھسم کیا اور بعضے ملحد بے دین یہاں پر ایک اعتراض کرتے ہیں اور شبہ دلوں میں ڈالتے
ہیں کہ جنات کی پیدائش تو آگ سے ہے پھر جنوں کو آگ میں پڑنے سے کیا رنج اور تکلیف ہوگی اِس
واسطے کہ کسی چیز کو اپنی جنس سے کچھ تکلیف اور ایذا نہیں ہوتی ہے سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ
جنات کا اصل مادہ اگرچہ آگ ہے لیکن اس کی صورت ترکیبی اور مزاج دوسری چیز ہے سو جب
یہ آگ اس کی صورت ترکیبی اور اُس کے مزاج کی منافی ہوئی تو اور زیادہ اس کی تکلیف اور
عذاب کا سبب پڑے گی چنانچہ ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ایک ملحد نے یہی اعتراض کیا وہاں ایک شخص
دانا ظریف حاضر تھے انہوں نے ایک بڑا پتھر اُٹھا کے اس کی ران پر مارا وہ ملحد چلانے اور شور
اور غل مچانے لگا اس شخص نے کہا کہ اس پتھر سے تجھ کو رنج اور تکلیف ہونے کی کیا وجہ آخر تیری
بھی اصل زمین سے ہے اور یہ پتھر بھی زمین سے ہے آخر وہ ملحد لاجواب ہوا غرض کہ مزاج کی کیفیت
اور عذاب کی کیفیت متحد ہونے سے رنج اور تکلیف کی اور زیادتی ہوتی ہے بخلاف اس کے
جہاں مزاج کی کیفیت اور غذا کی کیفیت مختلف ہو چنانچہ یہ بات تجربہ اور آزمائش میں آچکی ہے کہ
صفراوی مزاج والے کو آگ اور دھوپ کی نزدیکی سے اس قدر رنج اور تکلیف کی زیادتی ہوتی ہے
بلغمی مزاج والے کو عشر عشیر اس کی بھی نہیں ہوتی اور اسی طرح بلغمی مزاج والے کو دریا کی نزدیکی

اور سرد ہوا کے سبب سے اس قدر سستی اور کسالت لاحق ہوتی ہے جو صفراوی مزاج والے کو نہیں ہوتی اور آگ کو حق تعالیٰ نے ایسی تاثیر دی ہے کہ تفریق اجزا اور رطوبات ماسکہ کے افنا کے سبب سے ہر ترکیب کی تحلیل اور مزاج کا ابطال کرتی ہے اور جو رنج اور الم ممزج اور مرکب کو محسوس ہوتا ہے وہ ابطال مزاج اور تحلیل ترکیب کے سبب سے ہے نہ مخالفت مادہ سے تاکہ ہمجنس ہونا اس کا بے المی کا سبب پڑے اور جو شروع سورۃ سے یہاں تک حق تعالیٰ نے تیرہ کلمے جنوں کے نقل فرمائے اب پھر اللہ اُسْتَمَعَ پر عطف کر کے تین مطلب دوسرے تلقین فرماتے ہیں تاکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں مطلبوں کو بھی آدمی اور جنات کو پہنچا دیویں اس واسطے کہ یہ تینوں مطلب عمدہ ہیں اور جنوں کی پیدائش اور اُن کی عادت سے متعلق ہیں اور بہت سے آدمی بھی اسی عادت کے سبب سے باطل عقیدوں میں بلکہ شرک میں پھنس جاتے ہیں سو اب ارشاد ہوتا ہے کہ کہہ تو اے پیغمبر کہ وحی کی گئی ہے میری طرف یہ سب جنوں کی باتیں جو اوپر بیان ہو چکی ہیں وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ اور یہ کہ اگر جنات اس طریقے پر استقامت کریں گے اور مضبوط رہیں گے جس طرح اب اس طریقے کو اختیار کیا ہے اور تلون اور تبدل سے جو جنوں کا خاصہ ہے باز آویں گے لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا البتہ پلاویں گے ہم اُن کو پانی برسات کا جی بھر کے یعنی برساویں گے اور قحط کو اُن سے دور کریں گے مفسروں نے لکھا ہے کہ یہ سورت اُس وقت میں نازل ہوئی تھی جس وقت کفر کی شامت سے مکے والے سات برس کے قحط میں گرفتار ہوئے تھے بلکہ قحط کا شروع تھا اور آدمی اور جن اور جانور سب قحط سالی اور خشکی میں گرفتار تھے اور قحط کے زمانے کے قطع نظر برسات کا پانی ہر طرح سے سب طرح کی برکتوں اور تمام دنیاوی منفعتوں کو شامل ہے سو ذکر اس نعمت کا گویا تمام دنیا کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے چنانچہ دوسری آیت میں حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اور اگر تحقیق اور متقی بن جاتے تو مکہ والے ایمان لاتے البتہ کھولتے ہم اُن پر برکتیں آسمان اور زمین سے یعنی آسمان سے پانی برساتے اور زمین سے غلہ اُگاتے اور باوجود اس کے خاص جنوں کو اس نعمت کے پہنچانے میں ایک غرض دوسری بہت باریک اور دقیق ہے سو وہ یہ ہے کہ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ تاکہ عقل اور دانائی جنوں کی آزماویں ہم اس پانی پلانے میں اور دیکھیں ہم کہ یہ جن اپنی دانائی در نیہ کی سے اپنے آگ میں جلنے کے عذاب

کو اپنے پانی پینے سے راحت پانے پر قیاس کرتے ہیں یا نہیں اس طور سے کہ پانی اپنی دونوں کیفیتوں میں یعنی رطوبت اور برودت میں ان کی ضد ہے اس واسطے کہ یہ آگ سے پیدا ہوئے اور حرارت اور خشکی آگ کا خاصہ ہے لیکن باوجود اس کے پھر پانی پینے سے اُن کو تسکین ہوتی ہے سو اگر آگ میں ور آنے سے اُن کو رنج اور عذاب نہ ہووے تو ایک مزاج کا دو ضدوں کے ساتھ موافق ہونا لازم آوے اور یہ محال ہے تو معلوم ہوا کہ آگ ضرور رنج اور عذاب کا سبب پڑے گی اور یہ بھی بوجھ لیویں کہ طریقۂ حق پر استقامت کرنا کجروی اور گمراہی کی ضد ہے اور اسی طرح تنعیم تعذیب کی ضد ہے اور پانی آگ کی ضد ہے اور جو طریقۂ حق پر استقامت کرنا پانی سے راحت پانے کا سبب پڑا تو کجروی اور گمراہی آگ سے عذاب ہونے کا بھی سبب پڑے گی اور اگر ایسا نہ ہو تو دو ضدوں کا آپس میں مقابل ہونا جاتا رہے اور یہ بھی سمجھ لیویں کہ پانی کی طبیعت آگ کے بجھانے کو چاہتی ہے اور ہم کو باوجود آتشی ہونے کے پانی زندگی اور راحت کا سبب پڑتا ہے تو کچھ عجب نہیں ہے کہ آگ ہمارے رنج اور مشقت کا سبب پڑے ولیکن یہ سب دنیا کی نعمتیں بدون وبال اُخروی کے ان لوگوں کے واسطے ہیں جو طریقۂ مرضیہ پر مستقیم ہیں وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ اور جو شخص منہ موڑے گا اپنے پروردگار کی یاد سے اور جس طریقے کو اختیار کیا ہے اُس پر ثابت نہ رہے گا اور تلوّن اور تبدل کو اپنے میں راہ دیگا يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا البتہ داخل کرے گا اس کو اس کا پروردگار ایسے عذاب میں جو اُس کی طاقت سے باہر ہے خواہ وہ عذاب آگ سے ہو جو اس کی ہمجنس ہے اور ہمجنس جب اپنی حد سے زیادہ ہوتا ہے تو انتہا درجے کی تکلیف کا سبب پڑتا ہے اور خواہ دوسری چیز سے ہو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ صَعَدًا نام ہے ایک دوزخ کے پہاڑ کا پتھر کی صاف چٹان ہے کافر کو اُس پر زبردستی چڑھاویں گے آگے سے فرشتے اس کو زنجیروں سے کھینچیں گے اور پیچھے سے بھی آگ کے گرزوں سے ماریں گے یہاں تک کہ چالیس برس میں اس پہاڑ کے اوپر پہنچے گا پھر وہاں سے فرشتے اس کو نیچے دھکیل دیں گے پھر اسی طور سے مار مار کے اس کو اوپر چڑھاویں گے اور پھر دھکیلیں گے تاکہ ہمیشہ اسی عذاب میں گرفتار رہے اور اس آیت میں استقامت کی تعریف حق تعالیٰ نے فرمائی ہے چنانچہ سید الطائفہ یعنی سردار صوفیوں کے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے موجب فرماتے ہیں کہ کُنْ طَالِبَ الْاِسْتِقَامَةِ وَلَا تَكُنْ صَاحِبَ الْكَرَامَةِ فَاِنَّ الرَّبَّ

ف استقامت کی مدح

یَطْلُبُ مِنْكَ الْاِسْتِقَامَةَ وَالنَّفْسُ تَطْلُبُ مِنْكَ الْكَرَامَةَ یعنے ہو تو طالب استقامت کا اور نہ ہو تو طالب کرامت کا اس واسطے کہ پروردگار تیرا چاہتا ہے تجھ سے استقامت کو اور نفس تیرا چاہتا ہے تجھ سے کرامت کو اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا یعنے استقامت کرو طاعت پر اور تمام طاعتوں کو ہرگز نہ گھیر سکو گے اور حقیقت میں بھی یہی بات ہے کہ روح اور دل کا منور ہونا طاعت کی روشنیوں سے استقامت کے سبب سے ہوتا ہے اور عبادت کے رنگ کو نفس کے جوہر میں استقامت ہی پیوست کر دیتی ہے اور عبادتوں اور طاعتوں سے نفس کو اسی رنگ میں رنگین کرنا مطلوب ہے نہ فقط رنج اور مشقت کھینچنا وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ اور یہ کہ مسجدیں بنائی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے واسطے فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا سو مت پکارو ان مسجدوں میں حق تعالیٰ کے سامنے کسی کو اس واسطے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ان مسجدوں میں دوسرے کو پکارو گے تو گویا ان مسجدوں کو تم نے اللہ تعالیٰ میں اور اس شخص میں مشترک کر دیا اور حال یہ کہ مسجدوں کو خاص اللہ تعالیٰ کیواسطے بنایا ہے اور جنوں کا ایک دستور بندھا ہوا ہے کہ جس مکان کو ان کے واسطے خاص کر دیتے ہیں تو پھر جن نہیں چاہتے کہ اس مکان میں دوسرے کو دخل ہووے سو جس طرح شرکت بعد خصوصیت کے جنوں کو پسند نہیں ہے بلکہ ان کی ناخوشی کا سبب ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی عبادت کے مکان میں دوسرے کا نام لینا اور اس کو پکارنا حق تعالیٰ کی بھی ناخوشی کا سبب سمجھو اس جگہ پر جاننا چاہیے کہ حقیقت میں مسجد[ف] اس چیز کا نام ہے جس کو سجدے میں دخل ہے اور اس کی تین[۳] قسمیں ہیں اول سجدے کا مکان جو حق تعالیٰ نے اس امت محمدیہ صلعم کے واسطے تمام زمین کو کر دیا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کر دی گئی میرے واسطے تمام زمین مسجد یعنی سب زمین کو اس امت کے واسطے مسجد کا حکم ہے جہاں نماز کا وقت آوے وہاں نماز پڑھ لیویں دوسری[۲] قسم سجدے کا قبلہ کہ اس طرف سجدہ کریں تیسری[۳] قسم آدمی کے اعضا ہیں جن سے سجدہ کرتا ہے سو وہ سات عضو ہیں ایک تو چہرہ پیشانی سے ناک تک اور دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں اور دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں اور یہ تینوں قسمیں کافروں اور مشرکوں کے نزدیک بھی حق تعالیٰ ہی کی مخلوق اور مملوک ہیں پس غیر اللہ کو سجدہ کرنا گویا اس غیر کو حق تعالیٰ کی خاص ملک میں شریک کر دینا ہے اور یہ بات جنوں کے نزدیک بھی نہایت غصہ اور غضب کی باعث ہے اور اسی سبب سے جنات

ف مسجد کے لفظ کی تحقیق۔

آدمیوں سے جھگڑا کرتے ہیں اور ان کو ایذا پہنچاتے ہیں اور آدمیوں کے نزدیک بھی یہ بات معیوب اور بری ہے سو اس مالک قہار کی جناب میں اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا چاہیے خصوصًا ان مکانوں میں جن کو اپنی ملک مجازی سے نکال کر اس مالک الملک کی عبادت کے واسطے خاص اور مقرر کر دیے ہیں ان مکانوں میں زیادہ تر خصوصیت ہوگی سو ان میں بطریق اولیٰ سوائے ذکر خدا کے دوسری کوئی چیز نہ کرنا چاہیے اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجدوں میں بیع اور شرا اور دوسرے جتنے معاملات دنیاوی ہیں کسی کو نہ کرنا چاہیے بلکہ مسجد میں چلانا نہ چاہیے اور دنیا کی گفتگو کرنا نہ چاہیے اور مسجد کو گھر نہ بنانا چاہیے کہ کھانا پینا سونا سب وہیں کرنا مگر معتکف کے واسطے درست ہے اور ناسمجھ بچوں کو اور دیوانوں کو مسجد میں نہ آنے دینا چاہیے اس واسطے کہ کہیں نادانی اور بے عقلی سے مسجد کو نجاست سے آلودہ نہ کر ڈالیں اور اس کی حرمت اور ادب کی رعایت نہ کریں اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ تمام جہان میں بہتر مکان کون ہے اور بدتر مکان کون حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی معلوم نہ تھا اسی وقت عروج کیا یعنے آسمان پر گئے اور پھر آئے اور جواب لائے کہ سارے عالم میں بہتر اور محبوب مکان مسجدیں ہیں اور بدترین مکانات عالم کی بازاریں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم میں سب چیزوں سے بہتر ذکر الٰہی اور اس کی بندگی ہے اور مسجد میں داخل ہوتے ہی ذکر اور بندگی یاد آتی ہے اور سارے جہان سے بری چیز غافل ہونا ہے یاد الٰہی سے اور اس کی بندگی سے اور جتنی بازاریں ہیں سب اسی غفلت کے مکان ہیں یعنی یاد الٰہی وہاں بہت کم ہوتی ہے لیکن اس حدیث میں ان بہترین اور بدترین مکانوں سے سوال ہے جن میں جانا مباح ہے اس سبب سے اس کے جواب میں یہ بات فرمائی والا بدترین وہ مکان ہیں جو کفر اور شرک اور گناہ کے واسطے بنے ہیں جیسے بت خانے اور شراب خانے اور قمار خانے اور زنا خانے لیکن جو بموجب حکم شرع کے ایسے مکانوں کو کھود ڈالنا اور مٹا دینا واجب ہے تو گویا وہ مکان ہی نہیں ہیں اور ان کا وجود اعتبار سے ساقط ہے بخلاف بازاروں کے کہ یہ شرع کے حکم کے بموجب معمور اور آباد ہوتے ہیں اور یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ذکر اور بندگی جس کے واسطے ہو اس کی حضوری کو چاہتی ہے اس واسطے کہ اسی کا ذکر کرتا ہے اور اسی کو معبود ٹھہرایا ہے سو جو مکانات حق تعالیٰ کے واسطے خاص کر دیے گئے ہیں ان میں کسی غیر کا ذکر یا عبادت کرنا یا اپنی طلب حاجت کے واسطے دوسرے کو پکارنا اس کی مثال

ایسی ہے جیسے ایک مکان کو کسی بادشاہ والاجاہ کے واسطے آراستہ کرکے اس کو بلانا پھر اس کے ساتھ اسی مکان میں ایک اُس کی کسی رعیت کی بھی ضیافت کرنا کہ یہ انتہا درجے کی بے ادبی اور نادانی ہے اور اس بادشاہ کے غصے کا سبب ہے وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ اور یہ کہ جس وقت کھڑا ہوتا ہے اللہ کا بندہ اور جو وہ بندہ ہے تو اس سبب سے اپنے مطلب کے عرض کرنے کے واسطے اپنے خاوند کو اس کا پکارنا بھی ضرور ہوا اسی واسطے وہ بندہ کھڑا ہو جاتا ہے تا کہ یَدۡعُوۡهُ پکارے حق تعالیٰ کو اور اُس کے پکارنے اور یاد الٰہی کرنے کے سبب سے حق تعالیٰ اس کے دل پر تجلی فرماتا ہے اور اُس کے بدن میں جو بہتر مکان ہے یعنے دل وہ انوار الٰہی کے نزول کا محل ہوتا ہے اور حضرت حق جل شانہ اس محل خاص میں اس کا مہمان ہوتا ہے کَادُوۡا یَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡهِ لِبَدًا ؕ قریب ہے کہ آدمی اور جن اس بندے پر ہجوم کرکے نمدے کی طرح تہ بہ تہ جم جاویں اور ٹھٹھ ہو جاویں پھر کوئی اس بندے سے لڑکا مانگتا ہے اور کوئی روزی مانگتا ہے اور کوئی دوسرے دنیا کے مطلب مانگتا ہے اور بعضے کشف احوال طلب کرتے ہیں یعنی جو دنیا کا تارک اپنے تئیں سمجھتے ہیں وہ اس بندے سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم پر سارے جہان کا احوال کھل جاوے اور اسی طرح دوسروں کو بھی قیاس کر لیا چاہیے سو اس ہجوم کے سبب سے اس خاص بندے کی اوقات میں بھی خلل ڈالتے ہیں اور اس کی خاطر کو پریشان کرتے ہیں اور آپ بھی شرک اور کفر کے بھنور میں ڈوب کر ہلاک ہوتے ہیں اور لوگ یہ بوجھتے ہیں کہ کثرت ذکر اور عبادت الٰہی کے سبب سے اس بندے کا دل نور الٰہی کے نزول کا مکان ٹھہرا ہے اور نور الٰہی نے اُس کے دل کو منجلی کیا ہے تو اب یہ بندہ حق تعالیٰ کے کارخانے کا شریک ہو گیا اور اس بندہ کی ایسی قدر و منزلت درگاہ الٰہی میں ہے کہ جو اس کی زبان سے نکلے وہی حق تعالیٰ کرے جس طرح دنیا میں مہمان کو خاطر داری میزبان کی لازم ہوتی ہے اسی واسطے دنیا کے لوگ تلاش میں رہتے ہیں اور بادشاہ یا امیر یا حاکم یا فوجدار جس کے گھر میں آتے ہیں اس شخص سے اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی چاہتے ہیں یعنے جو یہ کہے گا تو اس کی خاطر کے سبب سے بادشاہ کو بھی کرنا پڑے گا اور اس فاسد خیال کے سبب سے یعنی اس خیال سے کہ حق تعالیٰ کے خاص بندے اُس کے گھر کے مختار ہیں جو کہیں گے وہی خدا کو کرنا پڑے گا پیر پرستی اور گور پرستی میں گرفتار ہو کے خسر الدنیا والآخرۃ ہوتے ہیں اور اس بات میں جن اور آدمی دونوں شریک ہیں اور تم کو اے محمد علیک الصلوٰۃ والسلام ثقلین

کی رسالت کا منصب ہے یعنی انسان اور جنات دونوں فرقوں کے تم نبی ہو سو اگر تم کو اپنے حق میں ان بانوں کا خوف ہے کہ کہیں لوگ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ نہ کریں تو تم صاف صاف ان دونوں فرقوں کو جتا دو اور قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ کہدے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں تو پکارتا ہوں اپنے پروردگار کو تاکہ مجھ کو دل کی تاریکیوں سے نجات دے کے اپنے نور کی تجلی سے اس دل کو منور اور مشرف کرے وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا اور شریک نہیں کرتا میں اس کے ساتھ کسی کو اور جب میں نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا اور اُسی اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوا اور اسی کو پکارا تو دوسرے دل سے کب میں چاہوں گا کہ مجھ کو پکاریں یا مجھ کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرا دیں اور اگر یہ دونوں فرقے مجھ کو شریک ٹھہرا کے کچھ اپنے نفع یا نقصان کی تجھ سے امید رکھیں اور اس اعتقاد سے تجھ کو پکاریں تو صاف قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا کہدے کہ تحقیق میں ہرگز مالک نہیں تمہارے نقصان کا اور نہ مطلب رسی کی تدبیر بتلانے کا یعنی راہ پر لانے کا جس طرح سے پہلے وکیل اور درمیانی یعنی جنات اور گمراہ آدمیوں کی روحیں دنیا کے لوگوں کو کچھ نفع کے لالچ اور نقصان کا خوف دلا کے اپنا ذلیفہ کرتے تھے اور ان لوگوں کے نزدیک اپنے تئیں نفع اور نقصان کا مالک ظاہر کرتے تھے سو اب وہ دفتر گاؤخورد ہوا اور وہ کارخانہ تباہ ہوا اور اگر کسی حادثے اور کسی مصیبت سے تیری طرف پناہ لا دیں اور چاہیں کہ حق تعالیٰ کے خلاف مرضی کر کے تیرے دامن میں گھس کے حق تعالیٰ کے غضب سے بچ جاویں تو بے لاگ کھلی بات قُلْ اِنِّیْ لَنْ يُّجِيْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ کہدے کہ تحقیق میں آپ ہی اس حال میں ہوں کہ ہرگز نہ پناہ دے سکے گا مجھ کو کوئی حق تعالیٰ کے غضب سے وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا اور ہرگز نہ پاؤں گا میں اپنی دریافت میں کبھی حق تعالیٰ کے سوائے کوئی رجوع اور التجا کی جگہ دل میں اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ مگر حق تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا اور اس کے حکم اس کی مخلوقات کی طرف سو اس واسطے اس وقت میں مجھ کو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس کی مخلوقات کی طرف متوجہ ہونا ضرور ہوتا ہے اور توجہ الی اللہ کے کمال خلوص سے نزول کر کے مخلوقات کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے لیکن یہ بات بموجب ظاہر حال کے کہی جاتی ہے نہیں تو مخلوقات الٰہی کی طرف رجوع کرنا جو اس کے حکم سے ہے اور اسی کے کام کے واسطے ہے تو حقیقت میں یہ بھی عین رجوع اور استغراق ہے سو اسی واسطے یہ نزول اور توجہ خاص ان لوگوں کے

واسطے ہے جو حق تعالیٰ کے حکموں کو دل اور جان سے قبول کرتے ہیں اور اس کی فرمانبرداری اور اطاعت پر مستعد اور کمر باندھے بیٹھے ہیں سو ایسے شخصوں کی روحوں کو قرب الٰہی کے مقام میں پہنچانا اور انکی تکمیل کرنا یہ میری خدمت ہے وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اس مقدمے میں یعنی نام کی عبادت کے خاص مکانوں اور خاص وقتوں میں غیر کو پکارے جاوے اور اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی میں دوسرے کی طرف التجا اور رجوع کیے جاوے اور اس کے کارخانے میں دوسرے کو شریک کیے جاوے اور ان باتوں سے دست بردار نہ ہووے اور معتزلہ اس جگہ پر جو سمجھے ہیں کہ اس نافرمانی سے مطلق گناہ مراد ہے جو شرک ہو خواہ کبیرہ دوسرے یہ کہ ان دونوں قسموں کے گناہ گاروں کے واسطے خلود فی النار اور عذاب ابدی ہوگا سو یہ معنی اس آیت کے بوجھنا تحریف کے قبیل سے ہے نہ تفسیر کے طور پر اسواسطے کہ اس آیت کا سیاق اور سباق یعنی طرز اور روش اس کی صراحۃً اسی بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے وہ گناہ مراد ہیں جو شرک کو مستلزم ہیں مطلق گناہ مراد نہیں ہیں اور کلام الٰہی کو سیاق اور سباق کے مقتضا کے خلاف کی طرف پھیرنا تحریف ہے اور تحریف ممنوع ہے سو سیاق اس آیت کا پہلے ہو چکا کہ غیر خدا کے پکارنے والے اس سے مراد ہیں اور سباق اس آیت کا آگے آتا ہے کہ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا اور یہ اسی آیت پر دلالت کرتی ہے کہ دنیا میں اکثر مخلوقات سے جو یہ لوگ استعانت کرتے ہیں اور ہر حاجت اور ہر مطلب کے واسطے علیحدہ علیحدہ معین اور مددگار ٹھہراتے ہیں اور یہ بوجھتے ہیں کہ ہمارے اتنے معبود ہماری شفاعت اور خلاصی سے ہرگز عاجز نہ ہوں گے بلکہ ہم کو چھڑا لیں گے سو یہ ایک بھی ان کی مدد نہ کرسکیں گے اور ان کے کام نہ آویں گے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ سو بیشک اس کے لیے ہے آگ دوزخ کی خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وہ رہا کریں اس دوزخ میں ہمیشہ ابدالآباد تک اور کوئی ان کے مددگاروں سے ان کی فریاد کو نہ پہنچے گا اور دوزخ سے نہ نکال سکے گا جس طرح گنہگار ایمانداروں کا ایمان ان کو دوزخ سے نکالے گا اور پیغمبروں کی اور شہیدوں کی اور ولیوں کی شفاعت ان کی خلاصی اور نجات کا سبب پڑے گی بخلاف کافروں کے اسواسطے کہ ان کے گناہ شرک اور غیر اللہ کی عبادت کو پہنچے تھے اور شفاعت کے قابل نہ رہے تھے اور ان کے گناہوں میں شرک اور کفر کا لگاؤ بھی نہ تھا اس سبب سے شفاعت کی لیاقت رکھتے تھے اور لہٗ میں ضمیر کا مفرد ہونا

مَن کے لفظ کے لحاظ سے اور خالدین کو جمع کے صیغے سے لانا مَن کے معنوں کے لحاظ سے اس سبب سے ہے کہ گناہ اور غیر اللہ کے معبود ٹھہرانے کی حالت میں ہر ایک کی دوزخ جدا جدا ہے اور خلود کی حالت میں سب ایک جا اور مجتمع ہوں گے مگر باوجود ایک جا اور مجتمع ہونے کے کچھ حاجت روائی نہ کر سکیں گے اور اپنی مصیبت اور آفت نہ ٹال سکیں گے لیکن یہ بدبخت اپنے اعتقاد کے ایسے مضبوط ہیں کہ جب تک دوزخ میں نہ داخل ہوں گے اور اس کا عذاب نہ چکھیں گے اور ان کے معبود مددگار ان کی شفاعت اور حمایت سے دست بردار اور بیزار نہ ہوں گے تب تک یہ اسی اپنے باطل اعتقاد کے گھمنڈ میں ہوں گے اور اپنے دلوں کو سمجھاویں گے کہ ہم نے دنیا میں بڑے وسیلے اور مضبوط دستاویزیں اور سندیں اپنے واسطے درست کر رکھی ہیں آخر کو وہ ہمارے سردار اور معبود ہمارے کام آویں گے اور اب ہم کو اس بلا سے چھڑاویں گے حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ یہاں تک کہ دوزخ کی آگ میں پڑ کے دیکھیں گے جو کچھ ان کو وعدہ دیا جاتا تھا کہ آخر کو یہ تمہارے معبود جن پر تم بھولے ہو تمہاری بات بھی نہ پوچھیں گے اور تمہارے کچھ کام نہ آویں گے اور آپ بھی عاجز اور ذلیل ہوں گے اور تمہاری کچھ عرض معروض نہ کر سکیں گے اور شفاعت کے مقام میں کھڑے نہ ہو سکیں گے بلکہ اکثر تو دوزخ میں پڑے جلتے ہوں گے سو اس وقت فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا پھر البتہ جانیں گے کس کے بودے ہیں مددگار ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے گمان میں بڑے بڑے زبردست زور آور مددگار ٹھہرا رکھے تھے یا موحد مسلمانوں کے جو سوائے خدا جل شانہٗ کے کسی کو اپنا مددگار نہیں جانتے تھے اسی اپنے مالک اور خالق کے کرم اور فضل پر بھروسا رکھے ہوئے تھے وَّاَقَلُّ عَدَدًا اور کون گنتی میں تھوڑے ہیں اُن کے جنہوں نے ہزاروں پیر اور پریوں کو اپنا کارساز اور مددگار ٹھہرا رکھا تھا بلکہ اپنے گمان میں ایک لشکر اپنے واسطے جمع اور تیار کر رکھا تھا یا موحد مسلمانوں کے جنہوں نے ایک ذات پاک پروردگار کے کسی کو اپنا کارساز نہیں ٹھہرایا تھا بلکہ سوائے اس کے کسی کو جانتے بھی نہ تھے اور اگر تمہاری یہ باتیں سن کے جو شرک کو جڑ سے کھود ڈالتے ہیں اور غیر اللہ سے استعانت کے کارخانہ کو بالکل برباد اور خراب کیے ڈالتے ہیں اور کافروں کی طمع اور امید کو بالکل مٹائے دیتے ہیں یعنی اس امید کو کہ جنوں سے وکالت اور سفارت کا عہدہ نکل کے تم کو جو سپرد ہوا ہے تو جس طرح تمہارے نبی ہونے کے پہلے جن اور آدمیوں میں معاملہ مدد مانگنے اور مدد کرنے کا اور خبر پوچھنے اور بتلانے کا ان

کے آپس میں جاری تھا سو اب تمہارے واسطے اور وسیلے سے وہی طور جاری رکھیں گے اور تم کو اور
تمہارے خاص پیرو لوگوں کو جنوں کی طرح پوجا کیا کریں گے بلکہ خود بھی تمہارے ظاہر تابعدار ہو کے
تمہاری طرف سے اسی اپنی خدمت پر بحال ہو کے یوہی اپنا دستور جاری رکھیں گے چنانچہ دنیا کے
عزل اور نصب اور برطرفی اور بحالی کا یہی دستور ہے کہ معزول حاکم کے متوسل اور علاقہ دار بحال حاکم کے
وسیلے سے اپنی اگلی خدمت میں دخیل ہو جاتے ہیں سو تمہاری یہ چند باتیں جنہوں نے یہ کفر کی جڑ اور
کافروں کی طمع کے درخت کو بیخ اور بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے لہٰذا اگر کافر سن کے مایوس
ہو کے تم سے پوچھیں گے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ یہ قیامت کا وعدہ جو تم کرتے ہو اور کہتے ہو کہ تمہارے مالک
اور معبود وہاں تمہارے کچھ کام نہ آویں گے بلکہ تم سے بیزار ہوں گے اور تمہاری عبادت سے منکر ہوں گے
سو یہ قیامت کب ہوگی دور ہے یا نزدیک سو تم اس سوال کے جواب میں قُلْ اِنْ اَدْرِیْ کہو کہ میں
کچھ بھی نہیں جانتا کہ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ۰ آیا نزدیک ہے جو تم وعدہ
دیے جاتے ہو یا کرے گا میرا پروردگار اس کے واسطے ایک مدت کی حد اور عبارت کا سیدھا طرز یہ تھا کہ یوں
فرماتے کہ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ بَعِیْدٌ لیکن اس اسلوب کو متغیر کیا اس واسطے کہ ظاہر میں حکمت
الٰہی قرب کا تقاضا کرتی ہے اس لیے کہ جزا کے مستحق ہونے کے بعد جزا پہنچانے میں عجلت مناسب
ہے لیکن باطنی حکمت البتہ کسی پوشیدہ وجہ سے شاید تاخیر کی مقتضی ہوئی ہو اس واسطے کہ جب تک نوعِ
انسانی اس دنیا میں باقی ہے تب تک اپنے گذرے ہوؤں کے واسطے طرح طرح کی مدد اور اعانت
کیے جاتے ہیں خواہ اس میں تقرب الی اللہ ہو یا الی غیر اللہ ہو اور اپنے مقدور اور طاقت بھر اس مقدمے
میں خرچ کرتے ہیں پھر جب کوشش اور سعی ان کی بالکل تمام ہوتی ہے تو اس وقت جزا کا ایصال مناسب
ہے تاکہ الزام حجت کا ہو جاوے اور ان کے مددگاروں کا ضعف اور عجز ظاہر ہو جاوے تو موعود کا
قریب ہونا ہر فرد کی مدت پوری ہونے کے لحاظ سے احتمال کیا گیا ہے اور مدت کا پورا ہونا موت کے
وقت ہوتا ہے کہ جتنے دنیا کے کام ہیں ان سب سے فراغت حاصل ہوتی ہے اور موعود کا مؤخر ہونا
قیامت کے دن تک بھی احتمال رکھتا ہے لیکن یہ احتمال تمام نوع کی مدت پوری ہونے کے لحاظ سے
ہے کہ اس وقت اس نوع کی ہر ہر فرد کے عمل منقطع ہو جائیں گے اور اس نوع کی ہر ہر فرد کی روحیں
بالکل آخرت کی طرف انتقال کر جائیں گی اور حقیقت میں دونوں صورتیں قرب اور بعد کی واقع ہونے

والی ہیں لیکن موت کے بعد ہر شخص کو اپنی غلط فہمی اور خطا معلوم ہو جائے گی اور فیصلے اور حکم کی وقت عاجزی اور ضعف تمام مخلوقات کا کھل جائے گا اور مخلوقات سے امید بالکل منقطع ہو جائے گی سو موعودات اُخروی کے ظہور کی ابتدا بہت نزدیک ہے اور اس کی انتہا بہت دُور ہے غرض ہر طرح سے اگر ہر شخص کی اجل کی مدت مجھے بھی معلوم ہو پھر بھی اُس کے موافق موعودات اُخروی کے ظہور کا حکم ساتھ قُرب اور بُعد کے اُس کے حق میں نہ کروں میں تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے یا یہ کہ نوعِ انسان کی بقا کی مقدار نہ جانوں میں یہ بھی کچھ عجب نہیں ہے اس واسطے کہ میں غیب داں نہیں ہوں اور غیب دانی کا دعویٰ بھی میں نے کبھی نہیں کیا جسطرح مجھ سے پہلے جن لوگوں کو تم نے اپنا معبود ٹھہرا رکھا تھا یعنی جنات کو سو وہ ایسے دعوے تم سے کیا کرتے تھے بلکہ میں تو یوں کہتا ہوں کہ میرا پروردگار عَالِمُ الْغَیْبِ غیب داں ہے اور اس کے سوا کسی کو یہ علم حاصل نہیں ہے اس واسطے کہ غیب اُس چیز کا نام ہے کہ حواس ظاہری کے دریافت سے غائب ہو کہ حاضر تا کہ دیکھنے اور پوچھنے سے معلوم ہو سکے اور نشان اور علامت بھی اُس چیز کی عقل اور فکر میں نہ آسکے تا کہ ہدایت اور استدلال سے بھی نہ دریافت ہو سکے اور اس قسم کا غیب مختلف ہوتا ہے ہر شخص کی نسبت سے چنانچہ اندھے مادرزاد کے نزدیک ہر رنگ غیب ہے اور آوازیں اور نغمے اور الحان اُس کے نزدیک شہادت میں یعنی ظاہر ہیں اسی طرح اصلی نامرد کے نزدیک عورت سے صحبت کرنے کا مزہ غیب ہے اور فرشتوں کے نزدیک بھوک اور پیاس کا رنج غیب ہے اور بہشت اور دوزخ شہادت ہے یعنی ظاہر ہے اسی واسطے اس قسم کے غیب کو غیب اضافی کہتے ہیں یعنی بعضوں کی نسبت سے غیب ہے اور بعضوں کی نسبت سے حاضر ہے اور ایک غیب مطلق ہے یعنی تمام مخلوقات سے غائب ہے کوئی اس کو جان نہیں سکتا جسطرح قیامت کے آنے کا وقت اور حق تعالیٰ کے حکم ہر روز جو دنیا میں جاری ہوتے ہیں اور شریعت کے حکم جو ہر شریعت میں حق تعالیٰ کے فرمودہ کے بموجب جاری ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات اور صفات کی حقیقت اور کُنہ مفصل معلوم کرنا یہ سب غیب مطلق ہیں اور غیب خاص الٰہی بھی اس کو کہتے ہیں فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اور خبردار نہیں کرتا ہے اوپر اس غیب خاص اپنے کے کسی کو کسی وجہ سے اس طور پر کہ خطا اور شبہہ اور دھوکا بالکل اس سے جاتا رہے اور بھول چوک کا احتمال بھی باقی نہ رہے اور ایسے دریافت کنندہ کو جس

ہیں یہ سب صفتیں پائی جاتی ہوں غیب داں کہہ سکتے ہیں یعنی اس پر غیب ظاہر ہوا بخلاف نجومیوں
اور طبیبوں اور کاہنوں اور رمالوں اور جفریوں اور فال دیکھنے والوں کے کہ ان سب کے علموں کی اصل
ظنی علامتیں اور اسباب ہیں جن کے سبب سے بعضی چیزیں ہونے والی معلوم ہو جاتی ہیں یا جنات
یا شیطانوں کے خبر دینے سے کچھ معلوم ہوتا ہے سو وہ بھی جھوٹ اور سچ کا احتمال رکھتا ہے اس
واسطے کہ ان کے بھی اکثر کلام تخمینی اور وہمی ہوتے ہیں نہ یقینی اور اولیاء اللہ کا الہامی علم اگرچہ ذات
اور صفات کی بعضی حقیقتوں کا یا بعضی ہونے والی چیزوں کا یقین اس سے حاصل ہوتا ہے لیکن ایسا
یقین اس سے حاصل نہیں ہوتا کہ کسی سے بھول چوک کا شبہہ اس میں باقی نہ رہے تاکہ ان کو غیب داں
بلا قید کہہ سکیں کہ یہ چیزان کے قبضے میں آگئی بلکہ ان پر غیب کے اظہار کا یہ طور ہے کہ صورتِ
غیبیہ کا عکس ان کے دل کے آئینہ میں پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ تکلیف عام اس پر ثابت نہیں
ہے یعنے ہر شخص کو اس پر یقین کرنا واجب نہیں ہے بلکہ وہ خود اس امر کے یقین اور اعتماد کرنے
میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کے محتاج ہوتے ہیں اس واسطے
کہ یہ دونوں وحی کی قسم ہیں یعنے جو ان کو معلوم ہوا ہے اگر قرآن اور حدیث کے موافق ہے تو
اس پر ان کو یقین کرنا اور عمل کرنا چاہیے اور نہیں تو نہیں پس معلوم ہوا کہ غیب کا اظہار کسی پر نہیں
ہے اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مگر جس کو پسند کر لیتا ہے سو وہ شخص رسول ہوتا ہے خواہ فرشتے
کی قسم ہو جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام اور خواہ بنی آدمؑ سے جیسے حضرت محمدؐ اور حضرت موسیٰؑ اور
حضرت عیسیٰ وغیرہم علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کہ ایسے لوگوں کو اپنے خاص غیب کی بعضی چیزوں پر
مطلع اور خبردار کیا تاکہ وہ اس غیب کی بات کو سب مکلفین کو پہنچا دیں اور دھوکے اور شبہے کو الہوں
سے بالکل دور کر دیا ہے تاکہ بھول چوک کا احتمال بھی گرد اس کے نہ پھٹکے اور جتنے مکلف ہیں عام
ہوں یا خاص غرض کہ جنہوں نے رسول بشیر کی رسالت کو سچا جانا ہے وہ سب پر وحی میں اس کے
قول پر اعتماد کریں اور غلطی میں پڑ کے حق راہ بھول نہ جاویں اسی واسطے وحی کے اتارنے میں پرلے
درجے کی احتیاط کی جاتی ہے فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ پھر بیشک میرا پروردگار روانہ کرتا ہے اور معین کرتا ہے مِنْ
بَيْنِ يَدَيْهِ ہاتھ کے آگے سے اس رسول کے وہ رسول فرشتوں کی قسم سے ہو یا بشر کی قسم سے اور
آگے سے اس کی قوت فکریہ اور وہمیہ اور خیالیہ مراد ہیں اور اس کی طبیعت اور عادت اور خلق مراد ہیں

جو اُس وقت موجود ہیں وَمِنْ خَلْفِهٖ اور پیٹھ کے پیچھے سے اس رسول ملکی یا بشری کے اور پیچھے سے وہ علوم مراد ہیں جو اُس کے حافظے میں جمع ہیں اور طبیعتیں اور عادتیں اور خلق جو اپنے پیچھے اس نے چھوڑی ہیں رَصَدًا ۙ چوکیداروں کو جو فرشتوں کی قسم سے ہیں تاکہ وہ فرشتے وحی لانے کے وقت میں اسکی فکری اور وہمی اور خیالی قوتوں کو سبقت کرنے نہ دیں اور طبیعت اور عادت اور خلق کی خواہش کو بند کریں تاکہ وحی کے حکم میں یہ چیزیں ملنے نہ پاویں سو یہ محافظت پیش دستی سے ہے یعنی آگے سے یہ چیزیں اس میں ملنے نہ پاویں اور حافظے میں جمع ہوئے علم سے اور پیچھے چھوڑے ہوئے خلق اور عادتوں سے ممانعت کرنا کہ وحی میں ملنے نہ پاویں یہ محافظت پیچھے سے ہے سو رسولوں کو وحی اترنے کے وقت سے مکلفین کے پہنچانے تک معطل کر دیتے ہیں اور ان کی سب قوتوں کو بیکار محض کر دیتے ہیں تاکہ کوئی ان کی قوت وحی میں دخل نہ کرنے پاوے بخلاف اولیاؤں اور عارفوں کے کہ وہاں اتنی احتیاط اور محافظت غیب کی بات کی اطلاع کے وقت نہیں ہوتی ہے اُنکی جتنی قوتیں ہیں اس اطلاع کے وقت میں اپنے کام میں مشغول ہوتی ہیں فکری اور وہمی ہو یا خیالی اور حافظہ اور ذاکرہ ہو یا طبعی اور عادتی اور اخلاقی ہو اور یہ سب موجودہ ہوں یا متروکہ سب اپنا عمل کر سکتے ہیں اگرچہ رسول ملکی اکثر چیزوں میں ایسی چوکیداری سے مستغنی ہے لیکن بعضی چیزوں کی احتیاط کے واسطے اس کی بھی محافظت ضروری ہے جیسے دواعی الٰہیہ سے کسی داعیہ کے متحمل ہونا جس کا اجرا بموجب حکمت کے بالفعل منظور نہیں ہے اسی واسطے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل ؑ کبھی وحی لیکر تنہا تشریف نہیں لائے بلکہ ان کے ساتھ محافظت کے واسطے فرشتے ہوتے تھے اور جب سورۃ انعام کو لے کے آئے تھے تو ستر ہزار فرشتے اسی سورۃ کی محافظت کیواسطے تھے اور اس سورۃ کی زیادہ احتیاط کی وجہ یہ تھی کہ یہ سورۃ بالکل یا اکثر ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے اور جسقدر چیز محفوظ ہوگی اسیقدر اس کے محافظ بھی ہوں گے اور یہ بھی تھا کہ اس سورۃ میں شیطانی وحی کی بعض قسمیں رد اور ابطال کے طور پر مذکور ہیں اور بعضے کفر کے کلمے محال چیز پر فرض کر لینے کے طور حضرت خلیل ؑ کی زبان سے حکایت کے طور پر ذکر فرمائے ہیں سو وہ شیطانی وسوسے اور وہ کفر کے کلمے نہایت نفرت کے سبب شاید حضرت جبریل ؑ کے حافظے سے جاتے رہیں تو اس صورت میں وحی الٰہی کی قدر اور اندازے میں نقصان لازم آوے ایسی وجہوں سے رسول ملکی کی بھی حفاظت ضروری ہے اور یہاں پر ایک اشکال ہے بہت زبردست اس کا حاصل یہ ہے کہ جب ایک رسول علیہ السّلام کو بعضے خاص غیب پر خبردار کیا اور رسول کا مفہوم اس بات کو چاہتا ہے کہ رسول اس غیب خاص کو دوسروں کو پہنچا دے

تو بالتخصیص رسول کا استثنا کرنا لغو ہوا بلکہ واقع کے خلاف ہوا اور یہ بھی ہے کہ اتنی احتیاط اور محافظت وحی کے پہلے واسطہ میں یعنی فرشتے میں کافی تھی اور اگر دوسرے واسطے میں یعنی رسول بشری میں ایسی احتیاط کی رعایت ضرور ہے تو پھر دوسرے واسطوں میں جیسے صحابہ اور علمائے تابعین اور مفسرین وغیرہ میں بھی اس محافظت کی رعایت ضروری چاہیے تاکہ وحی کے لفظ کے نقل کرنے میں اور اس سے صحیح مطلب معلوم کرنے میں بھی خطا اور چوک واقع نہ ہونے پاوے سو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ غیب خاص کا اظہار رسول ملکی اور رسول بشری کے حق میں ہے اور سوائے رسول کے جتنے مکلفین ہیں ان کو جو وحی کا علم حاصل ہوتا ہے اس کو علم غیب نہیں کہتے ہیں بلکہ معجزے کی تصدیق کے سبب سے ان کا علم وحی کے مضمون پر استدلالی ہوتا ہے اس سبب سے رسول کو مستثنیٰ کرنا موافق واقع کے ہے بلکہ ضروری ہے اور وحی کے اتارنے میں احتیاط اور محافظت کی رعایت اس وقت تک ضروری ہے جب تک رسول سے اس کی تبلیغ تواتر کی حد کو نہ پہنچے اور جب رسول سے اس کی تبلیغ حد تواتر کو پہنچ گئی تو اب وہ وحی دھوکے اور شبہے سے مامون اور محفوظ ہوئی اور ہر فرد بشر کی عصمت مطلوب بھی نہیں ہے بلکہ عصمت کل امت کی من حیث المجموع درکار ہے سب کے سب خطا اور چوک میں نہ پڑ جاویں سو یہ بات حاصل ہے اور رسول بشری وسط کے یعنی بیچ کے مرتبے میں واقع ہوا ہے جب تک وحی اس سے متجاوز نہیں ہوئی اور مکلفین تک نہیں پہنچی تب تک وحی غیب کے حکم میں ہے اور غیب کے مقدمے میں احتیاط اور محافظت میں سستی کرنا حکمت کے خلاف ہے اس واسطے کہ وحی کے علوم مخزونہ سے مختلط ہونے کا احتمال موجود ہے اور فکر اور خیال اور عادت کے مقتضیات کے دخیل ہونے کا بھی احتمال برقرار ہے لیکن جب رسول نے اس وحی کی تبلیغ کو حد تواتر کو پہنچایا تو وحی طشت از بام مشہور ہوئی اور احتیاط محافظت مذکورہ سے بھی مستغنی ہوئی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ لِيَعْلَمَ تاکہ جان لے پروردگار میرا اور یہ لام حتیٰ کے معنوں میں ہے اس واسطے کہ غرض اور غایت میں بہت قوی مناسبت ہے اور ایک لفظ کو دوسرے کے واسطے استعارہ کرنا درست ہے یہی وجہ ہے کہ حتیٰ کے لفظ کو جو غایت کے واسطے موضوع ہے تعلیل اور غرض کے بیان کے مقام میں اکثر استعمال کرتے ہیں اور لام کو جو غرض کے واسطے موضوع ہے غایت کے مقام میں استعمال کرتے ہیں اگرچہ مجاز ہی کے طور پر ہو چنانچہ لِدُوا لِلْمَوْتِ وَابْنُوا لِلْخَرَابِ میں لام غایت کے واسطے مستعمل ہے یعنی انتہا جینے کی موت ہے اور انتہا تعمیر کی ویرانی ہے اور اسی

طرح فَالْتَقَطَهٗ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا یعنے پھر اٹھا لیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون والوں نے تاکہ ہو ویں وہ ان کے لیے دشمن اور سبب رنج کے یعنی انجام اٹھانے کا یہ ہوا کہ وہی ان کی ہلاکی کے سبب پڑے حاصل کلام کا یہ ہے کہ اس قدر احتیاط اور نگہبانی اسوقت تک رہتی ہے جب تک علم حالی پروردگار کا کسی سے تعلق قبول کرے یعنی وہ علم جو واقع ہونے والی چیزوں کے ساتھ اُن کے وقوع کے وقت متعلق ہوتا ہے اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ یہ کہ مقرر پہنچایا اس رسول ملکی اور بشری نے اور چوکیداروں نے سب پیغام اپنے پروردگار کے اور حجت عامہ سب مکلفین پر لازم ہوئی اور اس جگہ پر صیغہ جمع کا لانا باوجود مفرد ہونے رسول کے کلام سابق میں اسی واسطے ہے کہ اکثر وقتوں میں وحی کا نزول اور اس کو مکلفین کو پہنچا دینے تک رسول بشری اور ملکی اور چوکیدار سب کو اس میں دخل ہوتا ہے اگرچہ وحی کا حامل رسول فقط ہوتا ہے جس طرح کوئی بادشاہ اپنے مقربوں میں سے کسی کو خوان طلائی بھیجے تو اس کے ساتھ چوبدار اور مشعلچی اور نگہبان ضرور ہمراہ ہوتے ہیں سو اگرچہ خوان کا اٹھانے والا ایک ہی آدمی ہوتا ہے اور دوسروں کو جو کچھ خوان میں ہے اس کی خبر بھی نہیں ہوتی ہے لیکن اس خوان کا پہنچانا ان سب کی طرف منسوب ہوتا ہے وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ اور گھیر لیا ہے ان کے پروردگار نے جو کچھ ان کے پاس ہے سب کو خواہ وہ علم سیکھے ہوئے ہوں یا اخلاق اور عادات ہوں یا وحی کے احکام ہوں اور یہ حق تعالیٰ کے علم کا محیط ہونا کچھ رسولوں اور وحی کے چوکیداروں کے احوال کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام ہے تمام مخلوقات اور موجودات کو شامل ہے ذہنیہ موجودات ہوں یا خارجیہ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ع اور شمار کر لیا ہے ہر چیز کو گن کے یعنی کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی ۲ ع ۱۲
سب کا حساب وہاں موجود ہے یہاں تک کہ دریا کی لہریں اور جنگل کی ریت اور درختوں کے پتے اور برسات کی بوند سب کی گنتی اور حساب وہاں موجود ہے سو جس کا علم ایسا محیط ہے وہ رسولوں کے احوال اور وحی کے چوکیداروں کے احوال سے کیونکر نہ واقف ہوگا اس جگہ پر جاننا چاہیے کہ صاحب کشاف نے بسبب میلان مذہب اعتزال کے اس آیت کے بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ وَفِيْ هٰذَا اِبْطَالُ الْكَرَامَاتِ لِاَنَّ الَّذِيْنَ تُضَافُ اِلَيْهِمْ وَاِنْ كَانُوْا اَوْلِيَاءَ مُرْتَضِيْنَ فَلَيْسُوْا بِرُسُلٍ اِلٰى اٰخِرِ مَا قَالَ یعنی کشاف والے نے یوں کہا ہے کہ اس آیت میں کرامت کا بطلان پوچھا جاتا ہے اس واسطے کہ جن کی طرف نسبت کی جاتی ہے یہ بات اگرچہ وہ لوگ ولی اللہ تعالیٰ کے تھے

پسندیدہ لیکن رسول نہ تھے اور اس آیت میں فقط رسول مستثنیٰ ہیں سو باوجود عقل اور دانائی کے ایسا دعویٰ اس سے بہت بعید اور عجیب واقع ہوا ہے اس واسطے کہ اس آیت میں مطلق غیب پر مطلع ہونے کی نفی نہیں بوجھی جاتی ہے بلکہ ایسے غیب پر مطلع ہونے کی نفی ہے جس میں دھوکا اور شبہہ بالکل باقی نہ رہے سو اس قسم کے غیب پر مطلع ہونا سوائے رسولوں کے دوسرے کے واسطے ثابت نہیں ہے نہ مطلق غیب پر مطلع ہونا پھر کرامت تو بطریق اولیٰ اس نفی میں داخل نہ ہوگی اور تفسیر میں اوّل گذر چکا ہے کہ اظہار شخص پر غیب چیز دوسری ہے اور اظہار غیب پر شخص چیز دوسری ہے پہلے کی نفی سے دوسرے کی نفی لازم نہیں ہوتی ہے اور اولیاء اللہ کو اگرچہ اظہار پر غیب کا رتبہ حاصل نہیں ہے لیکن اظہار غیب کا ان پر درست اور جائز ہے چنانچہ سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ماں کے حق میں تصریح آگئی ہے کہ اِنَّا رَآدُّوْہُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْہُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ یعنے تحقیق ہم پھیریں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو اپنے رسولوں سے اسی واسطے اہل سنت وجماعت کے اکثر ان عالموں نے جنہوں نے اظہار شخص پر غیب اور اظہار غیب پر شخص میں فرق نہیں کیا ہے انہوں نے یوں کہا ہے کہ اس آیت میں غیب سے احکام شرعیہ مراد ہیں جن کی تکلیف جتنے مکلف ہیں سب کو ہے اور اگر مطلق غیب مراد ہو تو لازم آتا ہے کہ جو فقط نبی ہیں ان کو بھی کسی غیبی امر پر اطلاع حاصل نہ ہو جیسے حضرت خضر علیہ السّلام اس واسطے کہ اس آیت میں علم غیب کا حصر فقط رسول کے لفظ پر ہے اور رسول خاص ہے نبی سے اور یہ بات خلاف ہے ہاں یہ البتہ ہے کہ نئی شریعت کے حکموں پر آگاہ اور خبردار کرنا خاصہ رسول کا ہے یہ بات نبی میں البتہ نہیں پائی جاتی اور بعضے عالموں نے یوں کہا ہے کہ یہاں حصر اصالت کی قید کے لحاظ سے ہے یعنے بالاصالت غیب پر مطلع ہونا پیغمبروں کا خاصہ ہے اور اولیاء اللہ کو غیب پر جو اطلاع حاصل ہوتی ہے سو وراثت اور تبعیت کی راہ سے حاصل ہوتی ہے جس طرح چاند کو روشنی سورج کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے اور کسی چیز کو منحصر کہنا ایک چیز میں جس میں وہ چیز بالاصالت پائی جاتی ہے اور نفی کرنا اس میں جس میں وہ چیز تبعیت اور وراثت کے طور پر پائی جاتی ہے یہ حصر اور نفی مجازی ہے اور متعارف اور مشہور ہے تاویل میں داخل نہیں ہے اور بعضے اہل سنت اور جماعت کے قدیم مفسروں نے یوں بیان کیا ہے کہ اس غیب سے مراد لوح محفوظ ہے اور لوح محفوظ پر سوائے پیغمبروں کے کسی کو اطلاع اور خبر نہیں ہوتی ہے لیکن

اس کلام میں بہت سے خلل ہیں پہلے تو پیغمبروں کا لوح محفوظ پر مطلع ہونا یعنے اس لوح کا مطالعہ کرنا اور اس کے لکھے ہوئے کو بوجھنا صحیح حدیث میں پایا نہیں جاتا بلکہ حدیث صحیح میں یہ البتہ آیا ہے کہ یہ کام خاص حضرت اسرافیل علیہ السلام کو سپرد ہے اور حضرت اسرافیلؑ رسول نہیں ہیں دوسری قباحت یہ ہے کہ لوح محفوظ پر مطلع ہونے سے موجودات نفس الامری پر مطلع ہونا مُراد تھی اس واسطے کہ کتاب پر مطلع ہونے سے یہی مُراد ہوتی ہے کہ جو مضمون اِس کتاب میں لکھا ہوا ہے اُس پر خبردار ہوا نہ یہ کہ کتاب کے نقشوں کو فقط دیکھ لیا اور یہ بات یعنی موجودات کے احوال پر مطلع ہونا اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہو جاتا ہے تو لوح محفوظ کا دیکھنا نہ دیکھنا دونوں برابر ہوا تیسری قباحت یہ ہے کہ لوح محفوظ پر مطلع ہونا بلکہ اس کے مضمون کو دیکھ کر سمجھنا بعضے اولیاء اللہ سے تواتر کے طور پر منقول ہے پس یہ اختصار اور انحصار پیغمبروں پر صحیح نہ ہوا اور سوائے اس کے غیب کو لوح محفوظ پر حمل کرنا یعنے غیب سے لوح محفوظ مراد لینا آیت کے سیاق اور سباق سے ہرگز مناسبت نہیں رکھتا ہے پس جو وجہ تفسیر میں پہلے بیان ہو چکی ہے وہی ثابت ہوئی ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

سُورَةُ المُزَّمِّلِ

یہ سورۃ مکی ہے اور اس میں بیس۲۰ آیتیں اور دو سو پچھتر۲۷۵ کلمے اور آٹھ سو اٹھاسی۸۸۸ حرف ہیں اور اس سورۃ کے ربط کی وجہ سورۂ جن سے یہ ہے کہ سورۂ جن میں مذکور ہے کہ ایک فرقے نے جنوں میں سے قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر ہدایت پائی اور جو عقیدے حق تعالیٰ کی ذات اور صفات میں ضروری ہیں اور مکلفین کا دو قسم پر ہونا یعنی نیک بخت اور بد بخت اور ان دونوں کے انجام میں فرق ہونا یعنی نیک بختوں کا انجام اچھا ہونا اور بد بختوں کا انجام برا ہونا ان سب چیزوں کو قرآن مجید کی عبارت کو سنتے ہی دریافت کر لیا بدون اس بات کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کریں اور آپ کی صحبت میں حاضر رہیں اور آپ سے سوال کریں اور ان باتوں کی تحقیق اور تلاش آپ سے کریں بلکہ قرآن کو سنتے ہی ان سب چیزوں کا ان کو یقین حاصل ہو گیا سو اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ تم کو لازم ہے کہ رات کو خلوت کے وقت تنہائی میں جب آدمیوں کا ازدحام نہ ہووے ایسے وقت میں قرآن شریف کے پڑھنے میں مشغول رہا کرو اور قرآن کے لفظوں کو اور حرفوں کو بلند آواز سے پکار کر پڑھا کرو تاکہ غیب کا عالم بھی اس کلام ہدایت نظام سے فیض یاب ہووے جس طرح دن کو عالم ظاہری آدمی اس کلام فیض نظام سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور اس سبب سے تم کو بھی ثقلین کی یعنے جن اور انس کی رسالت کا منصب حاصل ہووے اور اس کلام کی تلاوت کے وقتوں کو اس طرح سے مقرر کرو کہ دن کو جو ظہور اور نمود کا وقت ہے آدمیوں کو کہ یہ بھی ظہور اور نمود رکھتے ہیں یہ کلام سنایا اور سمجھایا کرو اور رات کو جو تاریکی اور پوشیدگی کا وقت ہے جنات کی خلقت کو یہ بھی تاریکی اور پوشیدگی رکھتے ہیں اس کلام کو سنایا کرو اس واسطے کہ جنوں کا انتشار اور حضوری اکثر رات کو ہوتی ہے اور آدمیوں کا تمام جہان میں پھیل پڑنا اور منتشر ہونا اکثر دن کو ہوا کرتا ہے اور یہ بھی اس سورۃ میں مذکور ہے کہ نماز پڑھنے کے وقت اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے وقت کافر لوگ ازدحام اور ہجوم کرتے ہیں اور شور اور غل مچا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو تشویش میں ڈال دیتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ

یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا اور اس اُن کے ازدحام اور بک بک سے عبادت اور تلاوت کا جو فائدہ ہے یعنی مناجات سے لذت حاصل ہونا اور قرب کے مرتبوں کی ترقی ہونا یہ فوت ہو جاتا ہے سو اس واسطے اس سورت میں حق تعالیٰ نے ایسا وقت بتلا دیا کہ اس وقت کافر اور فاسق بلکہ اکثر لوگ غفلت کی نیند میں مردوں کے مانند پڑے ہوئے ہیں تو ہرگز اس وقت میں تشویش سے پراگندہ نہ ہوگا بلکہ عبادت اور تلاوت کا لطف حاصل ہوگا اور باوجود اس کے ان دونوں سورتوں کے متفرق مضمون میں اور مستعمل لفظوں میں بھی مناسبت حاصل ہے چنانچہ اس سورۃ میں محافظت اور چوکیداری دنیا کے آسمان کی مذکور ہے اور اس سورۃ میں قیامت کے دن آسمان کا پھٹنا مذکور ہے اور اس سورۃ میں جو شخص منہ پھیرے اور انکار کرے اُس کی بُرائی مذکور ہے وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّہٖ یَسْلُکْہُ عَذَابًا صَعَدًا اور اس سورۃ میں حق تعالیٰ کے ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے اور کہا وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ اور اس سورۃ میں حق تعالیٰ نے اپنے علم اور قدرت کے کمال کو اس عبارت سے ارشاد فرمایا ہے کہ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْہِمْ وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا اور اس سورۃ میں بنی آدمؑ کے علم اور قدرت کا قصور اس عبارت سے بیان فرمایا ہے کہ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ اور سوائے اس کے دوسری مناسبتیں بھی ہیں تامل کرنے سے معلوم ہوتی ہیں اور اس سورۃ کا نام سورۂ مزمل اس واسطے رکھا ہے کہ اس سورۃ میں خرقہ پوشی کے لوازمات اور اس کی شرطیں بیان فرمائی ہیں پس یہ سورۃ اس شخص کی صورت ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اسی رنگ میں رنگے اور عرب کے لغت میں یعنی اُن کی بولی میں مزمل اُس شخص کو کہتے ہیں کہ بڑے کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ایسا تھا کہ جب تہجد کی نماز اور قرآن شریف کی تلاوت کے واسطے رات کو اٹھتے تھے تو ایک کمل دراز آپ اوڑھ لیتے تھے تاکہ سردی سے بدن محفوظ رہے اور وضو اور نماز کے اٹھنے بیٹھنے ہلنے ڈُلنے میں اس کمل کے لپٹنے کے سبب سے کسی طرح کا حرج واقع نہ ہو اور وہ کمل چودہ ہاتھ کا لمبا تھا اور اس کو اسی کام کے واسطے آپ نے رکھا تھا تو اس کمل کا اوڑھنا گویا اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ اپنے مولیٰ کی عبادت میں داخل ہوا میں اور اس عبادت کے کام کو اپنے ذمے پر لیا میں نے جس طرح سے کمر باندھنا اور ہتھیار لگانا نشان ہے سپاہ گری کا اور کاغذ اور قلمدان کا اٹھانا علامت ہے منصدی گری اور منشی گری کی سو آپ کا کمل اوڑھنا بھی عبادت الٰہی کی

ذمہ برداری کا نشان تھا اسی واسطے جناب الٰہی سے یہ ارشاد ہوا کہ ایسے کپڑے پہننے کے واسطے سات شرطیں ضروری ہیں سو تم نے جو اس کپڑے کو پہنا تو تم کو بھی ان ساتوں شرطوں کا بجالانا ضروری ہوا سو ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ رات کے جاگنے میں بڑی کوشش کرنا اور قرآن شریف کو تہجد کی نماز میں پڑھنا کہ یہ بڑا جہاد ہے اپنے نفس کے ساتھ اور دوسری شرط یہ ہے کہ دن کو بھی ہر وقت اپنے مالک کی بندگی میں مشغول رہنا اور تیسری شرط یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ذکر کی مداومت کرنا اور اس کے نام سے ہمیشہ اپنی زبان کو شاد کام رکھنا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ سب علاقوں کو کاٹنا اور ترک کرنا اور تجرید حاصل کرنا۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ ہر امر میں اعتماد اور بھروسا اللہ تعالیٰ پر کرنا اور اپنے تئیں کسی چیز میں دخل نہ دینا۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ خلق اللہ کی ایذا اور ظلم کو سہنا اور اس پر صبر کرنا۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ اہل دنیا کی صحبت سے احتراز کرنا لیکن ان کی خیر خواہی میں قصور نہ کرنا اور یہ بہت مشکل بات ہے اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورۃ میں مزمل کے نام سے خطاب فرمایا ہے تاکہ یہ خطاب کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہووے کہ اس کپڑے کے پہننے کے سبب سے یہ کام تمہارے سپرد ہوئے اور ان کے بجالانے کا تم کو حکم ہوا جس طرح کوئی شخص کمر باندھ کے ہتھیار لگا کے مسلح ہو کے سردار کے سامنے آکر کھڑا ہووے تو اس کو یہی حکم سردار کا ہوگا کہ تم کو فلانا مورچہ سپرد کیا ہم دیکھیں تو کیسی تمہاری سپاہ گری ہے یعنے سپاہی کی شکل بنانا تمہارا اس بات کو مقتضی ہوا کہ تم کو یہ کام سپرد ہوا اور اگر یہ شکل نہ بناتے تو یہ کام بھی تم کو سپرد نہ ہوتا لیکن جو تم نے اس طرح کا لباس پہنا تو اب اس کی شرم بھی رکھنا تم پر ضروری ہوا اب اس کام سے پہلو تہی نہ کرنا چاہیے فقط ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ اے ریاضت کا کپڑا اپنے اوپر لپیٹے ہوئے اس کپڑے کا حق ادا کر اور رات کا سونا جو سب چیزوں سے زیادہ پیارا ہوتا ہے اس کو چھوڑ اور عبادت الٰہی میں مشغول ہو قُمِ الَّیْلَ اُٹھ اور کھڑے ہو کر ہر رات کو نماز پڑھا کر اِلَّا قَلِیْلًا ۙ مگر تھوڑی راتوں میں یہ کہ حکم معاف ہے جیسے بیماری کی یا سفر کی راتیں یا ان راتوں کو جن کے دنوں میں محنت اور مشقت بہت کی ہو جیسے جہاد میں یا کفار

سے مقابلے میں یا آپس میں صلح کرانے میں یا کسی مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے چھڑانے میں اور دوسرے اسی طرح کی محنت کے کاموں میں کہ دن کو محنت زیادہ ہونے کے سبب سے رات کو اٹھنے کی طاقت نہ رہے تو ایسی رات کو تہجد کا وجوب نہیں نفل کے حکم میں ہے چاہو پڑھو چاہو نہ پڑھو ان راتوں کو تاکید اور تقیید نہیں ہے اور اسی طرح سے ایسے عذروں میں کھڑا ہونا بھی معاف ہے اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھا جاوے تو بیٹھ کر پڑھو کچھ مضائقہ نہیں ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری عمر شریف میں اکثر تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے اور تقدیر میں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ الا قلیلا کا لفظ قیام کے ظرف محذوف سے مستثنیٰ ہو لیل سے نہ ہو اور ترکیبی عبارت یوں ہو کہ قُمْ فِیْ صَلٰوۃِ اللَّیْلِ فِیْ جَمِیْعِ عُمْرِكَ اِلَّا زَمَانًا قَلِیْلًا وَّهُوَ زَمَانُ كِبَرِ السِّنِّ وَضُعْفِ الْبَدَنِ فَلَا بَاْسَ بِالْقُعُوْدِ حِیْنَئِذٍ یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھا کر رات کی عمر بھر مگر تھوڑے دنوں میں اور وہ بڑھاپے کے دن ہیں اور بدن کے بودے ہو جانے کے سو ان دنوں میں تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھنے کا کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن چاہیے کہ یہ رات کی نماز میں کھڑا ہونا ذرا سا برائے نام نہ ہو کہ جذب الی اللہ میں اور حضوری اور مناجات کے ملکہ کی تحصیل میں جیسی چاہیے ویسی تاثیر نہ کرے اس واسطے کہ تھوڑے عمل سے کسی قسم اور کسی جنس سے ہو روح اور دل کو کیفیت حاصل نہیں ہوتی اور اس عمل کی تاثیر ان میں بخوبی پائی نہیں جاتی بلکہ کھڑے رہا کرو نماز میں نِصْفَهٗ آدھی رات کے اندازے سے اگر اعتدال کے دن ہوں جن میں رات اور دن برابر ہوتا ہے جیسے خزاں کے چند روز اور بہار کے چند روز اس واسطے کہ آدھی رات دن اور رات کے پورے دورے کی چوتھائی ہے اعتدال کے دنوں میں اور تاثیر اور خواص میں چوتھائی پر پوری چیز کا حکم کرتے ہیں سو اس قدر مجاہدہ اور کوشش کرنا دن اور رات میں ایسی کیفیت پیدا کرے گا جس کا اثر تمام دن اور رات باقی رہے گا اور حضوری اور مناجات کی کیفیت بھی حاصل ہو گی بلکہ ہمیشہ کا قرب معنوی حاصل ہو گا جیسے کسی شخص کو اگر اپنے محبوب سے تمام دن اور رات میں ڈو پہر کی صحبت اور بات چیت حاصل ہوتی رہے تو اس ڈو پہر کی لذت کا سرور آٹھ پہر تک نہ بھولے گا اور دن اور رات اسی کیفیت میں مست رہے گا اور کوئی لمحہ یا کوئی ساعت کی ملاقات ہوئی تو جدائی کی آگ اتنی ملاقات سے بجھتی نہیں بلکہ اور بھڑکتی جاتی ہے اور اس اشتیاق کی بھڑک کو ہرگز مفید نہیں ہوتی جس طرح تشنگی کی شدت میں تھوڑا سا پانی پینا اور بھوک کے غلبے میں لقمہ دو لقمے

کھانا بھوک اور پیاس کو دفع نہیں کرتا بلکہ اور زیادہ کرتا ہے اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا یا کم کرآدھی رات سے تھوڑا تاکہ تہائی رات کو پہنچے لیکن اگر جاڑوں کا موسم ہو اس واسطے کہ ان دنوں کی رات بہت بڑی ہوتی ہے تہائی اس کی دن اور رات کے پورے دورے کی چوتھائی کی قدر ہوگی اَوْ زِدْ عَلَيْهِ یا زیادہ کرو آدھی رات پر تھوڑا تاکہ دو تہائی رات کو پہنچے اگر گرمیوں کا موسم ہو اسواسطے کہ ان دنوں کی رات بہت چھوٹی ہوتی ہے دو تہائی اس کی دن اور رات کے پورے دورے کی چوتھائی ہوگی اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کمتی اور زیادتی سے خاطر کی خوشی اور بے چینی کی رعایت منظور ہو یعنی اگر طبیعت چین میں ہو اور خوب دل لگے تو آدھی رات سے زیادہ یعنی دو تہائی تک کھڑے رہو اور اگر توسط کا حال ہو تو آدھی رات تک کھڑے رہو اور اگر طبیعت بے چین ہو تو تہائی رات پر اکتفا کرو اس واسطے کہ عبادت کی بنا دل کی خوشی اور رغبت پر ہے چنانچہ حدیث شریف میں بھی تہجد کے مقدمے میں آیا ہے کہ لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ یعنی چاہیے کہ نماز پڑھے ہر شخص تم میں سے طبیعت کی خوشی اور دل کے لگنے تک پھر جب سستی کرے طبیعت اور دل نہ لگے تو چاہیے کہ موقوف کرے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر تہجد کی نماز پڑھنے میں تم میں سے کسی پر نیند غلبہ کرے تو اس کو چاہیے کہ نماز کو موقوف کرے اور سو رہے اس واسطے کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں خواب کے غلبے میں دعا کی جگہ بد دعا منہ سے نکل جاوے یا قرآن پڑھنے میں کوئی کفر کا کلمہ یا فسق کا منہ سے نکل جاوے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ لَا تُكَابِدُوا اللَّيْلَ یعنی بے دلی سے نماز پڑھنے میں بیفائدہ کا رنج اور مشقت رات میں جاگنے سے مت کھینچو اس واسطے کہ رنجیدگی کی عبادت میں کچھ بھی ثواب حاصل نہیں ہوتا اور بعضے مفسروں نے یوں کہا ہے کہ یہ تخییر یعنی دو تہائی اور آدھی اور تہائی رات میں اختیار دینا اس واسطے ہے کہ آدھی رات پوری کو معلوم کرنا اور اس اندازے کے برابر بدون کمی اور زیادتی کے نماز اور تلاوت اور ذکر میں مشغول ہونا آدمی کی طاقت نہیں ہے علی الخصوص ایسی جگہ پر جہاں کوئی چیز ساعت کے دریافت کرنے کی نہ ہو یعنی نہ گھڑی ہو نہ گھڑیال ایسی جگہ پر آدھی رات کو دریافت کرنا بہت مشکل ہے تو گویا یوں حکم ہوتا ہے کہ جو اس راہ کا طالب ہے اس کو آدھی رات جاگنا اور ذکر اور عبادت میں مشغول رہنا ضروری ہے لیکن چونکہ آدھی رات پوری بدون کمی اور زیادتی کے معلوم ہونا مشکل ہے اس واسطے اتنے حکم میں وسعت کی گئی کہ اگر اس طور سے تھوڑی کم زیادہ ہو جائے گی تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور

آخر سورۃ میں معلوم ہوگا کہ کمتی کی حد تہائی ہے اور زیادتی کی حد دو تہائی اور جب مجاہدہ اور کوشش کی ہدایت کے بیان سے فراغت پائی تو اب ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کلام اس وقت میں کیا کرو وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ اور کھول کر پڑھو قرآن کے لفظوں کو صاف یعنی تہجد کی نماز میں کھڑے ہو کر اور ترتیل لغت میں واضح اور صاف پڑھنے کو کہتے ہیں اور شرع شریف میں کئی چیزوں کی رعایت کرنے کو کہتے ہیں قرآن شریف کے پڑھنے میں تاکہ خوب ترتیل حاصل ہووے پہلے حرفوں کو صحیح نکالنا یعنی اپنے مخرج سے نکالنا تاکہ طا کی جگہ تا اور ضاد کی جگہ پر ظا نہ نکلے دوسرے وقوف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا تاکہ وصل اور قطع کلام میں بے موقع نہ ہونے پائے اور کلام کی صورت متبدل نہ ہو جاوے تیسرے حرکتوں میں اشباع کرنا یعنی زبر زیر پیش کو آپس میں امتیاز دینا تاکہ ایک دوسرے سے ملنے اور مشتبہ ہونے نہ پاوے چوتھے آواز کو تھوڑا بلند کرنا تاکہ قرآن شریف کے الفاظ زبان سے کان تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اور دل میں کوئی کیفیت پیدا کریں جیسے ذوق اور شوق اور خوف اور دہشت اس واسطے کہ قرآن شریف کے پڑھنے سے یہی چیزیں مطلوب ہیں پانچویں اپنی آواز کو اچھا کرنا اس طور سے کہ اس میں دردمندی پائی جاوے تاکہ دل پر جلدی تاثیر کرے اور مطلب حاصل ہووے اس واسطے کہ جو مضمون خوش آوازی سے دل تک پہنچتا ہے تو اس سے روح کو لذت ہوتی ہے اور قوی بھی اس کو جلد جذب کر لیتے ہیں اور اس سبب سے روح پر اس کی تاثیر بھی ہوتی ہے اسی واسطے اطبا نے کہا ہے کہ جب کسی دوا کی کیفیت دل کو پہنچانا منظور ہو تو اس دوا کو خوشبو میں ملا کے دینا چاہیے اس واسطے کہ دل خوشبو کا جاذب ہے یعنی کھینچنے والا تو اس خوشبو کے ساتھ اس دوا کو بھی جلد ہی کھینچ لے گا اور اسی طرح جس دوا کی کیفیت جگر یعنی کلیجے کو پہنچانا منظور ہو تو اس کو مٹھائی میں ملا کے دینا چاہیے اس واسطے کہ جگر مٹھائی کا عاشق ہے تو وہ بھی اس کو کھینچ لے گا چھٹے تشدید اور مد کا جس جگہ پر ہیں وہاں لحاظ رکھنا اس واسطے کہ شد اور مد کی رعایت کے سبب سے کلام الٰہی میں عظمت اور بزرگی نمودار ہوتی ہے اور تاثیر میں بھی مدد کرتا ہے ساتویں اگر قرآن شریف میں کوئی خوف کا مضمون سنے تو وہاں تھوڑا ٹھہر جاوے اور حق تعالیٰ سے پناہ طلب کرے اور اگر مضمون کوئی بہتر اپنے مقصد اور مطلب کا سنے تو وہاں بھی ٹھہرے اور اس چیز کو حق تعالیٰ کی درگاہ سے اپنے واسطے طلب کرے اور اگر قرآن شریف میں کوئی دعا یا کوئی ذکر پڑھنے کے واسطے حکم ہو تو

وہاں بھی تھوڑا ٹھہرے اور کم سے کم اس دعا یا ذکر کو ایک مرتبہ تو پڑھ لے جیسے قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا
یعنے اے رب زیادہ کر مجھ کو علم یہ سب سات چیزیں ہوئیں جن کی ترتیل میں رعایت کرنا ضروری ہے
اور یہ سب ایک چیز کے واسطے ہیں اور وہی چیز بالذات مقصود ہے وہ تدبر اور فہم ہے یعنی غور کرنا اور
بوجھنا قرآن کے مطلب کا اور یہ بات بدون ان سات چیزوں کے حاصل نہیں ہوتی ہے نہ پڑھنے
والے کو نہ سُننے والے کو بلکہ بدون اِن ساتوں چیزوں کی رعایت کے قرآن کی قرأت شعر خوانی کی
طرح بے فائدہ ہو جاتی ہے اور کچھ اس سے حاصل نہیں ہوتا اسی واسطے حضرت عبداللہ ابن مسعود
اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ لَاتَنْثُرُوْہُ نَثْرَ الدَّقْلِ وَلَاتَهُذُّوْہُ کَهَذِّ
الشِّعْرِ قِفُوْا عِنْدَ عَجَائِبِهٖ وَحَرِّکُوْا بِهٖ الْقُلُوْبَ وَلَا یَکُنْ هَمُّ اَحَدِکُمْ اٰخِرَ السُّوْرَةِ
یعنی مت بکھیرو قرآن کے لفظوں کو جیسے ردی اور ناقص خرموں کو بکھیرتے ہو اور نہ لپیٹو قرآن کو جیسے شعر
کو لپیٹتے ہو یعنی قرآن کو جلدی مت پڑھو شعروں کے پڑھنے کی طرح بلکہ ٹھہرو قرآن کے
عجائبات پر اور اپنے دلوں کو ہلاؤ اس قرآن پر اور اس بات کی فکر مت کرو کہ یہ سورت کب تمام ہوگی
تاکہ جلدی ہم پڑھ چکیں اور فراغت پاویں اور حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے
پوچھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کو کس طرح پڑھتے تھے انہوں نے کہا کہ سب
حرکتوں کو بڑھاتے تھے یعنی زیر زبر پیش کو پورا اکالتے تھے اور انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ
نے بھی آپ کی آواز کی درازگی قرآن شریف کے پڑھنے میں نقل کی ہے اور حضرت اُم المومنین عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے کہ ایک رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد
کی نماز میں ایک آیت کو یہاں تک پڑھا کہ فجر ہوگئی اور وہ آیت یہ ہے کہ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ
عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ یعنے اگر عذاب کرے گا تو ان پر تو
وہ بندے تیرے ہیں اور بخش دے گا تو ان کو تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا اسی واسطے
کہا ہے کہ کم سے کم قرآن کی تلاوت میں تدبر کا مرتبہ یہ ہے کہ ہر خطاب اور ہر قصے میں اپنے تئیں
مخاطب جانے اور اعلیٰ مرتبہ تدبر کا یہ ہے کہ متکلم کو اور اس کے صفات اور افعال کو اس کلام
میں مشاہدہ کرے اور تدبر کا متوسط مرتبہ یہ ہے کہ اس کلام کو حضرت حق جل شانہ سے بلا واسطہ
سُنے اب اس جگہ پر جاننا چاہیے کہ سلوک الی اللہ اس کی حضوری اپنے نزدیک طلب کرنے کو

کہتے ہیں لیکن چونکہ حق تعالیٰ جسمیت سے اور جسمیت کے لوازمات سے پاک ہے تو اس کی حضوری ان تین طریقوں میں سے ایک سے ہو سکتی ہے پہلا طریقہ تصور ہے جس کو شرع کے عرف میں تفکر کہتے ہیں اور اہل سلوک کی اصطلاح میں اس کو مراقبہ کہتے ہیں اور نگرانی بھی بولتے ہیں اور دوسرا طریقہ ذکر ہے اور تیسرا طریقہ تلاوت کلام اللہ ہے اور جو پہلا طریقہ حقیقت میں ذکر اور یاد قلبی ہے اس لیے کبھی ذکر کو بھی اس طریق کے شامل کر دیتے ہیں اور اس کی حضوری کے طلب کے طریقوں کو دو ہی امر میں منحصر جانتے ہیں یعنی ذکر اور تلاوت میں لیکن ذکر لسانی اور قلبی دونوں کو شامل ہے سو جو لفظ اس ذات پاک پر بواسطہ یا بے واسطہ دلالت کرے گی وہی مدرکہ کے التفات کا اس ذات پاک کی طرف سبب پڑے گی اور جب وہ ذات پاک ملتفت الیہ ہوئی یعنی اس کی طرف التفات کیا گیا تو گویا حاضر ہوئی اور جب اس طرح کے استحضار کا دوام حاصل ہوتا ہے تو ہم صحبتی اور ہم نشینی کا حکم پیدا کرتا ہے اور اس ذات پاک کی صفتیں بشریت کی صفتوں پر غالب ہو جاتی ہیں اور اس خالق کے فعل بندے کے فعلوں پر حاکم ہو جاتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا یعنی حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیشہ بندہ میرا نزدیکی چاہا کرتا ہے میری طرف نفلوں سے یعنی نفل عبادتوں کے واسطے سے یہاں تک کہ چاہنے لگتا ہوں میں اس کو پھر جب میں نے چاہا اس کو تو ہو جاتا ہوں میں کان اس کا جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ اس کی جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ اس کا جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں اس کا جس سے وہ چلتا ہے یعنی جب بندہ کثرت عبادت سے حق تعالیٰ کا مقبول ہوا تو اس کے سب اعضا کا حق تعالیٰ خود محافظ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں کان آنکھ سب خدا کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں اس کی بے مرضی نہ کچھ دیکھے نہ کچھ سنے سو یہ مرتبہ نفل عبادت کی کثرت سے ہوتا ہے اس واسطے کہ فرض کے اوقات مقرر ہیں اس میں کثرت ممکن نہیں ہے فقط لیکن یہ تقرب کا طریقہ خاص اس ذات پاک کا ہے اگر کوئی چاہے کہ اس طریقے سے کسی مخلوقات سے تقرب پیدا کرے سو یہ ممکن اور مجاز نہیں ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس قسم کے تقرب میں دو چیز کا پایا جانا متقرب الیہ میں ضروری ہے یعنی جس کی نزدیکی اس کو منظور ہے اس میں دو چیز کا ہونا ضرور

ہے ایک تو یہ کہ اس کا علم محیط ہو ذاکروں کے قلبی اور لسانی اذکار کو اگرچہ ذاکر مختلف مکانوں میں اور زبانوں میں پائے جاویں یعنے ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں اور ایک صبح کو یاد کرے اور دوسرا شام کو اور اسی طرح مدرکہ اور زبانیں بھی مختلف ہوں سو یہ اس کے علم کا محیط ہونا اس واسطے شرط ہے تاکہ ہر ذاکر کے قلبی اور لسانی ذکر کو دریافت کرے دوسری چیز یہ ہے کہ ذاکر کے مدرکے میں ور آنے کی اور اس کو پر مگر کرنے کی اور اس کے صفت کا حکم پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہو جس کو شرع کے عرف میں دنو اور تدلی اور نزول اور قرب کہتے ہیں سو یہ دونوں صفتیں اسی ذات پاک کا خاصہ ہیں کسی مخلوق میں یہ بات پائی نہیں جاتی ہاں بعضے کافر اپنے معبودوں کے حق میں پہلی صفت ثابت کرتے ہیں اور اہل اسلام کے فرقے سے بھی بعضے پیر پرست اپنے پیروں کے حق میں بھی ایسا ہی اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی اعتقاد کے سبب سے احتیاج کے وقت میں ان کو پکارتے ہیں اور ان سے مدد چاہتے ہیں لیکن یہ بات ہرگز روا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے دھوکے میں پھنسے ہیں اور بڑے شبہے میں گرفتار ہیں مگر یہ مقام اس شبہے کے بیان کا نہیں سو ان ہی دو[۲] چیزوں سے سلوک کا کارخانہ تمام ہوتا ہے ورنہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ بندہ رب سے نزدیک ہو اور ان ہی دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے اس حدیث صحیح میں جس کو محدثین کتاب سلوک اور تقرب الی اللہ کے اول میں لاتے ہیں اور وہ حدیث شریف یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالےٰ کی طرف سے حکایت کے طور پر بیان فرمایا ہے کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان اور اٹکل کے قریب ہوں پھر جیسا گمان میرے ساتھ رکھے اور میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب مجھ کو یاد کرتا ہے اور دوسری صحیح حدیث بھی ہے جو محدثوں کے کتاب سلوک کی سر دفتر ہے سو وہ یہ ہے کہ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً یعنے جو نزدیکی چاہتا ہے مجھ سے ایک بالشت نزدیک ہو جاتا ہوں میں اس کی طرف ایک ہاتھ اور جو نزدیکی چاہتا ہے مجھ سے ایک ہاتھ تو نزدیک ہو جاتا ہوں میں اس کی طرف ایک باع اور باع کہتے ہیں دونوں ہاتھ کی لمبائی کو جس کو یہاں بام کہتے ہیں اور اگر آتا ہے میری طرف چلتے ہوئے تو میں آتا ہوں اس کی طرف گھٹنوں سے دوڑتے یہ مثال ہے آدمیوں

کے سمجھانے کو ورنہ حق تعالیٰ گھٹنوں اور ہاتھ پاؤں سے پاک ہے پس یہ حق تعالیٰ کی ذات پاک کا خاصہ ہے کہ اپنے یاد کرنے والے کی طرف خود نزول فرماتا ہے اور اُس کے نزدیک ہوتا ہے اور اُس کے مدرکہ کو پُر کرتا ہے اور اُس کے باطنی لطیفوں پر غالب ہوتا ہے اور ساتھ اس تدلی واقعی حقیقی کے روح کا حکم اُس کی روح لیتی ہے اور جو روح کو نسبت بدن کے ساتھ ہوتی ہے وہی نسبت اس تدلی کو بن کی ارواح کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور جتنے مخلوق ہیں اگرچہ روحانیات ہوں اوّل تو علم محیط نہیں رکھتے ہیں تاکہ ہر ذاکر کے ذکر پر مطلع اور خبردار ہوں دوسرے ذاکر کی روح پر استیلا دائمی نہیں کر سکتے ہیں یعنے ہمیشہ اس پر غالب اور اُس کے حال سے واقف نہیں ہو سکتے اس واسطے کہ یَشْغَلُهُمْ شَانٌ عَنْ شَانٍ سب مخلوقات کی شان ہے یعنی یہ مخلوقات کا خاصہ ہے کہ جب ایک طرف متوجہ ہوا تو اس وقت دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے اور لَا يَشْغَلُهُ شَانٌ عَنْ شَانٍ حق تعالیٰ کا خاصہ ہے یعنے اس ذات پاک کا ایک طرف متوجہ ہونا دوسرے طرف کی توجہ کو مانع نہیں ہے سو کلام الٰہی کی تلاوت اس واسطے اس کی قرب اور نزدیکی کا سبب پڑتی ہے کہ اس کلام کی لفظیں اُس کے معنی پر دلالت کرتی ہیں اور وہ معانی حق تعالیٰ کے علم میں ایک مدت دراز تک کلام نفسی کا خلعت پہن کے ایک صفت اُسکی ذاتیہ صفتوں سے بن کے رہی ہیں سو وہ لفظیں ایک صفت کو حق تعالیٰ کی صفتوں ذاتیہ سے تلاوت کرنے والے کے مدرکہ قریب کر دیتی ہیں اور اس آمیزش اور اتحاد کے سبب سے وہ صفت ذاتیہ ایک طرح سے پڑھنے والے کی صفت ہو جاتی ہے اس واسطے کہ وہ معانی با ترتیب اس پڑھنے والے کے مدرکے میں قائم ہوتے ہیں چنانچہ اس کلام الٰہی کی لفظیں بھی اسی طرح سے پڑھنے والے کی لفظیں ہو جاتی ہیں اور اس قسم کا تقرب کچھ حق تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر شخص کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے یعنے جس کے کلام کو ہر وقت پڑھا کرو اور اُس کے معنوں کا خیال ہر وقت ذہن میں موجود رہے وہ بھی اسی قسم کے قرب کا سبب پڑتا ہے اور اس تکلم کے بعضے آثار اس پڑھنے والے میں پائے جانے لگتے ہیں جس طرح مثنوی مولانا روم کی اور دوسرے ملفوظات نظم اور نثر اولیاء اللہ کے بلکہ عوام اور فاسقوں کے اشعار میں بھی زیادہ تکرار سے یہی بات پائی جاتی ہے یعنی وہی مضمون اُس کے دل پر چھا جاتا ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ اگر وہ کلام بہتر ہے تو اُس کی اچھائی کی تاثیر اور اگر بُرا ہے تو اُس کی بُرائی کی تاثیر پڑھنے والے میں پائی جاتی ہے لیکن کلام الٰہی اور کلام مخلوق میں اتنا فرق ہے کہ کلام الٰہی

کی مزاولت اور تکرار میں اس کیفیت کے سوائے اس کی ذات پاک کا دنو اور قرب بھی حاصل ہوتا ہے اور دوسرے مخلوق کے کلاموں میں سوائے اِس کیفیت کے جو کلام کے پردے میں ظاہر ہوتی ہے اور اِس پڑھنے والے کی طرف منتقل ہوتی ہے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا علم محیط ہے اور دنو اور تدلی اور قرب کی قدرت بھی وہ رکھتا ہے سو جو کچھ ذاکرین کے حق میں وہ اپنی عنایت اور مہربانی فرماتا ہے تو تلاوت کرنے والے کے حق میں بطریق اَولیٰ عنایت اور مہربانی فرماویگا اسی واسطے کلام اللہ کی ترتیل کو اس سورۃ میں ذکر پر مقدم لائے ہیں اور یہ بھی جان لینا چاہیے کہ قرآن شریف کی کوئی آیت حق تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں ہے چنانچہ یہ بات غور اور فکر سے معلوم ہوتی ہے پس قرآن شریف کی تلاوت میں ذکر کا بھی فائدہ حاصل ہے اور پیر اور مرشد اور اُستاد کا بھی اس واسطے کہ آئینہ کی صفت سے متصف ہونا اور حبل المتین الٰہی کا تمسک اور اعتماد کرنا تو سر دست قرآن شریف کی تلاوت میں موجود ہے اتنا البتہ ہے کہ قرآن شریف کی لفظوں کو نحو اور صرف اور معانی اور بیان اور بدیع اور دوسرے فنوں کی آمیزش سے جو حقیقت کی طرف التفات کرنے سے مانع ہیں مجرد اور جدا کرنا بہت مشکل ہے بعد مدت کے یہ بات حاصل ہوتی ہے بخلاف ذکر کی لفظوں کے صورت فکر یہ کے ساتھ کہ وہ اس قدر تجرید کے محتاج نہیں ہیں اب اس بیان سے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کی بات کا مطلب ظاہر ہو گیا یعنی لوگوں نے اُن سے ایک دن پوچھا کہ قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول رہنا بزرگی رکھتا ہے یا ذکر الٰہی میں مشغول رہنا آپ نے فرمایا کہ ذاکر اپنے مطلب کو جلدی پہنچتا ہے لیکن اُس کو زوال کا خوف ہے اور کلام الٰہی کی تلاوت کرنے والے کا مطلب دیر میں حاصل ہوتا ہے لیکن حصول کے بعد اُس کو زوال کا خوف نہیں ہے انتہیٰ کلامہ اور پیغمبروں کو کلام الٰہی کی تلاوت میں بہت بڑا ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ اُن کے علم غیب سیکھنے کی استعداد کو بہت بڑی مدد کرتی ہے اور اُس کے سُننے کی مزاولت اور ہمیشگی جو بار بار زبان سے کان کو پہنچتی ہے اور کان سے دل کو سو وحی کے نزول کے صدمے کو اُن پر ہلکا کر دیتی ہے جس طرح کسی شخص کو نفع یا نقصان پہنچنے میں کوئی بڑا صدمہ پہنچا ہو تو اب جس قدر اس نفع اور نقصان کو تکرار کرے گا اس قدر اس پر وہ صدمہ ہلکا ہوتا جائے گا اور بھید اُس کا یہ ہے کہ نزول وحی کا استخدام کے طور پر ارواح ملکیہ کی کیفیت کو متفرق مکانوں سے ہمراہ لاتا ہے اور وہ کیفیت ملی ہوئی یکایک پیغمبر کے قلب اور

اعضا پر آپڑتی ہے اور بعضیر بشریت کے تقاضے سے اس کا تحمل نہیں کر سکتے ہیں اس واسطے بے ہوش ہو جاتے ہیں اور پسینہ بھی نکل آتا ہے پھر جب دوسرے مرتبے اس کلام کی تلاوت کرتے ہیں تو پھر وہی کیفیت ملی ہوئی دل اور اعضا پر آتی ہے اسی طرح تیسرے مرتبے پھر چوتھے مرتبے یہاں تک کہ اس کیفیت کے تحمل کے خوگر ہو جاتے ہیں یعنی اس بوجھ اٹھانے کی عادت ہو جاتی ہے اور رنج او صدمہ بھی پھر کم معلوم ہوتا ہے اور اس مقام میں اسی فائدۂ عمدہ کو لحاظ کر کے ترتیل کے حکم کی تعلیل یوں ارشاد ہوتی ہے کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ تحقیق قریب ہے کہ ڈالیں گے ہم تجھ پر ایسی بات جو بہت بھاری ہے حاصل مطلب کا یہ ہے کہ بعد اس کے پے در پے قرآن کو تم پر نازل کریں گے سو تم کو چاہیے کہ جس قدر قرآن تم پر اترا ہے اس کی تلاوت میں رات کو مشغول رہا کرو اور اس عبادت خاص کے انوار سے اپنے تئیں مشرف کر کے اس فیض اعظم کی قبولیت کی استعداد اپنے میں حاصل کر رو اور ابتدا میں قرآن شریف کے نازل ہونے کے وقت آپ پر بہت گرانی اور سختی گذرتی تھی اور اس کا طور یہ تھا کہ جب وحی کا نزول شروع ہوتا تھا تو پہلے ایک آواز گھنٹے کی سی آپ سنتے تھے پھر اسی آواز میں بدون اعتماد خارج کے حرف اور کلمے ظاہر ہونے لگتے تھے اور وہ آواز تیز اور تند اس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تاثیر کرتی تھی کہ آپ کے حواس ظاہری اور باطنی بالکل اس عالم سے منقطع ہو کے اس عالم کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور ایسی حالت آپ پر ظاہر ہو جاتی تھی جس طرح روح بدن سے کھنچتی ہے اور بدن کے تمام اعضا کی روحیں کھنچ کے دماغ کی طرف جو فہم اور حافظہ کی قوت کا محل ہے چڑھ جاتی تھیں ان روحوں کے جمع ہونے کے سبب سے بہت گرمی پیدا ہوتی تھی اور آپ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا تھا اور آپ بے ہوش ہو جاتے تھے اس واسطے کہ ارواح دماغ کو صعود کرتے تھے اس سبب سے سب اعضا بدن کے سست ہو کر ثقل طبعی کی طرف عود کرتے تھے چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جاڑوں میں جس دن بہت ٹھنڈک ہوتی تھی وحی آتی تھی اور آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ نکل آتا تھا اور وحی نازل ہونے کے وقت اگر آپ اونٹ یا گھوڑے یا کسی جانور پر سوار ہوتے تھے تو وہ جانور گر پڑتا تھا مگر ایک اونٹنی خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کا عضبا اور قصوا نام تھا وہ گرتی نہ تھی لیکن اپنے پاؤں کو ٹیڑھا کر کے زمین پر ٹیک دیتی تھی اور گرتی نہ تھی

اور اس کو اس طور کی عادت ہو گئی تھی اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی آنے کے وقت کسی کی ران کو تکیہ دیے ہوتے تھے تو اس ران کے ٹوٹنے کا خوف ہوتا تھا اور آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا اور دم چڑھنے لگتا تھا اس طرح پر کہ دُور سے اُس کی آواز معلوم ہوتی تھی اور دوسری گرانی یہ کہ بدون لکھے کے سب قراٰتوں اور وجوہ سے اُس کو یاد رکھنا چاہیے تیسری گرانی یہ کہ اُن دشمنوں کے سامنے پڑھنا تھا جو ہمیشہ ہنسی مسخری کیا کرتے تھے اور قرآن کے مضمون کو جو نیا سُنتے تھے ہر مجلس میں بیٹھ کر اس کا ذکر کرتے تھے ہنسی کے طور پر بے ہودہ اور پوچ باتیں بکا کرتے تھے ان سب کو سُننا چاہیے اور جو تھی گرانی قرآن شریف کے عجائبات اور باریک دقیقے سمجھنے میں اور اس کے اعجاز کے وجوہ دریافت کرنے میں کہ یہ چیزیں بدون خوب فکر اور غور کرنے کے معلوم نہیں ہوتیں چنانچہ یہ باتیں اب بھی بدون فضل الٰہی کے میسّر نہیں ہیں پانچویں گرانی قرآن شریف کی آیتوں کی تفریق کرنے میں یعنی محکم اور متشابہ اور ناسخ اور منسوخ اور ظاہر اور موّول ان سب کو آپس میں جُدا کرنا اور ہر ایک قسم سے جُدے جدے حکم استنباط کرنا یعنی نکالنا کہ بہت مشکل علم ہے چھٹی گرانی مسلمانوں کی نسبت سے اس واسطے کہ قرآن شریف کے بموجب امر اور نہی کرنا نہایت سخت اور مشکل چیز ہے اس کے موافق عمل کرنا بدون تائید الٰہی کے ہرگز ممکن نہیں ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن شریف میں ظاہری بھی حکم ہیں اور باطنی بھی اور دونوں کو جمع کرنا بہت مشکل اور دشوار ہے ساتویں قرآن شریف کا سننا کافروں پر بہت سخت اور دشوار تھا چنانچہ اگلی سورتوں میں آیا ہے کہ کافر قرآن کے سُننے سے ایسا ڈرتے ہیں جس طرح گدھا شیر کے دیکھنے سے اور اس کی آواز سے اور سورۂ فصلت میں بھی فرمایا ہے کہ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى یعنی یہ قرآن کافروں کے کان میں بوجھ ہے اور یہ ان پر اندھاپن ہے یعنی پوشیدہ ہے آٹھویں قرآن شریف کا اترنا منافقوں اور فاسقوں پر بہت سخت اور گراں تھا اس واسطے کہ ان کے چھپے عیب اور پوشیدہ باتیں اِس میں رمز اور اشارہ اور تعریض اور کنایہ کے طور سے بیان کر دی جاتی تھیں اور حاضران مجلس اپنے ذہن کی تیزی اور قرینے سے بوجھ جاتے تھے کہ فلانے شخص کا حال ہے پھر وہ فضیحت ہوتے تھے چنانچہ سورۂ توبہ کے آخر میں اور سورۂ قتال میں اور دوسری سورتوں میں ان احوالوں کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے نویں قرآن شریف کے ہر ہر حرف کا ایک ایک خادم ہے روحانی اور

عزیمت پڑھنے والے جب اس کلام کو دعوت کی سب شرطوں کی رعایت سے پڑھتے ہیں تو جتنے روحانی اس کے خادم ہیں سب حاضر ہوتے ہیں پھر اُس وقت ان کے سامنے ثابت اور برقرار رہنا بہت سخت اور دشوار ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن بھی جب میزان کھڑی ہوگی اور عمل تولے جاویں گے تو کوئی عمل نیک اس کلام کے برابر نہ ہوگا چنانچہ یہ بات حدیث شریف میں مذکور ہے اور عجائب تفسیروں سے وہ ہے جو بعضے صوفیہ نے کی ہے یعنی قول ثقیل کی تفسیر میں توحید وجودی کے مسئلے کو بیان کیا ہے اس واسطے کہ اس مسئلے کا سمجھنا عوام لوگوں پر بہت بھاری ہے اور یوں کہا ہے کہ ھُوَ طَوْرٌ وَّرَآءَ طَوْرِ الْعَقْلِ یعنے وہ ایک مرتبہ ہے عقل کے مرتبے کے سوائے اور بعضے واعظوں نے قول ثقیل کی تفسیر شفاعت مطلقہ کر کے کی ہے اور شفاعت کے کلمے کو اپنی زبان پر جاری کرنا جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہے اور دوسرے جتنے انبیا اور رسول ہیں سب پر وہ کلمہ شاق اور گراں ہوگا اور قیامت کے دن اس کلمے کو اپنی زبان پر لانے سے عذر در پیش کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ اس کلمے سے گویا کرے گا اور یہ تفسیر سورۂ اسریٰ کی آیت سے مناسبت رکھتی ہے اور وہ آیت یہ ہے وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یعنے حق تعالیٰ فرماتا ہے اور تھوڑی رات جاگتا رہ اس میں زیادتی ہے واسطے تیرے شاید کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب تعریف کے مقام میں اور جب قرآن شریف کو نماز تہجد میں ترتیل سے پڑھنے کی وجہ کے بیان سے فراغت پائی تو اب نماز تہجد کی وجہ کو بیان فرماتے ہیں سو اِنَّ کا لفظ ان تینوں آیتوں میں تعلیل کے واسطے ہے اور ان تینوں تعلیلوں کے درمیان میں حرف عطف کو نہیں لائے اس واسطے کہ تعلیل ایک امر کی نہیں ہے بلکہ مختلف امروں کی تعلیل ہے جو پہلے کلام سے بوجھی جاتی ہے سو قرآن کے ترتیل کے حکم کی علت قول ثقیل کا القا ہے اور قیام لیل کے حکم کی علت یہ ہے کہ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ بیشک وہ عبادت اور تلاوت جو پیدا ہوتی ہے اور اُٹھتی ہے رات کو اور ناشی لغت میں اُس چیز کو کہتے ہیں جو نئی پیدا ہوئی ہو اور نئی اُٹھی ہو عرب میں بولتے ہیں سَحَابٌ نَاشِئٌ یعنی بدلی نئی پیدا ہوئی اور نَشَأَتِ الرِّيْحُ یعنے اُٹھی ہوا هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وہ بہت سخت ہے نفس کے روندنے میں اور اس تاریکی کے دور کرنے میں دو وجہ سے اوّل یہ کہ رات کا اٹھنا اور قرآن کو بلند آواز سے پڑھنا اور وضو کرنا اور وضو کے اسباب کو تلاش کرنا جیسے لوٹا پانی مسواک پھر نماز میں کھڑا ہونا اور سجدے میں جانا

یہ چیزیں نفس پر بہت سخت اور بھاری ہیں اس واسطے کہ رات چین اور آرام ٹھرنے اور خاموش رہنے کا وقت ہے اور آدمی کی پیدائشی یہ بات ہے کہ رات کو چلنے پھرنے جاگنے بات کرنے کو بالطبع دوست نہیں رکھتا خصوصًا جس وقت جورو بغل میں ہو اور بچے پیارے پاس ہوں اور نرم فرش ہو اور گرم لحاف اوڑھے ہو اور چپی والے بدن کو مل رہے ہوں ایسے وقت میں ان سب لذتوں کو چھوڑنا اور ایسی بے چینی اور محنت میں اپنی جان کو ڈالنا ان سب باتوں کو سوچا چاہیے کہ کیا نفس پر قیامت برپا ہوتی ہے اور اگر گرمی کا موسم ہے تو دن بھر دھوپ کی سوزش اور گرمی کی حرارت بدن اٹھائے ہوئے رات کو ٹھنڈک میں آرام سے بدن سوتا ہے پھر اس آرام کو چھوڑنا اور مشقت میں پڑنا خیال کیا چاہیے کہ کیسی مشکل بات ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں وہ وقت انوار اور برکات لاہوتیہ اور ملکوتیہ کے نزول کا وقت ہے پھر جب ایسی عمدہ عبادت ایسے عمدہ وقت میں پائی گئی تو نفس کی تاریکی کیا مجال رکھتی ہے جو وہاں ٹھہر سکے یا باقی رہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ يَقُوْلُ مَنْ يَّدْعُوْنِىْ فَاَسْتَجِيْبُ لَهٗ مَنْ يَّسْئَلُنِىْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِىْ فَاَغْفِرَ لَهٗ حَتّٰى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ یعنے اترتا ہے یعنے متوجہ ہوتا ہے ہمارا پروردگار بزرگ اور برتر ہر رات کو دنیا کے آسمان کی طرف جب باقی رہتی ہے پچھلی تہائی رات کی پھر فرماتا ہے کون پکارتا ہے مجھ کو کہ اس کی پکار کو پہنچوں کون مانگتا ہے مجھ سے کہ دوں میں اس کو کون مغفرت طلب کرتا ہے مجھ سے کہ بخشوں میں اس کو یہاں تک کہ ہو جاتی ہے فجر اور یہ بھی حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اِنَّ فِى اللَّيْلِ سَاعَةً لَّا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ يَّسْاَلُ اللّٰهَ تَعَالٰی خَيْرًا مِّنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ یعنے تحقیق رات میں ایک ساعت ہے نہیں موافق ہوتا ہے کوئی بندہ مسلمان اس ساعت کو کہ مانگے اللہ تعالیٰ سے جو چیز بہتر ہے دنیا اور آخرت کی مگر دیتا ہے اللہ تعالیٰ وہ چیز اس کو اور یہ امر ہر رات کو ہوتا ہے سو وہ وقت خاص اپنے مالک کے دربار کا ہے نوکروں کے حق میں اور معشوق کے جلوے کا وقت ہے عاشق کے حق میں اور بیع و شرا کی گرمی بازار کا وقت ہے تاجر کے حق میں اور صنعت اور مزدوری کے رواج کا وقت ہے ہر پیشے والے کے حق میں کہ تھوڑی محنت میں بڑا عمدہ مطلب حاصل ہوتا ہے اور تھوڑی ڈھیل اور سستی میں بڑا مطلب ہاتھ سے جاتا ہے حضرت سید الطائفہ جنید

بغدادی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ بعضے لوگوں نے بعد اُن کی وفات کے اُن کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال گذرا اس کے جواب میں یہ کہا کہ طَاحَتِ الْعِبَادَاتُ وَفَنِيَتِ الْإِشَارَاتُ وَمَا نَفَعَنَا إِلَّا رَكَعَاتٌ رَكَعْنَاهَا فِي جَوْفِ اللَّيْلِ یعنی بیکار ہوگئیں عبادتیں اور فنا ہوگئیں اشارتیں اور نہ کام آیا کچھ مگر دو رکعتیں جو آدھی رات کو پڑھتا تھا میں اور پچھلی رات کو خاص تجلی اور توجہ سے اسواسطے خاص کیا ہے کہ آدمی کی روح اصل میں عالم پاک سے تھی دنیا کی نجاستوں سے کچھ بھی آلودگی نہ رکھتی تھی پھر اس عالم قدس اور پاکیزہ سے اس گندہ بازار میں اس کو کمال کے حاصل کرنے کے واسطے بھیجا اس سبب سے اُس عالم قدس سے دور پڑا اور اس عالم میں جو اس کو حضرت پروردگار جل شانہٗ سے حاصل تھا وہ اُس کے ہاتھ سے جاتا رہا سو اس قرب کی لذت کو یاد دلانے کے واسطے بالضرور خود بدولت کی توجہ ہوتی ہے اور اپنے بندے مسکین غریب کے جھونپڑے کو نور قدوم کی تجلی سے منور فرماتے ہیں سو اس عنایت اور نوازش کے واسطے ایسا وقت چاہیے کہ اس روح کو اپنی حالت اصلی کا قرب حاصل ہو اور وہ وقت عالم قدس سے مشابہت رکھے سو دنیا میں ایسا وقت کوئی نہیں ہے مگر یہی پچھلی آدھی رات کا وقت اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دن جو اس کی مشغولی کا وقت ہے کہ ہر حواس اپنے کام میں مشغول رہتا ہے جیسے باصرہ دیکھنے میں اور شامہ سونگھنے میں اور سامعہ سُننے میں اور ذائقہ چکھنے میں اور لامسہ ٹٹولنے میں اور اسی طرح حواس باطنی اپنے کام میں مشغول ہوتے ہیں اس سبب سے آدمی کی فکر تشویش میں ہوتی ہے اور دنیا ہی کے کارخانے کا خیال ہر وقت رہتا ہے اور اسباب اور مال اور دنیا کی عزت اور آبرو کے حاصل کرنے میں اور جورو بچوں کی محبت اور مالک اور آقا کی خدمت میں دن بھر گنواتا ہے اور اس سبب سے نہایت دوری اس عالم قدس سے حاصل ہوتی ہے اور پہلی رات کو تمام دن کی محنت اور کھانے پانی سے پیٹ بھر لینے کے سبب سے سُست ہو جاتا ہے اور غافل ہو کے بے حواس مُردوں کی مانند پڑا ہے اور غذا کے ردی بخارات اُس کے دل اور دماغ کو پریشان کر دیتے ہیں اور غذا فضلہ اور بدبو کی ہوا ہر ساعت اس سے باہر نکلتی ہے اس حالت میں آدمی چارپایہ کے مانند ہوتا ہے عالم انسانیت کی طہارت کے مرتبے سے منزلوں دور ہو جاتا ہے عالم ارواح کی طہارت کے مشابہ ہونا تو بہت دور ہے پھر جب پچھلی رات ہوتی ہے تو یہ سب رنج اور کدورتیں دور ہو جاتی ہیں اور دن کے فاسد خیال بھی غفلت کی نیند حائل ہونے کے سبب سے اس کے ذہن میں نہیں رہتے گویا روح اپنی

خالص اصل کو پہنچی اور اپنے عالم اصلی کو یاد کیا ایسے وقت میں اس روح کو اُن قرب کی لذتوں سے چکھا کے سرفراز کرنا جو اس عالم میں خوگر ہو رہی تھی بہت مناسب ہوا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا اور بہت مضبوطی ہے بات کے کہنے میں۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت کرنا پچھلی رات کو تدبر اور معانی کے بوجھنے کے واسطے بہت بہتر ہے دوسرے وقتوں کی نسبت سے اس واسطے کہ اس وقت میں ذہن صاف ہوتا ہے اور غذا کے بخارات بھی کم ہو جاتے ہیں اور غل اور شور باہر کا بھی حواس کو منتشر نہیں کرتا ہے تاکہ دل اس طرف متوجہ ہو اور معنوں کے بوجھنے سے غفلت نہ کرے اور رات کی تاریکی کے سبب سے آنکھ بھی اپنے کام سے بیکار ہو جاتی ہے اور رنگا رنگ چیزوں اور روشنیوں کے دیکھنے کے سبب سے دل کو مشوش نہیں کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس وقت میں علما کو کتاب بینی میں اور شاعروں کو شعر کہنے میں جو مطلب سوجھتا ہے وہ صواب کے قریب ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پچھلے پہر کے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ یعنی بہت سچا خواب سحر کا ہے اور ان ہی خصوصیتوں کے لحاظ سے جو رات کے واسطے حاصل ہیں حدیث صحیح میں آیا ہے کہ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَاِنَّهٗ دَابُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَقُرْبَةٌ اِلٰى رَبِّكُمْ وَمُكَفِّرٌ لِلسَّيِّاٰتِ وَمَنْهِيَاتٌ عَنِ الْاِثْمِ یعنی لازم پکڑو اور عادت ڈالو رات کے اٹھنے کی اسواسطے کہ یہ عادت صالحوں کی ریاضت ہے قدیم سے یعنی اس وقت کو بہتر وقت سمجھ کے اٹھنے اور عبادت کرنے کی دلی اپنی عادت ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کا سبب ہے اس واسطے کہ اس وقت تجلی الٰہی کا نزول آسمان دنیا کی طرف ہوتا ہے اور تمہارے گناہوں کا کفارہ بھی ہے اس واسطے کہ اس وقت کے انوار قرآن شریف اور نماز کے انواروں سے مل کر برے عملوں کی تاریکیوں کو دور کر دیتے ہیں۔ وہ تاریکیاں جنھوں نے تمہارے نفس کو تاریک کر رکھا ہے اور تم کو گناہوں سے بھی مانع ہوگا اسواسطے کہ لطیفہ عقل کا دوسرے مدرکات سے خالی ہونے کے سبب سے قرآن شریف کے معنوں میں خوب تدبر کرتا ہے اور نصیحت اور جھڑکی کامل اس کو حاصل ہوتی ہے اور لطیفہ قلب کا اس صفائی کے سبب سے جو اس وقت اس کو حاصل ہوتی ہے ساتھ کیفیت نورانی انس اور مناجات کے لبریز ہو جاتا ہے اور وہ کیفیت پورا رسوخ حاصل کرتی ہے اور وہ رسوخ گناہوں پر دلیر ہونے نہیں دیتا اور نفوس کامل اور ارواح پاک حضرات انبیا علیہم السلام کو اُن

کی استعداد کی صفائی کے لحاظ سے ایسے منافع اور فوائد کے حاصل کرنے میں اگرچہ رات دن برابر ہے لیکن ان کے دل کے اوقات دوسری طرح کی عبادتوں اور قسم قسم کی طاعتوں سے معمور اور پُر رہنے میں خالص ایک کیفیت یا ایک حالت کا پایا جانا اسوقت منصور نہیں ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝ بیشک تجھ کو دن میں بہت تیرنا ہے یعنے بہت کام کرنا ہے اور طرح طرح کی عبادتوں میں مشغول رہنا ہے دن کو اتنی فرصت تم کو نہیں ہے کہ مصاحبت اور مکالمت کی مجلس کو گرم کرو اور مناجات اور سرگوشی سے اپنے تئیں مشرف کرو اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دن اکثر اس طور سے گزرتا تھا کہ بعد فجر کے اشراق تک نماز کے مکان میں ذکر اور فکر میں مشغول رہتے تھے اور آپؐ نے حضرت خضر علیہ السّلام کو اس وقت اور عصر کے بعد سے آفتاب غروب ہونے تک مسبعات عشر پڑھنے کو حکم بھی فرمایا ہے پھر بعد اشراق کے چاشت تک دوسری قسم کی عبادتوں میں آپ مشغول رہتے تھے جیسی مریضوں کی عیادت کرنا اور معذور اور ضعیف لوگوں کے کام کرنا، محتاجوں اور مسکینوں کی حاجت روائی کرنا اور طالب علموں کو علم تعلیم کرنا اور مسترشدوں کو خدا کی راہ کے سلوک کے قاعدے ارشاد فرمانا اور فتوائے پوچھنے والوں کو فتوائے دینا اور آپس میں جھگڑے قصوں کا فیصل کرنا اور کافروں کے ساتھ جہاد اور قتال کے سامان کی درستی اور تدبیر میں رہنا اور دوسرے اس قسم کے کاموں میں مشغول رہتے تھے پھر چاشت کے بعد گھر میں تشریف لے جاتے تھے اور اپنے اہل وعیال کی خاطرداری اور تسلی فرماتے تھے کہ یہ بھی ایک قسم ہے عبادت کی پھر کھانا کھا کے تھوڑا قیلولہ کرتے تھے پھر جب آفتاب ڈھلتا تو آپ اٹھتے اور پاخانے اور پیشاب سے فراغت کر کے وضو یا غسل کرتے اور چار رکعتیں ایک سلام سے فیءِ الزوال پڑھتے پھر جب ظہر کی اذان ہوتی تو آپ باہر تشریف فرما ہوتے اور ظہر کی نماز مسجد میں پڑھتے اور ظہر کے بعد سے عصر تک پھر دعوت اور تعلیم اور ارشاد اور افتاء اور فیصلے میں جھگڑوں کے مشغول رہتے تھے پھر نماز عصر کی پڑھتے پھر قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھتے اور ذکر اور فکر میں مغرب تک مشغول رہتے پھر مغرب کی نماز پڑھ کے گھر میں تشریف لے جاتے پھر اہل وعیال کی تسلی اور دلاسے میں اور مہمانوں اور مسافروں کے کھانا کھلانے میں خود متوجہ ہوتے اور اگر دنیا کے مال کی قسم سے کچھ گھر میں ہوتا تو اس کو اسی وقت مستحقوں کو عنایت فرماتے کہ دنیا کا مال آپ کے گھر

مبارک میں رات کو بند رہے پھر اس کے بعد آپ کھانا نوش جان فرماتے اور جانوروں کے دانے
چارے کی خود آپ خبر گیری کرتے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی جانور بے زبان بھوکا پیاسا رہ گیا ہو پھر اس کے
بعد استنجا وغیرہ کر کے وضو کرتے اور مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور نماز عشا کی ادا کرتے اور وتر کو
رہنے دیتے پچھلی رات میں پڑھنے کے واسطے پھر سونے کے لیے گھر میں تشریف لے جاتے اور
چار رکعتیں نفل کی پڑھتے پھر تسبیح اور تکبیر اور تحمید بجالاتے پھر قرآن شریف کی کئی سورتیں پڑھتے
جیسے سورۂ زمر اور سورۂ اسرا ی اور دوسرے چھوٹی مسبحات یعنی سورۂ حدید اور سورۂ حشر اور
سورۂ صف اور سورۂ تغابن اور سورۂ جمعہ اور سورۂ اعلیٰ اور سورۂ اخلاص اور سورۂ فاتحہ اور
معوذتین اور سورۂ ملک غرض کہ یہ سب سورتیں پڑھ کے آپ آرام فرماتے تھے پھر جب اس
طرح کے اوقات معمور اور بندھے ہوئے ہوں تو کسی قسم کے مجاہدۂ عظیم کی گنجائش کہاں ہے کہ اتنی
دیر تک اس امر میں تم مشغول رہو اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دن کو اگرچہ طرح طرح کی عبادتوں
میں مشغول رہتے ہو لیکن اس وقت کو یعنی پچھلے پہر کو بھی عبادت سے خالی مت رکھو اسواسطے کہ
اس وقت کا مجاہدہ حجابوں کے دور کرنے اور قرب اور نزدیکی کے حاصل کرنے میں اکسیر اعظم ہے
کوئی عبادت اور کوئی شغل اس کو نہیں پہنچتا بلکہ جتنے شغل اور جتنی عبادتیں ہیں سب کو یہ مجاہدہ اور رونق
دے دیتا ہے سو ایسے وقت کو ہرگز مفت نہ کھویا چاہیے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور یاد کر نام اپنے پروردگار
کا ہمیشگی کے طور پر ہر وقت اور ہر شغل میں اور ہر عبادت میں خواہ اول خواہ آخر خواہ درمیان میں اس
عبادت کے اور یاد خواہ زبان سے ہو خواہ دل سے ہو خواہ روح سے خواہ بطور سر کے خواہ اخفیٰ
ہو خواہ نفس سے ہمہ دن کو ہو یا رات کو اور ذکر لسانی جہر سے ہو خواہ خفیہ ہو اور پروردگار کا نام خواہ اسم ذات
ہو خواہ اسم اشارہ ہو یا اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی نام ہو جو سالک کے نفس اور حال اور وقت سے
مناسبت رکھتا ہو چنانچہ حضرت شیخ ابو النجیب سہروردی بغدادی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ
جس وقت کوئی اس راہ کا طالب ان کے پاس آتا تھا تو پہلے اس کو ایک چلّے یا دو چلّے کرنے کا حکم
فرماتے بعد اس کے اپنے سامنے اس کو لے بیٹھتے اور نودنہ نام پاک کو اس کے سامنے آپ
پڑھتے اور اپنی آنکھ اس کی آنکھ سے لڑائے رہتے اگر ان اسمائے الٰہیہ سے کسی نام پر اسکا چہرہ
متغیر ہوتا اور کانپ اٹھتا یا اچھل پڑتا تو آپ اس کو فرماتے کہ تیرے کام کی کشائش اسی اسم سے

ہو گی اور اس نام کے ذکر کا طریقہ اس کو تعلیم کرتے اور اگر کسی اسم سے ان اسمائے الٰہیہ سے اس کا چہرہ متغیر نہ ہوتا اور کسی طور کی جنبش اُس کے بدن میں نہ پائی جاتی تو آپ اُس سے کہہ دیتے کہ تجھ میں قرب اور جذب کی راہ کے سلوک کی استعداد نہیں ہے تجھے ابرار کے طریق کو اختیار کرنا چاہیے۔ اور تجارت اور زراعت یا کسی اور پیشے میں مشغول ہونا چاہیے اور اسم پروردگار کا خواہ تنہا خواہ تہلیل کے ضمن میں یعنی نفی اور اثبات میں خواہ تسبیح اور تحمید اور تکبیر اور لاحول یا دوسرے مسنون ذکروں کے ضمن میں ہو اور ذکر کی کیفیت بھی خواہ ایک ضربی ہو خواہ دو ضربی خواہ اس سے بھی زیادہ ہو اور حبس دم کے طور پر ہو خواہ بے حبس ہو اور برزخ سے ہو خواہ بدون برزخ کے اور خواہ سہ رکنی ہو خواہ ہفت رکنی اور خواہ شرائط عشرہ کے ساتھ ہو خواہ بدون ان شرائط کے اور شرائط عشرہ عبارت ہے شدّ اور مدّ اور تحت اور فوق اور محاربہ اور مراقبہ اور محاسبہ اور مواعظ اور تعظیم اور حرمت سے اور سوائے اُس کے دوسری خصوصیات بھی ہیں جن کو اس طریق کے ماہروں نے نکالا ہے اور معین کرنا ایک کا دو کا ان خصوصیات مذکورہ سے شیخ اور مرشد کی رائے پر مفوض ہے جس چیز کو جس طالب کے حال کے موافق اور اصلح جانے وہی چیز اس کو تلقین فرما دے اور پھر ایک خصوصیت سے دوسری خصوصیت کی طرف انتقال کرے چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنے پھر پوچھو ذکر والوں سے اگر تم کو نہیں معلوم ہے اور بہت عمدہ چیز اس مقدمے میں یہ ہے کہ کسی لحظہ اور کسی دم غافل نہ رہے اور کوئی عمل اور کوئی شغل ہو لیکن اس یاد کو نہ چھوڑے چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا ہے لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنے نہیں روکتی ہے ان لوگوں کو سوداگری اور نہ بیع وشرا اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور اگر خوف اس بات کا ہو کہ فلانے شغل کے سبب سے یاد الٰہی سے غفلت ہو جائے گی تو لازم ہے کہ اس شغل اور اس عمل کو چھوڑ دیوے وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ اور کاٹ اور علٰحدہ ہو اس عمل سے جو تجھ کو یاد الٰہی سے مانع ہو اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر تَبْتِيْلًا کاٹنا اور علٰحدہ ہونا ایک طریق سے یعنی اُس عمل اور اُس شغل کے علاقے کو اپنی طرف اور اپنے اختیار سے کاٹ ڈالنا چاہیے اس واسطے کہ بدون قطع کرنے اُس عمل اور اس شغل کے علاقے کو آپ سے علٰحدہ ہو جانا کبھی ظلم کا سبب پڑتا ہے اور خلاف شرع ہوتا ہے جیسے نوکر کہ بدون نوکری چھوڑے اپنے گھر آپ سے بیٹھ رہے

یا مرد بغیر قطع کرنے نکاح کے علاقے کے جورو سے علیحدہ ہو جاوے اور اس کی صحبت اور اس کی خاطر داری سے اور نان نفقہ کی خبر گیری سے علیحدہ ہو کر بیٹھ رہے تو یہ بات ظلم صریح ہے اور خلاف شرع کے اسی طرح دوسری چیزوں کو قیاس کر لینا چاہیے اور اسی قید کی طرف اشارہ کرنے کیواسطے تبتیلا فرمایا اس واسطے کہ اس قسم کے انقطاع کا بیان کرنا منظور ہے جس کے قطع کرنے سے کسی طرح کا علاقہ حاصل نہ ہو انقطاع کی تاکید منظور نہیں ہے والا تبتلا فرماتے اور اس قطع اور تبتل کے بہت فائدے ہیں پہلا فائدہ عین ذکر میں ہے یعنے ماسوای اللہ کے خطرے دل میں نہ آویں تاکہ جو ذکر سے غرض ہے وہ حاصل ہووے اور جب خطرے دل میں آئے تو ذکر ذکر نہیں رہتا اور مذکور کی طرف خالص توجہ کا سبب بھی نہیں پڑتا ہے تاکہ نزدیکی اور کشش اس سے حاصل ہووے دوسرا فائدہ ذکر کے اثر باقی رہنے میں ہے اس واسطے کہ کسی چیز کی طرف متوجہ ہونے سے پہلی چیز کی طرف توجہ کا اثر مٹ جاتا ہے اور دوسرے خطروں کی طرح یہ توجہ بھی بے فائدہ ہو جاتی ہے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تمام عبادتوں میں فارغ البال ہونا شرط ہے اور مخلوق کی طرف علاقہ رکھنا فراغ بالی کو مانع ہے چوتھا فائدہ یہ ہے کہ بہت گناہوں سے مخلصی حاصل ہوتی ہے جیسے زنا اور بدعت اور غیبت اور خوشامد اور منہیات اور بدعات کا دیکھنا اور بری صحبت کا اثر ہونا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کی محبت کو نفی کرتا ہے جس طرح ذکر الٰہی اول میں محبت زیادہ کرتا ہے پس تبتل تنقیہ کے حکم میں ہے دوائی کے استعمال کرنے سے پہلے تو جس طرح قبل استعمال دوائی کے تنقیہ شرط ہے اسی طرح قبل ذکر کے تبتل بھی شرط ہے یہاں پر جاننا چاہیے کہ دنیاوی علاقوں سے علیحدہ ہونا اور ان کی محبت کے رشتے کو اپنے دل سے کاٹنا ذکر الٰہی اور سلوک الی اللہ کے ابتدا میں شرط ہے یعنی ضروری ہے بدوں اس انقطاع کے کچھ فائدہ نہیں ہوتا لیکن انتہا میں یعنی جب استغراق اور اختلاط کے جمع کی قوت حاصل ہوتی ہے تب شرط نہیں ہے بلکہ اس وقت میں اختلاط تبتل سے بہتر ہوتا ہے اس واسطے کہ اس کے سبب سے سیکھنا اور سکھلانا اور ادب دینا اور ادب لینا اور ہدایت اور نصیحت اور حقوق کی رعایت ہوتی ہے اور ان عبادتوں کے ثواب حاصل کرنے کا سبب پڑے گا جو اختلاط پر موقوف ہیں جیسے مریض کی عیادت کرنا اور جنازے کے ساتھ جانا اور محتاجوں کی مدد کرنا اور اپنے خویش اور اقربا کے ساتھ سلوک اور عاجزی کرنا اور صبر کرنا اور خلق اللہ کی زیادتی کو سہہ لینا اور

مسکینوں کی خدمت کرنا اور مہمان داری کرنا اور حلال طریق سے مال حاصل کرنا تاکہ اس کو صدقوں میں اور واجب نفقوں میں اور مسجدوں کی تعمیروں میں اور مسافر خانوں کے بنانے میں صرف کرے اور بعضے فقہاؤں نے فَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ کو تکبیر تحریمہ پر اور تبتل کو رفع یدین پر حمل کیا ہے اس واسطے کہ دونوں ہاتھ ابتدائے نماز میں اٹھانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں دونوں جہان سے ہاتھ اٹھا کے خدا کی یاد میں مشغول ہوا ہوں اور بعضے صوفیہ نے تبتل کو ذکر کے وقت نفی ماسوی اللہ پر حمل کیا ہے اور طریقہ اس تبتل کا یہ ہے کہ تاریک مکان میں بیٹھے اور سر اور منہ کو کپڑے سے لپیٹ لے اور آنکھیں بند کرے اور زبان کو سوائے ذکر کے نہ ہلاوے اور یہ اُسوقت کرے جب معدہ خالی ہو اور بھوک ہو لیکن بھوک کا غلبہ نہ ہو اور کم کھانا اور کم سونا اختیار کرے اس واسطے کہ ان دونوں چیزوں کو دل کے منور کرنے میں بڑا دخل ہے اسوجہ سے کہ کم کھانا دل کے خون کو کم کرتا ہے اور جاگنا دل کی چربی کو پگھلاتا ہے اور کسی شخص کو مقرر کرے کہ ضروریات کی خبرگیری رکھے جیسے کھانے پینے کی اور کپڑے کی اور کھانے میں بڑی احتیاط کرے کہ حلال وجہ سے ہو اور فرض اور سنت کے ادا کرنے میں اور ذکر دائم میں مشغول رہے لیکن قبلہ رو ہو کر طہارت سے اور حضور دل سے اول زبان سے ذکر کرے یہاں تک کہ زبان سے حرکت رہ جاوے اور بے اختیار ساتھ ذکر کے جاری ہو پھر اس کے بعد دل میں خیال کرنے سے ذکر کرے یہاں تک کہ حرف بھی درمیان میں نہ رہیں فقط معنی ذہن میں جم جاویں پھر اس کی گنتی اور شمار نہیں رہتا ہے بلکہ ذکر بھی ایک حالت ہو جاتا ہے اس کی دوسری حالتوں سے پھر اس وقت اس کو شدت کی محبت پیدا ہوتی ہے اور مذکور کو یعنی جس کو یاد کرتا ہے اس کو کسی وقت بھول نہیں سکتا بموجب قول شاعر دن تو اس کے ہی تصور میں گذر جاتا ہے :: رات کو خواب میں بھی وہ ہی نظر آتا ہے :: پھر اس کے بعد سب چیزوں سے ظاہری ہوں یا باطنی غیبت حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ اپنے نفس سے اور نفس کی صفات سے بھی غائب ہو جاتا ہے اور اسی مرتبے کا نام قرب ہے پھر اس کے بعد تو یہ نوبت پہنچتی ہے کہ ذکر سے بھی غیبت ہو جاتی ہے فقط مذکور اور محبوب کا شہود اور حضور باقی رہتا ہے اور یہ مرتبہ فنا کی سرحد ہے پھر بعد اس کے اس کو ایسا اتصال اپنے محبوب کے ساتھ حاصل ہوتا ہے جس کی کیفیت بیان ہو سکے اور نہ وہ قیاس میں آوے اور یہ رتبہ ولایت کا ہے اس رتبہ والے کو شاہ ولی اور واصل کہہ سکتے ہیں اور اس کے ماقبل کے رتبے والوں کو طالب اور

مرید اور شوقین اور جویا کہتے ہیں یہاں تک تبتل کے طریقے کا بیان ہو چکا اور جو اس جگہ پر ایک شبہہ کا گمان تھا کہ شاید کسی کی خاطر میں آوے کہ دنیاوی علاقوں کو قطع کرنا کسی طرح متصور نہیں ہے اس واسطے کہ دار الحیوٰۃ تو دنیا ہے اور جب تک دنیاوی علاقوں سے تعلق باقی ہے تب تک ماسوی اللہ سے غفلت کلی اور بالکل متوجہ ہونا حضرت مولیٰ اجل شانہ کی طرف کسی طرح ممکن نہیں ہے سو اس شبہے کے دفع کی طرف متوجہ ہو کے ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا میں افعال الٰہی کی طرف خوب نظر کر کے دیکھو کہ دنیاوی علاقوں کے ساتھ تعلق رکھنا اور پھر ان ہی علاقوں کو انقطاع کرنا ہر دن اور ہر رات میں موجود ہے اسواسطے کہ حق تعالیٰ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ پروردگار مشرق کا بھی ہے اور مغرب کا بھی ہے اور اس نے مشرق کو دنیاوی علاقوں کے یاد دلانے کے واسطے بنایا ہے جس طرح مغرب کو دنیاوی علاقوں کے قطع کرنے کے واسطے مقرر کیا ہے یعنی جسوقت صبح ہوئی اور آفتاب کی روشنی مشرق سے نمودار ہوئی پس دکانداروں کو بازار میں دکان کا علاقہ یاد آیا کاریگروں کو اپنے پیشوں کے ہتھیار اور نوکروں کو اپنے آقا کا دربار اور کسان کو اپنا ہل اور بیل اور کھیت اور مالی کو اپنے لگائے ہوئے درخت اور ماں باپ کو اپنی اولاد اور لونڈی غلام کو اپنا مالک اور جورو کو خاوند اور خاوند کو جورو کا علاقہ یاد آیا اور ہر علاقے کے حکم ظاہر ہونے لگے چنانچہ مسافروں کو راہ چلنے کی فکر پیدا ہوئی کرایہ والوں کو ساتھ خشکی کے ہوں یا تری کے اور ساتھیوں اور ہمراہیوں کے ساتھ معاملہ کرنے کی اور کسب والوں کو اپنے کسب کی طمع دل میں پیدا ہوئی اور تاجروں کو اپنے مال بیچنے کی فکر نے سرگردان اور پریشان کیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوا پھر یہ جتنے علاقے ہیں آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگے کسان کھیتوں سے اور دکاندار بازاروں سے اور مسافر راہوں سے اور نوکر نوکریوں سے بھاگ کر اپنے گھروں اور ٹھکانوں پر آ گئے تو اس وقت باہر کے علاقے منقطع ہوئے مگر گھر کا اور گھر والوں کا علاقہ باقی رہا پھر جب کھانے پینے سے فراغت ہوئی تو گھر کی اکثر چیزوں سے بھی علاقہ منقطع ہوا مگر جورو بچوں سے باقی رہا پھر جب بچھونے پر لیٹے تو بچوں کا بھی علاقہ گیا فقط جورو سے علاقہ باقی رہا یہاں تک کہ نیند آئی اور سو گئے تو وہ بھی علاقہ جاتا رہا بلکہ روح کا علاقہ بھی ظاہر بدن سے منقطع ہو گیا اپنے اعضا کی جنبش اور حرکت بھی روح کے اختیار میں نہ رہی پھر دوسری چیز کو کون پوچھتا ہے پھر اسوقت میں تم اے محمد ﷺ اس مالک الملک کی ربوبیت

کی شان کا تماشا کرو اور دیکھو کہ اُن سب کو حق تعالیٰ دنیا میں زندہ رکھتا ہے اور ایک وقت پر روز
ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز سے علاقہ نہیں رکھتے ہیں سو تم اپنے تئیں عمر کی ہر ساعت اور ہر وقت
میں اسی طرح کا بے اختیار سمجھو اور کسی چیز سے علاقہ مت رکھو اس واسطے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ نہیں
ہے کوئی معبود تمہارا ذکر اور عبادت میں مگر وہی حق تعالیٰ کہ قطع کرنا علاقوں کا اور ثابت رکھنا ان ہی
علاقوں کا اس کی ایک شان ہے ربوبیت کی شانوں میں سے پھر جب وہی تم کو تبتیل اور قطع
علائق کا حکم فرماتا ہے تو پھر تم کو کیا فکر اور اندیشے کی جگہ ہے بموجب اس مصرع کے ع خدا خود
میر سامان ست ارباب توکل را ۔ اور بعضے عارفوں نے اس آیت کے معنی یوں کہے ہیں کہ
اگر تم کو دنیا کے ظاہری اسباب اور وسائط کے دیکھنے سے تبتیل اور قطع کرنا علاقوں کا دشوار
معلوم ہووے تو تم کو حق تعالیٰ کی طرف نظر کرنا چاہیے جو رب ہے مشرق اور مغرب کا کہ اس کو
اشیا میں ظہور بھی ہے اور بطون بھی ہے اس واسطے کہ اگر اس کو ظہور اور بطون معاً اشیا میں نہ ہوتا
تو اشیا کا وجود کسی طرح ممکن اور متصور نہ تھا اس واسطے کہ لا الٰہ الا ہو یعنی وجود حقیقی سوائے اس کے
کوئی نہیں ہے پھر اگر اشیا میں وہ خود ظاہر نہ ہوتا تو اشیا کا وجود بھی ظاہر نہ مانا جاتا اور اگر بالکل خود
خود ہی ظاہر ہوتا تو بھی اشیا کا موجود ہونا محال تھا اسی واسطے ظہور کو بطون کے ساتھ ملایا ہے سو
جس طرح سایہ بدون آفتاب کے پایا نہیں جاتا اور آفتاب کے ساتھ بھی نہیں ہوتا بلکہ آفتاب
کو سایہ کے وجود میں دونوں وجہ سے دخل ہے ظہور کی راہ سے بھی اور بطون کی راہ سے بھی
اسی طرح سے اسباب اور وسائط کا اگرچہ ظلی وجود ثابت ہے لیکن بدون حق تعالیٰ کے کوئی اپنا
وجود فی حد ذاتہا نہیں رکھتے پھر اس بات کے ملاحظے سے تمہارے نزدیک بھی اسباب اور
وسائط کے واسطے استقلالی وجود نہ ہوا اور جب اسباب اور وسائط درمیان سے اٹھ گئے
اور علاقے بالکل منقطع ہو گئے فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۵ پھر لے اپنے پروردگار کو کارساز اور اپنے
ضروری کاموں کو اسی پر چھوڑ دے اور تو بے پروا ہو کے بیٹھ اور ان تمام علاقوں کو اپنے سے
منقطع کرنے کے سبب سے تشویش میں مت رہ اور فا کلمہ جو تعقیب بلا مہلت پر دلالت
کرتا ہے اس جگہ پر لانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علاقوں کے قطع کرنے کے بعد جھٹ
پٹ یہ کام کرنے لگو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرو انتظار تجربہ اور امتحان کا ہرگز مت کرو اس

واسطے کہ عیاں ہونے کے بعد تجربہ اور امتحان کی کچھ احتیاج نہیں ہے اب باقی رہا یہاں پر ایک شبہہ قوی اور وہ یہ ہے کہ متوکلوں کے نزدیک توکل کے تین مرتبے ہیں اوّل مرتبہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے پروردگار پر ایسا اعتماد ہو جاوے جیسا متوکل کو وکیل پر بھروسہ ہوتا ہے کہ اس کی شفقت اور خیر خواہی کا بھی اس کو یقین ہوتا ہے اور اپنے کام کے سرانجام دینے کی قدرت کا بھی اس کو اعتقاد ہوتا ہے اور اپنی ضروری حاجتوں کا خوب طرح سے اس کو واقف اور دانا بھی جانتا ہے دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے پروردگار پر اسطرح کا اعتماد ہو جاوے جس طرح بچے کو اپنی ماں پر ہوتا ہے اور یہ مرتبہ اوّل کے مرتبے سے اعلیٰ ہے اسواسطے کہ اوّل کے مرتبے میں تھوڑا التفات اپنے اعتماد پر بھی ہوتا ہے اور متوکل کے دل میں ایسا آتا ہے کہ یہ کام جو میں نے فلانے شخص کو سپرد کیا ہے تو اس کام کو ضرور وہ سرانجام کو پہنچاوے گا کچھ اس کی احتیاج بھی ہے کہ میں خود اس کام پر متوجہ ہوں بخلاف بچے کے کہ اس کو ماں پر اس طرح کا اعتماد اور بھروسا ہوتا ہے بلکہ اس میں ایسا مستغرق ہوتا ہے کہ اپنے اعتماد سے بالکل غافل ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ متوکل اس کام کی تدبیر اپنے دل میں بھی سوچتا ہے اور بچہ تدبیر بھی نہیں کرتا اور کسی اسباب سے بھی کام نہیں رکھتا تیسرا مرتبہ توکل کا یہ ہے کہ اعتبار اور استغراق کا بھی درمیان میں لحاظ نہ ہو بلکہ اپنے تئیں ایسا جانے جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں جس طرح چاہے اس طرح پھیرے اس کو کچھ بھی دخل نہ ہو یہاں تک کہ اس مرتبے میں سوال بھی نہیں کرسکتا ہے بخلاف دوسرے مرتبے کے کہ وہاں سوال کا دروازہ کھلا رہتا ہے جس طرح بچے کی عادت ہوتی ہے ماں سے سوال کرنے کی سو یہ مرتبہ توکل کا یعنی تیسرا مرتبہ جو سب سے اعلیٰ ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو عنایت ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ جس وقت کافروں نے آپ کو آگ میں پھینکا تھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکے درمیان میں آپ سے کہا کہ حق تعالیٰ سے کچھ کہنا ہو تو کہو تاکہ تم کو اس بلا سے نجات حاصل ہو آپ نے فرمایا کہ حَسْبِی مِنْ سُؤَالِی عِلْمُہٗ بِحَالِی یعنی بس ہے مجھ کو سوال کرنے سے آگاہی اس کی میرے حال پر یعنی میرا حال اس پر ایسا روشن ہے کہ کچھ کہنے کی احتیاج نہیں ہے سو ایسے اولوالعزم پیغمبر کو اس جگہ پر پہلا مرتبہ توکل کا کیوں بتلایا یعنی یوں حکم ہوا کہ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا دوسرے جو اعلیٰ مرتبے تھے ان کو کیوں نہ بتلایا سو اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ اس سورۃ میں ابتدا سے انتہا تک سلوک الی اللہ کے مقام اس طور کے بیان کیے گئے ہیں جو مبتدی اور

منتہی دونوں کے کام آویں اور دونوں کا مطلب حاصل ہو چنانچہ اوپر بیان ہو چکا ہے اور اگرچہ یہاں جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں لیکن منظور امت کو حکم کرتا ہے اور جو توکل کا پہلا ہی مرتبہ ہے اس مرتبے سے ترقی کر کے آہستہ آہستہ ان دونوں مرتبوں کو پہنچتے ہیں اسواسطے کہ پہلے اسی مرتبے کو بتلایا کہ اس مرتبے کی ہمیشگی کے سبب سے وہ دونوں مرتبے خود بخود حاصل ہو جاویں گے اور یہ بھی ہے کہ حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کمال ہوشیاری سے ہے اور تمام عالم کے احوال کا ملاحظہ کرنا اور خبردار رہنا تاکہ اسباب اور مسببات کے کارخانے کو اور توکیل الٰہی کو وکالت کے طور پر اپنی نظر میں رکھیں اور اپنے محبوب کے بندوں کے ارادوں کے موافق ان کے مطالب اور مرادوں کے جاری کرنے میں کوشش کریں اور حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے کہ اگر خوب غور کر کے دیکھو تو کمال حقیقی اسی مرتبے میں ہے اور دوسرے دونوں مرتبوں میں سکر اور بیہوشی کے سوائے دوسری کوئی زیادتی نہیں ہے جس میں نظام واقعی نفس الامری سے بھی بے خبری اور بے پروائی ہوتی ہے ہاں یہ مرتبہ ولایت کے کمالات میں البتہ معتبر ہے نبوت کے کمالوں سے نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بچے کے اعتماد کو جو ماں سے رکھتا ہے اور اپنے مردے کو غسال کے ہاتھ میں دینا عاقلوں کے نزدیک اس قدر اعتبار نہیں رکھتا بخلاف سپرد کرنے مؤکل کے اپنے کاموں کو وکیل مطلق کے تئیں اور حضرت خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ نے جو حسبی من سوالی علمہ بحالی فرمایا یہ تدبیر کے ترک پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ یہ تسلیم کا طور ہے اور ان کا قول علمہ بحالی صراحۃً توکل کے اوّل مرتبے پر دلالت کرتا ہے چنانچہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے اور جب راہِ خدا کے سلوک کی شرطوں اور خرقہ پوشی کے لوازم کے بیان سے فراغت پائی تو اب یہ حکم ہوتا ہے کہ باوجود ایسی ریاضت اور مجاہدہ اور تبتل کے ہم نے تم کو خلق کی دعوت کرنے کو طرف حق کے اور ناقصوں کی تکمیل اور گمراہوں کی ہدایت اور طالبوں کی رہنمائی کے واسطے مقرر کیا ہے اور اسی طرح ان لوگوں کو جو تمہاری نیابت اور وراثت کے طور پر اس منصب کے ذمے بردار ہوں سو تم کو اور ان کو سب کو چاہیے کہ تحمل کو لازم پکڑو اور خلق کی زیادتی اور ظلم کو اٹھاؤ اور بردباری کو اپنا پیشہ کرو اور تبتل میں جو ان کاموں سے باز رہتے ہیں سو تم باز مت رہو اور اس طریقے والے کو اکثر لوگ طعن اور تشنیع کیا کرتے ہیں اور دشمنی سے پیش آتے ہیں اور جو دل میں آتا ہے کہہ بیٹھتے ہیں غرض کہ ہر طرح سے ایذا پہنچاتے ہیں سو تم کو

چاہیے کہ ان کی ایذا کو اٹھاؤ اور تحمل کو اختیار کرو وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ اور صبر کرو اس پر جو منکرین اور معاندین تمہارے کہا کرتے ہیں پھر وہ خواہ کافر ہوں یا فاسق ہوں یا منافق ہوں اسواسطے کہ یہ سب اس راہ سے بالطبع نفرت رکھتے ہیں اور اس راہ پر چلنے والوں کو چاہتے ہیں کہ لوگوں کے نزدیک انکو ذلیل اور حقیر کردیجئے اور یوں لوگوں کو سکھلاتے ہیں کہ یہ لوگ ظاہر میں ایسی باتیں کرتے ہیں ریا اور مکاری سے سے ان کی پروانہیں کرتے اس کو زیادہ تر مطعون خلائق کرتے ہیں بلکہ اس کے خویش اور اقربا اور دوست اور حق والے بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور کبھی بے مروتی اور خود غرضی کو اور کبھی عاجزی اور سستی کو اور کبھی غرور اور تکبر کو اس کی طرف نسبت کرتے ہیں غرض کہ اس قسم کی تہمتیں لگایا کرتے ہیں سو ایسوں کی زبانی ایذارسانی پر صبر کرنا تبتل کے لوازم اور شرائط سے ہے یہاں پر جان لیا چاہیے کہ دشمنوں اور حاسدوں کی زبانی ایذا تین قسم کی ہوتی ہے۔ اول یہ کہ اس کے معبود اور پیر اور استاد اور مرشد کے حق میں زبان طعن کی دراز کرنا سو ایذارسانی میں یہ قسم بہت سخت ہے دوسری قسم یہ ہے کہ خاص اسی شخص کے حق میں طعن کی زبان دراز کرنا تیسری قسم یہ ہے کہ اس کے بچوں اور یار دوستوں اور اس کی جورو کے حق میں طعن کرنا اسواسطے کہ ان علاقوں کے سبب سے ان کی طعن بہت رنج اور ملال کا سبب پڑتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تینوں قسموں کی ایذا اپنی امت کے بدمذہبوں اور منافقوں اور کافروں سے انتہا درجے کی پہنچی بخلاف دوسرے نبیوں کے کہ اس میں سے ایک قسم یا دو قسم کی ایذا میں مبتلا ہوتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کی تفصیل یہ ہے کہ قسم اول کی ایذا یہ تھی کہ آپ کے رنج دینے کے واسطے حق تعالےٰ جل شانہٗ کی جناب میں کافروں نے اسطرح کی بے ادبیاں کیں کہ جس کے سننے سے رونگٹے بدن پر کھڑے ہوتے ہیں چنانچہ بعضوں نے کہا کہ حق تعالیٰ جورو لڑکے رکھتا ہے اور بعضوں نے کہا شیطان خدا پر غالب ہے اور خلق کو گمراہ کرتا ہے اور بعضے طعن کے طور سے کہتے تھے کہ محمدؐ کا خدا کہتا ہے کہ میرے محتاج بندوں کو کھانا کھلاؤ اور زکوٰۃ دو تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں اور سوائے اس کے بہت سے کفر کے کلمے بکا کرتے تھے اور قرآن شریف کے بھی حق میں عجیب عجیب طرح کے فاسد احتمال اور جھوٹے خیال باندھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں اور شریعت کے حکموں میں واہی شبہے نکالا کرتے

تھے چنانچہ بعضے کہتے تھے لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً یعنے یوں کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن خدا کا کلام ہے تو ایک ہی مرتبہ کیوں نہ اُتار آگیا شعر کی فکر کی طرح کہ کسی دن کوئی غزل اور کسی دن کوئی رباعی اور کسی دن کوئی قطعہ تیار ہو کے کیوں اُترتا ہے اور بعضے کہتے تھے کہ لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ یعنی ہرگز نہ مانیں گے ہم اس قرآن کو اور نہ اگلی کتابوں کو اور بعضے کہتے تھے سحر ہے اور بعضے کہتے تھے کہ کسی کاہن کا کلام ہے اور بعضے کہتے تھے یہ شخص مجنون ہے بیفائدہ ہذیان بکا کرتا ہے اور مذبوح کی حلت اور میتہ کی حرمت میں تکرار کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے مارے ہوئے کو کھانا اور خدا کے مارے ہوئے کو نہ کھانا یہ بات بے معنی ہے اور دوسرے اسی قسم کے واہیات بکا کرتے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے حق میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُستادی کا منصب رکھتے تھے انواع انواع کی بے ادبیاں بیہودی کیا کرتے تھے اور رافضیوں کے فرقے سے ایک فرقہ ہے جو غرابیہ کرکے مشہور ہے وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پر لعن کرنا جائز رکھتے ہیں اس سبب سے کہ وہ کہتے ہیں کہ وحی علیؓ کے واسطے آئی تھی جبرئیلؑ نے محمدؐ کو پہنچائی اس فرقے میں سے ایک شخص نے اپنے اعتقاد کے بموجب یہ شعر کہا ہے جبرئیلؑ کہ آمد ز بر قادر بیچون ٭ در پیش محمد شد و مقصود علی بود ٭ جبرئیلؑ کو مولا نے علیؓ پاس تھا بھیجا ٭ پہونچائی محمدؐ کو وحی جا کے انہوں نے ٭ اور دوسری قسم کی ایذا جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق تھی وہ یہ تھی کہ آپ کو ساحر اور شاعر اور جھوٹا اور دیوانہ کہا کرتے تھے اور آپ کی ہجو کرتے تھے کہ اس میں آپ کی طرف برائیوں کی نسبت کیا کرتے تھے اور آپکا نام ابی کبشہ رکھا تھا یعنے اپنے رضاعی دادا کا بیٹا ہے اُسی کی خو بو اختیار کی ہے اپنے باپ دادا کے طریقے سے پھر گیا تو گویا اُن کی اولاد ہی سے نہیں ہے اور یہ بھی کہتے تھے کہ اگر یہ پیغمبر ہے تو فقیر اور مفلس کیوں ہے چنانچہ حق تعالیٰ اُن کے قول کو نقل فرماتا ہے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا یعنے کیا ہے حال اس رسول کا کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں کیوں نہ اُتار آگیا اُس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ ڈالا گیا اُس کی طرف خزانہ یا ہوتا اُس کا کوئی باغ کہ اُس سے کھایا کرتا اور اگر وحی آنے میں چند روز کا وقفہ ہوتا تو طعنہ دینا شروع کرتے اور یوں کہتے کہ وَدَّعَهٗ رَبُّهٗ وَقَلَاهُ یعنے رخصت

کیا اس کو رب نے اس کے اور بیزار ہوا اس سے اور آپ کی ہجو میں شعر کہتے تھے اور گانے والوں اور ناچنے والوں کو سکھلا دیتے تھے تاکہ کافروں کی مجلسوں میں اور محفلوں میں طبلے سارنگی پر گایا کریں اور لوگ مسخرہ پن کیا کریں اور تیسری قسم کی ایذا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور اہل وعیال سے متعلق تھی وہ یوں تھی کہ مدینے کے منافق اور فاسق اور خیبر اور فدک اور نضیر اور قریظہ کے یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خویش اور اقربا اور اصحاب کے حق میں طعن اور تشنیع کے مضمون بنایا کرتے تھے یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ کے حرم محترم کے حق میں بے ادبیاں کیں اور آپ کی زوجۂ طاہرہ مطہرہ طیبہؓ کو زنا کی تہمت لگائی نعوذ باللہ من ذلک اور آپ کی وفات کے بعد اس امت کے گمراہوں اور منافقوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور اصحاب کے حق میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی طماع اور لالچی اور خودغرض اور دنیا کے طالب اور ظالم اور غاصب سب کچھ کہہ لیا اگر ان سب بدمذہبوں کی باتیں جمع کر کے خوب غور کر کے دیکھیے تو بموجب ان کے قولوں کے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے بعد جتنے اہل بیتؓ اور اقربا اور صحابہؓ اور متوسل باقی تھے سب کے سب حق راہ سے پھر گئے اور باطل کو اختیار کیا اور دنیا کی طلب میں دین کو چھوڑا بلکہ ایک قلم مرتد اور کافر ہو گئے معاذ اللہ من ذلک حق تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نصیب کرے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول صادق ہوا کہ مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نبی اتنی ایذا نہیں دیا گیا جتنی ایذا میں دیا گیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ظلم اور زیادتی کا تحمل کیا اور خلق کی دعوت سے طرف حق کے اور ان کی ہدایت اور رہنمائی اور خیرخواہی سے باز نہ رہے تمام عمر شریف اس میں صرف کی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ وَاجْزِهٖ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَازَیْتَ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِهٖ یعنی اے خدا رحمت بھیج ان پر اور جزا دے ان کو ہماری طرف سے بہتر اس چیز کا جو جزا دی ہو تو نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے اور وہ جو مشہور ہے کہ اَلرَّسُوْلُ خَیْرٌ خواہ دشمنان یہ مثل گویا ہمارے رسول مقبول کے حال کا بیان ہے اور یہ سب باتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور میں آئیں یہ حق تعالیٰ کے امر کے اتباع کے سبب سے ہوا یعنی صبر کے مامور تھے اور بدلہ لینے اور دل میں کینہ رکھنے سے ممانعت تھی یہاں تک کہ حکم ہوا تھا کہ اگر ان کی ایذا رسانی کے سبب سے ان کی صحبت میں تم

رہ نہ سکو اور اختلاط ممکن نہ ہو تو ان کی صحبت سے تم کو چاہیے کہ کنارہ کرو وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا
اور چھوڑ ان کی صحبت کو لیکن اچھی طرح کا چھوڑنا تاکہ اس میں تین چیزیں نہ ہوویں اول یہ کہ ظاہر میں ان
کی صحبت کو ترک کرنا نہ باطن میں ان کی صحبت کی طرف میلان رکھ اور ان کے حال سے خبردار رہ کہ
کیا کرتے ہیں اور کیا کہتے ہیں اور مجھ کو کس طور سے یاد کرتے ہیں دوسری یہ کہ ان کی بدسلوکی کی شکایت
کسی کے سامنے نہ کرنا اور عوض لینے میں ان کو ظاہر کرنا اور ان کے ساتھ گفتگو اور مقابلے کی قوت
کج خلقی اور بدزبانی نہ کرنا تیسری شرط یہ ہے کہ باوجود جدائی اور مفارقت کے ان کی نصیحت میں
قصور نہ کرنا اور ان کی دشمنی مت کرنا بلکہ جس طرح سے ہو سکے ان کی ہدایت اور رہنمائی میں قصور نہ
کرنا علما نے کہا ہے کہ ہجر جمیل اسی کا نام ہے جس میں یہ تینوں صفتیں پائی جاویں اور اگر ایک صفت
بھی ان تینوں سے نہ پائی جاوے تو ہجر جمیل نہ ہوگا اگرچہ دو صفتیں پائی جاویں اور یہ بات بہت دشوار
ہے اور جس شخص نے سیرت مطہرہ اور خصلت طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سیر کی
کتابوں میں دیکھی ہے اس کو خوب معلوم ہوگا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس راہ کے
منکروں سے حسن خلق اور خیر خواہی کیا کرتے تھے کسی بشر کی طاقت نہیں ہے کہ اس طرح کر سکے یہی
وجہ ہے کہ آپ کے اس عمل کی برکت سے ان میں سے بہت لوگ صلاحیت پر آگئے اور اس
امر کا ان کو یقین کلی ہو گیا کہ اس شخص کو ہرگز نفسانیت اور انانیت نہیں ہے جو کچھ کرتے ہیں للہ کرتے
ہیں حق تعالیٰ کے حکم کے بموجب اس کے حکم میں سر مو تفاوت نہیں کرتے آخر کو لاچار ہو کے آپ
کی فرمانبرداری اختیار کی اور آپ کی خدمت گذاری پر دل اور جان سے مستعد ہو گئے اور اگر شاید
تمہارے خیال میں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ آوے کہ ان منکروں کی زبانی ایذا رسانی پر صبر
کرنے کا اور ان سے علاقوں کے قطع کرنے کا جو حکم ہوا ہے وہ تو میں نے دل اور جان سے قبول
کیا لیکن یہ منکر بدذات اس طرح کے شریر ہیں کہ دوسروں کو بھی اس راہ پر آنے نہیں دیتے اور
اگر کوئی ارادہ آنے کا کرتا ہے تو اس کو زبانی بھی سمجھاتے ہیں اور اپنی مجلس میں بٹھا کے اپنا حال
بھی دکھلاتے ہیں اور تن پروری اور دنیا کی خریداری اور نفس کو راحت دینے کی رغبت دلا کے
اس راہ سے اس کو پھیر دیتے ہیں سو ان لوگوں سے بددعا کر کے بدلہ اور عوض نہ لوں میں اور ان
کی ہلاکی کی دعا نہ کروں میں تو یہ طریقہ ہرگز نہ رائج ہوگا اور کوئی ادھر رخ نہ کرے گا اور مجاہدہ ظاہری

اور باطنی کی طرف جو نفس پر بہت شاق ہے اور شیطان کے فریب اور بُرے کو اچھا کر دکھلانے کے سبب سے اور بھی نفس پر بہت شاق ہو گیا ہے کوئی پھٹکے گا بھی نہیں پھر میری نبوت کا فائدہ کچھ بھی نہ ہوگا اور میری سعی اور کوشش اس راہ میں بالکل بے فائدہ ہو جائے گی مجھ کو اس گروہ شقاوت پژدہ سے بدلہ لینے کا حکم ہو تو بہتر ہے کہ ان پر بد دعا کر کے اُن کو ہلاک کر دوں میں اس واسطے کہ یہ اس راہ کے مخل ہیں اس طریقے کو ہرگز جاری نہ ہونے دیں گے فقط میرے ہی موذی نہیں ہیں کہ میں صبر کیے بیٹھا رہوں سو حق تعالیٰ اس خیال کے جواب میں فرماتا ہے کہ اس امر میں بھی تم دخل مت دو بلکہ اس کو بھی ہم ہی پر چھوڑ دو وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِيْنَ أُولِي النَّعْمَةِ اور چھوڑ دے مجھ کو اور اس راہ کے منکروں کو جو ناز و نعمت کے اور عیش و آرام کے لوگ ہیں اور تن پروری اور عیش و عشرت کی محنت کے سبب سے رات کا اٹھنا اور یاد الٰہی میں اپنی عمر کو گذارنا اُن سے نہیں ہو سکتا اور لوگوں کو اپنے حال اور قال سے فریب دے کے عیش اور عشرت کی طرف رغبت دلاتے ہیں سو اُن کے واسطے بھی تم کچھ مت کہو اور بد دعا مت کرو اس واسطے کہ میں مالک دو جہان کا ہوں سو جس طرح اس جہان میں بعضے لوگ ایسے ہیں کہ مجاہدہ اور ریاضت میں اور رنج اور مشقت میں مشغول ہیں اور اپنے جسم ناز پرور دہ کو خدا کی راہ میں نیست اور نابود کر رہے ہیں اسی طرح اس جہان میں بھی بعضے لوگ وہاں کے رنج اور مشقت میں مبتلا ہونے کو چاہئیں پھر اگر یہ یہاں عیاشی نہ کریں تو وہاں کے رنج اور مشقت کون اُٹھاوے اور اگر اس جہان میں سب لوگ مجاہدے اور ریاضت پر کمر باندھیں تو اس جہان میں چاہیے کہ سب لوگ چین اور آرام میں رہیں تو دونوں جہان متغیر اور تباہ ہو جاویں اس واسطے کہ دونوں جگہ رنج بے راحت اور راحت بے رنج پایا جاوے اور خالی ہونا ہر جہان کا احد المتقابلین سے اس جہان کے نقصان کا سبب ہے اور ہم تو جامع المتقابلات اور کامل علی الاطلاق ہیں تو ہم سے ایسے نقصان کی بھی درخواست اور اس امر کی درخواست نہ کر کہ ان لوگوں کو جلدی اور شتابی ہم اس جہان کے عذاب میں مبتلا کر دیں اور اس جہان کے آرام اور چین سے اُن کو محروم رکھیں بلکہ فرصت دینا چاہیے وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا اور مہلت دے ان کو اس جہان کے آرام و چین میں تھوڑی تاکہ اس جہان کے رنج اور مشقت کھینچنے کی استعداد پیدا کریں اس واسطے کہ ہم حکیم ہیں استعداد اور لیاقت کے پہلے کسی کو کسی کام میں مشغول نہیں کرتے ہیں اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا میں

نقصان پایا جاوے اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا بیشک ہمارے پاس تیار ہیں بھاری زنجیریں جو اُن کے پاؤں میں ڈالیں گے اُس کے عوض میں جو یہ دنیا کے علاقوں میں پابند ہو کے اس سے دست بردار ہونے اور قطع کرنے کو اُن کا جی نہیں چاہتا تھا اور اُس کی راحت میں ایسے مشغول ہو گئے تھے کہ رات کو اُٹھ کے نماز میں کھڑے ہونے سے دل چُراتے تھے وَّجَحِیۡمًا اور آگ ہے دہکتی ہوئی اہل مجاہدہ ذکر کے شوق اور عشق کی سوزش کے عوض میں جس طرح وہ دنیا میں اپنے تئیں اس تپش میں جلاتے تھے اور اپنے دل کو اس آگ کی گرمی سے اوٹاتے تھے اور یہ منکر مزے اور چینیں اُڑاتے تھے وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ اور کھانا گلا پکڑنے والا عوض میں اس مشقت اور رنج کے جو اہل مجاہدہ اور اہل ذکر دنیا میں کھینچتے تھے چنانچہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور تہجد میں قرآن شریف کی تلاوت کرنا اور ذکر اور قرأت کی تکراریں اور اس میں شد اور مد اور فوق اور تحت کی رعایت کرنے میں بلغم گلے میں آکر اٹکتا تھا اور آواز کو بند کر دیتا تھا اور اُن کو ایذا پہنچاتا تھا بلکہ کبھی خون بھی تھوکنے لگتے تھے اور اس کے بھی عوض میں جو دنیا میں یہ منکر اچھے اچھے روغنی کھانے کھا کے اور خوب ٹھنڈے اور میٹھے اور خوشبودار شربت پی کے اس کے خمار میں مست ہو کر نرم بچھونوں پر غفلت کے خواب میں پڑے سویا کرتے تھے وَّعَذَابًا اَلِیۡمًا اور عذاب دُکھ دینے والا، یہ دوسری قسم کا عذاب ہے جس میں بہت دُکھ ہے جیسے دوزخ کے مُوکلوں کی مار پیٹ یہ عوض میں اُس مشقت اور رنج کے جو مجاہدہ اور ذکر والے دنیا میں کھینچا کرتے تھے جیسے پنج وقتہ جماعت میں جانا اور جمعہ میں اور ذکر کے حلقوں میں اور قرآن اور حدیث اور علم اور وعظ کی مجلسوں میں گرتے پڑتے اُٹھتے بیٹھتے جانا اور لوگوں کے اژدحام اور ہجوم کے صدمے اٹھانا سو اس راہ کے منکروں کو اس کے عوض میں وہاں دیا جائے گا اور طعن اور تشنیع اور طنز اور کنایہ جو مجاہدوں کے ساتھ مخالف اور منکر کیا کرتے تھے اور اس کے عوض میں دوزخ کے سانپ اور بچھوؤں کے ڈنک ہوں گے اور وہاں اس عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے پھر اگر اُن کو دنیا میں مہلت نہ دیں ہم تاکہ طرح طرح کے چین اور آرام جی بھر کر لیں تو ایسے رنج اور مشقت کھینچنے کی لیاقت اور استحقاق کہاں سے پیدا کریں پھر اس عالم کے رنج اور مشقت کے اسباب جو ہم نے تیار کر رکھے ہیں وہ سب معطل اور بیکار رہ جاویں سو تم کو چاہیے کہ ہماری خدائی کے کارخانے میں دخل مت دو چنانچہ حافظ کہتے ہیں ؎ رموز مملکت و

ملک خسروان دانند + گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش + تم کو لازم ہے کہ بموجب حکم الٰہی کے اُس کی یاد میں اور علاقوں کے قطع کرنے میں اور طالبوں کی ہدایت میں دل اور جان سے مشغول رہو۔ چنانچہ اس مضمون کو بھی حافظ نے بخوبی ادا کیا ہے سے سخن از مطرب ومی گو وراز دہر کمتر جو + کہ کس نکشود و نکشاید ز حکمت این معمارا۔ ہاں اتنا البتہ تم کو معلوم کر لینا چاہیے کہ ان منکروں کی گرفتاری کا وقت اسوقت ہوگا جب دنیا میں اہل مجاہدہ اور اہل ذکر سے کوئی باقی نہ رہے گا اور راہ ولایت کی بالکل بند ہو جائے گی اور غیبیہ سب خدمتیں معطل اور بیکار ہو جاویں گی جیسے غوثیت اور قطبیت اور ابدالیت اور اوتادیت ہے اور قطب مدار زمین سے مفقود ہو جاوے اور ابدال اور اوتاد سب اٹھا لیے جاویں گے اسواسطے کہ باوجود باقی رہنے ان لوگوں کے دنیا کو خراب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اسواسطے کہ دنیا جامع ہے دوام ذکر اور مجاہدے میں اور عیش وعشرت اور آرام اور چین میں اور دونوں بازاریں اس کی گرم ہیں اگر ایک بازار خراب ہو جاوے تو احد المتقابلین سے اس عالم کا خالی ہونا لازم آوے اسی واسطے دوسرے عالم کے پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہونا ضرور پڑے گا اور دنیا سے راہ ولالت کی مسدود ہو جائے گی اور دوام ذکر اور مجاہدہ کے منقطع ہو جانے کی علامت یہ ہے کہ ولالت کا بیج جس کا نام ایمان ہے جہان میں نہ رہے گا پھر جب ایسا ہوگا تو ولایت کے وجود کا احتمال بھی باقی نہ رہے گا اور یہ علامت پائی نہ جائے گی مگر یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ جس دن کانپے گی زمین اور پہاڑ قطب مدار اور اوتاد اور ابدال کی موت کے سبب سے جن کی برکت کے سبب سے عالم کا قیام اور ثبوت تھا وَکَانَتِ الْجِبَالُ کَثِیْبًا مَّھِیْلًا اور ہو جائیں گے پہاڑ ریت کے تودے کی طرح پھسلتے گویا ان کی جڑوں اور جزوں میں پکڑ باقی نہ رہی اس جگہ پر عربیت کے قاعدے جاننے والے ایک سوال کرتے ہیں کہ جبال جمع جبل کی ہے تو اس کی خبر میں کثباً مہیلۃً فرمانا چاہیے تھا لیکن اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہوا کہ سب پہاڑ مل کر ریگ کے ایک تودے کی طرح ہو جائیں گے جدائی اور امتیاز ان میں نہ رہے گا اگر ہر ہر پہاڑ اپنی اپنی جگہ پر ریگ کے تودے کی طرح ڈھیر ہو کر رہ جاتے تو وہ بہت ہوتے اور جمع کا لانا صحیح ہوتا اور اس صورت میں جمع کا لانا بلاغت کے خلاف ہے جس طرح اگر کئی نہریں مل کر ایک جگہ پر بہیں تو اس جگہ یہ نہیں کہتے کہ صارَتِ الْاَنْہَارُ کُلُّھَا

اَنبَادًا اَعْرِیضَۃً بلکہ نَحُراً اَعْرِیضاً کہیں گے اسی طرح یہاں پر بھی بوجھ لینا چاہیے اور جب قرب
اور وصال کی راہ کے سلوک کی تعلیم سے اور اس کی شرطوں کے بیان سے فراغت پائی۔ ایسی
شرطیں جو صبر اور تحمل اور رضا اور تسلیم اور تمام امورات کو حکمت الٰہی پر مفوض کرنے کی طرف منجر
ہوئی تھیں تو اب اس راہ کے منکروں کو خطاب بر عتاب ہوتا ہے کہ یہ امر اور نہی جو ہم نے اپنے
پیغمبر کو کی ہے اور تمہارے اوپر بد دعا کرنے سے اور عوض لینے سے اُن کو منع کیا ہے اُس سے
یہ مت سمجھنا کہ یہ پیغمبر فقط قاصد آیا تھا پیغام پہنچا یا اور چلا گیا اس کی نافرمانی میں ہم کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔
بلکہ یہ پیغمبر فقط قاصد نہ تھا اس کی عرض معروض اور گواہی تمہاری حق میں سُنی جائے گی اگر کہیں اس
پیغمبر نے تمہارا گلہ شکوہ حق تعالیٰ کی درگاہ میں کیا تو غضب اور انتقام کا دریا جوش میں آجائے گا۔
اور دنیا میں بھی بلاؤں اور قحط اور وبا اور فقر اور رنج میں گرفتار ہو جاؤ گے جس طرح اگلے پیغمبروں
کے منکروں پر بھی اسی طرح کی آفتیں اور مصیبتیں ہوتی رہی ہیں اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاہِدًا
عَلَیْکُمْ بیشک ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف رسول کو تاکہ گواہ رہے تم پر اور ہم سے عرض کرے کہ
فلانے شخص نے اس طریقے کو قبول کیا اور فلانے شخص نے اُس سے انکار کیا تاکہ اس کے اظہار
کے موافق ہر ایک منکر اور فرمان بردار سے اسی طور کا معاملہ کریں ہم کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا
جس طرح بھیجا تھا ہم نے فرعون کی طرف بھی اسی قسم کا ایک پیغمبر تاکہ اُس پیغمبر (علیہ السلام) کی گواہی
اور عرض اُس کے حق میں قبول ہووے اور وہ رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے ذکر کی تخصیص اس مقام پر اسواسطے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تشریف
لے جانا فرعون کی طرف بعضے تاریخ والوں کے گمان میں فقط پیغامبری اور ایلچی گری کے طور
پر تھا اسواسطے کہ وہ پیغمبر بنی اسرائیل کے تھے اور فرعون قبط کے قبیلے کا تھا اور حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے بھیجنے سے فرعون کی طرف یہ بھی منظور تھا کہ بنی اسرائیل قید سے خلاصی پا دیں۔
ہدایت اور رہنمائی فرعون اور قبطیوں کی اُن کی اصل نبوت میں داخل نہ تھی بلکہ بنی اسرائیل کے
رسموں کی اصلاح اور اُن کے دلوں کو منور کرنا مقصود تھا اور بس بخلاف دوسرے انبیاؤں
کے کہ جس قوم کی طرف سفیر اور رسول کر کے بھیجے جاتے تھے تاکہ ان کو پیغام الٰہی پہنچا دیں تو اس
قوم کی طرف بھی پیغام پہنچانا مقصود ہوتا تھا اور دوسرے طالبوں کی بھی ہدایت اور رہنمائی

اور حق تعالیٰ کے قرب کا طریقہ تعلیم کرنا اور اُن کے دلوں کا منور کرنا بھی مقصود ہوتا تھا سو وہ فقط رسالت نہ رکھتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام فرعون کی نسبت سے فقط قاصد اور ایلچی تھے لیکن باوجود فقط اس ایلچی گری کے اُن کی عرض فرعون اور قبطیوں کی ہلاکی کے مقدمے میں قبول ہوئی اور دنیا کے عذاب میں بہت جلدی مبتلا کیے گئے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ پھر نافرمانی کی فرعون نے اس اپنے رسول کی فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝ پھر پکڑا ہم نے اُس فرعون کو دنیا ہی میں ایسا پکڑنا جو بہت وبال رکھتا تھا اس واسطے کہ اس کو دریا میں تمام اُس کی فوج اور لشکر کے ساتھ غرق کیا ہم نے اور اس کی سلطنت اور ملک اور مال اور مکانات اور باغات اور جواہرات اور سوائے اس کے جتنے اس کے عیش و عشرت کے سامان اور اسباب تھے سب ایک دم میں اس کے دشمنوں کے حوالے کر دیئے ہم نے اب اس کو سوچو کہ فرعون کس طرح کی عظمت اور بزرگی رکھتا تھا لیکن اپنے وقت کے رسول کی نافرمانی کے سبب سے ایسے وبال اور عذاب میں گرفتار ہوا تم تو اس کا عشر عشیر بھی مرتبہ نہیں رکھتے ہو پھر تم کیوں اپنے پیغمبر کو اس طرح رنجیدہ کرتے ہو اور اس کے حکم کو قبول نہیں کرتے اگر بالفرض اس پیغمبر کے کمال حلم اور بردباری کے سبب سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہ نسبت زمین آسمان کا فرق ہے اور آگ اور پانی کا تفاوت ہے اس دنیا کے عذاب سے تم بچ گئے اور اس کی بددعا سے محفوظ رہے فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ پھر کیوں کر بچو گے اور اپنے تئیں عذاب سے محفوظ رکھو گے اِنْ كَفَرْتُمْ اگر کافر ہوئے تم اور اپنے رسول کا کہا کسی طرح نہ مانا تم نے يَوْمًا جس دن بے گناہوں سے پوچھ پاچھ اور تکرار ہوگی اس سبب سے کہ گنہگاروں کے ساتھ کچھ علاقہ رکھتے تھے اور بیگناہوں کے دلوں میں بھی دہشت بیٹھ جائے گی یہاں تک کہ يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ۖ کر دے گا وہ دن چھوٹے بچوں کو بڈھا سفید بال کا یعنی اس قدر خوف کھائیں گے کہ ان کے بال سفید نکالیں گے اور اس دن بچوں کے بال سفید ہو جانے کی وجہ یہ ہو گی کہ اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں کی گریہ اور زاری اور بیقراری اور گرفتاری دیکھ کر رنج اور غم اور فکر کا ان پر غلبہ ہو گا۔ اور یہ غلبہ اُن کے دل میں روح کے محبس اور بند ہو جانے کا سبب پڑے گا اور حرارت غریزی ضعیف العمل ہو جائیگی اور خلط فجاجت پیدا کریں گے یعنی خامی اور بلغم متکرج یعنے سڑا

پھپھوند لگا ہوا غالب ہو کے مساموں کی راہ سے یعنی بال نکلنے کی جگہوں سے باہر نکل آوے گا اور اس قسم کا رنج اور الم جو اُس دن بچوں کو ہو گا کچھ جزا اور عذاب کی راہ سے نہ ہو گا جس طرح معتزلہ اپنی غلط فہمی سے بھی سمجھے پھر اس کا انکار کیا ہے اور کلام کو تمثیل اور کنایہ پر حمل کیا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ رنج اس عالم کے حکموں سے طبیعت کے طور پر ہو گا اور اس کا ہونا ضروری ہے جس طرح درد اور رنج بچوں کو دنیا میں ہوتا ہے لیکن بعضی تفسیروں میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ رنج خاص کافروں کے بچوں کو ہو گا نہ مسلمانوں کے بچوں کو سو ظاہر میں اس کی وجہ ایسی معلوم ہوتی ہے کہ کافروں کی گریہ وزاری اور بیقراری بہت ہو گی یہاں تک کہ ان بچوں کو بھی اُنکی تاثیر ہو گی بخلاف مسلمانوں کے کہ یہ چیزیں اُن پر اگر ہوں گی تو بہت ہلکی اور خفت کے ساتھ ہوں گی اور جلدی اُن سے اٹھائی جاویں گی اور باوجود اس کے ایک فرق دوسرا بھی ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کو اپنے ماں باپ اور خویش اور اقربا کا خلاص کرانا عذاب سے ممکن ہے اس واسطے کہ وہ سب ایماندار ہیں اور شفاعت اور عفو کی شرط بھی ایمان ہے سو بچوں کو رنج اسی بات کا ہو گا کہ اپنے ماں باپ اور خویش اقربا کو عذاب میں مضطرب اور بے قرار دیکھیں گے پھر ان کی شفاعت کرنے میں اور ان کی بخشش طلب کرنے میں مشغول ہوں گے اور حق تعالیٰ ان کی عرض اپنے فضل اور کرم سے قبول کرے گا اور ان سب کو عذاب سے نجات بخشے گا چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کے تین بچے نابالغ دنیا میں مرے ہوں گے دوزخ میں جانا اس پر حرام ہو گا اس واسطے کہ وہ بچے قیامت کے دن اُس کو دوزخ میں نہ جانے دیں گے اور حق تعالیٰ اپنی رحمت قدیم اور احسان عمیم سے اُن کی دعاؤں کو قبول کرے گا بخلاف کافروں کے بچوں کے کہ اپنے ماں باپ کا عذاب میں گرفتار ہونا دیکھیں گے اور ان میں ایمان کے نہ ہونے کے سبب سے ان کی شفاعت کے واسطے بھی عرض نہ کرسکیں گے اس واسطے کہ ایمان شرط ہے شفاعت کی سو ناچار ہو کے اسی رنج اور غم میں مبتلا رہیں گے یہاں تک کہ جب یہ بہشت میں جائیں گے اور بہشتیوں کی خدمت گاری کا عہدہ اُن کو ملے گا پھر بہشت میں جانے کے بعد سب خویش اور اقربا کا غم بھول جاویں گے اور بعضے مفسروں نے ایسا کہا ہے کہ بال کی سفیدی اُس دن حرام زادگی کی علامت ہو گی یعنی جو بچے زنا سے پیدا ہوئے ہیں وہ اُس دن کے ہول اور دہشت میں گرفتار ہوں گے اور اُن کے سوائے دوسرے بچے

اس آفت سے محفوظ رہیں گے لیکن اس تخصیص کے واسطے کوئی صحیح سند ضرور ہے اور سوائے اس کے بیگناہ کی گرفتاری کی توجیہ طلب ہے اس واسطے کہ گناہگار زانی اور زانیہ ہیں بچہ جو زنا سے پیدا ہوا وہ بیگناہ ہے، حاصل کلام کا یہ ہے کہ اس دن کا خوف تھوڑے بھی گناہ کے علاقے سے غالب ہو گا یہاں تک کہ گنہگاروں کے مکانات بھی ڈھاوئیے جاویں گے اور جس زمین میں گناہ ہوا ہو گا وہ سب خراب ہو جاویں گے بلکہ اِنِ السَّمَآءُ آسمان بھی باوجود اس کے کہ آسمان میں کوئی گناہ نہیں ہوا اور وہاں کے رہنے والے بھی سب معصوم اور پاک ہیں لیکن گنہگاروں کا رزق وہاں سے نازل ہوتا تھا اور ستاروں کی روشنی اور آسمان کی گردش سے بھی گنہگاروں کو فائدہ ہوتا تھا اِس سبب سے وہ بھی منقلب ہو گا بلکہ اس طرح کا برباد اور خراب ہو جاوے گا کہ آسمان آسمان نہ رہے گا تاکہ اس کی صفت میں تانیث کا لفظ بولا جاوے اِسواسطے کہ ہر چیز کی تانیث اس کی صورت ذہنیہ کے لازمے سے ہے جو لفظ کے واسطے سے ذہن میں اِس صورت پر دلالت کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ جسوقت کسی لفظ سے کوئی معنی تعبیر کرتے ہیں تو تذکیر اور تانیث میں اس صورت کا اعتبار ہے جو اس لفظ سے ذہن میں حاصل ہوئی ہے نہ وہ صورت جو حقیقت میں پائی جاتی ہے جیسے مرد کو نفس یا جان کر کے تعبیر کریں گے تو مؤنث ہے اور عورت کو اگر آدمی کر کے تعبیر کریں گے تو مذکر ہے سو جب یہ آسمان درہم برہم ہو گیا تو جو صورت کہ آسمان کے لفظ کی مدلول تھی وہ ذہن میں نہ رہی تو اب جو نہایت اُس کے حق میں کہا جاوے وہ یہ ہے کہ یہ آسمان شَیٌٔ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ایک چیز ہے پھٹی ہوئی اس دن کے صدمے کے سبب سے اِسی واسطے منفطرہ نہ فرمایا باوجود اس بات کے کہ آسمان مؤنث ہے گویا یہ اشارہ ہے اِس بات کی طرف کہ آسمان کو اس وقت آسمان نہ چاہیے بوجھنا جس طرح گھر کو اس کی دیواریں اور چھت ڈھانے کے بعد گھر نہیں کہتے بلکہ پڑا ہوا میدان کہتے ہیں پھر جب آسمان آسمان نہ رہا تو تانیث بھی کس واسطے رہے اور یہ بھی ہے کہ یہاں مناسب نہ معلوم ہوا کہ آسمان کی بقا پر اُس کی تانیث دلالت کرے اور اگر اس جگہ پر کسی کے دل میں یہ سوال گذرے کہ اگر ایسا تھا تو اذا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ میں کیوں نہ اِس بات کا اعتبار کیا گیا اور وہاں تانیث کیوں لائے اِس کا جواب یہ ہے کہ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ

یہ دونوں جملے فعلیہ ہیں اور فعل حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور ابتدا انفطار اور انشقاق میں آسمان آسمان تھا اور اُس کے جو جو صورت کے لازمے تھے تانیث وغیرہ وہ سب برقرار تھے تو اسواسطے تانیث کی علامت ان فعلوں میں ضروری ہوئی بخلاف اَلسَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ کے کہ یہ فقط جملہ اسمیہ ہے اور یہ استمرار اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور دوام اور ثبوت کسی چیز کا بعد تمام ہونے اُس چیز کے ہے اور انفطار کے تمام ہونے کے بعد آسمان نہ رہا تاکہ اس کی صورت سمائیہ کے لازمے قابل اعتبار کے رہیں اور وَانۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوۡمَئِذٍ وَّاهِیَةٌ میں وجہ یہ ہے کہ ابتدائی انشقاق میں جو مدلول انشقت کا ہے اُسوقت آسمان اپنے حال پر آسمان تھا اتنا ابتر تھا کہ اُس کے جزؤں میں انشقاق شروع ہوا تھا اور باقی جز ڈھیلے اور بودے ہو کے پھٹنے کے قریب ہوئے ہوں گے سو وہی کے وقت کہ سستی اور بودے پن کو کہتے ہیں صورت سمائی آسمان سے جدا نہ ہوئی تھی تاکہ اس صورت کے لوازمات کو اعتبار نہ کریں چنانچہ وَّالۡمَلَكُ عَلٰۤی اَرۡجَآئِهَا کا مضمون آسمان کی بقا پر صراحۃً دلالت کرتا ہے اور اگر منکر لوگ یہ کہیں کہ اس طرح کا دہشتناک دن جو تم بیان کرتے ہو ایسا دن ہونا بہت بعید ہے عقل سے اور اگر فرض کیا کہ ایسا دن ممکن ہے تو اس سے خوف میں رہنا اور اُس کی دفع کی فکر میں پڑنا اور اپنے چین اور آرام کو کھونا عاقل کا کام نہیں ہے اور اگر بالفرض اُس دن کا ہونا اور ایسی بلاؤں کا اُس دن میں پایا جانا ہو تو اس لحاظ سے کہ جزا اور سزا اور ہر کام کا بدلہ ضروری ہے لیکن پھر بھی وہ بلا متوقع اور موعود ہے لیکن اس کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ مثل مشہور ہے کہ ع مترس از بلائے کہ شب درمیان ست؛ یعنی ایسی بلا سے ڈرنا نہ چاہیے جس کے درمیان میں رات ہے یعنی اتنی دیر میں خدا جانے کیا ہو پھر ہم کس واسطے اپنا چین اور آرام اس وہمی خوف سے برباد کریں تو اِس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ تمہاری سمجھ کی غلطی ہے اسواسطے کہ جس بلا کا واقع ہونا ضعیف قرینے اور بودے نشانوں سے عقل کے نزدیک ثابت ہوتا ہے یا اس بلا کا عام ہونا اور سب کو شامل ہونا ہر شخص کو معلوم نہ ہو ایسی بلاؤں سے نہ ڈرنا اور اس کی پروا نہ رکھنا اگر ہووے تو کچھ چنداں مضائقہ نہیں ہے لیکن جس بلا کا وقوع ضروری اور یقینی ہو اور علی العموم سب کو شامل ہو تو ایسی بلا سے ڈرنا اور اس کے بچاؤ کی تدبیر کرنا البتہ چاہیے عقل ہرگز ایسی بات کو نہ چاہے گی کہ ایسی بلا سے نڈر اور بے پروا ہو کے

بیٹھ رہیے اور اُس سے بچاؤ کی کچھ بھی تدبیر نہ کیجئے اور وہ قیامت کا دن اسی قسم کا ہے اس واسطے کہ کَانَ وَعۡدُہٗ مَفۡعُوۡلًا ہ ہے وعدہ اُس دن کا ہونے والا اور عمل میں آنیوالا اِس واسطے کہ یہ حق تعالے کے وعدے میں خلاف ہونا محال ہے سو اُس دن کے آنے کو اگرچہ اُس دن کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ ممکن الوقوع ہے لیکن حق تعالیٰ کی حکمت اور عدل کے لحاظ سے اور اس کے وعدے کی سچائی کے لحاظ سے واجب الوقوع ہے اور موافق وعدے کے ہر سختی اور مصیبت اس روز کی عام ہے یعنی ہر شخص کو اپنے بچاؤ کی تدبیر کرنا چاہیے فقط اب جاننا چاہیے کہ اِس سورۃ کی ابتدا سے یہاں تک جو سلوک الی اللہ کے ضروریات تھے اور جو اِس راہ باصفا کے موانع تھے اُن کے دفع کرنے کے طریقے واضح دلیلوں سے بیان فرمائے اور ظاہر میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف خطاب فرمایا تھا سو اَب ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ج بیشک یہ سورۃ اور اِس سورۃ کا مضمون حق تعالیٰ کے قرب کی راہ حاصل کرنے کے واسطے یاد وہی ہے ہر عاقل ذی روح کے واسطے کچھ خاص پیغمبر ہی کے واسطے یہ حکم نہیں ہے فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ پھر جو چاہے لے اپنے پروردگار کے قرب کی طرف کی سَبِيۡلًا ع ایک راہ کو ان راہوں سے اپنی استعداد اور خواہش کے موافق یعنی اگر چاہے مجاہدہ نفس اور ہمیشگی کے ذکر اور تبتل کی راہ کو اختیار کرے اور اگر چاہے اختلاط اور دعوت اور نصیحت اور رہنمائی اور صبر کے طریقے کو اختیار کرے اور اس بیان کو تذکرہ یعنی یاد دلانا اسواسطے کہا ہے اگرچہ یاد دلادینا اُس جگہ پر کہتے ہیں کہ کوئی چیز پہلے سے معلوم تھی لیکن بھول گئی کہ روح بدن سے متعلق ہونے کے پہلے اس عالم قدس اور پاک میں رہتی تھی اور اس کو اس عالم میں تھوڑا قرب حضرت جل شانہٗ سے حاصل تھا دنیاوی علاقوں اور محتاجگی سے اور غذائی نجاستوں سے اور جانوروں کی سی عادتوں سے پاک اور صاف تھی سو اَب جو بدن سے متعلق ہے اور ان چیزوں کی قید میں گرفتار ہے تو اس قرب کی لذت کو بھول کے دنیاوی معاش کی تدبیروں میں پھنس گئی ہے وہ قرب اور صفائی بالکل اس کی یاد سے جاتی رہی سو اس سلوک کے طریقے کو بیان فرما کے اِس اصلی حالت کو اس کو یاد دلاتے ہیں اور اسی اصلی ٹھکانے کا اس کو لالچ دلا کے مشتاق کرتے ہیں چنانچہ کسی عارف باللہ نے کہا ہے مد میل ہر عنصر بود سوئے مقر اصلیش ؛ جذبہ اصل ست سر شورش مستانہ ام ؛ یعنی ہر عنصر کی خواہش اپنی

اصل کی طرف ہوتی ہے چنانچہ آگ کی خواہش اوپر کو اور خاک کی خواہش نیچے کو سو ہماری شورش مستانہ کا سبب بھی کشش ہے اپنی اصل کی طرف یعنی وہی قرب الٰہی کی طرف اس جگہ پر جاننا چاہیے کہ اصل میں یہ سورۃ اسی آیت پر تمام ہوئی تھی چنانچہ مفسروں نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی ہے کہ اس سورۃ کے اول میں جو شب بیداری کی بالکل ریاضتیں اور مجاہدے اور تہجد کے ادا کرنے کو بیان کیا ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے آپ کے رفیق صحابہ نے سلوک الی اللہ میں انتہا درجے کی کوشش کرنا شروع کیا بلکہ اس قسم کی عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور ہمیشہ اس میں مشغول رہتے تھے یہاں تک کہ بعضوں نے تو رات کا سونا چھوڑ دیا اس خوف سے کہ مبادا کہیں زیادہ ہم سو جائیں اور اس مدت معین میں جو ہم پر مقرر ہوئی ہے یعنی آدھی رات یا کچھ اس سے تھوڑی کم یا زیادہ میں خلل واقع ہو جاوے اور زیادہ سونے اور آگے پیچھے اٹھنے کے سبب سے اس مدت کو پورا نہ کر سکیں اور ہم تقصیروار ٹھہریں چنانچہ ان لوگوں کو بہت محنت اور مشقت ہوئی آخر کو ان لوگوں کے پاؤں پر ورم آگیا اور رنگ ان کے زرد ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی حال تھا اور باقی ماندہ صحابہؓ بھی اسی خوف میں رہتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ اس مدت مقررہ میں ہم سے قصور واقع ہووے اور عہدے کی ذمہ داری سے ہم پاک نہ ہو دیں چنانچہ یہ حکم اور اسی قسم کی محنت اور مشقت پوری ایک سال تک یعنی بارہ ۱۲ مہینے تک رہی پھر بعد ایک سال کے حق تعالیٰ نے یہ اگلی آیت اس سورۃ پر زیادہ کر کے نازل فرمائی سو اس آیت کے نزول کے سبب سے مدت کی تعیین معاف ہوئی لیکن اصل تہجد کی نماز اور شب بیداری بغیر تعیین مدت کے اور بغیر تعیین عدد رکعتوں کے اور بغیر تعیین قرأت کی قدر کے باقی رہی بلکہ سنت مؤکدہ ہوئی پھر اس آیت کے نزول ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور دوسرے اصحاب کو بھی حکم کرنا مختلف رہا جتنی جس کی قوت اور استعداد آپ دیکھتے تھے ویسا آپ حکم فرماتے تھے اور وقت کی کمی زیادتی دل کے لگنے پر موقوف رہی یعنی اگر دل زیادہ لگے تو زیادہ جاگنا اور عبادت میں مشغول رہنا بہتر ہے اور اگر دل بے چین اور بے آرام ہووے تو تھوڑے پر کفایت کر لینا چاہیے اس میں کچھ نقصان نہیں ہے

اور یہی آپ کا بھی طور رہا اللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آپ نے فرمایا تھا کہ تہجد کی نماز میں ایک ختم ہر مہینے میں کیا کرو تو ہر رات کو ایک سپارے کی قدر قرأت قرآن شریف کی ہوا کرے گی اور بعضی روایتوں میں ختم قرآن شریف کا چالیس۴۰ رات میں بھی آیا ہے پھر جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی قوت اور رغبت اس امر میں زیادہ بیان کی تو آپ نے ایک ہفتہ اُن کے واسطے مقرر کیا یعنی ہر ہفتے میں ایک ختم کیا کرو پھر اکثر صحابہؓ نے بھی اپنا یہی طور معمول کر لیا اور قرآن شریف کے سات حصے اس طور پر مقرر کر لیے تھے کہ جمعہ کی رات کو تین سورتیں اور شنبہ کی رات کو گیارہ۱۱ سورتیں اور چہار شنبہ کی رات کو تیرہ۱۳ سورتیں اور پنجشنبہ کی رات کو سورۃ قاف سے آخر قرآن تک اور اس کو فَمِیْ بِشَوْقٍ کا ختم کہتے ہیں یعنی پہلے دن سورۃ فاتحہ سے سورۃ مائدہ تک پھر وہاں سے سورۃ یونس تک پھر وہاں سے سورۃ بنی اسرائیل تک پھر وہاں سے سورۃ شعراء تک پھر وہاں سے سورۃ والصافات تک پھر وہاں سے سورۃ قاف تک پھر وہاں سے سورۃ ناس تک اور حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جمعہ کی شب کو سورۃ مائدہ بھی تمام کرتے تھے۔ اور شنبہ کی شب کو سورۃ ہود کے آخر تک اور یکشنبہ کی شب کو سورۃ مریم کے آخر تک اور دوشنبہ کی شب کو سورۃ قصص کے آخر تک اور سہ شنبہ کی شب کو سورۃ صاد کے آخر تک اور چہار شنبہ کی شب کو سورۃ رحمٰن کے آخر تک اور پنجشنبہ کی شب کو قرآن شریف ختم کرتے تھے اور اس ختم کو احزاب کہتے ہیں اور بعضے صحابہ جیسے عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ آیتوں کا شمار کرتے تھے اور ہر رات کو ہزار آیتیں پڑھتے تھے چنانچہ اس صورت میں بھی ساتویں شب کو ختم ہوتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز میں دس آیتیں دو رکعتوں میں پڑھتا ہے اس کو غافلوں میں نہیں لکھتے ہیں اور جو شخص سو آیتیں کئی رکعتوں میں پڑھے اس کو عابدوں میں لکھتے ہیں اور جو شخص ہزار آیتیں پڑھے اس کو عمدہ زاہدوں میں لکھتے ہیں اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف کی پچاس آیتیں تہجد میں پڑھتا ہے تو قیامت میں قرآن شریف اس کے ساتھ مخاصمہ اور جھگڑا نہ کرے گا اور نہیں تو اس سے جھگڑے گا کہ تو نے مجھ کو ضائع کیا اور میری تلاوت کا حق ادا نہ کیا اور بعضی حدیثوں میں آیا ہے کہ جو شخص دو۲ آیتیں سورہ بقرہ کے آخر کی تہجد کی نماز میں پڑھے تو اس کو کافی ہیں اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا تم سے نہیں ہو سکتا ہے کہ تہائی حصہ قرآن شریف کا ہر رات کو پڑھا کرو
صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ تہائی حصہ قرآن شریف کا ہر رات کو پڑھنا بہت مشکل ہے یہ کس
سے ہو سکتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ سورۂ قل ہو اللہ احد ثواب میں تہائی حصہ قرآن شریف کے برابر
ہے اگر اس کو تم پڑھا کرو تو تہائی حصہ قرآن شریف کا ثواب تم کو ملا کریگا اسی واسطے اکثر مشائخوں نے
قل ہو اللہ احد کو تہجد کی نماز میں پڑھنے کی عادت ڈالی اور اس کے کئی طور ہیں پہلا طور یہ ہے کہ
سورہ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں تین مرتبے اس سورۃ کو پڑھا کرے دوسرا طور یہ ہے کہ پہلی
رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد بارہ مرتبے اس سورۃ کو پڑھے پھر ہر رکعت میں ایک ایک مرتبے
کمی کرتا جاوے یہاں تک کہ آخر رکعت میں کہ بارھویں ہوگی ایک مرتبہ پڑھنا ہوگا تیسرا طور یہ ہے
کہ پہلی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے ایک مرتبہ پڑھے پھر ہر رکعت میں ایک ایک مرتبہ زیادہ
کرتا جاوے تا کہ بارھویں آخر رکعت میں بارہ مرتبے پڑھنا ہوگا لیکن فقہا کے نزدیک یہ طور بہتر
نہیں ہے اسواسطے کہ اس سورۃ میں ہر دوسری رکعت پہلی رکعت سے دونی ہوگی اور یہ ترک اولیٰ
ہے اور بعضے مشائخ ہر رکعت میں سورۂ مزمل کو سورۂ اخلاص کے ساتھ ملا کے پڑھا کرتے ہیں
اور حضرت خواجہ عزیزان قدس سرہٗ سے جو گروہ نقشبندیہ کے سر حلقہ ہیں ایسا منقول ہے کہ
اپنے یاروں اور مریدوں سے تہجد کی نماز میں سورۂ یٰسین پڑھنے کو فرماتے ہیں اور کہتے تھے کہ جب
تین دل جمع ہوتے ہیں تو جلدی مطلب حاصل ہوتا ہے ایک دل رات کا کہ آدھی رات کے بعد
ہے اور دوسرا دل قرآن شریف کا کہ سورۂ یٰسین ہے اور تیسرا دل ایماندار آدمی کا ایمان سے پڑھے
حاصل کلام کا اس اخیر آیت کے نازل ہونے کے سبب سے نماز تہجد کے وقت کے اندازے
میں اور اس کی کیفیتوں میں اور خصوصیتوں میں بڑی وسعت ہوگئی اور حقیقت میں بھی یہ نماز متبرک
اسی وسعت کے قابل ہے اسواسطے کہ وہ وقت نیند کے غلبے کا اور اسباب کے نہ پائے جانے
کا اور کمی زیادتی رات کے نہ معلوم ہونے کا وقت ہے اگر اس میں اتنی وسعت نہ ہوتی تو اس
کا ادا کرنا بہت مشکل ہوتا چنانچہ باوجود اس وسعت کے بھی اس نماز کا ادا کرنا بہت دشوار ہے
بدون غیبی توفیق اور تائید کے مداومت اور ہمیشگی اس نماز پر ہو نہیں سکتی! اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا بِهٖ
فقط اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ بیشک پروردگار تیرا جانتا ہے کہ

تہجد کی نماز میں تم کھڑے رہتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب وَنِصْفَهٗ اور کبھی آدھی رات وَثُلُثَهٗ اور کبھی تہائی رات سو تم ہمارے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہو اور جو ہم نے کہا ہے اس کو بجا لاتے ہو اور قلیلاً کے لفظ کا مطلب جو ہم نے ارشاد کیا تھا کہ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ اس کو تم خوب سمجھے کہ نقصان اور قلت کی حد کو چھٹے حصے تک پہنچایا اور یہی اس لفظ سے ہماری مراد تھی اس واسطے کہ اگر چھٹے حصے سے کچھ زیادہ ناقص یا زائد کرتے تو نہ ہوتا مگر ربع یعنی چہارم حصہ اور چہارم حصہ آدھے کا آدھا ہے اور آدھی چیز پر تھوڑی کا اطلاق نہیں ہوتا ہے یعنے اس کو تھوڑا نہیں کہتے ہیں وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ اور اسی طرح کھڑے رہتے ہیں ایک گروہ ان لوگوں سے جو تمہارے ساتھ اور تمہاری رفاقت میں سلوک الی اللہ پر مستعد ہیں اور تمہارے عمل اور تمہاری لوجھ کی اتباع اور پیروی ہر کام میں کرتے ہیں اور ان لوگوں کو جو تمام رات جگا کرتے تھے اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے یہاں ذکر نہ فرمایا اس واسطے کہ وہ ایک وجہ سے قابل تعریف کے ہیں یعنی عمل احتیاط پر کرتے ہیں اور ایک وجہ سے عتاب کے سزاوار ہیں یعنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی لوجھ کی پیروی نہ کی اور اس اندازہ مقررہ تحقیق کا معلوم کر لینا تم سے اور تمہارے پیرو لوگوں سے ہرگز ممکن نہیں ہے اس واسطے کہ زیادتی اور نقصان رات کا تمہارے ہاتھ اور اختیار میں نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو اندازہ کرتا ہے اور مقدار بخشتا ہے رات اور دن کو چنانچہ چھ مہینے تک ہر روز رات کم ہوتی جاتی ہے اور دن میں زیادتی ہوتی جاتی ہے اور پھر چھ مہینے تک دن سے کمتی ہوتی جاتی ہے اور رات میں زیادتی ہوتی جاتی ہے سو کوئی رات سال میں دوسری رات کے بالکل برابر نہیں ہوتی ہے پھر جب ایک رات پوری دوسری پوری رات سے برابر نہ ہوئی تو اس کا نصف بھی دوسری کے نصف سے برابر نہ ہوگا پھر اسی پر ایک تہائی اور دو تہائی اور چھٹے حصے کو بھی خیال کر لو کہ وہ بھی برابر ایک دوسرے سے نہ ہوگا اس واسطے کہ ہر چیز کے متفرق جز بھی زیادتی اور کمتی میں اسی چیز کے تابع ہوتے ہیں پھر تم کو سال بھر ہر رات کا نصف پہچاننے میں بہت محنت اور مشقت ہوگی پھر گھڑی اور گھڑیاں کے علم ہیئت کے سیکھنے کے اور ہر سال کی تقویم زیچ سے نکالنے کے اور آسمانی حرکتوں کا حساب درجے اور دقیقے اور ثوانی اور ثوالث پر کرنے کے محتاج ہوگے اور اس کام میں زیادہ مشغول ہونے کے

سبب سے ملت حنفیہ سے دور ہو جاوگے اسواسطے کہ اُمّی ہونا اس ملت کے لازمے سے ہے اور صابئین اور ہنود اور یونانیوں اور دوسرے کافروں کے گروہوں کی طرح تقویموں کے استخراج میں اور پڑھنے لکھنے میں تمہاری اُمت بھی مشغول ہوجائے گی اور یہ بات بڑے دو فسادوں کا سبب پڑے گی پہلا فساد یہ کہ مقصد کو چھوڑ کے وسیلہ میں مشغول ہونا ہے اور اسی امر نے ایک عالم کو خراب کر رکھا ہے چنانچہ علم نحو اور صرف اور منطق اور معانی اور کلام اور اصول میں اسقدر توغل کرتے ہیں کہ اصل مقصد سے محروم رہتے ہیں پھر تبتل اور ریاضت اور رفع حجاب تو ان سے مسافتوں اور منزلوں دور رہتے ہیں دوسرا فساد یہ ہے کہ یہ شغل ان کو رفتہ رفتہ اس پر لاوے گا کہ ستاروں کی حرکات اور اتصالات اور انصرافات اور قرانات ہی کے تعمق میں رہا کریں گے اور اسی میں غور اور فکر کیا کریں گے پھر ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد ہووے گا اور اُن کے سعد اور نحس ہونے کے معتقد ہو جائیں گے آخر کو شرک کی سرحد کو پہنچیں گے پھر بھی ہر دن اور رات کی زیادتی اور نقصان کا علم ان کو تقویمی رہے گا تحقیقی ہرگز حاصل نہ ہوگا اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے ازل ہی میں عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ جان لیا ہے کہ تم ہرگز اس مقدار معین کو گھیر نہ سکو گے اس میں پیغمبر ہوں خواہ اُمت اُن کو تو شب بیداری کے واسطے مدت معین کی تکلیف دینا تکلیف مالایطاق ہے یعنی تمہارے اختیار سے یہ بات باہر ہے اسواسطے مدت میں وسعت رکھی اور معین نہ کی اب باقی رہے یہاں پر دو سوال جواب طلب پہلا سوال یہ ہے کہ اگر شب بیداری کی مدت کی تعیین ساعتوں اور دقیقوں مستویہ اور برابر سے فرماتے تو ہو سکتا تھا اس واسطے کہ اس پر مطلع ہونا چنداں مشکل نہ تھا اور دریافت کرنا اور احاطہ کرنا اس کا ممکن تھا پھر مدت کی تعیین کو کیوں موقوف کیا اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اقلیم کے ایک سال کی پوری مدتوں میں اور مختلف موسموں میں خیال کیجئے اور پھر ساعتوں اور دقیقوں مستویہ کو دیکھئے تو معلوم ہو جاوے کہ کیا کیا نسبتیں گوناگوں پیدا ہوتی ہیں بعضی اقلیموں میں بعضی فصلوں میں جو ساعتیں اور دقیقے آدھی رات کے اندازے سے پہنچتے ہیں وہی دوسرے ملک میں دوسری فصل میں چوتھائی کے اندازے سے بلکہ اس سے بھی کم ہوتے ہیں سو اس طرح کا فاحش اختلاف عام کی تکلیف میں کسی طرح مناسب نہیں ہے اور باوجود اس کے جو جو مفسدے اور خرابیاں شب کے اجزائے شائعہ متفرقہ کی تکلیف میں لحاظ کی گئی ہیں وہی خرابیاں یہاں بھی موجود ہیں۔

چنانچہ لایعنی اور بے فائدہ علموں میں توغل کرنا اور مقصد کو چھوڑ کے وسیلوں میں مشغول ہونا اور نجوم کی تاثیروں کے اعتقاد کا خوف ہونا یہ سب باتیں یہاں بھی موجود ہیں پہلی تکلیف کو ترک کرنا اور اس تکلیف کو باقی رکھنا اور بجالانا ایسی مثل ہوئی جیسی عرب میں مشہور ہے کہ فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَ وَقَفَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ یعنی مینھ سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے جا کھڑا ہوا دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ تکلیف ایسے مفسدوں کو شامل تھی بلکہ تکلیف مالایطاق تھی تو اوّل سورۃ میں کیوں نہ ذکر فرمایا اور پہلے سے اس طرح کی وسعت کیوں نہ کر دی اور ایک سال بھر برابر کس واسطے پیغمبر کو اور ان کے یاروں کو محنت اور مشقت میں ڈالا اس کا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں اس اُمت مرحومہ کے حال کے واسطے یہی وسعت اصلح تھی لیکن صاحب امر اور نہی کا دستور ایسا ہے کہ جب کوئی مشکل کام کسی سے کرانا منظور ہوتا ہے تو پہلے اُس سے زیادہ مشکل کام کا حکم فرماتے ہیں اور تھوڑے دنوں اُس کو اس رنج اور مشقت میں رکھتے ہیں پھر بعد اُس کے وسعت اور تخفیف کر دیتے ہیں تاکہ اُس تخفیف کی نعمت کی قدر پہچانے اور یہ وسعت اس کے دل میں عظمت پیدا کرے اور اس کام کی محنت اور مشقت اس کے حوصلے کے سامنے ہلکی ہو جاوے اور یہ بوجھے کہ وہ کام جس طرح منظور تھا مجھ سے ہو نہ سکا اس واسطے تخفیف ہو گئی تو ہمیشہ شرمندگی اور خجالت اُس کے پیش نظر رہے گی اور صاحب امر اور نہی کے لطف اور کرم کا ہر وقت امیدوار رہے گا سو اگر پہلے سے اسی کام کو جو مطلوب ہے حکم فرماتے تو یہ سہولت اور آسانی ہرگز حاصل نہ ہوتی اور رات کے جاگنے اور نماز تہجد کے ادا کرنے میں باوجود اس وسعت اور تخفیف کے پھر بھی جو گرانی اور اور مشقت ہے کچھ چھپی نہیں ہے اگر پہلے ہی سے اسی امر مخفف کی تاکید ہوتی تو لوگوں پر بہت شاق اور گراں ہو جاتا اور اگر کوئی شخص اس تمام محنت اور مشقت کو اٹھا کے اس کو ادا بھی کرتا تو تکبر اور غرور کے مرض میں مبتلا ہو جاتا سو ان سب آفتوں سے بچاؤ اسی صورت میں تھا کہ پہلے ان کو مدت معین کی تکلیف دی جاوے پھر جب وہ ایک سال تک اس مدت معین کے دریافت میں رنج اور محنت اٹھالیں اور رات کے انقلاب کو ہر موسم اور ہر فصل کے الٹ پھیر میں دریافت کر لیں کہ کبھی چھوٹی ہو جاتی ہے اور کبھی بڑھ جاتی ہے اور اپنی عاجزی اور ضعف کے قائل ہوں کہ مدت معین کی دریافت اور مامور بہ پر اقامت

ہم سے کماحقہ نہیں ہو سکتی تب مستحق اس بات کے ہوئے کہ ہم پر تخفیف اور وسعت کیجاوے اور معراج کی حدیث میں جو تواتر سے ثابت ہے کہ پہلے پچاس نمازوں کا حکم ہوا تھا پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عرض معروض سے آہستہ آہستہ تخفیف کر کے پانچ نمازوں کا حکم مقرر ٹھہرا اس کا بھید بھی اس تقریر سے کھل گیا اور اگر کوئی شخص دنیاوی معاملات میں جیسے بیع اور شرا اور خراج کی تحصیل اور قرض خواہوں اور حق والوں سے صلح کرنے میں تامل اور غور کرے تو اس کو اس بات کا یقین حاصل ہو جاوے کہ اپنے ما فی الضمیر کو اول مرتبہ کھول کر کہہ دینا اکثر انکار کا سبب پڑتا ہے اور مقابل والا تیزی پر آجاتا ہے اور معاملہ خراب ہو جاتا ہے چنانچہ تحصیلدار زمینداروں اور کسانوں سے پہلے زیادہ طلب کرتے ہیں پھر تھوڑے پر راضی ہوتے ہیں اور اسی طرح سوداگر اپنی چیز کی پہلے قیمت زیادہ کہتے ہیں پھر تھوڑے پر راضی ہوتے ہیں اور اسی طرح پر مدعی پہلے زیادہ دعوی کرتا ہے پھر آخر کو تھوڑے پر صلح کرتا ہے چونکہ یہ طور انسان کی جبلی اور پیدائشی چیز ہے چنانچہ عرب میں مثل مشہور ہے کہ خُذْ بِالْمَوْتِ حَتّٰی تَرْضٰی بِالْحُمّٰی یعنی پکڑ موت پر تاکہ راضی ہو بیماری پر سو تکلیف کے مقدمے میں حق تعالیٰ کے معاملے بھی بندوں کے ساتھ اسی طور پر ظہور کرتے ہیں بموجب اس ہندی مثل کے سہ ہر کیسے جیسے سے تیسے اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری عاجزی اور ناوانی ہم نے دریافت کر کے تم پر رحم کیا فَتَابَ عَلَیْکُمْ پھر سہولت اور آسانی کی تم پر اور شب بیداری اور تہجد گذاری اور قرآن خوانی کی مدت کی تعیین کو بالکل تم سے معاف کر دیا اور لغت میں توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں عارضی حالت سے اصلی حالت کی طرف اور یہ لفظ جب بندوں کے حق میں بولا جاتا ہے تو گناہ سے بندگی کی طرف رجوع کرنا اس سے بوجھا جاتا ہے چنانچہ اس جگہ پر بھی یہی مراد ہے اور جب سہولت اور آسانی تم سے مقصود ہوئی فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط پھر پڑھو جو آسان ہو تم پر قرآن سے رات کو جاگ کے تہجد کی نماز میں اور کم سے کم دس آیتیں دو رکعت میں پڑھنا چاہیے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رَکْعَتَانِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا یعنے دو رکعتیں پڑھنا پچھلی آدھی رات کو بہتر ہے دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے اور بہت بہتر اور اعلیٰ طور یہ ہے کہ ساتواں حصہ قرآن شریف کا تیرہ رکعتوں میں پڑھے اگر وتر باقی ہو نہیں تو بارہ رکعتوں میں پڑھے اور بعضوں نے

تیسرا حصہ یعنی دس پارہ تک ایک رات کو پڑھنا جائز رکھا ہے اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے اسواسطے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے قرآن شریف کو تین دن سے کم میں ختم کیا وہ بڑا کم فہم اور نادان ہے اسواسطے کہ قرآن شریف کی تلاوت سے مطلب یہی ہے کہ اس کے معنوں میں تدبر اور تعمق کرکے پوچھنا اور تین دن سے کم میں اکثر لوگوں کو یہ بات حاصل ہونا مشکل ہے اور سوائے اس کے ترتیل اور تجوید تو بالکل فوت ہو جاتی ہے پھر قرآن قرآن نہیں رہتا ہے اور اگر تمہارے دلوں میں اے کامل ایمان والو جو ریاضت اور مشقت پر حریص ہو ایسا خیال گذرے کہ شب بیداری کے واسطے مدت کی تعیین خواہ اجزائے سے ہو خواہ معینہ سے ہو البتہ تکلیف مالا یطاق کے سبب تھی اور جو جو مفسدے کہ مذکور ہوئے ہیں ان کے پائے جانے کا بھی سبب تھی لیکن مدت کی تعیین قرآن شریف کی قرأت کی قدر تو ہمارے واسطے بہت مناسب تھی اور اس میں کوئی مفسدہ بھی نہ تھا پھر مدت کی تعیین کو بالکل کیوں موقوف کر دیا اگر قرآن شریف کے جزوں اور حزبوں پر اس مدت کو منطبق کرکے مقرر کر دیا ہوتا تو کیا اچھی بات تھی یعنی ارشاد ہوتا کہ مثلاً پانچ سیپارے یا چار سیپارے یا ہزار آیتیں یا پانچسو آیتیں یا چار چار رکوع ہر رکعت میں پڑھا کرو تو اس خیال کا جواب حق تعالیٰ دیتا ہے کہ ازل الآزال میں حق تعالیٰ نے عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى جان لیا ہے کہ البتہ ہوں گے تم میں سے بیمار اور بیماریاں بہت مختلف ہوتی ہیں چنانچہ بعضی بیماری ایسی ہوتی ہے کہ اس میں ایک آیت پڑھنے کی طاقت نہیں ہوتی ہے ایک سیپارہ یا ایک سورۃ کب پڑھی جاسکتی ہے وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ اور کتنے دوسرے ہوں گے جو سر ماریں گے زمین میں اور بڑے دور و دراز سفر کریں گے لیکن وہ سفر ایسے نہیں جو ممنوع اور حرام کر دیئے جاویں اس واسطے کہ ان سفروں میں يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ طلب کرتے اور ڈھونڈتے ہوں گے فضل خدا جل شانہ کا یا ظاہری فضل جیسے رزق کی تلاش اور نوکری اور تجارت وغیرہ یا باطنی فضل جیسے طلب علم اور حج اور عمرہ صلحا اور اولیا کی زیارت تاکہ ان کی صحبت سے دل کو روشنی حاصل ہووے اور یہ امر ظاہر ہے کہ سفر میں ماندگی غالب ہوتی ہے اور آدمی تھک جاتا ہے ایک ساعت کھڑا ہونا اور ایک سورۃ پڑھنا اس سے دشوار ہوتا ہے پھر سو آیتیں اور ہزار آیتیں کس سے پڑھی جاسکتی ہیں وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور کتنے دوسرے ہوں گے کہ لڑائی اور جہاد کریں گے

اللہ تعالیٰ کی راہ میں دین کے دشمنوں سے ان لوگوں کو اگر قرآن شریف پڑھنے کی تعداد مقرر کرکے تکلیف
دیں ہم تو قتال اور جہاد میں قصور واقع ہو اور یہ تینوں عذر جو مذکور ہوئے ہیں اعتبار کے قابل ہوئے ہیں
اس واسطے کہ بیمار ہونا اپنے اختیار میں نہیں ہے حق تعالیٰ کے ارادے سے متعلق ہے اور روزی کی
طلب زندگی اور بدن کے قیام کے واسطے اور علم کی طلب دین کی تکمیل کے واسطے آدمی کی ضروریات
سے ہے اور جہاد کرنا اور دین کے دشمنوں سے لڑنا عقیدوں اور عملوں کی اصلاح کے واسطے
اور اپنے بنی نوع کی تکمیل کے واسطے بھی ضرور ہے اور ان تینوں عذروں کا اس ترتیب سے بیان
کرنا بھی اسی وجہ سے ہے جو ہر ایک میں بیان ہوئی یعنی جو عذر کہ اپنے اختیار میں نہیں ہے وہ سب
پر مقدم ہے خصوصاً وہ چیز جو بدن سے علاقہ رکھتی ہو جیسے بیماری اسواسطے کہ بدن آلہ اور واسطہ ہے
عبادت کا اور جو عذر کہ اپنی ذات کی معاش اور معاد کی تکمیل کے متعلق ہے وہ مقدم ہے اُس سے
جو بنی نوع کی تکمیل سے علاقہ رکھتا ہے چونکہ تم میں سے بعضوں کو یہ عذر درپیش ہونا ضروری ہیں
اور واجبۃ الاعتبار ہیں اس سبب سے قرآن شریف کے ورد معین کی علی العموم تکلیف دینا مناسب
نہ ہوا فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ لاسو پڑھو جتنا آسان ہو تم پر قرآن سے بدون تعیین قرأت کے جس
طرح پہلی تخفیف میں قرأت کی مدت کی تعیین کو موقوف کیا تھا ہم نے اور اگر اس شب بیداری
اور تہجد گذاری کی مدت کی تعیین موقوف ہو جانے میں تم کو خوف اس بات کا ہو کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری
ریاضت اور مجاہدے میں قصور اور فتور واقع ہووے اس واسطے کہ آدمی کا نفس بدون دریافت
کرنے عمل کی مدت کے کسی کام میں مقید نہیں ہوتا ہے تو یہ خوف مت کرو اور خوب سوچو کہ حقتعالیٰ
نے جو چیزیں معین کرکے تم پر فرض کر دی ہیں وہ بہت ہیں اُن ہی کے ادا کرنے میں جہاں تک
ہوسکے کوشش اور سعی کرو وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور قائم رکھو نماز کو جو پانچ وقت گنتی کی رکعتیں تم پر
فرض ہیں اور نماز کا قائم کرنا بڑا مجاہدہ ہے اسواسطے کہ اقامت کے معنی راست کرنے کے ہیں
اور نماز اسوقت راست ہوتی ہے جب کسی طرح کا خلل اس کے دل اور زبان اور اعضا کے عمل
میں واقع نہ ہو پھر خواہ وہ عمل فرض ہو یا سنت ہو یا مستحب ہو وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور دیتے رہو زکوٰۃ
کو جو سال گذرنے کے بعد تمہارے مال میں ایک اندازہ مقرر کر لیا ہے اور زکوٰۃ کا بھی ادا کرنا بہت
بڑا مجاہدہ ہے اسواسطے کہ مال کی محبت کو دور کرنا نفس پر بڑا شاق ہے اور اس سے بھی ایک

بڑا مجاہدہ جو نفس پر بہت بھاری اور شاق ہے وہ بھی ہم تم کو تبلاتے ہیں وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا
اور قرض دو حق تعالےٰ کو اچھی طرح کا قرض دینا حاصل کلام کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محتاج بندوں کو
قرض حسنہ دو اور سود اور فائدہ اُن سے مت لو اور مانگنے کے وقت سختی اور تنگ طلبی مت کرو
اور اگر ان سے سب نہ ہو سکے اور کچھ کم دیویں یا وعدے سے دیر ہو جاوے تو ان سب باتوں کو
اُن سے قبول کرو اور بار بار قرضدار پر منت اور احسان مت رکھو یہی وہ قرض ہے جس کے حق میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے معراج کی رات کو بہشت کے دروازے پر
لکھا ہوا دیکھا کہ جو خدا کی راہ میں ایکدرم خیرات کرے اس کے واسطے دس درم کا ثواب لکھا جاتا ہے
اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے ایک درم قرض کسی کو دے دے تو اس کے واسطے اٹھارہ درم کا
ثواب لکھا جاتا ہے آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ بسبب قرض دینے کے ثواب
کی زیادتی کی کیا وجہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ جو شخص خدا کی راہ پر دیتا ہے تو کبھی اس
کا دینا محتاج کو پہنچتا ہے اور کبھی غیر محتاج کو اور آدمی قرض نہیں مانگتا ہے مگر محتاج ہو کے اس
سبب سے قرض دینے کا ثواب صدقہ دینے سے زیادہ ہوا یہاں پر جاننا چاہیے کہ اس طرح کا
قرض دینا نفس پر بہت بھاری اور دشوار ہے اور بڑا مجاہدہ چاہتا ہے اس واسطے کہ آدمی کی بدیہی
یہ بات ہے کہ اپنے مال کو بدون لالچ نفع کے خرچ نہیں کرتا ہے پھر وہ منفعت دنیا کی ہو یا آخرت
کی اور اس طور سے قرض دینے سے کسی طرح کی منفعت اس دینے والے کے خیال میں نہیں
آتی ہے اس واسطے کہ یہ صدقہ بھی نہیں ہے تاکہ صدقے کا ثواب اسکو ملے گا اور یہ بدلہ بھی نہیں ہے
تاکہ اس مال کے عوض میں کوئی دوسری چیز اس کے برابر یا اس سے زیادہ اس کو حاصل ہو گی بلکہ ظاہر
میں اپنے مال کو بیوجہ قید میں ڈالنا اور پھنسانا ہے سو اسی وجہ کے سبب سے اس قرض کے ثواب
کو صدقے کے ثواب سے دونا کیا اور اس کے دونے ہونے کی توجیہ یہ ہے کہ صدقہ دینے
میں ایکدرم کا دس گنا ثواب ہوتا ہے اور یہاں ایک درم تو قرض دیا ہے اور دو درم جو قرض ہے
تو اس تک پھیر کے بھی آوے گا اس واسطے کہ اس کا مطالبہ بھی باقی ہے تو ایک درم قرض حسنہ
دینے میں گویا نو درم صدقہ دیے اور نو کو جو دونا کرو تو اٹھارہ ہوتے ہیں واللہ اعلم باسرار افعالہ یعنے
حق تعالیٰ اپنے فعلوں کے بھید سے خوب واقف ہے وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ اور جو آگے

بھیجو گے اپنی ذات کے نفع کے واسطے تاکہ عاقبت کا ذخیرہ ہووے مِنْ خَیْرٍ بہتری سے کسی جنس کی ہو خواہ نفل نماز ہو خواہ نفل روزہ ہو اور خواہ نفل صدقہ ہو اور خواہ شب بیداری ہو یا دوسری کوئی عبادت بدنی ہو یا مالی ہو یا عرضی ہو تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ البتہ پاؤ گے اس کے اثر کو اللہ تعالیٰ کے پاس هُوَ خَيْرًا وہ اثر بہتر ہوگا تمہاری ان نیکیوں سے جن کو دنیا میں تم نے کیا ہوگا اس واسطے کہ وہ اثر قرب الٰہی کا مزہ تم کو چکھاوے گا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا اور بہت بڑا ہوگا از روئے ثواب کے آخرت میں کمیت میں بھی اور کیفیت میں بھی اور بقا اور عدم فنا میں بھی سو تمہارے واسطے نفل اور تطوع کی عبادت میں بڑی گنجائش ہے نفس کے مجاہدے اور مشقت کے واسطے اور اگر باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی تم کو گناہوں کا خوف اور دہشت ہووے تو اس کا علاج بھی ہم تم کو بتلائے دیتے ہیں کہ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اور بخشش طلب کرو اللہ تعالیٰ سے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے تمہاری تقصیروں کو بندگیوں کے ضمن میں بخش دے گا اور ان بندگی اور عبادتوں کے ثواب کو کامل اور پورا کر کے تم کو عنایت کرے گا اور گناہوں کی گندگیوں سے تم کو بالکل دھو ڈالے گا اور دور کر دے گا پس اتنا بوجھ لینا چاہیے کہ استغفار تنقیہ دائمی کے قائم مقام ہے یعنی جس طرح تنقیہ بدن کی صحت اور مرض سے بچاؤ کے واسطے اکسیر اعظم ہے پھر جو ہمیشہ تنقیہ کیے جاتا ہے اس کو ریاضت اور ورزش کی بدن کی تندرستی کے واسطے کچھ احتیاج نہیں ہے خود بخود اس کا بدن صحیح رہے گا اور مرض پاس نہ آوے گا اسی طرح جو شخص استغفار کی مداومت کرے گا وہ گناہوں کی آلائش سے ہمیشہ پاک و صاف رہے گا۔

سُورَةُ الْمُدَّثِّر

یہ سورۃ مکی ہے اس میں چھپن ۵۶ آیتیں اور دو سو پچپن ۲۵۵ کلمے اور ایک ہزار دس ۱۰۱۰ حرف ہیں اور اس سورۃ کا اول ابتدائے نبوۃ میں قرآن شریف کے نزول کے شروع میں نازل ہوا ہے کہتے ہیں کہ سورۃ اقرا کی اول آیتوں کے بعد اسی سورۃ کی اول آیتیں نازل ہوئی ہیں اور بعضوں کے نزدیک سورۃ نون والقلم اس سورۃ پر مقدم ہے نزول میں اور اس سورۃ کے اترنے کا سبب یہ ہوا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ اقرا کے نازل ہونے کے بعد کمال اشتیاق قرآن شریف کے نزول کا پیدا ہوا لیکن باوجود اشتیاق کی زیادتی کے ایک مدت گذری کہ وحی نہ آئی اور اس وحی کو فترۃ الوحی کی مدت کہتے ہیں اور وحی کے نہ آنے کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت رنج اور الم رہتا تھا چنانچہ کئی مرتبہ آپ اس ارادے سے گھر سے باہر نکلے کہ کسی پہاڑ پر چڑھ کے اپنے تئیں نیچے گرا کے ہلاک کیجیے اور اکثر حرا پہاڑ پر جو اول سے آپ کی عبادت اور اعتکاف کا مکان تھا جاتے اور وہاں خلوت دگزشتہ نشینی اختیار کرتے ایک روز حرا پہاڑ سے لوٹتے ہوئے آپ گھر کو تشریف لاتے تھے راہ میں ایک آواز آسمان کی طرف سے آپ کے گوش مبارک میں آئی آپ نے نظر اوپر کو اٹھائی دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں آپ کے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان میں زریں کرسی پر بیٹھا ہے اور اتنی بڑی شکل ہے کہ تمام کنارے آسمان اور زمین کے اس سے بھر گئے ہیں اور چھ سو ۶۰۰ پر اس کے ہیں اور ان سب پروں میں موتی اور یاقوت لٹکے ہوئے ہیں یہ حال دیکھتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غش آگیا اور زمین پر آپ گر پڑے تھوڑی دیر میں جو ہوش آیا تو جس طرح بنا اپنے تئیں گھر تک پہنچایا اور اپنی بی بی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے فرمایا کہ مجھ کو لرزہ جاڑے سے معلوم ہوتا ہے کچھ کپڑا اڑھادو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کئی کپڑے اوڑھائے اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان سے نزول فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو کر یہ آیتیں پڑھیں کہ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ پھر بعد اس کے وحی کا آنا پے در پے شروع ہوا

اور اس سورۃ کے ربط کی وجہ سورۃ مزمل سے ظاہر اور کھلی ہوئی ہے اتنا فرق ہے کہ اس سورت کے اول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلوک راہ خدا کے لازمے اور نفس کا مجاہدہ اور حق تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنے کو فرمایا ہے اور اس سورۃ میں خلق اللہ کی رہنمائی اور ہدایت کے لازمے کو فرمایا ہے اور مرتبہ کمال کا مقدم ہے تکمیل کے مرتبے پر اسی واسطے سورۂ مزمل کو اس سورۃ پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مقدم لکھا ہے اور کلام کی روش اور لفظیں مستعمل اور مضمون متفرق دونوں سورتوں کے آپس میں بہت مناسبت رکھتے ہیں اُس سورۃ کے اول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمل کے خطاب سے مخاطب فرمایا ہے اور اس سورۃ میں مدثر کے خطاب سے اور یہ دونوں خطاب معنوں کے لحاظ سے آپس میں قریب ہیں اور اس سورۃ میں فرمایا ہے قُمِ اللَّیْلَ اور اس سورۃ میں فرمایا ہے قُمْ فَاَنْذِرْ لیکن اس سورۃ میں اظہارات کا اپنے نفس کا کامل کرنے کے واسطے اور اس سورۃ میں خلق اللہ کو کامل کرنے کے واسطے ہے اور اس سورۃ میں فرمایا ہے وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا اور اس سورۃ میں فرمایا ہے وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ اور اس سورۃ میں فرمایا ہے وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا اور اس سورۃ میں ہے ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا اور اُس سورۃ میں قیامت کے دن کے اوصاف میں یوں ارشاد ہوتا ہے کہ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَیَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا اور اس سورۃ میں اسی قیامت کے دن کے اوصاف میں ایسا ارشاد ہوا ہے فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ اور اُس سورۃ میں قرآن شریف کی آیتوں کے حق میں ارشاد ہوا ہے کہ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ اور اس سورۃ میں بھی قرآن شریف کے حق میں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ اور اُس سورۃ کی تمامی اس آیت پر واقع ہوئی ہے کہ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا گویا مسلمانوں کو ان عملوں کی وصیت فرمائی ہے اور اس سورۃ میں جو قیامت کے دن ان عملوں کے ترک پر حسرت اور افسوس کر کے کافر کہیں گے سو اُن کے قول کو حکایت کے طور پر نقل فرمایا ہے کہ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ اور اُس سورۃ کو بھی اسی مضمون پر تمام فرمایا ہے کہ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور اس سورۃ کو بھی اسی مضمون پر تمام فرمایا ہے هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ اور اس سورۃ کا نام مدثر اس

سبب سے رکھا کہ اس سورۃ کے اول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدثر کر کے خطاب فرمایا ہے
اور مدثر عرب کے لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک کپڑا لانبا چوڑا کپڑوں کے اوپر سے اوڑھ
لے جیسے دوہر یا رزائی یا چادر یا کمل تاکہ وہ کپڑا سردی اور لرزے کو دفع کرے سو یہ دلالت کرتا ہے
اس بات پر کہ وحی الٰہی کا نزول اس قدر عظمت اور بزرگی رکھتا ہے کہ جو شخص تمام مخلوقات سے قوی
تھا اور کسی چیز سے نہیں ڈرتا تھا اور شجاعت اور دلاوری اور حوصلہ کی کشادگی اس کی تمام جہان میں
مشہور تھی بلکہ اس بات میں سب لوگ اس کی مثال دیتے تھے سو وہ شخص اس وحی کے نزول
سے اس قدر خوف میں آگیا کہ اس کا بدن تھرتھرانے لگا اور اس سے یہ خوف سنبھالا نہ گیا پھر جو
لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے اوپر وحی نازل ہووے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ کو ہماری ہدایت
اور رہنمائی منظور ہے تو ہمارے ہر ایک کے پاس وحی کیوں نہیں بھیجتا اور یوں کیوں نہیں کرتا اور
دوں کیوں نہیں کرتا سو ان لوگوں کو کیا وحی کی عظمت معلوم نہیں ہے کیوں اپنے دل کے لودیتے ہیں
اور اپنی بے صبری کو جان بوجھ کر چھپائے ڈالتے ہیں اور دیکھ بھال کے اندھے بنے جاتے
ہیں چنانچہ اس سورۃ کے آخر میں ان لوگوں کی بے ہودہ گوئی کا بیان آوے گا یعنی بَلْ يُرِيدُ كُلُّ
امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ اور اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جو شخص جس
منصب کی پوشاک پہنتا ہے تو اس منصب کے لوازمات کو بجا لانا اس پر ضروری ہو جاتا ہے جیسے
مشیخت کا خرقہ اور جبہ اور قضا اور افتا کی چادر احتساب کا خلعت اور سوائے اس کے دوسری
جو شرعی خدمتیں ہیں اور اگر پوشاک کسی منصب کی پہن کے اس کا حق ادا نہ کرے تو وہ شخص جھوٹا
دغا باز مکار ہے اللہ تعالیٰ پناہ دے ہم سب کو ایسی بری چیز سے سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
جب وحی کے فرشتے کو دیکھ کر دہشت اور خوف کھا کر گھر میں تشریف لائے اور بالاپوش کو اوڑھا
اور پہلے بھی اسی قسم کا معاملہ ہو چکا تھا تو گویا آپ کے اہل بیت کے نزدیک آپ کا بالاپوش کا
اوڑھنا وحی کے نزول کا نشان ہو گیا اور انہوں نے دریافت کر لیا کہ جب بالاپوش آپ طلب
کریں تو جان لینا کہ وحی کا نزول آپ پر ہوا اسی واسطے حق تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اب تو تم اس علامت
سے مشہور ہو گئے کہ بار بار تم پر وحی آتی ہے اور اس وقت تم بالاپوش اوڑھتے ہو تو اب تم کو چاہیے
کہ اس خدمت کا حق ادا کرو اپنے کام پر مستعد اور تیار ہو جاؤ اور یہ بھی ہے کہ تاکہ محبوبیت پیغمبر خدا

صلے اللہ علیہ وسلم کی پروردگار کی حضوری میں خلائق کے نزدیک ثابت اور مشہور ہو جاوے اور جو شخص اس سورۃ کو پڑھے یا سنے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے کمال کے درجے کو دریافت کرلے یعنے جس طرح کسی عاشق کو اپنے معشوق کی اگر کوئی وضع یا ادا اچھی معلوم ہوتی ہے اور دل میں کھب جاتی ہے تو اُسی وضع کر کے اس کو یاد کرتا ہے اور پکارتا ہے جیسے ع او دامن اٹھا کے جانے والے، یا او سُرخ پگڑی والے، یا او بڑی زلفوں والے، سو اسی طرح سے حق تعالے جل شانہٗ کو یہ لباس اور یہ وضع اپنے محبوب کی بہت پسند آئی اسی واسطے اسی وضع کر کے آپ کو مخاطب کر کے بار بار فرماتے ہیں یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ اے شخص بالاپوش اوڑھے ہوئے وحی کے فرشتے کے آنے کے ڈر سے تم کو ڈرنا اور خوف کرنا نہ چاہیے بلکہ تمہارا حق اور تمہارے سزاوار تو یہ بات ہے کہ تم دوسروں کو ڈراؤ اور خوف حق تعالے کا ان کو دلاؤ قُمْ فَاَنْذِرْ اٹھو اور ڈراؤ لوگوں کو حق تعالیٰ کے عذاب سے اور نبوت کا منصب اگرچہ دونوں چیزوں کو چاہتا ہے یعنی خوف دلانا اور خوشخبری سنانا لیکن ڈرانا عام ہے اسواسطے کہ کوئی فرد انسان کی تقصیر سے خالی نہیں ہے بخلاف بشارت کے کہ یہ متقی اور نیکوکاروں کے واسطے خاص ہے اور جس کام کا فائدہ عام اور سب کو شامل ہوتا ہے وہ بہت ضروری ہوتا ہے بخلاف اس کام کے جو خاص ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوف کھا گئے تھے تو ڈرانے کا بھی حکم بہت مناسب ہوا اور یہ بھی ہے جسوقت میں یہ سورۃ نازل ہوئی تھی اسوقت تمام جہان کفر اور برائیوں سے بھرا ہوا تھا خوشخبری کی لیاقت کوئی نہیں رکھتا تھا جو تھا وہ ڈرانے ہی کے لائق تھا ان باتوں کے لحاظ سے اس جگہ پر فقط انذار ہی پر اکتفا فرمایا اور جو حق تعالے کے عذاب سے لوگوں کو خوف دلانا بغیر بیان کرنے اُسی عذاب کی عظمت کے ممکن نہ تھا اور اسی طرح اس عذاب کا متحمل ہونا اس کے دفع کی کوئی تدبیر کرنا بھی ممکن نہیں ہے اور اس عذاب کی عظمت اور لاعلاجی بغیر بیان کرنے عظمت

اس ذات پاک کی جو عذاب کرے گا متصور نہیں ہے یعنی اس کی قدرت کے برابر کوئی قدرت نہیں رکھتا اور اس کے علم کے برابر کسی کا علم محیط نہیں ہے پھر اس سے بھاگنا اور پوشیدہ ہونا اس طور پر کہ اُسے معلوم نہ ہو یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے سو تم کو ایک اور چیز بھی کرنا چاہیے وَرَبَّکَ فَکَبِّرْہ اور اپنے رب کو بزرگی اور عظمت سے یاد کرو اور ان لوگوں کو بھی خوب طرح سے سمجھا دو کہ کوئی شخص اس کے علم کے محیط ہونے میں اور اس کی قدرت کے عام ہونے میں اس کی برابری نہیں کر سکتا اور کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی اس کی دانست سے باہر نہیں ہے اور کیسی ہی مشکل چیز ہو لیکن اس کی قدرت کے سامنے بے حقیقت محض ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس تکبیر سے نماز کی تکبیر مراد ہے جو ابتدائی تحریمہ سے نماز کے آخر تک ہر انتقال میں اللہ اکبر اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس وقت اہل اسلام کے عرف میں تکبیر کہنا خوشی اور شادی کی علامت تھی سو گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ اب خوش ہو اور خوف مت کرو کہ ایسا بڑا منصب ہم نے تم کو عنایت کیا اور پیغمبری کا خلعت تم کو پہنایا اور اس تفسیر کو تائید دیتا ہے وہ مضمون جو بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت سُنی تو آپ نے پکار کر کہا اللہ اکبر پھر آپ کی زبان سے سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی تکبیر کہی پھر تمام آپ کے گھر والوں نے آپ کی متابعت سے تکبیر کہی اور سب خوش ہوئے اور جانا کہ یہ لرزہ اور خوف وحی کے نازل ہونے کے سبب سے تھا کوئی خوف کی بات نہ تھی پھر اس وقت سے مسلمانوں میں تکبیر کہنا خوشی اور شادی کی علامت ٹھہر گئی یہی وجہ ہے کہ عیدین اور حج اور تشریق کے دنوں میں تکبیر واجب کر دی گئی کہ ہر نماز فرض کے بعد پکار کر تکبیر کہا کریں اور تکبیر کا ان دنوں میں پنجوقتہ ہر نماز کے اول میں واجب ہونا اور تسبیح اور تحمید کا کسی وقت واجب نہ ہونا اس کا بھید یہ ہے کہ یہ ذکر خاص اہل توحید اور اہل اسلام کا ذکر ہے اس واسطے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کمال کی صفت میں کسی کو برابر نہ جاننا خاص ایمانداروں اور موحدوں کا اعتقاد ہے بخلاف تسبیح اور تحمید کے مضمون کے کہ تمام بنی آدم کے گروہ اس کے معتقد ہیں اور جو شخص حدیث کی کتابوں کو اور صحابہؓ کی سیر کو تتبع کرے گا تو اس کو اس بات کا یقین ہو گا کہ ان کی کوئی مجلس اور کوئی نشست تکبیر سے خالی نہیں رہتی تھی ہر نعمت پر

تکبیر کہتے تھے اور لڑائی اور دشمنوں کے مقابلے کے وقت بھی اسی کلمے سے اپنے خاوند کی عظمت اور مقابل والوں کی حقارت بیان کرتے تھے اور خوف کے وقت بھی اس ذکر کی برکت سے استعانت اور مدد طلب کرتے تھے جیسے آگ لگنے کے وقت اور جن یا بھوت یا دوسری بلاؤں میں پھنس جانے کے وقت چنانچہ اذان اور اقامت میں بھی اسی کلمے کو سر دفتر کیا ہے سو اس امر الٰہی کے مضمون پر عمل کرنا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس قدر اس امت مرحومہ میں رواج پایا تھا کہ حد اور حساب سے باہر تھا لیکن افسوس کہ چنگیز خانیوں اور ترکیوں کے ملک اسلام پر غالب ہونے کے سبب سے اس امر کا رواج بلکہ تمام اسلام کی رسموں کا کم ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اب اس زمانے میں ان باتوں کا نشان بھی باقی نہیں ہے اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے وقت میں قسطنطنیہ کے قلعے کو مسلمانوں کی جماعت اسی کلمے کے زور سے فتح کرے گی اور اس قلعہ کی پتھر کی دیوار ان مسلمانوں کی تکبیر کی آواز کے صدمے سے گر پڑے گی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتحوں کے حال میں مذکور ہے کہ اصطخر کے قلعہ کی دیوار حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کی تکبیر کی آواز کے صدمے سے جڑ سے گر پڑی تھی اور اس قدر اس کلمے نے تاثیر کی تھی کہ جب اس دیوار کو اٹھاتے تھے تو غیب سے تکبیر کی آواز آتی تھی اور اس آواز کے صدمے سے وہ دیوار جڑ سے گر پڑتی تھی حاصل کلام کا یہ ہے کہ اس کلمے کے مضمون کو ہر وقت خیال کے سامنے رکھنا شرک کی سب وجہوں سے نجات بخشتا ہے اسواسطے کہ حق تعالیٰ کے برابر کوئی چیز اس کی نظر میں نہ ٹھہرے گی اور مصیبتوں اور آفتوں کے ہلکا کر دینے میں اور خوفناک چیزوں کی دہشت دل سے دور کر دینے میں بھی یہ کلمہ بڑے کام آتا ہے لیکن اس کلمے کا مضمون ہر وقت اس کے سامنے جب رہتا ہے کہ طہارت ظاہری اور باطنی دونوں اس شخص کو حاصل ہو دیں اسواسطے کہ پاک چیز کی عظمت اور ناپاک خیال دونوں دل میں جمع نہیں ہوتے تو اس کلمے کا فائدہ حاصل کرنے کے واسطے طہارت ظاہری اور باطنی ضرور ہوئی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ [۴] اور اپنے کپڑے سو خوب پاک کر واس واسطے کہ پہلے آدمی کے کپڑے ہی پر نظر پڑتی ہے پھر اس کے بعد بدن

پر اور جب کپڑا پاک ہوا تو بدن جو کپڑے سے چھپا ہے اب اس جگہ بطریق اولے پاک ہوگا یہی
وجہ ہے کہ بدن کی طہارت کو یہاں پر ذکر نہیں کیا اسواسطے کہ بدن کی پاکی بالضرور بوجھی جاتی ہے یعنی
کپڑے کو جو بدن سے علاقہ رکھتا ہے جب پاکی کا حکم ہوا تو بدن کو جو مقصود بالذات ہے ضرور
پاک رکھنا چاہیے کہ اب اس جگہ عرب کے استعمال میں ثیاب کی لفظ دو قسم پر بولی جاتی ہے ایک
ثیاب ظاہری پر اور ایک ثیاب باطنی پر اور طہارت بھی دو قسم کی ہے ایک طہارت ظاہری اور
ایک طہارت باطنی سو اس کلمے کی تفسیر میں چار احتمال ہو سکتے ہیں اور ان چاروں احتمالوں کو اکٹھا
مراد لینا چاہیے اگرچہ عموم مجاز کے طور سے سہی سو پہلا احتمال یہ ہے کہ اپنے ظاہر کپڑوں کو نجاستوں
اور پلیدیوں سے پاک رکھو اسواسطے ایماندار آدمی کو نماز فرض یا نفل میں ذکر الٰہی میں ہر وقت مشغول
رہنا چاہیے اور ملائکہ اور پاک روحوں سے مناسبت حاصل کرنا اسواسطے کہ اس سے یہی منظور اور
مقصود ہے اور یہ بات بغیر اپنا ظاہر پاک رکھنے کے حاصل نہیں ہو سکتی ہے اگرچہ اس میں
کچھ فرق ہے تو اتنا ہے کہ یہ پاکی نماز میں فرض ہے اور نماز کے سوائے فرض نہیں ہے اور
جن چیزوں سے کپڑا پاک رکھنا چاہیے وہ چیزیں یہ ہیں پیشاب اور غلیظ اور منی اور مذی
اور ودی اور قے اور خون اور پیپ اگر ہتھیلی کے برابر یا زیادہ ان چیزوں سے کپڑا بھرا ہوا
ہو تو اس کپڑے سے نماز نہیں درست ہے جب تک تین مرتبے نہ دھووے یا جھاڑ نہ لے
اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اپنے ظاہری کپڑوں کو معنوی نجاستوں سے پاک رکھو اور معنوی نجاستیں یہ
ہیں جیسے غصب اور چوری اور خیانت سے اور دوسرے حرام کسب سے وہ کپڑا نہ آیا ہو اور وہ چیزیں
جن کا استعمال حرام ہے وہ بھی نہ ہو دیں جیسے مرد کو ریشمی کپڑا پہننا یا کپڑا تیار کرنے میں اسراف کرنا
جیسے پہننے کے کپڑے کو ٹخنے سے نیچے رکھنا کہ سب چیزیں ممنوع ہیں ان سب سے بچنا اور
پاک رہنا ضروری ہے اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ کپڑے سے صفتیں اور خلق مراد ہوں اسواسطے
کہ عرب کے لوگ کبھی کپڑے سے اس شخص کی ذات مراد لیتے ہیں اور کبھی آبرو اور کبھی نام
اور مرتبہ اس شخص کا چنانچہ بولتے ہیں کہ اَلْکَرَمُ فِیْ بُرْدَیْہِ یعنے کرم کی صفتیں اسی پاس ہیں
اور یوں بھی بولتے ہیں کہ فُلَانٌ طَاهِرُ الذَّیْلِ یعنے فلانا شخص پاک دامن ہے و فُلَانٌ نَقِیُّ الثَّوْبِ
وَ نَقِیُّ الْجَیْبِ یہ سب مثالیں اچھی صفتوں پر دلالت کرتی ہیں اور اس میں مناسبت کی وجہ یہ ہے

کہ کپڑا آدمی کے سب بدن کو لپیٹ لیتا ہے اور دور سے وہی کپڑا دکھلائی دیتا ہے اور کپڑے ہی کے سبب سے ایک آدمی کی دوسرے آدمی سے امتیاز اور پہچان حاصل ہوتی ہے تو گویا اس کی ذات اور اس کی خاص صفتوں کے حکم میں ہوا تو اس احتمال سے اس آیت کے معنی یوں ہونگے کہ اے پیغمبر تم اپنی ذات اور اپنی آبرو کو بد صفتوں اور بد خلقوں کی آلودگی اور بُری تہمتوں سے بچائے رکھو اور چوتھا احتمال یہ ہے کہ کپڑے سے مراد وہ بدن ہو جو استنجے کا اور دوسرے اعضائے مستورہ کا محل ہے اور تطہیر سے مراد پانی سے استنجا کرنا اور پیشاب اور غلیظ کو خوب طرح سے دھونا اور تمام بدن کو ہر ناپاکی اور گندی چیز سے پاک صاف رکھنا الغرض ہر طرح سے ظاہر کی پاکی کو باطن کی پاکی میں بڑی تاثیر ہے اور کپڑے کی صفائی دل کی صفائی کی ابتدا ہے خصوصاً اُس شخص کی جس کی عظمت و بزرگی دلوں میں بٹھا لنا اور اس کے کہنے کو واجب القبول کرنا منظور اور مقصود ہوتا ہے تو اُس کے کپڑے اور بدن کی پاکی میں زیادہ تر کوشش کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کے نزدیک گندگی کے سبب سے حقیر نہ ہو جاوے اور اُس کے کہنے کا کوئی اعتبار نہ کرے لیکن اس جگہ اس کپڑے کی پاکی بیان کرنا منظور ہے جو ایماندار کو عبادت اور اعتبار کے واسطے ضروری ہے نفیس اور گراں قیمت کپڑا ہونا مراد نہیں ہے اسواسطے کہ یہ بات ایمانداری کے منافی ہے مگر حق تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کے واسطے اور اس کے شکر کے ادا کرنے کے واسطے کہ اس نیت سے پوشاک نفیس پہننا مستحب ہو جاتا ہے اور جب ظاہری طہارت کے بیان سے کہ یہ بھی مقدم ہے فراغت پائی تو اب باطنی طہارت کو جو مقصود بالذات ہے بیان فرماتے ہیں وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۵) اور جتنی پلیدی اور گندگی کی قسم ہیں سو سب کو چھوڑ جیسے فاسد اعتقاد اور بُرے خُلق اور جھوٹ بات اور سب بُرے کام اور دوسری معنوی نجاستیں جو کسی لذت کے ساتھ دل کے متعلق ہونے سے پیدا ہوتی ہیں اور آدمی کی روح کو گندہ کرتی ہیں اور اگر ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ سے بموجب بعضے اس کے احتمال کے باطن کی طہارت میں ان امورات کو بھی شامل کر دیجیئے چنانچہ اوپر گذر چکا ہے تو اس سورۃ میں اُس آیت کے مضمون اور اِس آیت کے مضمون میں فرق یہ ہو گا کہ اس آیت میں ان باطنی امروں سے اجتناب منظور ہے جو ابھی حاصل نہیں ہوئے ہیں چنانچہ فاہجر کی لفظ اس پر دلیل صریح ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رجز سخت پلید کو کہتے ہیں سو اس آیت میں اُن کاموں سے احتراز

اور دوری منظور ہے جو کبھی کبھی صادر ہوتے ہیں اور اُن کی عادت نہیں ہوتی اور اس آیت میں بھی اُن ہی کاموں سے احتراز منظور ہے لیکن جب ان کی عادت ہوجاوے جس کو ہندی میں کہتے ہیں کہ لت لگ گئی یا اُس کے قریب ہوجاویں غرض کہ ہر طرح سے آدمی کو طہارت ظاہری اور باطنی عالم قدس علوی کے مناسب کر دیتی ہے اور اس عالم کے فیض کو حاصل کرنا ان کی کمال مناسبت کے سبب سے ہوتا ہے اور اس فیض سے مخلوقات کو فیضیاب کرنا بھی آسان ہوجاتا ہے اور روح کو گندہ کرنے والی چیزوں میں سے جو باطن کو بالکل خراب کر دیتی ہے دنیا کی طمع ہے اسی واسطے خاص کر کے بیان فرماتے ہیں کہ وَلَا تَمْنُنْ اور احسان مت رکھو کسی پر نہ قرآن کی تعلیم کا اور نہ احکام الٰہی کی تبلیغ کا اور نہ کار روائی اور حاجت برآری کا اور نہ کچھ دینے کا تَسْتَكْثِرُ ۝ اس غرض سے کہ شاگرد اور مرید بہت سے ہوجاویں اور اس سبب سے بڑا نام اور بڑا مرتبہ حاصل ہووے اور پھر اس سبب سے بہت مال ہاتھ آوے بلکہ کوئی چیز کسی کو اس نیت سے مت دو کہ اُس کی عوض میں دو نا زیادہ کر کے تم کو دیوے اسواسطے کہ یہ بھی ایک قسم ہے طمع کی جو باطن کے گندہ کر دینے میں نجاست کا حکم رکھتی ہے اور بعضے مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت کے معنی یوں ہیں کہ احسان کے وقت بھی کسی پر احسان مت رکھو اس احسان کو بڑا احسان جان کے کہ میں نے فلانے شخص کے ساتھ ایسا اور ایسا کیا اسواسطے کہ احسان رکھنا ثواب کو مٹا دیتا ہے تم کو چاہیے کہ اُس احسان کی کچھ بھی حقیقت مت جانو بلکہ لینے والے کا احسان اپنے اوپر جانو کہ اس بے حقیقت چیز کو ہم سے قبول کیا اور ہم کو جزا اور ثواب کا مستحق کیا چنانچہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب کوئی فقیر آپ کے پاس سوال کرنے کو آتا تھا تو اس کو فرماتے تھے مَرْحَبًا بِمَنْ يَحْمِلُ زَادَنَا بِلَا اَجْرٍ یعنے خوش آیا تو تاکہ اٹھاوے ہمارے آخرت کے توشے کو بے مزدوری سو یہ تیرا احسان ہے ہم پر اور جب آدمی کو یہ سب چیزیں یعنی حق تعالیٰ کی عظمت اور ظاہر اور باطن کی طہارت اور دنیا سے بے طمعی حاصل ہوئی تو مشیخت اور ارشاد کی لیاقت اسمیں پیدا ہوئی لیکن اس شخص کو باوجود ان سب چیزوں کے حوصلے کی فراخی ضرور ہے تاکہ خلق اللہ کی جفاؤں کا تحمل کرے اور اُن کی ایذاؤں کو اٹھائے اور اُن کی بدگوئی کو اپنے حق میں سُننے کو گوارا کرے اور نفسانیت کو غالب نہ ہونے دے ورنہ اُن کی صحبت کو چھوڑ کے بھاگے گا اور رہبانوں اور صحرا نشینوں کی طرح سے

اکیلا اور تنہا ہو کے بیٹھے گا محنت اور ارشاد کا کام سر انجام نہ کر سکے گا اسی واسطے اس امر کی بھی وصیت ارشاد ہوتی ہے کہ دل رَبِّکَ اور اپنے پروردگار کی رضا مندی کے واسطے نہ خلقت کی خاطر داری کے واسطے فَاصْبِرْ سو صبر کرو اور ان کی ایذاؤں کو اٹھاؤ اور باوجود رنج اور ایذا پہنچنے کے انکی صحبت سے کنارہ مت کرو تاکہ ارشاد اور رہنمائی کی خدمت سر انجام کو پہنچے اور ان دونوں صبروں میں یعنی ایک حق تعالیٰ کی رضا مندی کے واسطے اور دوسرا خلق اللہ کی خاطر داری کے واسطے صبر کرنا ان میں فرق کی علامت یہ ہے کہ اگر غریبوں اور مسکینوں کی ایذا کا تحمل ویسا ہی کرتا ہے جیسا کہ حکومت والوں اور توانگروں کی ایذا اور حقارت کا تحمل کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ صبر اور تحمل حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کے واسطے ہے اور اگر غریبوں اور مسکینوں کی ایذا کا تحمل کم کرتا ہے حکومت والوں اور توانگروں کی نسبت سے تو معلوم ہوا کہ یہ صبر اللہ تعالیٰ کے واسطے نہیں ہے بلکہ خلق کی خاطر داری کے واسطے ہے اور اگر یہ خیال دل میں گذرے کہ کافروں کی ایذا کو اٹھانا اور اس پر صبر کرنے کا جو حکم ہوا تو بڑی سخت مصیبت میں ہم پھنسے اسواسطے کہ ہم کو نہ بدلہ لینے کا حکم ہے اور نہ بھاگ کر علیحدہ ہو جانے کا حکم ہے بلکہ کافروں کے ہم پر غالب اور دلیر ہو جانے کی بات ہے اور ہماری مخالفت اور دشمنی اور ایذا رسانی ان پر بہت آسان ہے تو اس خیال کے جواب میں حکم ہوتا ہے کہ یہ سختی تم پر اور آسانی ان پر دنیا کی زندگی کے چند روز ہی رہے گی فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ پھر جب ٹھوکا جائے گا نقارے میں اور کوچ کی آواز ہوگی اور آخرت کا سفر آپہنچے گا فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ سو وہ ٹھوکنا اور کوچ کی آواز دینا اس دن کے واقعوں سے گویا يَوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ ایک دن مستقل ہے جو نہایت سخت اور دشوار ہے اور اگرچہ اس دن ایک ہی آواز ہوگی لیکن وہ آواز سختی اور شدت میں پورے دن کا حکم رکھے گی اسواسطے کہ اثر اس کا دیر تک باقی رہے گا اور اس دن کے واقعوں میں سے کوئی واقعہ اس سے زیادہ سخت نہ ہوگا اور بعضے مفسروں نے ناقور کو صور پر حمل کیا ہے دور کی تشبیہ کے سبب سے اسواسطے کہ صور میں بلکہ جتنی چیزیں دم کشی کی ہیں ان سب میں پھونکنے سے آواز نکلتی ہے اور جتنی چیزیں کھال سے منڈھی ہوئی ہیں جس طرح دف اور طبلہ اور ڈھول اور اسی طرح جتنی چیزیں تار والی ہیں جیسے ستار اور طنبورہ اور بین سو ان سب میں نقر اور ٹھوکنے کے سبب سے آواز نکلتی ہے اور پہلے نفخ کو نقر کے

ساتھ تشبیہ دی ہے پھر اس کے بعد صور کو ناقور کے ساتھ جو بانقر نبہ کے معنوں میں ہے سواب نقر فی الناقور کے معنی یہ ہوئے کہ نفخ فی الصُّور لیکن کافروں پر سختی اور دشواری موت کے وقت سے شروع ہوتی ہے نہ نفخ صور کی ابتدا سے سو اس عبارت کا حمل موت کے آنے پر تمثیل کے طور پر یعنے موت کی تمثیل لشکر کے کوچ کے ساتھ جنگ اور قتال کے واسطے مناسب معلوم ہوتی ہے اور حلیمی کتاب منہاج میں لایا ہے کہ نفخ صور کے سوائے نقر دوسری چیز ہے اسواسطے کہ اخبار میں آیا ہے کہ ارواحوں کے عدد کے موافق صور میں سوراخ ہیں سو نفخ صور کا تو بیہوش کرنے اور مارنے کے واسطے ہوگا اسی واسطے نقر اور نفخ صور دونوں کریں گے تاکہ آواز شدت اور سختی پیدا کرے اور عالم کی خرابی اور ہلاکی کا سبب پڑے اور جب نفخ صور کا یعنی دوسری مرتبہ ہوش میں لانے اور زندہ کرنے کے واسطے ہوگا تو اس وقت فقط نفخ ہوگا اسواسطے کہ غرض اس نفخہ سے ارواح کا پہنچانا اُن کے بدنوں کی طرف ہے اور یہ بات فقط نفخ سے حاصل ہو سکتی ہے لیکن اس کلام میں بھی خدشہ ہے کہ نقر جو نفخۂ اولیٰ کا مقارن اور ملا ہوا ہے تو کافروں پر شدت کا سبب کس واسطے ہوا اسواسطے کہ کافر موت کو راحت جانیں گے بلکہ اسکی آرزو کریں گے اور کہیں گے یَا لَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۝ اور اگر کافروں پر سختی اور شدت ہوگی تو دوسرے نفخہ سے ہوگی اسواسطے کہ زبردستی اُن کو محشر میں کھینچ لاویں گے اور حساب کتاب میں گرفتار کریں گے مگر یوں کہا جاوے تو ہو سکتا ہے کہ وہی نفخۂ اولیٰ کی شدت اس شدت کا مبدا ہے تو گویا شدت اور سختی کی ابتدا اُسی وقت سے شروع ہوگی غرض کہ ہر طرح سے خواہ موت اور برزخ کی شدت مراد ہووے اور خواہ قیامت کے ہولوں کی شدت اور سختی مراد ہووے لیکن حق تعالیٰ کی عنایت سے ایمانداروں میں اثر نہ کرے گی بلکہ اسدن کی شدت اور سختی عَلَی الْکَافِرِیْنَ کافروں پر ہے فقط اس واسطے کہ اول وہلہ میں اگرچہ ایماندار اور نیک بھی اس سختی میں گرفتار ہوں گے لیکن ایمان کی تاثیر سے اور پیغمبروں اور قرآن کی شفاعت سے وہ سختی آسانی سے بدل ہو جائے گی بخلاف کافروں کے کہ اس دن اُن پر دمبدم سختی کی زیادتی ہوتی جاوے گی غَیْرُ یَسِیْرٍ ہرگز آسان ہونے والی نہیں ہے جس طرح ایمانداروں پر اس دن آسان ہو جاوے گی یا جیسے دنیا میں کافروں پر آسان ہو جاتی تھی چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آخرت کے سفر کی اوّل منزل قبر ہے جس نے

اوّل منزل میں شدت دیکھی اور رنج کھینچا تو اُس کو آگے چل کے شدت اور سختی اور زیادہ ہوتی جاوے گی اور جس نے پہلی منزل میں اس سختی سے نجات پائی تو اس کو کل منزلوں میں اس سے زیادہ آسانی ہووے گی سو جب یہ بات معلوم کر لی تم نے کہ شدت اور سختی کا وقت کافروں پر اور ہمارے قہر کا ظہور ان کافروں سے عوض لینے کے واسطے اس جہان سے گذر جانے کے بعد یعنی موت کے بعد ہے نہ دنیا میں اور اس جہان کی زندگی میں اسواسطے کہ اگر اس جہان میں کافر شدت اور سختی میں گرفتار کیے جاویں تو ان کافروں کو برائی کرنے کی فرصت اور مال اور اسباب اور دوسرے دنیاوی فائدوں سے نفع حاصل کرنے کی قدرت حاصل نہ ہووے اور امتحان اور آزمائش کے معنی ہی نہ پائے جاویں تو اب تم کو چاہیے کہ اُن سے عوض طلب کرنے میں اور کفر کی سزا اُن کو پہنچانے میں جلدی مت کرو بلکہ ذَرۡنِیۡ وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ۙ چھوڑ دے مجھ کو اور اُس کو جس کو پیدا کیا ہم نے اکیلا کہ اس وقت نہ فوج رکھتا تھا نہ لشکر نہ جورو رکھتا تھا نہ اولاد نہ قوت رکھتا تھا نہ کپڑے اور نہ مال رکھتا تھا نہ اسباب وَّجَعَلۡتُ لَهٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ۙ اور کر دیا ہمنے اُس کے واسطے بہت سا مال کہ روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے علما نے کہا ہے کہ جو مال روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے وہ تین قسم کا ہوتا ہے اوّل زراعت اور کھیتی کا مال دوسرے مواشی کا مال تیسرے تجارت کا مال اسواسطے کہ ان تینوں قسموں میں جو کچھ کہ حاصل ہوتا ہے خرچ سے زیادہ ہوتا ہے بخلاف دوسرے مالوں کے اور اس آیت میں ایک کافر خاص کی طرف اشارہ ہے جو مال اور اسباب کی کثرت سے قریش میں مشہور تھا اس کا نام ولید بن مغیرہ تھا اس کو حق تعالےٰ نے تینوں قسموں کا مال دیا تھا چنانچہ طائف میں باغات اور کھیتیاں اس کی بہت تھیں ہر فصل کے میوے اس کے باغوں میں افراط سے پائے جاتے تھے اور ہر موسم کی کھیتی بھی اُس کے یہاں ہوتی تھی اور مواشی بھی بہت رکھتا تھا اُن کے دودھ دہی گھی پشم نسل سے بہت کچھ حاصل ہوتا تھا اور ہر قسم کی تجارت بزازی سے لے کر موتی تک اس کے یہاں ہوتی تھی اور غلام بھی بہت رکھتا تھا وہ غلام اور گماشتے ان کاموں پر معین اور مقرر کر دیے تھے کہتے ہیں کہ ایک لاکھ دینار یعنی اُسوقت کے چلن کی اشرفی اور دس لاکھ درم یعنی اسوقت کے چلن کا روپیہ اُس کے گھر میں موجود تھا اور جو اس قدر مال کی کثرت بدون اولاد کے کچھ لطف نہیں رکھتی

ہے اور خوشی حاصل نہیں ہوتی اور نعمت نہیں رہتی بلکہ رنج اور غم کا سبب پڑتی ہے اور عیش کو منغض کر دیتی ہے سو اپنی نعمت کے پورا کر دینے کے واسطے اس کو اولاد بھی ہم نے دی وَبَنِیْنَ شُہُوْدًا ۙ اور کر دیے ہم نے اُس کے واسطے بیٹے جو اولاد میں بہتر قسم ہیں پھر وہ بیٹے ہمیشہ اس کے پاس رہتے کبھی اُس سے غائب اور علیحدہ نہ ہوتے یعنی مال کی کثرت اور بے پروائی کے سبب سے روزی کی طلب کے واسطے سفر بھی نہیں کرتے تھے تاکہ ان کی مفارقت اور جدائی کا رنج اُس کے عیش کو منغض کرے بلکہ ہر وقت اس کے سامنے رہتے تھے اور ان کے دیکھنے سے ہمیشہ وہ خوش رہتا تھا اور زراعت اور تجارت کی خبر گیری کے واسطے بھی ان کو نہیں بھیجتا تھا اس واسطے کہ غلام ہوشیار اور گماشتے امانت دار موجود تھے بیٹوں سے کچھ کام نہ تھا وہ ہر وقت اور ہر مجلس میں اُس کے ساتھ رہتے تھے اور اُس کی عیش و عشرت کے شریک بلکہ خود سبب پڑتے تھے اور مجلس کی زینت اور ہر جلسہ کے اُس کے مونس تھے بعضوں نے کہا ہے کہ شہودا کا لفظ شہادت سے مشتق ہے اور شہادت گواہی کے معنوں میں ہے یعنی اس کے بیٹے اس کی ہر بات کو سچی ہو یا جھوٹی ثابت کرتے تھے اور اس کے سخن کی تصدیق کرتے تھے اس سبب سے اس کی ہر بات ہر مجلس اور ہر مقام پر سرسبز رہتی تھی اس واسطے کہ اگر اولاد باپ کی مرضی کے موافق نہیں ہوتی ہے اور ہر کام میں باپ سے علیحدہ رہتی ہے اور اس کے شریک رنج اور راحت کی نہیں ہوتی ہے اور اس کی بات کو تصدیق نہیں کرتی ہے تو ایسی اولاد باپ پر وبال ہو جاتی ہے اور وہی رنج باپ کو حاصل ہوتا ہے اور حقیقت میں ایسی اولاد اولاد ہی نہیں رہتی اور اس ولید کی اولاد بھی بہت تھی چنانچہ ان میں سے سات شخص بڑے نامور مشہور ہیں ولید بن ولید اور خالدؓ اور عمارہؓ اور ہشامؓ اور عاصؓ اور قیسؓ اور عبد الشمسؓ اور ان میں سے چار شخص دولت ایمان سے مشرف ہوئے تھے یعنی ولید اور خالد اور عمارہ اور ہشام اور تین شخص کفر کی حالت میں مرے اور جو مسلمان ہوئے تھے ان میں سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسقدر جہاد کیا اور کافروں کو مارا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی امیر الامرائی کا منصب اُن کو ملا اور آپ نے ان کو سیف اللہ کا خطاب دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ اول کی خلافت میں بھی اسی منصب پر بحال رہے اور ملک شام اور عراق ان ہی کے ہاتھ

سے فتح ہوا اور اکثر مرتدوں کی مہموں کا سرانجام اُن کے ہاتھ سے ہوا اور ولید بن ولید کو اِن کے باپ اور بھائیوں نے مکے میں روکا اور قید کیا تھا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے نہ پاویں اور ہجرت کرنے نہ پاویں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خلاصی کے واسطے فجر کی نماز میں قنوت بھی پڑھی ہے اور پکار کر آپ یہ دعا مانگتے تھے اَللّٰھُمَّ اَنْجِ الْوَلِیْدَ بْنَ الْوَلِیْدَ وَعَبَّاسَ بْنَ اَبِیْ رَبِیْعَۃَ وَسَلَمَۃَ بْنَ ھِشَامٍ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ آخر کو ان ظالموں کے ہاتھ سے چھوٹ کے شرف صحبت فیض موہبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاصل کیا اور آپ ہی کے قدموں پر اپنی جان کو فدا کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ملبوس خاص میں یعنی قمیص مبارک میں کفنا کے دفن کیا چنانچہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے اُن کی وفات کے وقت یہ ندبہ فرمایا ہے سہ اَبْکِیِ الْوَلِیْدَ بْنَ الْوَلِیْدِ بْنِ الْمُغِیْرَۃِ ؛ اَبْکِیِ الْوَلِیْدَ بْنَ الْوَلِیْدِ فَتَی الْعَشِیْرَۃِ ؛ اور اُن کے عجائبات معاملوں سے ایک یہ ہے کہ کافروں کی زبردستی سے جنگ بدر میں جا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے مقابل میں کھڑے ہوئے تھے جس وقت کافروں نے شکست کھائی اور مسلمانوں نے کافروں کو پکڑ کے قید کیا اور فدیہ لے کر چھوڑا اس وقت ولید بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی پکڑے گئے تھے یہ بھی روپیہ دے کر چھوٹے پھر اپنا اسلام ظاہر کیا لوگوں نے کہا کہ فدیہ دینے کے پہلے کیوں نہ اسلام ظاہر کیا انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اندیشہ کیا کہ اگر فدیہ کے ادا کرنے کے پہلے میں اپنے اسلام کا اظہار کرتا ہوں تو لوگ ایسا سمجھیں گے کہ فدیہ کے معاف کرانے کے واسطے اسلام کا اظہار کیا ہے نہ حق تعالےٰ کی رضامندی حاصل کرانے کے واسطے اور جب میں نے فدیہ کو ادا کیا تو یہ وہم جاتا رہا پھر بے دغدغہ اور وحشت کے اظہار اسلام کا کیا میں نے حاصل کلام کا ولید کی اولاد سب ایسی قابل اور کام والی اور جوان اور خوش رو اور خوش شکل تھی کہ تمام قریش کے قبیلے میں ان کی مثال دی جاتی تھی اور جو مال کی کثرت اور اولاد کی بہتایت بدون ریاست اور حکومت کے رونق نہیں رکھتی ہے اسواسطے اس کو ریاست اور حکومت اور عزت بھی انتہا درجے کی دی ہم نے وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۙ اور تیار کی ہم نے اور مضبوط کی ہم نے اس کے واسطے سند ریاست کی اچھی طرح کی تیاری چنانچہ تمام قریش ہر مشکل کام میں اسی کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس کو اپنا حاکم جانتے تھے یہاں تک کہ قریش کے قبیلے میں وہ ذولقب

کرکے ملقب ہوا تھا ایک تو وحید اسواسطے کہ اپنے اوصاف کمال میں یکتا تھا اور قابلیت کے فنون میں جیسے شعر وغیرہ بڑا کمال رکھتا اور اس کو ریحانہ قریش بھی کہا کرتے تھے یعنی قریش کا گل اس کی خوش اخلاقی اور خوبصورتی کے سبب سے لیکن باوجود اس قدر کثرت نعمت اور ثروت کے اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر تھا کہ کبھی شکر کا کلمہ اس کی زبان سے نہ نکلا اور سوائے بت پرستی اور لات اور عزیٰ کی پرستش کے دوسری چیز کچھ بھی نہیں جانتا تھا اور ہمیشہ مال کی زیادتی کی فکر میں مصروف رہتا تھا اور اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کے سامنے بہشت اور اس کی نعمتوں کا ذکر فرماتے تو سن کے کہتا تھا کہ یہ شخص اگر بہشت کی تعریف میں سچا ہے تو یقین کامل ہے کہ حق تعالیٰ نے اس گھر کو میرے واسطے پیدا کیا ہے اسواسطے کہ میرے سوائے کوئی شخص اس نعمت کا مستحق نہیں ہے سو اس سے اس کی ناشکری اور حرص کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝ پھر باوجود ان نعمتوں کے جو وہ رکھتا ہے اور اس کا شکر بھی ادا نہیں کرتا ہے پھر بھی امید اور طمع رکھتا ہے کہ اس کو دنیا اور آخرت کی نعمتیں زیادہ کریں گے کَلَّا ہرگز یہ طمع اس کو نہ رکھنا چاہیے اسواسطے کہ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝ بیشک وہ ہے ہمارے قرآن کی آیتوں سے عناد کرنیوالا اور ہمارے کلام سے دشمنی رکھنے والا اور ہمارے کلام سے دشمنی گویا ہم ہی سے دشمنی ہے اور اپنے منعم اور محسن سے دشمنی رکھنا پہلی نعمتوں کے زوال کا موجب ہے پھر زیادتی نعمتوں کی امید رکھنے کا کیا ذکر ہے تاریخ اور سیر والوں نے لکھا ہے کہ ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد پے در پے اس کے مال اور اسباب میں نقصان ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ فقیر ہو کے مر گیا اور عناد کے معنی کفر میں یہ ہیں کہ جان بوجھ کے حق کو باطل کرے اور حق بات کی خرابی کے پیچھے پڑے اور کفر کی قسموں میں سخت تر قسم یہ ہے کہ اسواسطے کہ کفر کی قسمیں چار ہیں ایک تو کفر شک کا ہے چنانچہ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافر اسی قسم کے تھے اور ان ہی کے حق میں یہ آیت قرآن شریف کی نازل ہوئی ہے کہ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ یعنی بلکہ وہ لوگ شک میں ہیں میرے ذکر سے اور دوسرا کفر جہل اور نادانی کا جو حق کو حق نہ جانے چنانچہ اکثر مکہ کے مشرک اسی قسم کے تھے اور ان ہی کے حق میں قرآن شریف میں آیا ہے وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ وَاَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ بَلْ هُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ یعنے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اکثر ان کے بوجھتے نہیں ہیں اور اکثر لوگ

نہیں جانتے ہیں اور بلکہ وہ قوم نادان ہیں اور تیسرا کفر جحود اور انکار کا کہ جان بوجھ کے اقرار نہ کرے اور اس کو نہ مانے چنانچہ اہل کتاب کے حق میں ارشاد ہوتا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ یعنی حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں کو دی ہے ہم نے کتاب وہ پہچانتے ہیں اسکو جسطرح پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں سے بیشک ایک فرقہ ان میں سے ہر آئینہ چھپاتا ہے حق کو اور حال یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں اور فرعون اور اُس کی قوم کے حق میں بھی یہی مضمون ارشاد ہوا ہے کہ جَحَدُوْا بِھَا وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا یعنی انکار کیا اُس معجزے سے اور یقین جانا اُس کو جانوں اُن کی نے ظلم اور تکبر کے سبب سے اور چوتھا کفر عناد ہے جو باوجود پہچاننے حق کے اس کے انکار پر اڑ جاوے اِس کے باطل کرنیکے پیچھے پڑے اور واہی تباہی شبہے نکال کے سچی دلیلوں کو اڑا دیوے اور بالکل حق کے مقابلے میں آجاوے اور ولید پلید کا بیان یہ ہے کہ ایک روز مکہ معظمہ کی مسجد میں یہ بھی بیٹھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف رکھتے تھے اس وقت سورۂ حٰمٓ السجدۃ آپ پر نازل ہوئی اور آپ کی عادت شریف ایسی تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قرآن شریف سننے کے بعد آپ اُسے دہراتے تھے اسی عادت کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو پڑھنا شروع کیا اور جب آپ نے دیکھا کہ ولید بھی سنتا ہے تو آپ نے پھر اِس سورۃ کو اُسے سنایا اور بعضی روایتوں میں ایسا آیا ہے کہ سورۂ حٰمٓ المؤمن کو ابتدا سے الیہ المصیر تک آپ نے اُس کو سنایا اور اُس نے بھی خوب تامل اور غور کر کے سنا اور اپنی قوم یعنی بنی مخزوم کے لوگوں سے کہا کہ میں نے آج جو کلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا ہے انصاف تو یہ ہے کہ یہ کلام نہ آدمی کا ہے نہ جن کا اسواسطے کہ اس کلام میں ایسا لطف اور مزہ ہے کہ کسی کلام میں یہ بات پائی نہیں جاتی اور اِس کلام پر انوار چمک رہے ہیں اور اس کلام کی شاخیں میوے سے پُر ہیں اور اس کلام کی جڑ بڑی موٹی اور مضبوط ہے اور یہ کلام سب کلاموں پر غالب ہے اور یہ کلام ہرگز مغلوب ہونیوالا نہیں ہے پھر جب وہ اُس مجلس سے اُٹھ کے چلا گیا تو یہ خبر لوگوں نے ابوجہل کو پہنچائی اور کہا کہ آج تو ولید کو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باتوں کا فریفتہ کر لیا اور ولید نے بھی محمدؐ کے دین کیطرف میلان کیا اِس بات کے سنتے ہی ابوجہل دوسرے قریش کے کئی رئیسوں کو اپنے ساتھ لے کر

ولید کے گھر میں گیا اور کہا کہ میں نے ایک عجیب بات سُنی ہے کہ تم بھی محمدؐ کے دین کی طرف جھکے اور روٹی اور شوربا جو ابوقحافہ کا بیٹا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھیوں کے واسطے پکا کر لاتا ہے اور وہ سب ساتھ مل کے کھاتے ہیں اس کے کھانے کی رغبت تمہارے بھی دل میں پیدا ہوئی یہ بات سُنتے ہی ولید غصّے میں آیا اور کہنے لگا کہ میری ثروت اور مالداری کا حال تجھ کو خوب معلوم ہے کہ محمدؐ اور اُس کا یار ابوقحافہ کا بیٹا میرے دروازے کے فقیر کی بھی برابری نہیں کر سکتے ہیں مجھ کو اُن کے کھانے کی کیا پرواہ ہے ابوجہل نے کہا اگر حقیقت میں یہی بات ہے اور اپنی بات میں سچے ہو تو تم اسی وقت مسجد میں چلو اور میں سب قریش کے قبیلے کے سرداروں کو جمع کرتا ہوں تاکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدمہ میں مشورہ کریں پھر اسی وقت ولید اُٹھ کر کھڑا ہوا اور ابوجہل کے ساتھ مسجد مبارک میں آیا اور جتنے قریش کے قبیلے اور اس کے سردار تھے سب جمع ہوئے جیسے ابوجہل اور ابولہب اور ابوسفیان اور نضر بن الحارث اور امیہ ابن خلف اور عاص بن وائل اور یہ سب سردار ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ ہم کو ایک سخت مشکل درپیش ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایک کلام پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کلام خدائے تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتا ہے اور اب حج کا موسم آپہنچا ہے ہزاروں لوگ ہر طرف کے اس شہر میں آویں گے اور اُن کے احوال اور ان کے دعوے اور اس کلام کے حال سے ہم سے پوچھیں گے سو ہم میں سے بعضے تو اس شخص کو شاعر کہتے ہیں اور اس کے کلام کو شعر کہتے ہیں اور بعضے اس شخص کو مجنون اور دیوانہ کہتے ہیں اور اس کلام کو ہذیان اور بیہودہ گوئی کہتے ہیں اور ان دونوں باتوں میں آسمان زمین کا تفاوت ہے اور اگر اسی طرح کا اختلاف لوگ ہم سے سنیں گے تو ہم کو نافہم اور نادان کہیں گے ایک بات کو مقرر کیا چاہیئے تاکہ جو شخص باہر سے آوے اور ہم سے پوچھے تو ہر شخص ہم سے وہی ایک بات کہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سن کے لوگ فریفتہ نہ ہو جاویں اور اسی کی طرف میلان نہ کریں اور تم کو حق تعالیٰ نے ہم سب میں بڑا کیا ہے اور عقل اور دانائی اور تجربہ اور ملکوں میں پھرنا اور بستیوں کی سیر کرنا ان سب چیزوں میں تم کو ہم پر امتیاز دیا ہے اسواسطے ہم سب نے تمہاری طرف رجوع کی ہے سو اس امر میں جو ایک بات تم ٹھہرا دو اسی طرح ہم اس شہر مکہ میں منادی کر دیں

کہ سوائے اِس بات کے کوئی اپنی زبان پر دوسری بات نہ لاوے سب وہی ایک بات کہیں
ولید یہ بات سن کر سرنگوں ہوا اور چپ رہا پھر تامل کے بعد کہنے لگا کہ اگر تم اس کلام کو شعر اور
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہو گے تو اسی دفنت ملزم ہو جاؤ گے اسواسطے کہ میں نے عبید بن الابرص
اور امیہ بن ابی الصلت اور دوسرے قدیم شاعروں کے شعر سُنے ہیں اور میں نے اس میں خوب
بھی سوچ یہ محمد کا کلام شعر ہرگز نہیں ہے اور محمد کو شعر کہنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے اور اگر اس کلام
کو کہانت کہو گے اور محمد کو کاہن ٹھہراؤ گے تو بھی الزام کھاؤ گے اسواسطے کہ کاہن کا کلام کبھی سچ
ہوتا ہے اور کبھی جھوٹ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں کبھی ہم نے جھوٹ سنا ہی نہیں اور اگر
اس کلام کو ہذیان اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہو گے تو بھی خفیف اور ذلیل ہو گے اسواسطے کہ
مجنون ہمیشہ بے ہودہ بکا کرتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کونسی علامت جنون کی تم نے پائی ہے
جو اس کو مجنون کہو گے اور اس کے کلام میں تو بالکل نصیحت اور حکمت بھری ہوئی ہے اور اگر
اس کلام کو سحر کہو گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہو گے تو یہ بھی تمہاری بات بن نہ پڑے گی
اس واسطے کہ سحر میں بعضے کلمے مہمل اور بے معنی ہوتے ہیں اور ساحر ہمیشہ اپنے سحر سے دنیا کا نفع
چاہتا ہے اور مال کماتا ہے اور یہ کلام معنوں سے پر ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مال کی اور دنیا
کے نفع کی کچھ پرواہ بھی نہیں ہے پھر ان سب چیزوں کو بیان کرنے اور باطل کرنے کے بعد
بہت غور اور تامل کیا اور داہنے بائیں اپنے دیکھا اور نہایت فکر اور رنج سے غصے میں آیا آخر کو
چپ ہو کے بیٹھ رہا قریش کے سرداروں نے جب اس کا یہ کلام سُنا اور اس کا یہ حال دیکھا تو
کہنے لگے کہ پھر اب تدبیر اس کی کیا ہے ہم لوگوں سے کیا کہیں ولید پلید نہایت فخر اور تکبر سے کہنے لگا
کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ بابل کا جادو ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صحیح سند سے پہنچا ہے
اور یہ بابل کا جادو اور جادوؤں کے سوا ہے اور اس کے جادو ہونے پر بڑی قوی دلیل یہ ہے کہ
جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے اور ان کے کہنے کو سُنتا ہے وہ اپنے باپ ماں جورو
اولاد سے بیزار ہو جاتا ہے اور سب کو چھوڑ دیتا ہے اور یہی سحر کی خاصیت ہے کہ جورو خاوند میں
اور باپ بیٹے اور ماں بیٹی میں جدائی اور تفرقہ ڈالدے جتنے قریش کے سردار تھے اس بات کے
سُنتے ہی اس پلید سے بہت شاداں اور فرحاں ہوئے اور اس کی عقل اور دانائی پر تحسین اور

آفرین کی کہ خوب ہی بات سوچی تم نے پھر اسی وقت مکے کے شہر میں منادی کردی کہ آج سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہا کرو شاعر اور کاہن اور مجنون کوئی مت کہو سو اس قصے سے معلوم ہوا کہ اس نے قرآن کی حقیقت اور اس کے نزول کی کیفیت کو خوب دریافت کیا تھا لیکن باوجود اس دریافت کرنے کے اس کی حقیقت کے باطل کرنے میں کوشش کرتا تھا اور جو لوگ اس سے اس کام کی تدبیر کو پوچھتے تھے ان کو کفر کی تلقین کرتا تھا سو باوجود اس عناد اور دشمنی کے اپنے منعم کے کلام سے اور اس کے رسول سے اس کی زیادتی نعمت اور بخشش کی توقع کس طرح رکھتا ہے سو جس طرح وہ کفر میں ترقی کر کے اعلیٰ مرتبہ کفر کو پہنچا ہے یعنے کفر و عناد کو جو ابلیس کا منصب ہے اسطرح سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ؕ نزدیک ہے کہ دوزخ میں اس کو تکلیف صعود کے اوپر چڑھنے کی دیں گے ہم اور صعود نام ہے دوزخ کے پہاڑ کا اور جو دہکتی آگ سے بنایا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ چڑھائی اس کی پچاس برس کی راہ ہے جو کافر معاند ہے اس کو دوزخ کے موکل فرشتے زبردستی اوپر اس کے چڑھادیں گے اور اس کی سوزش کا یہ حال ہے کہ جوں ہی کافر اس پر ہاتھ رکھے گا بس رکھتے ہی جل کے بھسم ہوجاوے گا اور پھر اسی وقت نیا بنے گا اور پھر جلے گا اور اسی طرح ان کے پاؤں کا حال ہوگا کہ اس پر رکھتے ہی جل جائیں گے اور پھر نئے بنیں گے اسی تکلیف اور مشقت سے اس کو زنجیروں سے فرشتے کھینچیں گے پھر جب اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے گا تو اس کو اوپر سے نیچے ڈھلکا دیں گے کہ نیچے آگریگا پھر اس کو مار مار کے اوپر چڑھادیں گے اور پھر گرادیں گے اور اسی عذاب میں ابدالآباد تک رہیگا اور اس معاند کافر کو خاص اس قسم کے عذاب میں مبتلا کرنا اس سبب سے ہوگا کہ وہ بھی اپنی فکر کی حرکت میں درجہ بدرجہ مطالب سے مبادی کو صعود کرتا تھا اور پھر قرب حق سے اپنے تئیں پائیں میں گراتا تھا اور اپنی قدیم کی جہل مرکب میں غوطے کھاتا تھا اور حق پر قائم نہ رہتا تھا سو اس طرح کا عذاب اس کے افعالوں کے موافق سزا ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے اِنَّهٗ فَكَّرَ یعنیک اس نے فکر کرنا شروع کیا قرآن مجید کے حال میں کہ آیا یہ قرآن حق تعالیٰ کا کلام ہے وَقَدَّرَ ۙ اور اپنے ذہن میں جتنے احتمال اور شبہے ہیں سب کو جمع کیا اور اندازہ کیا یعنی کہنے لگا کہ قرآن شریف ان احتمالوں سے خالی نہیں ہے یا تو شاعر کا کلام ہے یا ساحر کا کلام ہے یا کاہن کا کلام ہے یا مجنون

کا اور ان احتمالوں میں حصر کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام یا کسی بڑے فکر اور خیال والے آدمی کا ہے تو احتمال پہلا ہے یا کسی ناداں فاسد خیال والے آدمی کا ہے تو احتمال چوتھا ہے اور یا یہ کلام جن کا ہے آدمی کا نہیں ہے پھر آئندہ کے حادثوں کا علم اگر آدمی پر القا کرنا منظور ہے تو تیسرا احتمال ہے جسکو کہانت کہتے ہیں اور اگر کسی تاثیر کو عالم میں حادث کرنا منظور ہے تو احتمال دوسرا ہے یعنی سحر ہے فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ پھر مارا جائیو اور لعنت ہو جیو اس پر کیا بے ربط اندازہ کیا کہ واقعی چیز کو احتمال کے طور پر بھی خاطر میں نہ لایا یعنے یہ شبہے اور احتمال سے بھی نہ کہا کہ یہ کلام کلام الٰہی ہے آدمی اور جن کا کلام نہیں ہے سو اس احتمال کو چھوڑنا انتہا درجے کی عناد پر دلالت کرتا ہے اور اس میں احتمال کے چھوڑنے کے سبب سے لعنت اور پھٹکار کا مستحق ہوا ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ پھر لعنت کی جاوے اس پر کیا برا اندازہ کیا اس واسطے کہ شقوں کے بیان کرنے کے مقام میں اور احتمالات کے بیان کرنے میں جو احتمالات ظاہر الفساد ہیں اُن کو ذکر کرنا فکر اور نظر سے صراحۃً خارج ہے اور یہ جتنے احتمال بیان کیے ہیں ان سب کا فساد ظاہر ہے اسواسطے کہ قرآن شریف میں شعر اور روی کی علامتوں سے قافیہ کا التزام تو البتہ پایا جاتا ہے اور سوائے اس کے کوئی علامت شعر کی اس میں نہیں ہے اور متخلیہ مقدمات سے مرکب بھی نہیں ہے بلکہ قافیہ کا التزام بھی جو اس میں پایا جاتا ہے سو شعر کے قافیہ کے دستور کے خلاف ہے چنانچہ یہ بات تامل اور غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے پھر جو علامتیں نہیں ہیں ان کی طرف خیال نہ کرنا اور ایک علامت جو فی الجملہ پائی جاتی ہے اسی کو پکڑ لینا اور اسی احتمال کو ترجیح دینا یا کمال غفلت سے ہے یا کمال عناد سے اور سحر کی علامتوں سے اس کلام الٰہی میں ایک تاثیر تو انتہا درجے کی پائی جاتی ہے اور سوائے اس کے جتنی علامتیں سحر کی ہیں اُن کا لگاؤ بھی اس میں نہیں پایا جاتا ہے چنانچہ شیطانوں کے نام لینا اور اُن سے مدد چاہنا اور اُن کی التجا کرنا جو سحر کے لوازمات سے ہے اس کی بو بھی اس کلام میں نہیں ہے اور مہمل اور بے ربط لفظوں سے یہ کلام پاک بالکل بری ہے سو فقط تاثیر کے لحاظ سے اس کلام اعجاز نظام کو سحر کہنا وہی مثل ہوئی کہ جو سفید ہے سو کپڑا ہے اور جو گول ہے سو طشت ہے بلکہ یہ کلام پاک تو شیطانوں کی برائی اور سحر کی مذمت اور شیطانوں سے استعانت کی ممانعت اور اُن کی اتباع اور پیروی سے اپنے تئیں بچائے رکھنے میں پڑ رہا ہے اس کو سحر نہ کہے گا مگر معاند اور کہانت کی علامتوں سے اس کلام پاک میں غیب سے خبر دینا تو البتہ پایا جاتا ہے لیکن کاہن جزئیہ

کونیہ سفلیہ معارف سے خبر دیتا ہے اور یہ کلام اعجاز نظام کلیۂ الٰہیہ علویہ معارف کا نشان بتلاتا ہے اور گذری امتوں کے قصے اور حشر اور نشر اور معاد کے واقعوں اور احوالوں کو بیان کرتا ہے اس کلام کو کہانت کی تہمت لگانا وہی زرباف اور بوریا باف کی حکایت ہے اور مجنونوں کے ہذیان کی علامتوں سے اس کلام پاک میں وہ امورات جو عقل سے دور ہیں البتہ پائے جاتے ہیں لیکن اس کلام میں ان امروں کو جو عقل میں نہیں آتے ہیں واضح دلیلوں اور قوی برہانوں سے ثابت بھی کیا ہے اور اس طرح توضیح کی ہے اور ایسی ایسی تمثیلیں اسکی بیان کی ہیں کہ وہ استبعاد اور عقل میں نہ آنا بیخ اور بنیاد سے اکھڑ گیا پھر بھی اس کلام پاک کو مجنون کا کلام کہنا گل کو خار اور یار کو اغیار جاننا ہے سو ایسے احتمالوں کے ذکر کرنے سے جنکا بطلان صراحۃً ظاہر ہے پھر دوسری مرتبہ لعنت کا مستحق ہوا اور سوائے اس کے اس نے اسقدر پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ ثُمَّ نَظَرَ ۙ پھر دیکھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حال میں کہ ان احتمالوں کے لوازمات ان میں پائے جاتے ہیں جیسے یہ کلام شعر ہے تو چاہیے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عروض اور قافیہ اور شعر کی موزونی کو سیکھے ہوویں اور شعر کہنے کی مشق کی ہو اور اس فن کے ماہروں کے پاس برسوں آمد و رفت رکھی ہو اور اُن کی شاگردی کی ہو اور اگر سحر ہے تو چاہیے کہ ساحروں کی صحبت میں رہے ہوں اور جن اور شیطانوں کی تسخیر کے علموں کو ان سے سیکھا ہو اور اگر کہانت ہے تو چاہیے کہ بت خانوں میں اور دوسری شیطانی مجلسوں میں آپ نے برسوں آمد و رفت کی ہو اور عام اور خاص کے سوالوں کے جواب دیتے رہے ہوں اور آپ کی خبریں کبھی جھوٹی کبھی سچی ہوتی رہی ہوں جس طرح کاہنوں کی عادت ہے اور اگر ہذیان جنون کا ہے تو چاہیے کہ سوداوی خلط کا غلبہ اور نادانی اور بے تمیزی اور خبط اور مختلط کلام آپ میں پائے جاتے ہوں ثُمَّ عَبَسَ پھر منہ کو بگاڑا اپنے اور تیور چڑھائے اس سبب سے کہ ان لوازمات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں کوئی بات نہ پائی گئی تا کہ اس احتمال کو مقرر کر کے ترجیح دیوے وَبَسَرَ ۙ اور چیں بر جبیں ہوا کہ مجھ کو احتمال متروک اختیار کرنا پڑا یعنی اب یہ کہنا پڑا کہ یہ کلام حق تعالیٰ کا کلام ہے اور فرشتے کے واسطے سے پہنچا ہے اور یہ بات اپنے اور اپنی قوم کے مذہب کے خلاف ہے چونکہ جو احتمال والی شقوں کے لوازمات کے اثبات سے ناامیدی اور شق متروک کے اختیار کرنے کا رنج ایک ہی زمانہ میں تھا اسواسطے ثُمَّ کے

کلمے کو عبس اور بسر کے درمیان میں نہ لائے بلکہ واو کو لائے تاکہ اجتماع پر دلالت کرے ثُمَّ اَدْبَرَ پھر پیٹھ دی اور پھرا اس شق سے جو واقعی اور حق تھی اور اپنی عروجی کی حرکت سے نزول کیا اور اُن ہی احتمالوں سے جو اِس کے ذہن میں جمے ہوئے تھے اور پہلے اُن کو باطل کر چکا تھا ایک کو اُن میں سے عناد اور تعنت کی راہ سے اختیار کر لیا اور رجعت قہقری کی یعنی الٹا پھرا وَاسْتَكْبَرَ اور تکبر کیا اس سے کہ کوئی مجھ کو اِس شق کی طرف رجوع کرنے سے طعن اور تشنیع کرے گا اور یہ کہے گا کہ اپنی باطل کی ہوئی شق کی طرف پھرنا مناظرے والوں کے نزدیک بہت معیوب بات ہے سو تم کیوں اِس کی طرف پھرے اس واسطے کہ میں کسی کی پروا نہیں رکھتا ہوں یا اس سے مراد یہ ہے کہ تکبر کیا شق حق کے اختیار کر لے سے باوجود اس کے متعین ہونے کے گویا کہ اُسکے نفس نے تکبر کے سبب سے اِس بات کو گوارا نہ کیا کہ اِس شق کو اختیار کرے اور اقرار کرے اس بات کا کہ میں اتنی مدت دراز خطا پر تھا بلکہ یہ بھی نہ کیا کہ اِس باطل احتمال کو تردد کے مقام میں ذکر کرے اور یہ کہے کہ اب تک یہ احتمال اور یہ شق بالکل میرے دل سے زائل نہیں ہوا ہے اس کے ابطال میں مجھ کو دغدغہ ہے بلکہ اس باطل احتمال میں حصر کا دعویٰ کر بیٹھا اور حق کے احتمال کے واسطے تصور کی بھی گنجائش نہ چھوڑی فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ پھر بولا نہیں ہے یہ کلام مگر جادو نقل کیا گیا بابل سے یا عجم سے یا دوسرے پہلے ساحروں سے اور یہ قید اس واسطے بڑھائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دیکھ کے اِس کی بات کو کوئی جھٹلا نہ ڈالے اسواسطے کہ آپ کا حال ساحروں کے مخالف تھا پھر نتیجہ نکالنے کے وقت بھی حق احتمال کی مطلق نفی کر دی اور کہا کہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۙ نہیں ہے یہ کلام مگر کہا ہوا آدمی کا کاشکے یوں کہتا کہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ اَوْ كَلَامُ اللّٰهِ ۙ یعنے نہیں ہے یہ کلام مگر جادو یا اللہ تعالیٰ کا کلام تو کچھ بھی بوجھنے بوجھانے کی راہ کھلی رہتی اور اس کو بھی دوسری مرتبہ غور اور تامل کرنے میں جو شق کہ حق ہے اس کی ترجیح ممکن ہوتی اور اس نے اس پانچوں شق سے جو حق اور واقع ہے اِس طرح کا انکار اور تکبر کیا تو اعراض اور استکبار کی جزا میں بالضرور سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ قریب ہے کہ داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں جس کا نام سقر ہے اور یہ دوزخ کا پانچواں طبقہ ہے اور حق تعالیٰ کے غضب اور قہر کا مظہر اتم ہے اور غضب الٰہی کی عظمت کے آثار جو اس طبقے میں ظہور کیے ہیں کسی بشر کو اس کا

حال معلوم نہیں ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ اور کیا جانا تم نے اگرچہ تمام مخلوقات مظاہر الٰہیہ کے جمالیہ ہوں یا جلالیہ تم اعلم ہو کہ مَاسَقَرُ کیا ہے سقر انتہا اس کی تعریف اور توصیف میں جو کہہ سکتے ہیں وہ اس قدر ہے کہ لَا تُبْقِىْ ہرگز باقی نہیں رکھتی کسی کو جو اس میں ڈالا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو بالکل نیست اور نابود کر دیتی ہے وَلَا تَذَرُ اور نہیں چھوڑتی اس کو جلانے کے بعد بھی بلکہ پھر اس کو درست کرتی ہے اور پھر جلاتی ہے ابد الآباد تک یعنی ہمیشہ یہی کام اس کا ہے جس طرح یہ معاند یعنی ولید پلید شق باطل کو نہ ثابت کر سکتا تھا اور نہ اس کو چھوڑتا تھا اور اس سقر میں ایک صفت دوسری بھی ہے کہ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ جلانیوالی اور تعرض کرنے والی ہے فقط آدمیوں کو نہ موکل فرشتوں کو اور نہ وہاں کے سانپ بچھوؤں کو اور نہ مکھی اور کلنی کو اور نہ سینڈھ کے درخت کو بلکہ ان سے کچھ بھی تعرض نہ کرے گی اگر ان چیزوں کو بھی جلا دیتی تو ان چیزوں کے عذاب سے آدمیوں کو نجات ہوتی اور تھوڑی تخفیف عذاب میں ہو جاتی اور لواحہ کا لفظ ماخوذ ہے عرب کے قول سے یعنی لَاحَتِ الْعَطَشُ سے یہ اس وقت بولتے ہیں جب اندر جل جاوے اور منہ سیاہ ہو جاوے اور بعضے مفسروں نے اس جگہ پر بشر کو جمع بشرہ کی کہا ہے جو ظاہر فصل کے پوست کے معنوں میں ہے لیکن لاتبقی ولاتذر کے بعد جلانے اور جلا کے سیاہ کر دینے کا ذکر مناسب نہیں ہے اس واسطے کہ قوی تاثیر کے بعد ضعیف تاثیر کو ذکر نا بلاغت کے آئین سے دور ہے اور قرآن شریف میں بشر کی لفظ بشرہ کی جمع میں کہیں مستعمل بھی نہیں ہوئی ہے نہ یہاں نہ دوسری سورتوں میں پھر اس لفظ کو غریب معنوں میں مستعمل کرنا بہتر نہیں ہے اور ان عذابوں کے سوائے ایک عذاب مستقر دوزخ میں دوسرا ہے سب سے زیادہ یعنی دوزخ کے موکلوں کی تعدی اور زبردستی کہ آگ کے گرزوں سے ماریں گے اور آگ کی زنجیروں اور طوقوں سے ان کو جکڑیں گے اور کبھی گھسیٹیں گے اور کبھی دھکیلیں گے اپنی دہشت ناک شکلیں دکھلا کے ان کا دم ناک میں کریں گے اور ہر وقت اور ہر لحظہ موت کا مزہ چکھا دیں گے اسواسطے کہ عَلَيْهَا اور اس دوزخ پر دار وغہ مقرر ہیں تِسْعَةَ عَشَرَ انیس ۱۹ شخص فرشتوں سے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان فرشتوں کی آنکھیں برق کی طرح چمکتی ہوں گی اور ان کی آواز تند رعد کی سی ہو گی اور ان کے دانت بارہ سینگے کے سینگ کی طرح اور ان کے بال اس قدر دراز ہوں گے کہ دامن کی طرح زمین

پر گھسیٹتے ہوں گے آگ کے شعلے فوارے کی طرح اُن کے مُنہ سے نکلتے ہوں گے۔ ایک کاندھے سے اُن کے دوسرے کاندھے تک ایک سال کی مسافت ہوگی، ہتھیلی اُن کی اسقدر دراز ہوگی کہ ستر ہزار آدمیوں کو ایک مرتبہ مٹھی میں لے کر جہاں چاہیں وہاں پھینک دیویں مہربانی اور نرمی اُن کے دل سے نکال ڈالی گئی ہے اور ان فرشتوں کے انیس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دوزخ غضب الٰہی کے ظہور کا محل ہے سو جسطرح رحمت الٰہی کسی امر کے سرانجام پر جس وقت کہ متوجہ ہوتی ہے تو تمام مخلوقات کی روحانیات اِس رحمت الٰہی کے کارخانے کو سرانجام دینے کے واسطے خادم ہو جاتے ہیں تاکہ مشیت اور خواہش الٰہی خلعت ظہور کا پہن کے جلوہ گر ہووے چنانچہ اسی مضمون کو اس قطعہ میں بیان کیا ہے **نظم** ابر و باد و فلک و شمس و قمر کام میں ہیں ؛؛ کہ تو روٹی کو جو پیدا کرے غفلت سے نہ کھائے ؛؛ ہمگی سرگشتہ و محکوم یہ سب تیر لیے ؛؛ منصفی یہ نہیں جو حکم سے تو یوں پھر جائے ؛؛ اسی طرح جب غضب اور قہر الٰہی کسی کام کے سرانجام کے جاری کرنے میں متوجہ ہوتا ہے تو بھی تمام مخلوقات کی روحانیات کو اس خدمت کے سرانجام سے چارہ نہیں سو غضب الٰہی کے کارخانے کو جو دوزخ ہے کئی فرشتوں کا ہونا اسکے سرانجام کے واسطے ضروری ہوا سو پہلا فرشتہ وہ ہے جو عرش مجید کی روحانیات سے علاقہ رکھتا ہے اور اس کا نام مالک ہے کہ تمام عمر اُس کو ہنسی نہیں آئی بلکہ اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار ہرگز کبھی معلوم نہیں ہوئے اور یہ فرشتہ دوزخ میں بادشاہوں کے قائم مقام ہے اور دوسرے سب فرشتے اِس کے محکوم اور تابعدار میں حکم کرنے کی خدمت اِس کو سپرد ہے اور دوسرا فرشتہ وہ ہے جو کرسی کی روحانیات سے علاقہ رکھتا ہے اور دوزخ کے طبقوں پر لوگوں کو تقسیم کرنا اور عذاب کا اندازہ ہر ایک کے واسطے مقرر کرنا اِس کا منصب ہے اور یہ مالک کے دیوان اور دفتردار کے قائم مقام ہے اور تیسرا فرشتہ وہ ہے کہ ساتویں آسمان کی روحانیات سے علاقہ رکھتا ہے جو زحل کا مکان ہے اور دوزخیوں کے بدنوں کو محفوظ رکھنا تاکہ دوزخ کے عذاب کے صدمے سے بالکل نیست نہ ہو جاویں اور ان بدنوں کو ہمیشگی کے وجود کا مستعد کرنا اور ہر ساعت اور ہر لمحہ نیا چمڑا درست کر دینا اور اُن کے جلے ہوئے بدنوں کو ہر وقت نیا کر دینا اِس کا کام ہے اور وہ مالک کے میر عمارت کے قائم مقام ہے اور چوتھا فرشتہ وہ ہے کہ چھٹے آسمان کی روحانیات

سے علاقہ رکھتا ہے جو مشتری کا مقام ہے اور دوزخیوں کے آپس میں جھگڑا ڈال دینا اور تابع اور متبوعوں کو آپس میں لڑا دینا اور ایک کا دوسرے پر لعنت کرانا یہ اس کا کام ہے چنانچہ قرآن شریف میں کئی جگہ یہ مضمون مذکور ہے اور وہ مالک کے قاضی کے قائم مقام ہے اور پانچواں فرشتہ وہ ہے کہ پانچویں آسمان کی روحانیات سے علاقہ رکھتا ہے جو مریخ کا مکان ہے اور دوزخیوں کو پکڑنا اور باندھنا اور کھینچنا اور مارنا اور زخمی کرنا اس کے ذمہ ہے اور وہ مالک کے کوتوال اور جلاد اور میر عذاب کے قائم مقام ہے اور چھٹا فرشتہ وہ ہے کہ چوتھے آسمان کی روحانیات سے علاقہ رکھتا ہے جو آفتاب کا مکان ہے اور دوزخیوں کے باطل اعتقاد اور برے کام کو ظاہر کرنا اور ندامت اور شرمندگی ان پر ڈالنا تاکہ عذاب روحانی میں گرفتار ہو دیں یہ سب اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے میر تعلیم اور اتالیق کے قائم مقام ہے اور ساتواں فرشتہ وہ ہے کہ تیسرے آسمان کی روحانیات سے علاقہ رکھتا ہے جو زہرہ کا مکان ہے اور دوزخیوں کو رونا اور پیٹنا اور چلانا اور واویلا کرانا اور زفیر اور شہیق یاد دلانا اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے رقاصوں کے قائم مقام ہے اور آٹھواں فرشتہ وہ ہے کہ دوسرے آسمان کی روحانیات سے علاقہ رکھتا ہے جو عطارد کا مکان ہے اور دوزخ والوں کے احوال ایک فرقہ کے دوسرے فرقہ کو پہنچانا اور عذاب کی کیفیت ایک دوسرے کو سنانا تاکہ خویش اور اقربا اور دوستوں کے دل اس احوال کے سننے سے رنج اور الم اور حسرت میں گرفتار ہو دیں یہ سب اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے جاسوس اور ہرکارے اور قاصدوں کے قائم مقام ہے اور نواں فرشتہ وہ ہے کہ پہلے آسمان کی روحانیات سے علاقہ رکھتا ہے جو ماہتاب کا سیر گاہ ہے اور دوزخیوں کے زخموں کو پکانا اور پیپ اور خون اور بدبو اس میں پیدا کرنا اور ان کو پھوڑ کے بہانا اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے جراحوں کے قائم مقام ہے اور دسواں فرشتہ وہ ہے جو آگ کے کرہ کی روحانیات سے علاقہ رکھتا ہے اور دوزخ میں آگ دہکانا اور چنگاریاں اس سے اڑانا اور دوزخیوں کے بدنوں کو پکانا اس سے متعلق ہے اس عالم کے باورچی کے قائم مقام ہے اور گیارھواں فرشتہ وہ ہے جو ہوا کے کرہ کی روحانیت سے علاقہ رکھتا ہے اور دھویں کا اٹھانا اور دوزخیوں کے مساموں میں پہنچانا اور گرم ہوا زہردار کو بہانا اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے فراش کے قائم مقام ہے اور بارھواں فرشتہ جو پانی کی روحانیت

سے علاقہ رکھتا ہے اور زمہریر کے طبقے کو آراستہ اور درست کرنا اور ٹھنڈک اور کپکپی دوزخیوں کے بدنوں میں پیدا کرنا اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کی بہشتی کے قائم مقام ہے اور تیرھواں فرشتہ وہ ہے جو خاک کی روحانیت سے علاقہ رکھتا ہے اور دوزخیوں کے بدنوں اور ہر عضو کو بڑا اور بھاری کرنا چنانچہ کافروں کے ہر ہر دانت پہاڑ کے برابر اور اسی طرح سے ہر ران انکی بڑے پہاڑ کے برابر ہو جائے گی تاکہ ہلنا ڈلنا ان پر دشوار ہو جاوے اور اپنے عضووں کو ملا نہ سکیں اور جو گالی اور برائی منہ سے بکا کرتے ہیں اُن کو گرم راکھ کا سفوف کر کے پھنکانا یہ سب اس کے ذمہ پر ہے اور وہ اس عالم کے پہلوانوں کے قائم مقام ہے اور چودھواں فرشتہ جو معدنوں کی روحانیت سے علاقہ رکھتا ہے اور طوق اور زنجیروں کا درست کرنا اور دوسرے لوہے کے اسباب تیار کرنا اور ان سب کو آگ میں ڈال کے تاؤ دینا اور سونے چاندی کی تختی بنانا اور اُن کو بھی تاؤ دے کر پیشانی اور پیٹھ اور پہلو دوزخیوں کے داغ دینا یہ سب اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے لوہاروں کے قائم مقام ہے اور پندرھواں فرشتہ جو جھاڑ اور درختوں کی روحانیت سے علاقہ رکھتا ہے اور سینڈھ اور دوسرے خار دار اور کڑوے زہر آلودہ درختوں کا اُگانا اور ان کو پرورش کرنا تاکہ دوزخیوں کے کھانے میں صرف ہو دیں یہ سب اس کا ذمہ ہے اور وہ اس عالم کے کسانوں اور کھیتی والوں کے قائم مقام ہے اور سولھواں فرشتہ جو حیوانوں کی روحانیت سے علاقہ رکھتا ہے اور سانپ اور بچھو اور کلنی اور مکھی اور مچھروں کو دوزخیوں پر مسلط کرنا اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے میر شکار کے قائم مقام ہے اور سترھواں فرشتہ کہ لطیفہ طبع کی روحانیت سے علاقہ رکھتا ہے اور اس کا مقام جگر ہے اور بھوک اور پیاس کی دوزخیوں پر شدت کرنا تاکہ اس بلا میں گرفتار ہو کے الجوع الجوع اور العطش العطش پکاریں اور سینڈھ کھلانا اور گرم کھولتا پانی پلانا اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے طبیب کے قائم مقام ہے اور اٹھارھواں فرشتہ دل کے لطیفہ کی روحانیت سے علاقہ رکھتا ہے اور اس کا محل مضغہ صنوبری ہے اور دل کو رنج دینے والی کیفیتیں جیسے خوف کی زیادتی اور بہت گھبراہٹ اور شرمندگی دوزخیوں پر ڈالنا اس کا کام ہے وہ اس عالم کے مرشد اور مشائخ کے قائم مقام ہے اور انیسواں فرشتہ عقل کے لطیفہ کی روحانیت سے علاقہ رکھتا ہے اور اس کا محل دماغ ہے اور اپنی اپنی خطاؤں اور چوکوں پر جو علم اور عمل میں کی تھیں مطلع اور خبردار ہونا

اور امورات حقیۂ واقعیۂ کو دریافت کرنا اور ان دلیلوں کی قوت کو بوجھنا اور اپنے شبہوں کے فساد کو دریافت کرنا اور بزرگی اُس چیز کی جس کو حقیر جانتا ہے اور حقارت اس چیز کی جس کو بزرگ جانتا تھا بوجھنا یہ سب چیزیں اسی کی تعلیم سے دوزخیوں کو حاصل ہوں گی اور وہ اس عالم کے حکیم اور فلسفی کے قائم مقام ہے چونکہ ظاہری اور باطنی عذاب اور قہر الٰہی کا کارخانہ بدون جمع ہونے ان روحانیات کے سرانجام نہیں پاسکتا ہے اس سبب سے ان سب کا جمع ہونا ضرور ہوا لیکن یہ انیسوں شخص اس عالم کے رئیسوں کے قائم مقام ہیں چنانچہ دنیا میں بھی یہی انیسوں شخص رحمت الٰہی کے کارخانے کو سرانجام دیتے ہیں سو دوزخ میں ان کے خادم اور فرمانروا اس قدر ہیں کہ کوئی اُن کی گنتی اور شمار کر نہیں سکتا جس طرح دنیا میں ان انیسوں روحانیات کے لشکر کا شمار محال ہے چنانچہ حقتعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ یعنے اللہ تعالیٰ کے لشکر کی کوئی گنتی نہیں جانتا ہے سوائے اسی ذات پاک کے اور بعضے محققین نے یوں بیان کیا ہے کہ دوزخ تو مجمع ہے نحوستوں اور برائیوں کا سو اسی میں ہر چیز کی نحوست کا ظہور چاہیے اور عالم میں نحوست کے اسباب انیس ۱۹ چیزوں میں منحصر ہیں سات ستارے اور بارہ ۱۲ برج سو ان انیسوں چیزوں کی نحوست پہنچانے کے واسطے انیسوں فرشتے مقرر ہوں گے جس طرح بہشت کے مؤکل فرشتے نکوئیاں اور برکتیں ان اُنیسوں چیزوں کی بہشتیوں کے واسطے بہشت میں پہنچائیں گے لیکن جو بہشتیوں کی سعادت کے اسباب ان ہی انیس ۱۹ چیزوں میں منحصر نہ ہوں گے بلکہ ان کے واسطے ان نکوئیوں اور سعادت کے سوائے حق تعالیٰ کی رحمت مخفیہ کے خزانوں سے بہت سی سعادتیں ظہور کریں گی اس سبب سے بہشت کے مؤکلوں کے عدد ان ہی انیسوں میں منحصر نہ ہوئے اور حکما نے یوں کہا ہے کہ نفس انسانی کے فساد کی جزا دوزخ ہے اور نفس انسانی کا فساد دو قوتوں میں لاحق ہوتا ہے ایک قوت نظریہ اور دوسری قوت عملیہ اور اس فساد کے سبب سے نفس انسانی قوائے حیوانیہ اور طبعیہ کو اپنے اپنے محل میں استعمال نہیں کرتا ہے بلکہ وہ قوای جن کے واسطے مخلوق ہوئے ہیں ان کے ضد میں صرف کرتا ہے اس سبب سے جتنی قوتیں اس نے ضائع کی ہیں اس ہر قوت کے مقابل میں ایک ایک

فرشتہ پیدا ہوگا تاکہ اس قوت کے ضائع کرنے پر اس کو اُس عذاب میں گرفتار کرے اور قوائے حیوانیہ بارہ[۱۲] ہیں پانچ ظاہری حواس اور پانچ باطنی حواس اور ایک قوت شہویہ اور ایک قوت غضبیہ اور قوائے طبعیہ سات ہیں جاذبہ[۱] اور ماسکہ[۲] اور ہاضمہ[۳] اور دافعہ[۴] اور غاذیہ[۵] اور نامیہ[۶] اور مولدہ[۷] تو یہ سب انیس[۱۹] ہوئیں اور فن حساب کے ماہروں نے یوں کہا ہے کہ عدد کی دو[۲] قسمیں ہیں ایک قلیل اور اس کا اطلاق ایک سے نو[۹] تک ہوتا ہے اور دوسرا کثیر اور اسکا اطلاق دس سے بے انتہا تک سو ان فرشتوں کے شمار میں عدد قلیل کی انتہا کو یعنے نو[۹] کو اور عدد کثیر کی ابتدا کو یعنے دس[۱۰] کو ان دونوں کو جمع کیا ہے اور علمائے کلام نے یوں کہا ہے کہ دوزخ کے دروازے سات ہیں ان میں سے ایک دروازہ ایماندار گنہگار اور فاسقوں کے واسطے ہے اور اس دروازے پر ایک فرشتہ مؤکل ہے اسواسطے کہ فاسقوں کی ایک ہی سبب سے تعذیب ہے یعنی عمل کے ترک کرنے سے فقط اور باقی ہر چھ[۶] دروازوں پر تین[۳] تین[۳] فرشتے مقرر ہیں اس واسطے کہ کافروں پر تین[۳] سبب سے عذاب ہوگا ایک اعتقاد کے ترک کرنے پر اور دوسرا اقرار کے ترک کرنے پر اور تیسرا عمل کے ترک کرنے پر اور چھ[۶] کو تین میں ضرب کرو تو اٹھارہ[۱۸] ہوتے ہیں اور ایک مل کے انیس ہوئے اور دوا غطوں نے یوں بیان کیا ہے کہ دن کی بارہ[۱۲] ساعتیں اور رات کی بارہ[۱۲] ساعتیں سب مل کے چوبیس[۲۴] ہوئیں ان میں سے پانچ ساعتیں پانچوں نماز کی کرامت کے سبب سے معاف ہوگئیں رہیں انیس[۱۹] جن کو مرضی الٰہی کی مخالفت میں صرف اور ضائع کیا ہے سو ان ہر ایک کے عوض میں ایک ایک فرشتہ مقرر ہوگا تاکہ ان پر عذاب کرے اور یہ کلام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اور معتبر تفسیروں میں منقول ہے اور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے یوں کہا ہے کہ اس عدد کی تعیین کا بھید عقل دریافت نہیں کر سکتی ہے جس طرح تمام شرعی توقیفی عدد ہیں کہ ان کا بھید بھی سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہے جس طرح آسمانوں کے عدد اور زمین کے طبقوں کے عدد اور ستاروں کے عدد اور ہفتے کے سات دن اور دوسو درم میں نصاب زکوٰۃ کا ہونا اور کفاروں کی تعیین اور نماز کی رکعتیں بلکہ نماز کا پانچ وقتوں پر ہونا یہ سب اسی قسم سے ہیں واللہ اعلم بالصواب اور معتبر تفسیروں میں مروی ہے کہ

یہ آیت جب نازل ہوئی تو ابوجہل ملعون نے تمام قریش کے سرداروں کو دار الندوہ میں جمع کیا اور کہا کہ کچھ تم نے سنا فقط انیس[۱۹] پیادوں کے بھروسے پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو قیامت سے خوف دلایا کرتا ہے اور تم لوگ تو اس قدر جماعت کثیر ہو اور اپنی شجاعت اور بہادری کے برابر کسی کو بھی سمجھتے نہیں ہو سو کیا تم لوگوں سے اس قدر بھی نہ ہو سکے گا کہ دس دس آدمی ایک ایک پیادے سے چمٹ جاویں اور اس کو مغلوب اور عاجز کر دیں ایک پہلوان ان میں بڑا نامی مشہور تھا اس کو ابو الاسدین کہا کرتے تھے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ سترہ[۱۷] شخصوں کو تنہا میں کفایت کروں گا باقی رہے دو[۲] سو ان دونوں کا تمہارا ذمہ ہے سو حق تعالیٰ جل شانہ نے ان کی اس مسخری کے جواب میں اس آیت کو نازل فرمایا ہے کہ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ اور نہیں کیا ہے ہم نے دوزخ والوں کو یعنی جن کے حوالے میں دوزخ ہے اور لوگوں کو دوزخ میں ڈالنا اور نکالنا ان ہی کا ذمہ ہے اور صاحب جس طرح ہمنشین کو کہتے ہیں اسی طرح مالک اور متصرف کو بھی کہتے ہیں چنانچہ مشہور ہے کہ صاحب گھر کا اور صاحب مجلس کا فلانا شخص ہے اور اس جگہ پر صاحب ان ہی معنوں میں مستعمل ہے إِلَّا مَلَائِكَةً مگر فرشتوں کو اور فرشتوں کا زور اور قوت تم کو خوب معلوم ہے اسواسطے کہ ان ہی میں سے ایک فرشتہ وہ ہے جس کا نام عزرائیل ہے یعنے ملک الموت کہ ہزاروں کی جانیں ایک لمحے میں قبض کر لیتا ہے اور اس کے مقابلے کی طاقت بڑے بڑے لشکر بلکہ تمام جہان والے نہیں رکھتے ہیں اور دوزخ پر فرشتوں کو مقرر کرنے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ہمجنس ہونے کے سبب سے آدمیوں اور جنوں پر مہربانی نہ کریں اور ان کے دل رقت اور نرمی نہ کریں جس طرح دنیا کے بادشاہوں کو جب کسی شہر والوں کو یا کسی فرقے کو انتقام اور سزا دینا منظور ہوتا ہے تو اسی شہر اور اسی فرقے کے غیر جنس کے حاکم ان پر مسلط کرتے ہیں تاکہ جنسیت اور مناسبت کی طرف میلان کر کے انتقام میں سستی نہ کریں اور یہ بھی ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے معصوم پیدا کیا ہے گناہ ان سے ہو نہیں سکتا ہے سو ان کو جن اور انس کے گنہگاروں کی سزا دینے کے واسطے مقرر کیا ہے اسواسطے کہ ان سے حکم میں خلاف نہ ہوگا اور اگر جنات یا انسان میں سے جو گنہگار ہیں ان کو دوزخیوں کی تعذیب کے واسطے مقرر

فرماتے تو ان گنہگاروں کی سزا ان گنہگاروں کو نہ پہنچتی اور اگر ان کو بھی دوزخ میں معذب رکھتے تو ان کی تعذیب کے واسطے دوسرے لوگ مقرر ہوتے پھر یہ سلسلہ بڑھتا تو تسلسل لازم آتا اور اگر دوزخیوں کی تعذیب کے واسطے نیکوں کو مقرر کرتے تو باوجود اُن کی بے گناہی اور خطاؤں کے عفو ہو جانے کے اُن کی تعذیب لازم آتی اس واسطے کہ آدمی اور جن کا جسم آگ کی نزدیکی کا ہمیشگی کے طور پر متحمل نہیں ہو سکتا ہے اور سوائے اِس کے اپنے ہم جنسوں اور اپنے قریبوں اور دوستوں کا عذاب دیکھ کے جسمانی عذاب سے زیادہ تر روحانی عذاب میں گرفتار ہوتے بلکہ ان لوگوں سے ہرگز نہ ہو سکتا کہ اپنے خویش واقربا بھائی بندوں کو اس طرح کی سختی اور تکلیف میں گرفتار کریں بلکہ یہ تکلیف مالا یطاق ان پر لازم آتی بخلاف فرشتوں کے کہ یہ چیزیں ان میں پائی ہی نہیں جاتیں اور اگر کسی کی خاطر میں یہ شبہ گزرے کہ دوزخ کے امورات کی کارپردازی اور سرانجام جب فرشتوں کو سپرد ہوا اور اس کام پر فرشتے مقرر ہوئے اور فرشتوں کی قوت معلوم ہو چکی کہ ایک فرشتہ تمام جہان کے ہلاک کر دینے کے واسطے کافی ہے پھر انیس ۱۹ فرشتوں کو مقرر کرنے کی کیا حاجت تھی تو اس کا جواب ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اور نہیں مقرر کی ہم نے گنتی ان فرشتوں کی کہ انیس ۱۹ ہیں اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مگر واسطے جانچنے اور عذاب کرنے کے کافروں پر جو کفر کی حالت میں مرے ہیں تاکہ ہر قسم کے عذاب میں گرفتار ہو دیں اور اگر ایک یا دو یا تین شخصوں کو دوزخ پر مقرر کرتے ہم تو وہ ایک قسم یا دو قسم یا تین قسم کا عذاب کر سکتے سو انیس کا مقرر کرنا اس واسطے ہے کہ انیس ۱۹ قسم کے عذاب کو سرانجام دیویں اور عذاب کی قسمیں بھی ان ہی انیس میں منحصر ہیں چنانچہ انحصار کی وجہ اوپر گذر چکی ہے تو گویا جتنی عذاب کی قسمیں ہیں سب دوزخیوں کے حق میں ثابت ہو چکیں اور فرشتے کی قوت عملوں کی کثرت میں از روئے کمیت کے اور عملوں کی شدت میں از روئے کیفیت کے اگرچہ وفا کر سکتی ہے یعنی ہزاروں مشکل کام کر سکتا ہے اور ایک فرشتہ جو کام لاکھوں آدمیوں سے نہ ہو سکے کر سکتا ہے لیکن ایک فرشتہ تمام اعمال مختلفہ کی قسموں کو سرانجام نہیں دے سکتا ہے بلکہ ایک فرشتہ دو قسم یا تین قسم کا کام بھی سرانجام نہیں کر سکتا ہے چنانچہ ملک الموت علیہ السّلام ماں کے پیٹ کے اندر کے بچے میں جان نہیں ڈال سکتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السّلام پانی نہیں برسا سکتے ہیں اور حضرت میکائیل

علیہ السلام وحی نہیں لا سکتے ہیں جس طرح سے کان دیکھ نہیں سکتا ہے اور آنکھ سن نہیں سکتی ہے اگرچہ اپنے قسم کے کام کتنے ہی سخت ہوں کر سکتے ہیں جیسے کان سے ہو سکتا ہے کہ ہزاروں آوازیں سن لے اور ماندگی اُسے حاصل نہ ہو اور آنکھ سے ہو سکتا ہے کہ ہزاروں رنگ کو دیکھ لے اور عاجز نہ ہو سو اسی طرح اگر ایک فرشتہ عذاب کے واسطے دوزخیوں پر مقرر ہوتا تو اس سے ایک قسم کا عذاب سب دوزخیوں کے واسطے ہو سکتا تھا لیکن دوسری قسم کا عذاب جو اس سے متعلق نہیں ہے وہ اُس سے نہ ہو سکتا اور اس طرح سے ہر ہر قسم کے عذاب میں کافروں کو مبتلا کرنا اور ہر ہر قسم کے عذاب کے واسطے علیحدہ فرشتہ مقرر کرنا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ اس واسطے ہے کہ تا کہ خوب یقین حاصل کریں وہ لوگ جو دیئے گئے ہیں کتاب اسواسطے کہ اہل کتاب کو معاملات الٰہیہ کے بھیدوں کی بوجھ اور فرشتوں کے افعال اور احوال پر اطلاع اور ان کی قوتوں کی دریافت کہ کس کس چیز میں ان کو کمال حاصل ہے اور کس چیز میں نہیں ہے اور کامل علی الاطلاق اور قوی اور متین حقیقی سوائے ذات پاک باری تعالیٰ عز اسمہٗ کے کوئی نہیں ہے ان سب چیزوں کی خبر اُن کو بخوبی حاصل ہے اور یہ بھی ہے کہ اگر اپنی کتابوں میں اس گنتی کو سُنا ہے لیکن اس عدد پر منحصر ہونے کی وجہ کو نہیں بُوجھے ہیں تو اس نکتے سے بوجھ لیں کہ ان عددوں سے عذاب کی سب قسموں کو گھیرنا منظور ہے اور اس بات کے دریافت کرنے سے ان کی خاطر کو تسلی ہو اور عقیدے پر پورا اطمینان ان کو حاصل ہووے اور اس پیغمبرؐ کا اور اس کلام الٰہی کا جو تازہ اترا ہے احسان مانیں اور دل اور جان سے اس کو قبول کریں پس لام تعلیل کا جو لیستیقن اور اس کے معطوفات میں پایا جاتا ہے وہ اس کلام سے متعلق ہے جو مانافیہ اور پہلی استثناء سے ذہن میں حاصل ہوا ہے یعنے وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ یعنی سوائے اس کے نہیں کہ ہم نے کر دی گنتی ان فرشتوں کی جانچ کافروں کے واسطے تا کہ یقین کریں جو لوگ کتاب دیے گئے ہیں وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا اور تا کہ زیادہ ہوں وہ لوگ جو پہلے سے تم پر ایمان لائے ہیں اپنے ایمانوں میں اور یہ خوب معلوم کریں کہ کفر بہت بڑی چیز ہے ہر قسم کے عذاب میں گرفتاری کا سبب پڑتا ہے اور ایمان

میں کمال پیدا کریں اور کفر سے بہت دور ہیں وَلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اور نہ شک کریں جو لوگ دیے گئے ہیں کتاب اور ایمان دار انیس عدد کی تعیین میں اور یہ بات زبان پر نہ لاویں کہ اگر ایک فرشتہ سب دوزخیوں پر عذاب کر سکتا تھا تو ایک ہی کافی تھا اور اگر ایک سب کے واسطے کافی نہ تھا تو کروڑوں دوزخیوں کے مقابلے میں انیس[۱۹] سے کیا ہو سکتا ہے اس واسطے کہ اس بیان سے ان کو معلوم ہو جائیگا کہ انیس[۱۹] کا مقرر کرنا ہر قسم کے عذاب کو گھیر لینے کے واسطے ہے نہ عذاب کیے گیوں کے مقابلے کے واسطے وَلِيَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور تاکہ کہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں جہل کا روگ بھرا ہوا ہے اور اس جہل کے سبب سے اُن کا ایمان بھی ضعیف اور لودا ہو گیا ہے وَّالْکٰفِرُوْنَ اور کافر بھی کہیں جن کے دلوں میں ایمان کی بو بھی نہیں ہے اور جہل مرکب ان میں مضبوط ہو گئی ہے کہ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا کیا ارادہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس گنتی سے جو کافروں کے عذاب کرنے کے واسطے مقرر کی ہے مثلت مثلاً اس واسطے کہ اگر دوزخیوں کا مقابلہ اور ان کو مغلوب کرنا ارادہ کیا ہے تو انیس[۱۹] سے بھی کچھ نہیں ہو سکتا ہے اور اگر تعذیب کے اسباب کو سرانجام کرنا اور لکڑیاں اور کنڈے آگ میں جلانے کے واسطے جمع کرانے کا ارادہ کیا ہے تو یہ بھی کام اتنے تھوڑے گنتی کے شخصوں سے نہ ہو سکے گا اور اگر یوں ارادہ فرمایا ہے کہ میں اپنی قدرت کاملہ سے ان فرشتوں کے ہاتھوں سے عذاب کروں گا تو فرشتوں کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے اور اگر اسباب ظاہری کی رعایت سے ان کو مقرر فرمایا ہے تو ایک یا دو بھی کافی تھے اس قدر ضرور نہ تھے اور اگر بالفرض عدد ہی معین کرنا منظور تھا تو دوسرے عدد جو مشہور اور معتبر ہیں جیسے دس[۱۰] یا بیس[۲۰] کہ یہ عدد کے عقود ہیں یا پندرہ[۱۵] یا سترہ[۱۷] یا بارہ[۱۲] مقرر فرمانا تھا یہ عدد یعنی انیس[۱۹] جن کا کسی جگہ اور کسی فرقے کے نزدیک اعتبار نہیں ہے کس واسطے مقرر فرمائے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ مثلاً کی لفظ تمیز واقع ہوئی ہو نسبت ایقاعیہ سے جو اَرَادَ کی طرف مَاذَا کی ہے یعنی کونسی تمثیل ارادہ فرمائی ہے اس عدد سے گویا یوں کہتے ہیں کہ ظاہر اس عدد کا تو بالیقین مراد نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اس عدد کا ذکر کسی دوسری چیز کی تمثیل کے واسطے ہے لیکن وہ چیز کیا ہے اس کو بیان کرنا

چاہیے تاکہ ہماری خاطر جمعی ہو جاوے لیکن پہلی توجیہ میں یعنی مثلاً کو جہاں فعل محذوف کا مفعول گردانا ہے یعنے مثلیت کا سو وہاں ایک اشارہ بہت ہی لطیف اور پاکیزہ حاصل ہوتا ہے یعنے تمام حق تعالےٰ کے معاملات میں اور اللہ تعالیٰ کے وقائع عجیبہ میں یہ لوگ یعنے ضعیف الایمان اور کافر اسی قسم کے شکوک اور شبہے پیدا کرتے رہتے ہیں اور بحث اور اعتراض کیا کرتے ہیں اور اس واقعے میں دو فرقوں کو یعنی مومنین اور اہل کتاب کو ہدایت پر ہدایت زیادہ ہوئی اور دو فرقوں کو یعنی ضعیف الایمان اور کافروں کو گمراہی پر گمراہی زیادہ ہوئی سو حق تعالیٰ لوگوں کو عبرت اور نصیحت کے طور پر فرماتا ہے کہ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ اسی طرح ایک واقعہ میں گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسی طور سے کہ اس واقعہ کے بھید سے اس کی نظر کو بند کر دیتا ہے اور اس کے ظاہر ہی پر اس شخص کے فہم کو قاصر رکھتا ہے آخر کو شک یا تردد میں پڑ جاتا ہے یا اس کا انکار کر بیٹھتا ہے اور اس کے ساتھ مسخری کرنے لگتا ہے اور ضلالت اور گمراہی کے بھنور میں پڑ کے ہلاک ہوتا ہے وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اور راہ دکھلاتا ہے اور مطلب کو پہنچاتا ہے جس کو چاہتا ہے اس طور سے کہ اس کی نظر کو اس واقعہ کے بھید کو پہنچاتا ہے اور اس کی حقیقت کو دریافت کر لیتا ہے اس سبب سے اس کا اطمینان اور چین روز بروز بڑھتا جاتا ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ اور نہیں جانتا ہے تیرے پروردگار کے لشکر کو کوئی مگر وہی چنانچہ اس کے لشکروں سے بعضے وہ ہیں کہ تن تنہا لاکھوں کروروں کو کافی ہیں جیسے ملک الموت اور جیسے آفتاب اور ماہتاب دنیا میں روشنی کے واسطے اور بعضے وہ ہیں کہ دو دو مل کے کام کرتے ہیں جیسے کراماً کاتبین اور دو آنکھیں اور دو کان اور بعضے وہ ہیں کہ تین تین مل کے کام کرتے ہیں جیسے موالید ثلثہ یعنے نباتات اور جمادات اور حیوانات اور بعضے وہ ہیں کہ چار چار مل کے کام کرتے ہیں جیسے عناصر اربعہ اور بعضے پانچ پانچ جیسے حواس خمسہ اور خمسہ متحیرہ یعنے آفتاب اور ماہتاب کے سوائے پانچوں ستارے یعنی زحل اور مشتری اور مریخ اور زہرہ اور عطارد اور بعضے چھ چھ جیسے چھ طرفیں اور بعضے سات سات جیسے ساتوں آسمان اور ساتوں ستارے اور بعضے آٹھ آٹھ جیسے آٹھ مزاج اور آٹھ بہشتیں اور

علیٰ ہذا القیاس سو ایماندار کو مجمل اتنا اعتقاد کرنا ضرور ہے کہ دوزخ کا کارخانہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں بدون جمع ہونے انیس۱۹ کے تمام نہیں ہوتا ہے اس سبب سے اس عدد کو حق تعالےٰ نے دوزخ کے کارپردازوں کے واسطے مقرر فرمایا ہے اور حق تعالیٰ کی حکمتوں کی تفصیل جو ہر قول اور ہر امر میں مرعی اور مقصود ہے بیان کرنے کے لائق نہیں ہے اسواسطے کہ اکثر عوام کی فہم سے باہر ہے اور جو جو غرض کہ قرآن میں دوزخ کے ذکر سے اور پیغمبر کے بیان سے منظور ہے وہ اس حکمت کے بیان پر موقوف بھی نہیں ہے وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ اور نہیں ہے وہ دوزخ مگر عبرت اور پند آدمیوں کے واسطے ہے تاکہ اس کا احوال سن کے غضب اور قہر الٰہی سے ڈریں اور اس کی نافرمانی نہ کریں اور اگر کافر لوگ کہیں کہ اس عدد مقررہ کی حکمت اگرچہ ہماری فہم میں نہیں آسکتی ہے لیکن اس عدد کا خلاف حکمت ہونا ظاہر ہے اسواسطے کہ یہ عدد بہت قلیل ہیں اور یہ عدد قلیل عبرت اور خوف کے سبب نہیں ہوسکتے ہیں تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ كَلَّا اس عدد کو ہرگز حقیر مت جانو وَالْقَمَرِ قسم کھاتا ہوں میں ماہتاب کی جس کا نور تمام مہینے میں انیس۱۹ رات خوب معلوم ہوتا ہے اور اسواسطے کہ آفتاب سے مجتمع ہونے کے وقت میں اس کا نور ہرگز معلوم نہیں ہوتا ہے اور اس اجتماع کے پہلے بھی چار دن ضعیف النور رہتا ہے چنانچہ دوسرے ستاروں میں اور اس میں چنداں امتیاز نہیں رہتا ہے اور اس اجتماع کے بعد بھی ہلالیت کے دنوں میں کچھ اوپر تین دن اسی طرح کا رہتا ہے باقی رہیں انیس۱۹ راتیں کہ اتنی راتوں میں چاند کی روشنی کی کفایت تاثیر کرتی ہے اور تمام جہان کو اپنے نور سے بھر دیتی ہے چنانچہ ہزاروں میوے اس کی تاثیر سے بڑھتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں دانے کھیتوں میں مغز سے پر ہو جاتے ہیں اور دریاؤں میں اور اُگنے والی چیزوں میں اور حیوانوں کے جسموں میں اور ان کے خلطوں اور دماغوں اور گوشتوں اور چربیوں میں رطوبتوں کی زیادتی اسی کے سبب سے حاصل ہوتی ہے سو اب یہاں انیس۱۹ عدد کی تاثیر کو دیکھو کہ کس قدر عظمت اور بزرگی رکھتی ہے جس نے تمام جہان کو آباد کر دیا اور اور ایسے بڑے کارخانے کو سرانجام دے دیا وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ اور قسم کھاتا ہوں میں رات کی جب کہ پیٹھ دے کے بھاگتی ہے آفتاب کی روشنی قاہرہ کے سبب سے اگرچہ آفتاب

اُس وقت افق کے نیچے ہوتا ہے اور مخروط ظلی زمین میں اور قرص آفتاب میں انیس ۱۹ درجے کا فاصلہ ہوتا ہے سو آفتاب کے نور سے اس انیس ۱۹ درجے کے ضمن میں اس قدر تاثیر قوی کی کہ زمین کے ظلی مخروط کو جو آدھے جہان پر غالب ہو کے متصرف ہوا تھا اپنے ایک ایک پاؤں سے شکست دی اور بھگا دیا اور تمام جہان کو تاریکی سے خلاصی دے کر روشن کر دیا اور بڑے عمدہ کارخانے نے سرانجام پایا اور گویا موت کے بعد زندگی کی صورت نمودار ہوئی وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۙ اور قسم کھاتا ہوں میں صبح کی جس وقت کہ روشن ہوتی ہے اور اپنے نور سے تمام جہان کو منور کر دیتی ہے اور قوت باصرہ کو بیکار ہو جانے کے بعد پھر کام میں لگاتی ہے اور یہ بھی آفتاب کے نور کی تاثیر کے سبب سے ہے اگرچہ اب تک انیس ۱۹ درجے اُفق کے نیچے واقع ہے سو ان عمدہ تین کارخانوں کے ساتھ جو انیس ۱۹ عدد کی تاثیر سے زمانے اور مکان میں سرانجام کی صورت قبول کرتے ہیں ہم دلیل پکڑتے ہیں اس پر کہ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۙ بیشک وہ دوزخ بھی ایک عمدہ کارخانہ ہے خدا کی عمدہ کارخانوں سے کہ حق تعالیٰ کی عدالت اور انتقام کا ظہور اسی کارخانے میں ہے سو یہ کارخانہ بھی اگر انیس ۱۹ فرشتوں سے سرانجام پاوے تو کچھ عجب نہیں ہے اسواسطے کہ اس کی قدرت کے بہت عمدہ کارخانے اسی عدد سے سرانجام پاتے ہیں نہایت امر یہ ہے کہ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۙ ڈرانیوالی ہے آدمیوں کے واسطے یعنی آدمی اس کے اوصاف جو سنتے ہیں تو وہ سننا ان کے خوف کا سبب پڑتا ہے بخلاف دوسرے کارخانوں کے جیسے ماہتاب کے نور کی تاثیر اور رات کا جانا اور صبح کا آنا ان میں سے کوئی چیز ان کے خوف کا سبب نہیں پڑتی ہے سو اس کارخانے کے خوف کے سبب سے اُس کے حال میں تامل نہیں کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کو دریافت نہیں کرتے ہیں بلکہ انکار کر بیٹھتے ہیں اور دوسرے کارخانوں میں جو تھوڑے نفع کی امید ہے تو اس طرف رغبت سے تامل اور غور کرتے ہیں اور اس کے اسباب کو بھی خوب بوجھتے ہیں بلکہ حکمت اور ہیئت کی کتابوں میں لکھ چھوڑتے ہیں اس سبب سے ان کارخانوں میں تعجب اور انکار نہیں کرتے ہیں اور ان کارخانوں میں اگر کچھ خوف اور ڈر بھی ہوتا ہے تو خاص بعضے آدمیوں کو ہوتا ہے جس طرح چور کہ چاند کی روشنی اور رات کے جانے اور صبح کے آنے سے خوف کرتے ہیں اور چوروں کے

سوائے کوئی خوف نہیں کرتا ہے بخلاف دوزخ کے خوف کے اس واسطے کہ وہ عام ہے لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ ہر شخص کے واسطے تم میں سے سو جو چاہے آگے بڑھے بہتری میں یا بُرائی میں اَوْ يَتَاَخَّرَ یا چاہے پیچھے ہٹے اچھائی میں اسواسطے کہ بُرے کام میں آگے بڑھنے سے دوزخ کا خوف لاحق ہوتا ہے اور اچھے کام میں تاخیر کرنے سے بھی دوزخ کا خوف ہوتا ہے اور ہر کارِ خیر میں آگے بڑھنے والا اور بُرے کام سے پیچھے ہٹنے والا بہت کمیاب اور نادر الوجود ہوتا ہے والنادر کالمعدوم مثل مشہور ہے اور اکثر بنی آدم کا حال یہ ہے کہ اگر ایک بُرے کام کو چھوڑتے ہیں تو دوسرے کو پکڑتے ہیں اور اسی طرح اگر ایک نیک کام میں پیش قدمی کرتے ہیں تو دوسرے نیک کام سے تاخیر ہوتی ہے اسی سبب سے دوزخ کا خوف سب کو لاحق ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ دوزخ کی دھر پکڑ قیامت کے دن عام ہوگی اسواسطے کہ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ہر جان بدلے میں اُس کے جو کمایا ہے بُرائی کے ارادہ کے ساتھ اس کے کرنے سے اور نیکی نہ کرنے سے رَهِيْنَةٌ گرو ہوگی دوزخ میں اور دوزخ کے مؤکلوں کے ہاتھوں میں اور جو حاصل کرنے کے آلات اور اسباب ہر نفس میں انیس ۱۹ چیزیں ہیں دو ہاتھ اور دو پاؤں اور زبان اور دل اور پیشاب اور پائخانے کا مقام اور پیٹ اور پیٹھ اور حواس خمسہ یعنی باصرہ سامعہ لامسہ ذائقہ شامہ اور فکر اور عقل اور شہوت اور غضب اسی سبب سے دوزخ میں انیس ۱۹ فرشتے اُس پر عذاب کریں گے اور ایذا پہنچاویں گے اور کوئی شخص ان چیزوں کے استعمال میں بے قصور نہیں بچا ہے ہر شخص تقصیروار ہے یا ان چیزوں کے غیر محل میں صرف کرنے سے یا اُس کے محل میں صرف نہ کرنے سے یہی سبب ہے کہ دوزخ کے مؤکلوں سے کسی شخص کو خلاصی بھی متصور نہیں ہے اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ مگر داہنی طرف والے جو میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے داہنی طرف سے نکلے تھے اور دُنیا میں بھی سیدھی چال چلے تھے اور موقف میں بھی عرش کے داہنی طرف جدھر بہشت ہے کھڑے ہوئے تھے اور اسی طرف روانہ بھی ہوئے اور اُن کے نامۂ اعمال بھی داہنے ہاتھ میں آئے تھے سو اُن لوگوں نے تو البتہ اپنے حقوق واجبات کو ادا کر کے اِس گروہ سے خلاصی حاصل کی اور

آپ بری الذمہ ہوئے اور دوزخ کے مؤکلوں کے ہاتھ سے نجات پاکے داخل ہوئے فِیْ جَنّٰتٍ ط باغوں میں اس سبب سے کہ ان کی روحانیت غالب آئی اور ان کو دوزخ کے مؤکلوں کے ہاتھ سے چھڑالائی اور یہ لوگ ان باغوں میں اسقدر بے خوف اور فارغ البال اور چین میں ہوں گے کہ آپس میں یَتَسَآءَلُوْنَ o عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ o پوچھیں گے گنہگاروں کے حال سے کہ وہ لوگ کہاں گئے اور کیا ہوئے جو نظر نہیں آتے ہیں گویا ان کو کچھ بھی ان کے حال کی خبر نہیں ہے کہ وہ لوگ کس بلا اور مصیبت میں گرفتار ہیں اور جب سنیں گے کہ گنہگاروں کو دوزخ میں داخل کیا اور آگ میں جھونکا تب ان گنہگاروں کی طرف متوجہ ہوکے توبیخ یا تعجب سے خطاب کریں گے اور پوچھیں گے کہ مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ o کونسی چیز لائی تم کو دوزخ میں باوجود عقل اور کمال دانائی کے تم سے اتنا نہ ہوسکا کہ دوزخ کی طرف کھینچنے والی چیزوں کو اپنے سے دور کرو یعنی قوائے حیوانیہ اور طبعیہ کی خواہشوں کو اپنی قوت روحانیہ کے زور سے اپنے سے دفع کردیتا کہ تم کو دوزخ کے مؤکل فرشتے کہ وہ بھی مثل ان قوتوں کے ہیں کھینچ کر دوزخ میں نہ لے جاتے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد اس آیت میں ایمانداروں کے بچے ہیں جو دنیا سے بے گناہ گئے ہیں اور دوزخ کے مؤکلوں کے گروہ اور قید میں نہ پڑیں گے اور بعضے مفسرین نے اس قول کی تائید میں یوں کہا ہے کہ یہ ان کا سوال کرنا یعنے مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ خود ان کے بچے پن پر دلالت کرتا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے کے سبب کو اب تک نہیں پہچانتے ہیں اور یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ بچے جب کافروں کا جواب سنیں گے کہ ہم اس سبب سے دوزخ میں پڑے کہ نماز نہیں پڑھتے تھے اور فقیروں اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور بروں کی صحبت میں بیٹھتے تھے اور لا یعنی بے ہودہ شغل میں اپنا دن گذارتے تھے اور قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے تب وہ بچے کہیں گے کہ ہم بھی یہی کام کرتے تھے لیکن قیامت کا انکار ہم نہیں کرتے تھے سو معلوم ہوا کہ قیامت کے دن کے انکار سے تم اس بلا میں گرفتار ہوئے حاصل کلام کا یہ ہے کہ اگر اصحاب الیمین سے مراد نیک بخت ہیں چنانچہ قرآن مجید

کا عرف بھی یہی چاہتا ہے تو یہ سوال یا تعجب کی راہ سے ہوگا یا توبیخ کی راہ سے اور اس سوال کے جواب میں گنہگار دوزخ سے یوں قَالُوْا کہیں گے کہ ہم سے علمی اور عملی قوای کو عالم علوی کی طرف جذب کرنا اور کھینچنا نہ ہو سکا اسواسطے کہ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ نہ تھے ہم نماز پڑھنے والوں سے اگرچہ نماز کی فرض رکعتیں دن اور رات میں کل انیس[۱۹] تھیں دو[۲] فجر کی اور چار[۴] ظہر کی اور چار عصر کی اور تین[۳] مغرب کی اور چار[۴] عشا کی ہیں سترہ رکعتیں فرض اصلی ہیں اور دو[۲] رکعتیں رات کی نماز سے جس میں طاق کی رعایت کے سبب سے ایک رکعت اور زیادہ کر کے وتر نام رکھا ہے اس سبب سے بیس ہو گئیں سو اگر ہم نماز پڑھنے والوں سے ہوتے تو وہ انیس[۱۹] رکعتیں آج کے دن ہمارے کام آتیں اور ان انیسوں دوزخ کے مؤکلوں سے ہم کو خلاص کرتیں اور یہ بھی ہے کہ دن اور رات کی ساعتیں چوبیس[۲۴] ہیں اور ان میں سے پانچ ساعتیں نماز کے واسطے مقرر ہیں تاکہ باقی انیس[۱۹] ساعتوں کی یہ پانچوں ساعتیں کفارہ ہو جاویں اور جو ہم سے ان پانچوں ساعتوں میں نماز ادا نہ ہوئی تو باقی انیس ساعتوں کا کفارہ بھی ہم کو حاصل نہ ہوا اسواسطے ہر ساعت کی غفلت کے عوض میں ایک ایک مؤکل دوزخ کا ہم پر مسلط ہوا اور یہ بھی ہے کہ نماز کے ارکان اور شروط سب مل کے انیس[۱۹] چیزیں ہیں بدن[۱] کی طہارت اور کپڑے[۲] کی طہارت اور حدث[۳] اصغر اور اکبر سے طاہر ہونا استقبال[۴] قبلہ کا ستر[۵] عورت قیام[۶] رکوع[۷] سجود[۸] قعود[۹] تکبیر تحریمہ[۱۰] رفع الیدین کے ساتھ قرأت[۱۱] اذکار کی تسبیح سے ہو یا تکبیر سے تشہد[۱۲] درود[۱۳] اور دعا حضور[۱۴] دل کی نیت[۱۵] سلام[۱۶] ہر رکن میں اطمینان کلام[۱۷] اور عمل منافی کو ترک کرنا[۱۸] اپنے بائیں التفات کو ترک کرنا اور جو ہم نے نماز کو ترک کیا تو یہ انیس[۱۹] چیزیں بھی ہم سے ترک ہو گئیں سو اس سبب سے انیس[۱۹] مؤکلوں نے ہم کو گرفتار کیا وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ اور نہ کھانا کھلاتے تھے ہم فقیر محتاج کو اسواسطے کہ اگر ایک وقت بھی پیٹ بھر کے مسکین کو کھانا کھلاتے ہم تو اس وقت انیس[۱۹] ساعت تک خاطر جمعی سے اس کو گذرتی اور حیوانیہ اور طبعیہ انیسوں قوتیں اسکی انیس[۱۹] ساعت تک زندہ اور تازہ رہتیں اور اگر ان انیسوں ساعتوں میں ان اپنی انیس[۱۹] قوتوں سے کوئی کام بہتر کرتے تو ہمارے نامہ اعمال میں اس کا ثواب لکھا جاتا اسواسطے کہ ہم ہی اس کے باعث پڑے تھے اور یہ بھی ہے کہ پکا کر کھانا کھلانا ف ثواب اجر کامل کا باعث ہوتا ہے جب یہ انیس[۱۹]

ف کھانا کھلانے کا ثواب ان شرطوں پر موقوف ہے ۔

چیزیں پائی جاتی ہیں ہل جوتنا۔ بیج چھٹکانا۔ سینچنا۔ کھیتی کی محافظت کرنا جانوروں سے اور کاٹنا اس کا اور منڈھی کرنا اور دانے کو بھوسے سے علیحدہ کرنا اور گھر یان کو بچانا اور غلے کو کھیت سے اٹھاکر آبادی یا گھر میں لانا اور پیسنا اور چھلنی سے چھاننا آٹے کا اور خمیر کرنا اور پکانا اور نمک ڈالنا اور روٹی کے ساتھ کے واسطے سالن بہم پہنچانا اور اس کھانے کو اٹھا کے عزت اور حرمت سے مسکین کے سامنے جا رکھنا اور اس کو پیٹ بھر کے کھانے دینا جلدی نہ کرنا اور عزت اور حرمت سے اس فقیر کو رخصت کرنا اور اس کا احسان اس کے اوپر نہ رکھنا اور بار بار اس کو یاد بھی نہ کرنا سو اگر ایک فقیر کو بھی اسطرح سے کھانا کھلاتے ہم تو وہ انیس چیزیں یہاں ان انیس موکلوں سے ہم کو بچاتیں اور ہمارے کام آتیں وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝ اور تھے ہم دھنسے بدصحبتوں میں ساتھ دھنسنے والوں کے اور ان صحبتوں میں انیس آفتیں اور برائیاں تھیں پہلی برائی بیہودہ بکنا جیسے عورتوں کے حسن کا ذکر کرنا اور دولتمندوں کے عیش اور بادشاہوں کے تکبر اور ان کی شان اور تجمل کے اسباب اور صحابہ کی آپس میں جنگ وجدل کی گفتگو اور باطل مذہبوں کا چرچا اور فاسقوں کے فسق کا بیان کرنا دوسری برائی آپس کے کلام میں نکتہ گیری اور عیب چینی کرنا اور اس کلام کے عیب کو بیان کرنا تیسری برائی تعصب کی راہ سے مذہبوں میں اور مذہب کے قولوں میں لڑائی جھگڑا اور اپنی سخن پروری کرنا اور شریعت کے حکم سے زیادہ اپنے حقوق کے لینے میں جھگڑا کرنا۔ چوتھی برائی کلام کو وزن اور قافیہ اور استعارہ اور خوش تقریری سے آراستہ کرنا اور اچھائی کی ہجو اور برائی کی تعریف کے اشعار پڑھنا اور اس مضمون سے لذت حاصل کرنا۔ پانچویں برائی فحش بکنا جماع یا پیشاب یا پاخانہ کے مقدمہ ننگ کے ذکر سے یا پردہ نشین عورتوں کا نام لے کر چھٹی برائی آپس میں سخت گوئی کرنا جیسے بیحیا احمق جاہل وغیرہ کسی کو کہنا۔ ساتویں برائی گالی دینا اور کسی کی آبرو لینا۔ آٹھویں برائی لعنت کا استعمال کرنا خصوصاً غیر مستحق پر۔ نویں برائی ہنسی مسخری کی زیادتی کرنا ایسی ہنسی کے انداز سے جو دوسرے کے رنج اور ملال کا سبب پڑے۔ دسویں برائی تہمت اور بہتان لگانا اور بے گناہ کی طرف برائی کی نسبت کرنا۔ گیارھویں برائی مسلمانوں کے حرکات اور سکنات پر ہنسنا مسخری کی راہ سے اور مسلمانوں کے عیب بیان کر کے دوسروں کو ہنسانا۔ بارہویں برائی وعدہ خلافی کرنا۔ تیرھویں برائی جھوٹ بکنا پھر

اس پر مبالغہ کرنا۔ چودھویں برائی آدمیوں کے چھپے بھیدوں کو کھولنا اور لوگوں کی چھپی گھر کی باتوں
کو سب کے سامنے ظاہر کرنا۔ پندرھویں برائی بد دعا کرنا۔ سولھویں برائی نیت بد کرنا۔ سترھویں برائی
ادھر کی ادھر لگانا۔ اٹھارھویں برائی منہ پر کسی کی تعریف کرنا۔ انیسویں برائی اپنا اور اپنی قوم کا اور اپنے
بزرگوں کا فخر زور شور سے بیان کرنا سو ان انیس آفتوں نے ہم کو ان انیس بلاؤں میں ڈالا یعنے
دوزخ میں انیس موکلوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اور تھے ہم
جھٹلاتے قیامت کے دن کو اور قیامت میں انیس واقعے بہت سخت ہیں اور کٹھن ہیں ان میں
سے چھ وہ ہیں جو نفخۂ اوّل کے بعد واقع ہوں گے چنانچہ پہلا واقعہ آسمان کا پھٹنا اور دوسرا زمین کا
بھونچال اور تیسرا ستاروں کا منتشر ہونا اور بکھر جانا چوتھا چاند سورج کا بے نور ہو جانا پانچواں پہاڑوں
کا اڑنا چھٹا دریا میں آگ لگ جانا اور تیرہ واقعے وہ ہیں جو نفخۂ ثانی کے بعد واقع ہوں گے چنانچہ
پہلا مردوں کا زندہ ہونا اور دوسرا گروہ گروہ کر کے ان کو محشر کے میدان کی طرف ہانکنا تیسرا دھوپ
کا زیادہ ہونا یہاں تک کہ سب موقف والوں کو گھیر لے گا۔ چوتھا دوزخ اور آفتاب کی گرمی سے
لوگوں کے بدنوں سے پسینے کا دریا بہنا۔ پانچویں سایہ کا کہیں نہ ہونا۔ چھٹا موقف میں کھڑا رہنا
ساتویں قہر الٰہی کی تجلی کا ظہور آٹھواں سوال حساب کا۔ نواں عملوں کو وزن کرنا۔ دسواں نامہ اعمال
کو دینا سیدھے ہاتھ میں یا الٹے ہاتھ میں۔ گیارھواں روانہ ہونا موقف سے بہشت یا دوزخ کی
طرف۔ بارھواں پل صراط سے گذرنا تیرھواں داخل ہونا جنت میں یا دوزخ میں سو جب ہم نے
قیامت کے دن کا انکار کیا تو گویا ان انیسوں چیزوں کا انکار کیا ہم نے سو ہر واقعہ کے انکار
کی سزا میں ایک دوزخ کا موکل ہمارے پیچھے پڑا اور ہمکو اس بلا میں گرفتار کیا کاش کہ ابتدائی
عمر میں ان چیزوں کا انکار کر کے پھر آخر عمر میں توبہ کی ہوتی ہم نے تاکہ اس پہلے انکار پر ہم سے مواخذہ نہ
ہوتا لیکن ہم اپنی شامت سے ان برے کاموں کو عمر بھر کرتے رہے حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ۝ یہاں
تک کہ آن پہنچی ہم کو موت پھر موت کے بعد خبردار ہونا اور پچھتانا کچھ ہمارے کام نہ آیا اسواسطے کہ
عمل اور توبہ کرنے کا وقت نہ رہا اور حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے نہ اپنی خلاصی کی فکر آپ
کی نہ کہیں دوسری طرف سے ان کو مدد اور اعانت کی امید باقی رہی فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ
الشّٰفِعِيْنَ ۝ پھر نہ نفع کرے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی اسواسطے کہ شفاعت کرنیوالے

یا بدنی عمل ہیں یا مالی سو بدنی عملوں میں سردار نماز ہے اور مالی عملوں میں سردار مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے
پھر جب یہ دونوں عمل ان کے دشمن ہوں گے اور اُن سے عوض لینے کو مستعد اور تیار ہوں گے
تو سفارش کا کیا ذکر ہے اور پھر جب یہ سردار کینہ کشی پر مستعد ہوں گے تو دوسرے بدنی اور
مالی عملوں کی کیا طاقت ہے کہ اس مقدمہ میں دم مار سکیں اور یا شفاعت کرنے والے پیغمبر ہیں
یا قرآن مجید سو قیامت کے انکار کرنے کے سبب سے پیغمبروں اور قرآن مجید کا عمدہ مطلب
ہے پیغمبر اور قرآن شریف ان کی صورت سے بیزار ہوں گے پھر ان کی سفارش کرنے کا کیا ذکر ہے
اور یا شفاعت کرنیوالے اولیا اور علما اور شہدا ہیں سو برے لوگوں کی صحبتوں میں بیٹھنے کے سبب
سے اور بیہودہ گوئی اور حرام چیزوں کے مرتکب ہونے اور لعن اور طعن کرنے اور نیک بختوں
کے آئین اور وضع سے مخالفت کرنے کے سبب سے اولیا اور علما اور شہدا بھی اُن سے
بیزار اور متنفر ہوں گے اسواسطے کہ دنیا میں کبھی ان کی صحبت کی طرف میلان نہ کیا اور ان کی
نصیحت کو نہ سُنا بلکہ اُن کی وضع اور آئین کی مخالفت ہی میں عمر بھر گذاری سو جب اس
قسم کا دن آفت اور مصیبت بھرا ہوا اُن کے سامنے ہے اور اعانت اور مدد کی کسی سے
توقع بھی اس دن اُن کو نہیں ہے تو اُن کو چاہیے کہ اُس دن کی سختیوں کی تدبیر پوچھیں اور جو
شخص اُن کو اس دن کی سختیوں اور مصیبتوں کا علاج بتلا دے تو اُس کا احسان مانیں اور پند
اور نصیحت کی تلاش میں اپنے مقدور بھر سعی اور کوشش کریں فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ
پھر کیا ہوا ہے ان کو جو قرآن شریف کی پند اور نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں اور مُنہ
پھیرنے والے اور یہ اعراض اُن کا انتہا درجے کو پہنچا اسواسطے کہ امر خیر سے اعراض کرنا کبھی
بے فہمی اور نادانی کے سبب سے ہوتا ہے جیسا کہ بچے کا اعراض کرنا علم کی تحصیل سے
اور کبھی طبیعت کے نفرت کرنے سے ہوتا ہے اگرچہ اُس کا نفع اور مصلحت بوجھتا ہے جس
طرح بیمار کا اعراض کرنا مفید دوا کے کھانے سے اور کبھی وہمی نقصان کے خوف سے ہوتا
ہے اگرچہ عقل اس کو یقین نہیں کرتی ہے لیکن عقل وہم کی مغلوب ہو جاتی ہے اور اس چیز سے
بھاگتی ہے چنانچہ مریض کا خوف کرنا فصد اور پچھنے لگانے سے ہلاکت کے خوف سے
وہم کے غلبے کے سبب سے سو اُن لوگوں نے ان تینوں قسموں کے اعراض کو جمع کیا

ہے اس نصیحت اور پند کے نہ سننے کے سبب سے کَاَنَّھُمْ گویا کہ یہ نادانی اور حمق اور نفرتِ
طبعی اور خوفِ وہمی میں قرآن شریف کی پند سے حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَۃٌ o فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَۃٍ o
گدھے بھاگے ہوئے ہیں بڑے شیر نر قوی ہیکل کے دیکھنے سے اور اس کے نعرے کی آواز
سننے سے کہ ہرگز اپنے پیچھے پھر کے نہیں دیکھتے ہیں کہ کچھ بھی احوال کی تحقیق نہیں کرتے ہیں بھاگے
ہی چلے جاتے ہیں اور یہ ان کے اعراض اور بھاگنے کا سبب یہ ہے کہ انکا تکبر اور غرور اس
بات کو گوارا نہیں کرتا ہے کہ دوسرے پر نازل شدہ پند کو قبول کریں اور اس سے مستفید اور منتفع
ہوویں بَلْ یُرِیْدُ کُلُّ امْرِئٍ مِّنْھُمْ بلکہ چاہتا ہے ہر ہر واحد ان کا اَنْ یُّؤْتٰی صُحُفًا مُّنَشَّرَۃً
یہ کہ دیا جاوے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیفے کھلے ہوئے بادشاہوں کے فرمانوں کی طرح نہ
ان کے لپیٹے ہوئے شقوں کی طرح اسواسطے کہ لپیٹے ہوئے شقے بادشاہوں کے بہت اعتبار
اور شکوہ کے قابل نہیں ہوتے ہیں بخلاف کھلے ہوئے فرمانوں کے کہ ایسے فرمان جس کے
نام پر صادر ہوتے ہیں تو اس کی عزت اور بزرگی زیادہ ہوتی ہے اور اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے
اور یہ ان کی درخواست ایسی ہے جیسے کسان اور گنوار دیہاتی چاہیں کہ ان کے ہر ایک کے نام پر
علیحدہ علیحدہ بادشاہ کا فرمان آوے اور اس میں کسی صوبہ دار فوجدار کا واسطہ نہ ہووے اور یوں کہیں
کہ جب تک ہمارے ہر ایک کے نام پر جدا جدا بادشاہی فرمان معتبر ایلچیوں کی معرفت سے نہ
آوے گا تب تک ہم اس صوبہ دار اور اس فوجدار کی اطاعت نہ کریں گے اور اس کی کچہری میں
حاضر نہ ہوویں گے اور اس کی بات کو ہرگز نہ سنیں گے مفسرین نے روایت کی ہے کہ مکہ معظمہ
کے کافر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ہم ہرگز تمہاری پیروی نہ کریں گے اور
تمہاری بات کو نہ سنیں گے جب تک ہمارے ہر ایک کے واسطے ایک ایک فرمان آسمان سے
بے تمہارے واسطے کے نازل نہ ہووے اور صبح کے وقت ہمارے ہر ایک کے سرہانے
سے ظاہر ہووے اور اس کے لفافے پر سرنامے کے طور پر لکھا ہووے کہ یہ فرمان رب العالمین
کی طرف سے ہے فلانے شخص فلانے کے بیٹے کی طرف اور اس نامے میں تمہاری اطاعت
اور پیروی کا حکم ہووے تو البتہ ہم قبول کریں اور پیروی تمہاری کریں سو حق تعالیٰ اس انکی
باطل فرمائش کے رد میں فرماتا ہے کہ کَلَّا ہرگز ایسی خواہش نہ کریں اور اس مقصد کو طلب نہ

کریں اسواسطے کہ جب کسی بلا اور آفت سے اپنی جان کی خلاصی کی فکر پڑتی ہے تو اس وقت تکبر اور غرور کچھ کام نہیں آتا ہے چنانچہ بیمار قریب المرگ نہیں کہتا ہے کہ ہمارا مرتبہ نہیں چاہتا ہے کہ ہم طبیب کی دوا کریں اور طبیب کے کہے پر عمل کریں بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَۃَ ؕ بلکہ یہ لوگ نہیں ڈرتے ہیں آخرت سے اور ہرگز یقین نہیں کرتے ہیں اس بات کا کہ اس عالم میں انکے بدفعلوں کی سزا ان کو ملے گی تاکہ اول خلاصی کی فکر کریں اور اس کی تدبیر کسی سے پوچھیں اور کسی کی نصیحت سنیں پھر حکم ہوتا ہے کہ اس ان کے کلام میں ایک خلل دوسرا ہے کَلَّا ہرگز ایسا نہ بوجھیں کہ یہ نازل شدہ نصیحت ایک صرف واسطے ہے بلکہ اِنَّہٗ تَذْکِرَۃٌ بیشک یہ قرآن نصیحت عام ہے کسی ایک کے واسطے مخصوص نہیں ہے کہ فقط اس کے واسطے مخصوص ہو بلکہ جو ڈرے اسی کے واسطے ہے اسواسطے کہ یہ آدمی کا کلام نہیں ہے بلکہ کلام الٰہی ہے اپنے بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے واسطے بھیجا ہے حضرت پیغمبر اور حضرت جبرئیل علیہما السلام اور دوسرے قاری اور استاد بیچ میں واسطہ پڑے ہیں سو یہ قرآن شریف تذکرہ حق تعالیٰ کا ہے جس طرح قاضی ایک شہر کا تذکرہ لکھ دیتا ہے پھر جس قاضی پاس اسے لے جاؤ اس زمانے میں یا آگے چل کے وہ اس پر عمل کرے گا فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ ؕ سو جو چاہے یاد کرے اس قرآن کو اور اس کے معنوں میں غور کرے اور اس پر عمل کرے وَمَا یَذْکُرُوْنَ اور خوب یاد نہیں کرتے ہیں اس قرآن کو باوجود اس قدر وسعت اور کھلی بوجھ کے اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ مگر جس وقت چاہے گا اللہ تعالیٰ حاصل کلام کا یہ ہے کہ بعضے ان لوگوں سے جب خوب لڑ جھگڑ لیں گے اور جنگ اور قتال کر لیں گے اور اس قرآن کے امر و نہی کی مخالفت کرنے سے خوب طرح سے خرابی اور ذلت حاصل ہولے گی اور کنبہ اور قبیلہ قتل ہولے گا اور مال اور عزت کا نقصان قرار واقعی اس نعمت عظمیٰ اور عطیۂ کبریٰ کے انکار اور کفران کی شامت سے ہولے گا تب اس نعمت کی قدر جانیں گے اور اس کو یاد کریں گے اور اس کے پند اور نصائح پر عمل کریں گے اور اس سے نفع حاصل کریں گے لیکن وہ ایسا غفور رحیم ہے کہ اس وقت بھی ان کے اقرار کو اور اس قرآن کی نصیحت پر چلنے کو ان سے قبول کرے گا اور انکو ہدایت کرے گا اور ان کے پچھلے گناہ معاف کرے گا اسواسطے کہ ھُوَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَاَھْلُ

الْمَغْفِرَةِ ہُوَ وہ اللہ تعالیٰ لائق تقوی کے ہے اس سے تقویٰ کرنا چاہیے اور وہی آمرزش اور کرم کے لائق ہے یعنی آدمی کتنا ہی گناہ کرے اور عمر بھر حق تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور اس کے خلاف مرضی چلے لیکن جب تقویٰ کی راہ چلے گا اور اس سے ڈرے گا تو وہ اس کے سب گناہ بخش دے گا اور اس کی رجوع کو قبول کرے گا اور یہ اس کے نہایت لطف اور رحمت کا سبب ہے انس بن مالک آپ کے خادم خاص اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت رب العزت تعالیٰ شانہ وجل سلطانہ سے اس مقام پر حاشیۂ منہیہ کے طور پر ایک عبارت اس آیت کی تلاوت کے بعد نقل فرمائی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ أَنَا أَهْلٌ أَنِ اتَّقِي فَلَا يُشْرَكُ بِي شَيْءٌ فَإِذَا اتَّقَانِي الْعَبْدُ فَأَنَا أَهْلٌ أَنْ أَغْفِرَ لَهُ یعنی میں قابل اس کے ہوں کہ مجھ سے ڈرے بندہ اور میرے ساتھ کسی کو کسی کام میں شریک مقرر نہ کرے اور جب بندہ مجھ سے ڈرا اور شرک سے پاک ہوا تو میں قابل اور سزاوار اس بات کے ہوں کہ اس کے گناہوں کو میں بخش

اور حاصل اس منہیہ کا دفع دو دغل مقدر کا ہے جو سننے والے کی خاطر میں گذرتے ہیں اول کا مضمون یہ ہے کہ قابل تقوے کے وہ شخص ہے جس کا غضب اور دبدبہ غالب ہو اور قابل مغفرت کے وہ شخص ہے کہ رحمت اور لطف اس کا غالب ہو سو ان دونوں صفتوں کا جمع ہونا اگر ہر ہر بندے کی نسبت سے خیال کیجئے تو اجتماع ضدین کا لازم آتا ہے اور اگر سب بندوں کی نسبت سے ہے یعنی ایک جماعت سے تقوی طلب کرتے ہیں اور غضب اور دبدبہ اپنا دکھلاتے ہیں اور ایک جماعت سے عفو اور بخشش کا معاملہ کرتے ہیں اور اس کے گناہ اور اس کی برائیاں معاف کرتے ہیں تو یہ بات یا خلاف حکمت کے ہوگی یا خلاف عدل اور انصاف کے اور یہ معاملہ جزا کا جزافی[1] ہو جائے گا اسواسطے کہ ایک قاعدے پر نہ رہا سو اس منہیہ مبارک سے اس پہلے دغل کا جواب ایسا بوجھا گیا ہے کہ ہر بندے کی نسبت سے ایک ہی معاملہ ہے اس طور سے کہ پہلے اس سے تقویٰ طلب کرتے ہیں اور جب اس نے تقویٰ پر کمر باندھی اور جو سب گناہوں میں بڑھ کے ہے یعنی شرک اس نے چھوڑا اور حق تعالیٰ کے حکموں کی فرمانبرداری کی اور مناہی سے دوری کو اختیار کیا اور دل اور جان سے

---

[1] جزاف گذاف کا معرب ہے ۱۲۔

اس پر مستعد ہوا تب اس کے ساتھ لطف اور کرم کا معاملہ کرتے ہیں پھر اس کی تقصیروں سے درگذر کرتے ہیں اور اس کے گناہوں کو معاف کرتے ہیں اور بندوں کا مختلف ہونا مغفرت استحقاق اور عدم استحقاق میں مغفرت کی شرط تحصیل کرنے کے اختلاف سے ہے اور وہ شرط تقوے پر مستعد ہونا اور شرک سے بچنا ہے تو یہ معاملہ جزافی نہ ہوا اور حکمت اور عدالت کے مخالف بھی نہ ہوا اور دوسرے دخل کا مضمون یہ ہے کہ جب ایک شخص نے تقوی کیا تو مغفرت کی احتیاج اس کو نہ رہی اسواسطے کہ تقویٰ اسی کا نام ہے کہ گناہ سے بچا رہے اور اس کے امر کو بجا لاوے اور اگر اس نے تقویٰ نہ کیا تو اس کو مغفرت کا مژدہ دینا گویا گناہ پر دلیر کرنا ہے اور مغفرت کے لائق بھی نہ رہا اور اس دوسرے دخل کا جواب بھی اسی منہیہ مبارک سے ایسا بوجھا گیا کہ تقوے کے مرتبے بہت متفاوت ہیں اصل تقوی کا جو شرط اور مغفرت کا ہے وہ اسی قدر ہے کہ شرک اور کفر سے بچا رہے اور اس کے اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے اجتناب کا قصد مصمم کرے اگرچہ بہت سی تقصیروں میں مغفرت کی احتیاج اس کو ہنوز باقی ہے واللہ اعلم باسرار کلامہ

سُوْرَۃُ الْقِیٰمَۃِ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں چالیس [۴۰] آیتیں اور ایک سو ننانوے [۱۹۹] کلمے اور چھ سو دو [۶۰۲] حرف ہیں اور اس سورۃ کے ربط کی وجہ سورۂ مدثر سے یہ ہے کہ سورۂ مدثر میں قیامت کے ظاہری واقعے کی ابتدا مذکور ہے یعنی صور کا پھونکنا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ اور اس کی انتہا بھی مذکور ہے یعنی سَاُصْلِیْہِ سَقَرَ اور کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ اِلَّا اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ ۞ فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ اور اس سورۃ میں قیامت کے باطنی واقعے کی ابتدا مذکور ہے جو عقل اور روح کو متحیر کردے گا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ اور اس کی انتہا بھی مذکور ہے یعنی وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ پس وہ سورۃ قیامت کے ظاہر کے بیان میں ہے اور یہ سورۃ قیامت کے باطن کے بیان میں اور یہ بھی ہے کہ قیامت کے واقعوں سے اس سورۃ میں جو اوّل مذکور ہے وہ نقر ناقور ہے یعنی آواز نقارے کی جو اوّل کان پر آوے گی پھر کان سے دل پر رنج پہنچاوے گی اور متحیر کردے گی اور اس سورۃ میں قیامت کے واقعوں سے جو اوّل مذکور ہے وہ برق بصر ہے جو اوّل آنکھ پر آویگا پھر آنکھ سے دل پر پہنچ کر دل کو گھبراہٹ کے بھنور میں ڈال دے گا اور ظاہر کی تقدیم باطن پر اور کان کی تقدیم آنکھ کی اس کلام اعجاز نظام میں جابجا رعایت کی گئی ہے اور یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن پہلے صور کی آواز تمام عالم کو زیر وزبر کر ڈالے گی پھر اس کے بعد نور الٰہی کی قہری تجلی گناہگاروں سے بدلہ لینے اور نیکوں پر انعام کرنے کے واسطے ظہور کرے گی تو وقوع کے اعتبار سے بھی اس سورۃ کے مضمون کو اس سورۃ کے مضمون پر تقدیم حاصل ہے اور باوجود اس کے کلام کی روشنی اور مستعمل لفظیں دونوں سورتوں کی آپس میں مشابہت رکھتی ہیں چنانچہ اُس سُورۃ میں ایک کافر کے حق میں دنیا میں فرمایا ہے کہ عَبَسَ وَبَسَرَ اور اس سورۃ میں کافروں کے حق میں قیامت کے حال میں ارشاد ہوتا ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ

تو گویا ترش روئی اور تیوری چڑھانا اس جہان کی سزا ہے اس جہان کی ترش روئی اور تیوری چڑھانے کی جو قرآن کی آیتوں کو سن کے یہ بنا یا کرتے تھے اور اس سورۃ میں فرمایا ہے بَلْ یُرِیْدُ کُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّؤْتٰی صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۙ اور اس سورۃ میں فرمایا ہے بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ اور اس سورۃ میں کافروں کا حسرت کرنا قیامت کے دن ایمان کے ترک کرنے پر اور نیک عملوں کے ترک کرنے پر جیسے نماز اور روزہ ہے اس عبارت سے مذکور ہے کہ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ اور اس سورۃ میں کافروں کو ضرر پہنچنا موت کے بعد ایمان اور نیک عمل کے ترک کرنے کے سبب سے اس عبارت سے مذکور ہے کہ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی اور اس سورۃ میں کافر کی لعنت اس تکرار اور اس عبارت سے مذکور ہے کہ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ اور اس سورۃ میں وہی معنی اس تکرار اور اس عبارت سے ارشاد ہوئے ہیں کہ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ اور اس کی بہت سی مناسبتیں لفظی اور معنوی ان دونوں سورتوں میں پائی جاتی ہیں اگر تھوڑا بھی تامل اور فکر اس میں کی جاوے تو معلوم ہو جاوے اور کیا اللہ تعالیٰ کی عنایت اور احسان تھا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر جو اس طرح کی عقل اور دانائی سمجھ ان کو عنایت ہوئی تھی کہ ان سب مناسبتوں کو ترتیب کے وقت پہلی ہی نظر میں دریافت کر لیا کیا اچھا علم تھا اور کیا خوب سمجھ تھی ان کی اور اس سورۃ کا نام سورۃ قیامت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں قیامت کے آنے کو ایسی واضح دلیلوں سے بیان فرمایا ہے جسکا بوجھنا بہت آسان ہے اور ہر شخص عام ہو یا خاص جب اپنے دل کی طرف رجوع اور اندک فکر اور تامل کرے تو یہ بات اس کی سمجھ میں آسکتی ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کا معمول انسانی ہے کہ جب کسی کام کرنے کا ارادہ اس کے دل میں آیا اور اس کا شوق پیدا ہوا اور رغبت صادق اس کے واسطے پائی گئی اور اس کو اچھا جان کے اس نے کرنا شروع کیا پھر اس وقت اس کو کتنا ہی سمجھاؤ اور اس کے انجام کی قباحتیں بیان کرو کہ اس قسم کی برائیاں اس کے پیچھے لگی ہوئی ہیں لیکن وہ شخص ہرگز نہیں سمجھتا ہے اور ایسا اس میں ڈوب جاتا ہے کہ اس کا اگلا پیچھا بایاں داہنا کچھ بھی نہیں دیکھتا ہے سب طرف سے اندھا ہو کے اس میں مشغول ہوتا ہے پھر

یکایک جب اس کی برائی پر مطلع ہوا اور اس کام کے نقصان اور ضرر اس کے سامنے آئے اور ہر طرف سے اس کی برائیوں نے آن گھیرا تو اسوقت ایسی ایذا اس کو ہوتی ہے اور ایسا رنج اسکو پہنچتا ہے کہ گویا روحانی قیامت اس پر قائم ہوتی ہے پھر اپنے تئیں آپ لعنت ملامت کرنے لگتا ہے اور اپنے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان پر غصہ کرنے لگتا ہے خصوصاً وہ اعضا جن سے وہ کام کیا تھا انکا خود دشمن بن جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ میں ان اپنے اعضا کو سزا دوں اور یوں کہنے لگتا ہے کہ کیا کروں آنکھ کو پھوڑ ڈالوں اور ہاتھ کو کاٹ ڈالوں کچھ بن نہیں پڑتا ہے اور اپنے اس کمبخت دل کو کیا کروں جس نے ایسی حرکت کروا کے مجھ کو اس مصیبت میں پھنسایا سو اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے کام خود آدمی کو فریب دیتے ہیں اور کبھی بُرے کام کو اپنے اچھا کر کے دکھلاتے ہیں اور کبھی اچھے کام ایسی بُری شکل سے اس کے سامنے نمودار ہوتے ہیں کہ وہ ان کی صورت سے بھاگتا ہے اور قیامت کے معنی بھی یہی ہیں کہ اچھے اور بُرے عمل اپنی اپنی حقیقیہ صورت پر سامنے آ کے اپنا بدلہ اور انتقام لیں گے اور جزا کے واسطے سب اعضا اور آلات کا پھر بنا کر حاضر کرنا ضروری ہوا اور اعضا کے واسطے پھر بدن کا بنانا بھی ضروری ہوا اور بدن کے واسطے روح کا داخل کرنا بھی ضروری ہوا فرق اتنا ہے کہ دنیا میں آدمی لعنت ملامت اور ندامت اپنے دل میں جو پاتا ہے سو ایک ایک کام پر ہوتی ہے اور مرنے کے بعد جتنے عمر بھر کے کام ہیں ان سب پر ملامت اور ندامت حاصل ہو گی اسی واسطے موت کو قیامت صغریٰ کہتے ہیں اور حشر اور نشر کے دن نوع انسان کے جتنے کام ہیں سب پر اس کو ندامت حاصل ہو گی اور تمام اولین اور آخرین نوع انسانی کی فردین اور ہر ایک کی ملامت کے اسباب ہر ایک کی جزا دینے کے واسطے اس دن ضرور جمع ہوں گے اسی واسطے اس کو قیامت کبریٰ کہتے ہیں سو آدمی قیامت کے انکار میں اس قدر غفلت رکھتا ہے کہ اپنے وجدانیات سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور کچھ بھی اس میں فکر اور تامل نہیں کرتا اور یہ نہیں بوجھتا ہے کہ ہر لحظہ اور ہر لمحہ قیامت کا نمونہ مجھ میں موجود ہے اور اس کا سبب دو چیزیں ہیں ایک تو حق اور واقع چیز کے دریافت کرنے کی استعداد کا پایا جانا بعضے وقتوں میں اور دوسری اس دریافت میں خطا واقع ہونا بعضے وقتوں میں سو یوں بوجھنا چاہیے کہ دونوں چیزیں میری ذاتی خاصہ

سے ہیں بخلاف دوسری مخلوقات کے اسواسطے کہ ان میں سے بعضے وہ ہیں جو اس دریافت کی استعداد نہیں رکھتے ہیں جیسے حیوانات اور جمادات اور بعضے وہ ہیں جن کے ادراک میں خطا پائی نہیں جاتی جیسے فرشتے سو میرے واسطے قیامت کا ہونا ضرور ہے والا اپنی ذاتیات سے میں نکال ڈالا جاؤں بلکہ انسان نہ رہوں اور اس سورۃ کے سورۂ قیامت نام رکھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ دونوں بیان ہوئی ہیں چنانچہ اول سورۃ سے کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ تک قیامت کبریٰ کا بیان ہے اور کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ سے اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی تک قیامت صغریٰ کا بیان ہے اور اس سبب سے اس سورۃ کو سورۂ قیامت کہنا اولیٰ اور انسب ہوا اسواسطے کہ یہ سورہ تمام اقسام قیامت کو محیط ہے اور عجب واضح دلیلوں سے اس کو ثابت کرتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ یعنی قسم کھاتا ہوں میں قیامت کے دن کی اپنی تقصیر پر آدمی کے حسرت واقع ہونے پر اسواسطے کہ یہ حسرت آدمی کو دنیا میں لاحق ہوا کرتی ہے اور متحیر کر دیتی ہے وَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ؕ اور قسم کھاتا ہوں میں آدمی کے نفس ملامت کرنیوالے کی قیامت کے واقع ہونے پر ایسا نفس جو قیامت قائم ہونے کا سبب ہے اسواسطے کہ آدمی اپنے نفس کی حقیقت سے بے خبر اور غافل ہے یہ نہیں جانتا ہے کہ یہ نفس مجھ کو قیامت کے دن گرفتار کراوے گا اور برائیوں کی جزا چکھنے کا یہی سبب پڑے گا اور قسم کھانے کے واسطے ایسی چیز چاہیے کہ مخاطب کی نظر میں وہ چیز اپنے لوازمات اور ثمرات سے ظاہر اور نمایاں نہ ہو تاکہ اس قسم کی دلیل پکڑ کے مقسم علیہ کے مضمون کو سچا جانے مفسرین کو نفس لوامہ کے معنوں میں اختلاف ہے سو جو مفسر ان میں محقق ہیں انھوں نے یوں بیان کیا ہے کہ آدمی ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتیں ہیں اگر عالم علوی کی طرف مائل ہوا اور عبادت اور فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں اس کو تسکین اور چین ہوئی تو اس نفس کو

مطمئنہ کہتے ہیں اور اگر عالم سفلی کی طرف اُس نے میلان کیا اور دنیا کی خواہشوں اور لذتوں میں عار اور ننگ اور انتقام اور کینہ کشی کی رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اُس کو نفس امارہ کہتے ہیں اسواسطے کہ روح کو برائی کا حکم کرتا ہے اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف میلان کرتا ہے اور شہوت اور غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف میلان کرتا ہے اور شہوت اور غضب کو بُرا جانتا ہے اور اس سے دور بھاگتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے تئیں آپ ملامت کرتا ہے اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں اور بعضے مفسروں نے یوں کہا ہے کہ ہر آدمی کے بدن میں تین نفس ہیں اوّل نفس مقدس جس کو روح الٰہی بھی کہتے ہیں اور نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِيْ یعنی پھونکا ہم نے ان میں اپنی روح کو اسی کی شان میں وارد ہے اور قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ بھی یعنی کہہ تو کہ روح ہمارے پروردگار کا حکم ہے اسی کا بیان ہے اور وہ ہمیشہ یاد الٰہی میں مطمئن ہے اور اس کی محبت میں مستغرق ہے اور اُس کے حکم کا فرمانبردار ہے اور دوسرا نفس منطبعہ ہے جو بدن کی تدبیر میں ہمیشہ رہتا ہے اور جو جو شہوت اور غضب کی خواہش کرنیوالی چیزیں ہیں اُن کو بالطبع چاہتا ہے اور روح کو ان ہی لذتوں کے حاصل کرنے کے واسطے بار بار حکم کرتا ہے اسی سبب سے اس کو امارہ کہتے ہیں اور تیسرا نفس ناطقہ ہے کہ ظاہری اور باطنی حواس سے علم اور ادراک کو جمع کرنا اور روح کے سامنے ان کو عرض کرنا اس کا کام ہے اور اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں اس واسطے کہ نفس امارہ سے جب کوئی امر نامناسب واقع ہوتا ہے تو اس کو یہ ملامت کرتا ہے اور کاموں کی نیکی اور بدی نفس امارہ کو سوجھاتا ہے اور اس کو ملہمہ بھی کہتے ہیں اسواسطے کہ روح کے وسیلے سے جو امور کہ حقہ اور صادقہ ہیں وہ اس پر الہام ہوتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہر نفس لوامہ ہوگا اور اپنے تئیں ملامت کرے گا اسواسطے کہ اگر نیک ہے تو اس پر اپنے تئیں ملامت کرے گا کہ نیکی زیادہ اور کیوں نہ کی اور بعضے اپنے وقتوں کو بیفائدہ کیوں گنوایا اور اگر بد ہوگا تو اپنے تئیں اس پر ملامت کرے گا کہ کیوں بُرائی کی میں نے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنت والوں کو کسی چیز کی حسرت نہ ہوگی مگر ایک چیز کی جو دنیا میں کوئی ساعت بے یاد الٰہی کے گذاری ہوگی اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی ایماندار

آدمی کا یہی نشان ہے کہ ہمیشہ اپنی ملامت میں رہے اسواسطے کہ کوئی آدمی تقصیر سے خالی نہیں ہے پھر وہ تقصیر معرفت الہی اور اس کے مبادی میں ہو یا عبادت اور تقوٰی میں یا اس کے شرائط اور آداب میں ہو اور بعضوں نے یوں فرق بیان کیا کہ نفس مطمئنہ نفس انبیا اور اولیاے کاملین کا ہے جنہوں نے حق تعالےٰ کی یاد اور اس کی محبت میں چین اور اطمینان پیدا کیا ہے اور وسوسوں اور خطروں کی کشمکش سے خلاصی پائی ہے اور نفس ملہمہ صالح ایمانداروں اور ابراروں کا نفس ہے اور نفس لوامہ تائب گنہگاروں اور نادم تقصیر والوں کا نفس ہے اور نفس امارہ کافروں کا نفس ہے اور ان فاسقوں کا جو فسق پر اڑ گئے ہیں اور بعضوں نے یوں کہا ہے کہ نفس لوامہ متقیوں کا نفس ہے جو دنیا میں گنہگاروں کو ملامت کرتے ہیں اور آخرت میں بھی ملامت کرینگے اور حق یہ ہے کہ آدمی کے نفس کی پیدائشی یہ بات ہے کہ ملامت اور ندامت کرتا ہے کسی طرح کا ہو اچھا ہو یا برا چنانچہ اوپر تفسیر میں گذر چکا ہے اور جب یہ بات ثابت ہوئی کہ اس حسرت اور ندامت پر جو قیامت کے دن ہوگی اس پر کچھ قسم کھانے کی احتیاج نہیں ہے اور اسی طرح کافروں کی غفلت کے سبب سے قیامت کے آنے پر ساتھ نفس لوامہ کے قسم کھانا بھی مفید نہیں ہے تو اب فرماتے ہیں کہ ان دونوں قسموں کو جو مطلب ثابت کرنے میں عمدہ دلیل تھی چھوڑ کے قیامت کے آنے میں کافروں کے شبہے کو دور کرتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں ہم کہ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ کیا گمان کرتا ہے آدمی باوجود عقل اور فہم کے جس کے سبب سے تمام مخلوقات سے ممتاز ہے اور نظر اور فکر کو اور ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرنے کو اپنا خاصہ جانتا ہے اور اس سبب سے اپنے کو بڑا جانتا ہے اور اس پر ناز کرتا ہے اور باوجود اس عقل اور دانائی کے ایسا اعتقاد کرتا ہے اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ اس بات کا کہ ہرگز نہ جمع کریں گے ہم سڑی جھکی ہوئی ہڈیاں اس کی قیامت کے دن دوبارہ زندگی دے کر قیامت میں مفسروں نے کہا ہے کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ احدی ابن ربیعہ اخنس ابن شریق کا داماد جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ میں رہتا تھا اور آپ کو بہت ایذا پہنچاتا تھا چنانچہ ان دونوں کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ جَارَیِ السُّوْءِ یعنی اے بار خدایا کافی ہو مجھ کو تو میرے برے ہمسایہ سے اسواسطے کہ اس نے مجھ کو

بہت ایذا پہنچاتی ہے سو وہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ تم جو ہم کو قیامت کے آنے سے ڈرایا کرتے ہو بھلا اس کا کچھ حال تو مجھ سے بیان کرو میں سنوں دیکھوں میری عقل میں آتا ہے یا نہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قیامت کا حال اس سے بیان فرمایا کہ جتنے مردے ہیں اس دن زندہ کیے جاویں گے اور جو کچھ دنیا میں کیا ہے سب کا حساب دینا پڑے گا اس کمبخت نے کہا کہ یہ ایسی بات ہے کہ اگر میں اپنی آنکھ سے دیکھوں تو بھی یقین نہ کروں اور اس کو سچا نہ جانوں بلکہ یوں کہوں کہ یہ سب نظر بندی اور خیال ہی ہے حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے اسواسطے کہ میری عقل ہرگز اس بات کو تجویز نہیں کرتی ہے کہ ہزاروں سال کے مردوں کی ہڈیاں جو تمام جہان میں پھیل گئی ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ جمع کر کے زندہ کرے گا سو یہ سورۃ اس کے اس امر کے تعجب اور بعید جاننے کے رد کیواسطے نازل ہوئی اور ارشاد ہوا کہ بَلٰی البتہ ہم جمع کریں گے آدمی کی سڑی ہوئی ہڈیوں کو اور آدمیوں کی منتشر ہڈیاں جمع کرنا ہماری قدرت کے نزدیک کیا چیز ہے ہم تو اس سے بھی زیادہ تعجب کی چیزیں کریں گے چنانچہ ہر ہر عضو اور فرد کو یعنی گوشت اور پوست اور ٹوٹی اور چورا ہوئی ہڈیوں کو ہم درست کریں گے قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ؀ قادر ہیں ہم اس پر کہ برابر اور درست کریں انگلیوں کے پوروں کے چمڑے کو جس کو حکیموں اور طبیبوں نے انسان کے تمام اعضا میں معتدل اور متوسط عضو ٹھہرایا ہے اور اس کا درست کرنا بدون اعادہ اس اعتدال کے جو حقیقی اعتدال کے قریب ہے ممکن نہیں ہے اور یہ بھی حکما کہتے ہیں کہ آخر اس چیز کا جس پر خلقت انسان کی تمام ہوتی ہے یہی چمڑا ہے اور انسان کے بدن کے سب چمڑے میں یہ سب سے نازک ہے اور اس کے حس اور دریافت کی قوت بہت زبردست ہے اسی واسطے طبیعت اپنے خالق کے اذن سے برودت اور حرارت اور رطوبت اور یبوست کی کیفیت کے دریافت کرنے میں اسی کو حاکم کرتی ہے اور اس کے حکم کے موافق کام کرتی ہے اور یہ بھی ہے کہ انسان کے بدن کے طبقوں میں انتہا درجے میں یہ طبقہ واقع ہوا ہے اور ہڈیوں سے کئی مراتب عروق اس طرف سے اسواسطے کہ چمڑے کے اور ہڈی کے درمیان میں گوشت اور چربی ہے اور عروق اور جان کی رگیں اور شریانیں اور رباطات اور

پٹھے اور عضلات اور بعد اس کے ہڈی ہوتی ہے سو جب ہماری قدرت کسی کام کے بنانے پر متوجہ ہوتی ہے تب اس کے نزدیک ہڈیوں کا جمع کرنا کیا چیز ہے بلکہ اس سے جو سخت اور مشکل اور عمدہ کام ہیں وہ سر انجام دے سکتی ہے اور اس دعوے کی دلیل ظاہر اور کھلی ہے اس واسطے کہ جس شخص نے مشکل اور باریک کام ایک مرتبہ کیا اُس سے دوسرے مرتبے وہ کام بہت آسانی سے ہو سکتا ہے بس معلوم ہوا کہ آدمی جو قیامت کے آنے کا انکار کرتا ہے اور مردوں کے زندہ کرنے پر اللہ تعالےٰ کے قادر ہونے کو محال جانتا ہے سو یہ انکار اس راہ سے نہیں ہے کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور اس کا ماخذ بہت دقیق ہے اور اس کی دلیل پوشیدہ ہے اس سبب سے اس کی سمجھ میں نہیں آتا ہے بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ بلکہ چاہتا ہے آدمی کہ بے باک ہو کے فسق و فجور کرے اپنی اگلی عمر میں جو باقی ہے اسواسطے کہ اگر قیامت کا اقرار کرے اور اس دن میں اعمال کے حساب و کتاب کا خوف اپنے دل میں بٹھاوے تو اس قدر بے باکی اور ڈھٹھائی فسق و فجور میں اُس سے نہ ہو سکے سو فسق و فجور کی محبت کے سبب سے نہیں چاہتا ہے کہ قیامت کی بات سُنے یا اُس کے ماخذ اور دلیل میں کچھ غور اور فکر کرے اسی سبب سے اس کی طرف خیال ہی نہیں کرتا ہے اور بے غور اور فکر کیے اس خیال کو اپنی خاطر میں آنے نہیں دیتا ہے کہ اس خیال سے اس کی عیش منغص نہ ہو جاوے اور لذت میں خلل نہ پڑے اسی واسطے تعنت اور سینہ زوری کی راہ سے يَسْأَلُ پوچھتا ہے پیغمبروں اور واعظوں اور نصیحت کرنے والوں سے جو اس کو قیامت کے آنے سے ڈرایا کرتے ہیں اور ہمیشہ اس کو سمجھایا کرتے ہیں کہ اس دلیل میں غور کرو اور اس چیز کو دیکھو اور فکر کرو تا کہ قیامت کے آنے کی تصدیق تم کو حاصل ہووے أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ کب ہوگا قیامت کے دن کا آنا اس واسطے کہ کہ جب تک تم تاریخ کی قید سے اس کو بیان نہ کرو گے تب تک میں ہرگز یقین نہ کروں گا اور کسی دلیل میں بھی غور اور تامل نہ کروں گا سو یہ سوال بھی اس کا تعنت اور سینہ زوری کی راہ سے ہے کہ کہتا ہے کہ جب تک اُس کے آنے کا وقت بیان نہ کرو گے تب تک میں اس کو سچا نہ جانوں گا اور خوف والی چیز کا یقین آنا اُس کے آنے کے وقت کے دریافت ہونے پر موقوف نہیں ہوتا ہے چنانچہ یہ بات ظاہر ہے اور یہ اس کے بوجھ کی غلطی ہے جو کہتا ہے

کہ شہروں اور لشکروں کی خبریں اگر بے قید تاریخ کے بیان کرتے ہیں تو چنداں قابل اعتبار کے نہیں ہوتی ہیں اور اگر تاریخ اور وقت کی قید کے ساتھ ہوتی ہیں تو البتہ اکثروں کے نزدیک اعتبار کے قابل ہوتی ہیں سو اس خبر کو بھی اسی پر قیاس کر کے تاریخ اور وقت سے سوال کرتا ہے اور یہ نہیں بوجھتا ہے کہ تاریخ اور وقت کی قید اُن چیزوں میں ہوتی ہے جو گذر چکی ہیں اس واسطے کہ یہ قید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ خبر دینے والا اس واقعہ سے خوب خبردار ہے اور اس خبر دینے والے کے صدق اور کذب کی تحقیق آسان ہو جاتی ہے بخلاف ان چیزوں کے جو آگے چل کے ہونے والی ہیں اس واسطے کہ ان کا ظہور اب تک ہوا نہیں ہے جو وقت معلوم ہووے اور ایسی خبر میں تاریخ اور وقت معین کرنے کی تکلیف دینا محض بے جا ہے ایسی چیزوں کے صدق اور کذب کی تحقیق میں دلیل کی قوت اور خبر دینے والے کے علم کے ماخذ کی قوت پر اعتماد کرنا چاہیے چنانچہ اطبا کی خوف دلانے والی باتیں اور نجومیوں کی باتیں ہونے والی چیز کے دریافت میں اسی طور سے تحقیق کرتے ہیں حاصل کلام یہ کہ یہ سوال ان کا خواہ تعنت کی راہ سے اور خواہ ان کی بوجھ کی غلطی اور نادانی کی راہ سے ہو اس سے قیامت کے دن یہ حاصل ہوگا کہ اس دن ایسا سوال کرنیوالا متحیر ہو کے اور گھبرا کے اس سوال کا الٹا سوال کرنے لگے گا جو وہاں بالکل بے جا اور بے فائدہ ہوگا اور اس دن کی سختیوں کو دیکھ کے اپنی مخلصی کا طریق اور بھاگ بچنے کی جگہ کو پوچھنے لگا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ پھر جب چوندھیانے لگے گی آدمی کی بینائی جیسے دنیا میں بجلی کی چمک دیکھ کے آنکھ چوندھیا جاتی ہے سو اس دن آدمی کو یہ چوندھیانا حق تعالیٰ کی قہری تجلی کی روشنی کی چمک سے ہوگا جو کافر اور فاسق کی بینائی کی قوت کو متحیر اور مقہور کر دے گی چنانچہ سورۂ زمر میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا یعنی اور چمکی زمین اپنے رب کے نور سے وَخَسَفَ الْقَمَرُ اور بے نور کر دیا جائیگا چاند اور پنیر کی چکتی کی طرح ہو جائے گا تجلی الٰہی کی چمک کی شدت سے نہ اس کے اور آفتاب کے درمیان میں زمین یا کسی دوسری چیز کے آجانے کے سبب سے جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے اور اس سبب سے گہن پڑا کرتا ہے اس واسطے کہ یہ بے نوری جو چاند کو لاحق ہوگی وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ ایسے حال میں ہوگی کہ جمع کیے گئے ہوں گے آفتاب اور ماہتاب

ایک جگہ پر اور ان کے درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی تاکہ وہ چیز آفتاب کی شعاع کے انعکاس کو ماہتاب میں مانع ہووے سو ایسے وقت ماہتاب کا بے نور ہونا صریح دلیل ہے اس بات پر کہ آفتاب بھی بالکل بے نور ہوگا جیسے پنیر کی جلکتی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آفتاب کے نور سے ماہتاب البتہ روشن ہوتا اس واسطے کہ ماہتاب کا جسم صیقلی ہے اور کوئی درمیان میں حائل بھی نہیں ہے اور دنیا میں آفتاب اور ماہتاب جب ایک برج اور ایک درجے میں جمع ہوتے ہیں تو اسوقت چاند میں گہن کسی طرح ممکن نہیں ہے ہاں محاق اس کو البتہ طاری ہوتا ہے یعنی چاند کی روشنی کم ہوجاتی ہے اس طور سے کہ اس کی چمکتی طرف آفتاب کی طرف ہوتی ہے اور جو طرف بے نور ہے وہ زمین کی طرف ہوتی ہے یہ نہیں ہے کہ اس کا نور بالکل جاتا رہتا ہے سو دنیا میں جتنے نور کے اسباب تھے وے سب خراب ہوجائیں گے اور اپنے اعمال کی شامت سے اور بینائی کے چوندھیا جائے سے روشنی کو آدمی دیکھ نہ سکے گا آخر کو ناچار ہوکے بہت متحیر ہوگا پھر اسوقت یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ کہے گا آدمی اس دن جب اس نور قاہر کی روشنی کو جس نے اس کو متحیر کر دیا ہے ہر مکان میں شائع اور پراگندہ دیکھے گا اَیْنَ الْمَفَرُّ کس طرف ہے بھاگ بچنے کی جگہ کہ وہاں پہنچ کے اس حیرت اور دہشت سے خلاصی پاؤں میں پھر اس وقت وہ دنیا کا سوال جو کہا کرتا تھا کہ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ الٹا ہو جائیگا اور اس دن سے خلاصی کی راہ پوچھنے لگے گا اور جس طرح دنیا میں کمال تعنت اور عناد کے سبب سے ساتھ لفظ ایان کے قیامت کے وقت سے سوال کرتا تھا اور یہ لفظ ایسی ہے کہ اس سے امور مشکل غیر متوقعہ سے استفہام کرتے ہیں سو اس دن اپنے بھاگنے کی جگہ کو اَیْنَ کے لفظ سے استفہام کرے گا جیسے وہ امور جن کا حصول آسان ہے اور ان کا وقوع متوقع ہے پوچھتے ہیں اور حال یہ ہے کہ قیامت کا وقوع متوقع اور یقینی تھا اور قیامت کے دن بھاگ بچنے کی جگہ کا حاصل ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے سو حیرت اور دہشت کے سبب سے اس کے کلام میں خبط واقع ہوا ہے چنانچہ دنیا میں نہایت تعنت اور عناد کے سبب سے خبط کرتا تھا اور یہ بھی ہے کہ پیغمبر دل اور واعظوں سے ان کے الزام دینے کے واسطے سوال اور اعتراض کے طور پر قیامت کے وقت سے پوچھا کرتا تھا اور قیامت کے دن آنکھ کے چوندھیا جانے اور عقل کے متحیر ہونے

کے سبب سے پناہ کی جگہ کا پتا بتلانے والا کسی کو نہ پائے گا تو خود بخود ہذیان کے طور پر بکنے لگے گا کہ اَیْنَ الْمَفَرُّ اَیْنَ الْمَفَرُّ اور جب انسان کا حال حیرت اور اضطراب سے اس مرتبے کو پہنچے گا کہ ہذیان کے طور پر بکنے لگے گا تب اس سے کہا جائیگا کہ کَلَّا ایسا بیجا سوال مت کر اور ایسی پوچھ پاچھ لایعنی سے باز آ لَا وَزَرَ ہ نہیں ہے پناہ کہیں بلکہ جس چیز سے تو بھاگتا ہے اسی جگہ تجھ کو جانا پڑے گا اِلٰی رَبِّکَ تیرے رب کی تجلی قہری کی طرف یَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ اس دن بے قرار ہے اور کوئی شخص اس کی تجلی کی نزدیکی کی حضوری سے مخالفت نہیں کر سکتا ہے یا اپنی ہنسی خوشی سے جائے گا یا بال کھینچتے ہوئے زبردستی اس کو لے جائیں گے اور جب چار ناچار آدمی اس جگہ پر حاضر ہوگا تو حیرت اور دہشت دوسری اس پر زیادہ کریں گے یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ خبردار کیا جائے گا آدمی اس دن بِمَا قَدَّمَ ساتھ اس چیز کے جو بھیجی تھی اعمال کی قسم سے ہو یا افعال کی قسم سے پھر وہ اعمال اور افعال لائق تقدیم کے تھے جیسے وضو کرنا نماز کے پہلے اور نماز پڑھنا روزی کی تلاش سے پہلے اور زکوٰۃ کا ادا کرنا مال پر سال گذرنے کے پہلے اور عمرہ حج کے پہلے اور سنت فرض کے پہلے اور اپنے اہل وعیال کو صدقہ دینا غیر فقیروں سے پہلے یا وہ اعمال اور افعال لائق تقدیم کے نہ تھے جیسے وقت آنے سے پہلے نماز پڑھنا اور رمضان کے پہلے شک کے دن روزہ رکھنا اور عید الاضحیٰ کو نماز کے پہلے قربانی کرنا اور عشا کے پہلے وتر کی نماز پڑھنا اور قرض اور اپنے اہل وعیال کے ضروری حق ادا کرنے کے پہلے صدقہ دینا اور والدین کی خدمت اور اہل وعیال کی خبرگیری کے پہلے جہاد کا یا نفل حج کا یا نفل علم کی طلب کا سفر کرنا اور عدت گذرنے کے پہلے نکاح کر لینا اور علیٰ ہذا القیاس وَ اَخَّرَ ہ اور جو پیچھے چھوڑا تھا اپنے اعمال اور افعال سے پھر وہ لائق تاخیر کے تھے جیسے حق تعالیٰ کے فرض ادا کرنے کے بعد والدین کی خدمت کرنا اور اپنی ضروری حاجتوں کے پورا کرنے کے بعد خیرات کرنا اور اپنے خویش واقربا کے احسان کرنے کے بعد غیروں پر احسان کرنا لائق تاخیر کے نہ تھے جیسے وقت گذر جانے کے بعد نماز پڑھنا اور سال گذر جانے کی مدت کے بعد زکوٰۃ ادا کرنا اور توبہ کا وقت پا کے توقف کرنا علیٰ ہذا القیاس اور جب آدمی کو اس کے عملوں کی تقدیم اور تاخیر پر اعمال نامے دے کر اور

آسمان اور زمین اور دن اور رات کے گواہوں کو کھڑا کر کے خبر کریں گے تب حیرت میں ہوگا اور اس بات کو سوچے گا کہ جب اس ترتیب اور تقدیم اور تاخیر کو نہیں چھوڑتے ہیں اور خبر دینے کے واسطے اس کو لکھ رکھا ہے اور ان باتوں کو پوچھتے ہیں اور اس پر جزا دیتے ہیں تو میرے اصل عمل اور فعل نیکی اور بدی سے جو ہیں کیوں کر نہ لکھے ہوں گے اور اُسسے کیونکر نہ پوچھیں گے اور اُس پر کیوں کر نہ جزا دیں گے اس سوچ سے بڑی دہشت اُسپر غالب ہوگی اور اپنے دل میں کہے گا کہ بہت وقت بے ڈھب ہے اور بعضے مفسروں نے یوں کہا ہے کہ مَا قَدَّمَ سے مراد وہ عمل ہیں جو کر چکا ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد ہوں اور مَا أَخَّرَ سے مراد وہ عمل ہیں جو نہیں کیے ہیں خواہ وہ عمل نیک ہوں خواہ بد ہوں اور بعضوں نے یوں کہا ہے کہ مَا قَدَّمَ سے مُراد وہ مال ہے جو للہ دیا اور عاقبت کے ذخیرے کے واسطے آگے بھیجا اور مَا أَخَّرَ سے وہ مال مُراد ہے جو وارثوں کے واسطے پیچھے چھوڑا ہے اور بعضوں نے یوں کہا ہے کہ مَا قَدَّمَ سے مراد وہ عمل ہیں جو آپ کر گیا ہے خواہ نیک ہوں یا بد اور مَا أَخَّرَ سے مراد وہ رسم اور طریقہ ہے جو اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے اور لوگ اس رسم اور طریقے پر چلتے ہیں اور کام کرتے ہیں پھر خواہ وہ رسم نیک طریقے کی ہو اور اس شخص کے قیامت تک اجر اور ثواب کا سبب پڑے یا بد ہو جو قیامت تک اُس شخص کے عذاب اور رنج کا سبب پڑے

ح چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص نیک طریقہ یا نیک رسم لوگوں میں رائج کرتا ہے تو جو اس رسم اور طریقے پر چلتے ہیں ان سب کے برابر ثواب اس شخص کو بھی مل جاتا ہے بدون اُس کے کہ ان عمل کرنیوالوں کے ثواب میں کچھ نقصان ہووے اور جو شخص بد طریقہ اور بد رسم لوگوں میں رائج کر جاتا ہے تو اُس کو ان سب کے برابر وبال ہو جاتا ہے جو اس پر چلتے ہیں بدون

ح اس بات کے کہ ان لوگوں کے وبال سے کچھ کم ہو وے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو دنیا میں ناحق خون کرتا ہے تو اُس کا وبال قابیل حضرت آدم علیہ السّلام کے بیٹے پر بھی لکھتے ہیں اس واسطے کہ پہلے اسی نے اس کام کو کیا تھا اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مَا قَدَّمَ سے مراد وہ عمل ہیں جو جوانی اور ابتدائے شباب میں کیے ہیں اور مَا أَخَّرَ سے مُراد وہ عمل ہیں جو بڑھاپے اور آخر عمر میں کیے ہیں حاصل کلام یہ کہ ہر طرح سے آدمی کو ہر حرکت اور ہر سکون

اور ہر قول اور فعل پر آگاہ کریں گے تاکہ اسی کے موافق اس کو جزا دلویں اگرچہ یہ خبردار کرنا اور نامۂ اعمال دکھلانا اور گواہوں کو گذارنا اس کے حق میں کچھ حاجت نہیں ہے بَلِ الْاِنْسَانُ بلکہ آدمی خود بخود اپنے سب عملوں پر مطلع اور خبردار ہو جائے گا اسواسطے کہ وہ آدمی عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ اپنی جان پر حجت کامل اور گواہ عادل ہے اسواسطے کہ اپنے کیے ہوئے عملوں کی شکلیں اسکے نفس میں راسخ اور ثابت ہیں اور اس عالم میں جو اس کی دریافت قوی اور صاف ہو گی اس سبب سے ان سب عملوں کی شکلوں کو دریافت کرے گا بلکہ اپنے وجدان اور دریافت کی طرف رجوع کی احتیاج بھی نہ ہو گی اسواسطے کہ عالم روح کے شائع اور پراگندہ ہونے کے سبب سے وہ شکلیں خود بخود ظہور کریں گی اور اعضا کی صفتیں اور صورتیں ہو جائیں گی بعضے چہرے کی تاریکی اور منہ کی سیاہی پیدا کریں گی اور بعضے چہرے کی رونق اور سرخروئی پیدا کریں گی اور اسی طرح تمام اعضا اور اجزا میں ظہور کریں گی چنانچہ وضو کرنیوالوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں روشن اور چمکتے ہوں گے اور انکو زیور پہنے ہوئے لاویں گے اور خیانت کرنیوالوں کو جس چیز کی خیانت کی ہو اس کو اسی کی گردن اور کاندھے پر لادے ہوئے لاویں گے اور شہیدوں کو خون سے رنگین لاویں گے اور زانیوں کو ان کی شرمگاہوں سے پیپ بہتا ہوا بدبو آتی ہوئی لاویں گے یہاں تک کہ ہر ہر عضو آدمی کا جس سے جو گناہ کیا ہے وہ خود گواہی دے گا اور آپ بولے گا پھر سوائے اقرار کرنے کے آدمی کا کچھ بس نہ چلے گا وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِیْرَهٗ ط اگرچہ لا ڈالے گا ترکش کے تیروں کی طرح تمام اپنے عذر اور بہانے کو حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی کا قیامت کے دن اپنے اپنے عملوں پر مطلع اور خبردار ہونا تین مرتبہ ہو گا پہلی مرتبہ ہر ایک کا نامۂ اعمال فرشتے پڑھ کے ہر ایک کے ہاتھ میں دیں گے اور کہیں گے کہ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ط كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ، یعنے پڑھ اپنی کتاب تو آپ کافی ہے اپنی جان کے واسطے آج کے دن اپنے اوپر حساب لینے والا اسوقت آدمی اپنے برے کاموں کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے ہرگز یہ کام نہیں کیے ہیں یہ ہم پر جھوٹ لکھ دیا ہے پھر دوسری مرتبہ آسمان اور زمین اور دن اور رات اور ہر ہر عضو اس کا ان کاموں پر گواہی دے گا اور ان کے ذمے وہ چیزیں ثابت کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم نے یہ کام کیے ہیں پھر اس وقت یہ بھی اقرار

کریں گے اور کہیں گے کہ ہاں ہم سے یہ کام ہوئے لیکن عذر پیش کریں گے اور کہیں گے کہ فلانا کام ہم سے اس سبب سے ہوا اور فلانا کام اس سبب سے اور اکثر ان کے عذر نادانی اور جہالت کے ہونگے مثلاً یہ کہ ہمارے پیشوا ہمارے واسطے دین اور آئین اور رسم اور طریقے مقرر کر گئے تھے سو ہم ان کی تقلید اور پیروی سے اس بلا میں گرفتار ہوئے چنانچہ قرآن شریف میں جابجا اسی قسم کے عذر نامسموع ان کی زبان سے حکایت کے طور پر حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں اور جب ان کے عذروں کو بھی باطل اور نامسموع کر دیں گے پھر تیسری مرتبہ یہ حکم ہوگا کہ ہر ایک کا نامۂ اعمال اگر اچھا ہے تو سیدھے ہاتھ میں اور اگر برا ہے تو الٹے ہاتھ میں دے کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر ان کو پہنچاؤ تب فرشتے نیکوں کے نامۂ اعمال ان کے سیدھے ہاتھ میں دے کر موقف کے داہنی طرف جو بہشت کا راستہ ہے روانہ کریں گے اور بُروں کو الٹے ہاتھ میں دیکر موقف کے بائیں طرف جو دوزخ کا راستہ ہے مار مار کے اور گردنوں میں ہاتھ دے کر ہانکیں گے اور بعضوں کو زنجیروں اور طوقوں سے جکڑ کے لے جائیں گے اور بعضوں کو منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جائیں گے اور جب آدمی کی غفلت کے بیان سے فراغت پائی یعنی آدمی ایسا غفلت میں پڑا ہوا ہے کہ قیامت کے آنے کا انکار کرتا ہے اور واہی نامعقول شبہے اس میں نکالتا ہے اور پھر قیامت کے دن تجلی قاہرۂ الٰہی کے نور کے ظہور کے وقت حسرت اور افسوس کرے گا اور اس دن کے خوف سے مضطر اور بے قرار ہو دے گا اور تقدیم اس چیز سے جس کی تاخیر ضروری تھی اور تاخیر اس چیز سے جس کی تقدیم ضروری تھی خبردار کیا جائے گا اور ان سب چیزوں کی اس سے پرسش ہو گی تو اب بات میں بات نکل آنے کے طور پر اپنے پیغمبر سے حکم ہوتا ہے کہ اس بیان سے تم کو یہ بات معلوم ہو چکی کہ جس کی تقدیم ضروری ہے اس کو موخر کرنا اور جس کی تاخیر ضروری ہے اس کو مقدم کرنا مذموم اور برا ہے اگرچہ جو کام خیر کے ہیں ان میں سے ہو تو تم کو لازم ہے کہ اپنے تئیں ان دونوں چیزوں سے بچائے رکھو خصوصاً قرآن شریف اور اس کی تفسیر کے سیکھنے میں اسواسطے کہ اس علم کا جو نہایت شوق تم کو ہے اور اس پر بہت حریص ہو اس سبب سے یہ دونوں چیزیں تم سے صادر ہوتی ہیں اور تم یہ سمجھتے ہو کہ علم کے سیکھنے میں جس قدر عجلت اور شتابی ہووے بہتر ہے اسواسطے کہ

خوف بھول جانے کا لگا ہوا ہے سو تم کو چاہیے کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ مت ہلاؤ اس قرآن کے پڑھنے میں اپنی زبان کو جس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑھتے ہیں لِتَعْجَلَ بِهٖ تا کہ جلدی کرو اس قرآن کے لفظ کے یاد رکھنے میں اس خوف سے کہ اوّل سبق سے آخر سبق کے سننے تک ایسا نہ ہو کہ بعضے الفاظ تمہاری یاد سے جاتے رہیں اور جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ پڑھ کے چلے جاویں اور تم کو وہ الفاظ بھول جاویں اور اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ سبق کے سننے میں ایسی جلدی اور شتابی کرنا یعنے آپ بھی پڑھنے لگنا سبق کے سننے میں خلل ڈالتا ہے نہ اوّل اچھے طور سے سنا جاتا ہے نہ آخر اسواسطے کہ دل دوسری طرف یعنی پڑھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو سننے سے رہ جاتا ہے سو اگر تم کو بھول جانے کا خوف ہے اس سبب سے ایسی جلدی کرتے ہو تو اس خوف کو دل سے نکال ڈالو اور خاطر جمع رکھو اسواسطے کہ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ؕ بیشک ہمارے ذمہ پر ہے جمع کرنا تمام سبق کا تمہارے سینہ اور حافظے میں اور اوّل سے آخر تک پڑھنا اس کا تمہاری زبان سے فَاِذَا قَرَاْنٰهُ پھر پڑھنے لگیں ہم اس کو تعلیم اور سنانے کے واسطے جبرئیل کی زبان سے جو ہمارا ایلچی اور بھیجا ہوا ہے اور اس کا پڑھنا گویا ہمارا پڑھنا ہے فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ پھر پیروی کرو اس کے پڑھنے کی یعنی پہلے چپ بیٹھے اس کا پڑھنا سنا کرو پھر جب وہ پڑھ چکے تب تم پڑھنا شروع کرو ان ہی مخرجوں سے اور اسی شد اور مد سے تا کہ اس طور کے پڑھنے سے یعنی جبرئیل کے پڑھنے کو سننے سے اور تمہارا پڑھنا جبرئیل کے سننے کے سبب سے تمہارا سبق پکا ہو جاوے اور بعضے لفظوں کے بھول جانے کا یا کسی حرف کے رہ جانے کا یا مخرج سے ادا نہ ہونے کا یا شد اور مد کے رہ جانے کا یا وصل اور وقف کی رعایت نہ ہونے کا خوف بالکل جاتا رہے اور تمہاری خاطر جمع ہو وے سو اس کو بوجھو کہ جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے درمیان میں قرآن کو پڑھنے لگنا وہ چیز ہے جس کی تاخیر واجب ہے اور تم اسکو مقدم کرتے ہو اور جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کو سننا اور اسی طرف کان رکھنا وہ چیز ہے جس کی تقدیم واجب ہے اور تم اس کو مؤخر کرتے ہو اور دوسرے یہ بھی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے درمیان میں قرآن کے مشکل معنی تم پوچھنے لگتے ہو اور اس کی تحقیق کرنے لگتے ہو اور تم ایسا سمجھتے ہو کہ اگر جبرئیل علیہ السلام قرآن پڑھنے سے فراغت

پا کے چلے جائیں گے اور مجھ کو اس سبق کی تفسیر معلوم نہ ہو گی تو تبلیغ کے وقت اگر مجھ سے اس کے معنی لوگ پوچھیں گے تو میں ان کو کیا جواب دوں گا سو ارشاد ہوتا ہے کہ اس امر سے بھی تم خاطر جمع رکھو اسواسطے کہ ثُمَّ قرآن کی لفظوں کی تعلیم کے بعد اور حرفوں کے مخرج اور شد اور مد اور فصل کی تصحیح کے بعد اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ ؕ بیشک ہمارا ذمہ ہے ان کے معنوں کے بیان کرنے کا بھی سو اس کو بھی پوچھو کہ قرآن کے پڑھنے کے وقت اس کے معنوں کو جبرئیل علیہ السّلام سے پوچھنا ایسی چیز ہے جس کی تاخیر واجب ہے اور تم اس کو مقدم کرتے ہو اور قرآن کی لفظوں کی تصحیح کی طرف متوجہ ہونا ایسی چیز ہے جس کی تقدیم واجب ہے اور تم اس کو مؤخر کرتے ہو کَلَّا السیامت کرو یعنی قرآن کے سیکھنے اور سکھلانے کے وقت جس چیز کی تاخیر واجب ہے اس کو مقدم اور جس کی تقدیم واجب ہے اس کو موخر مت کیا کرو اسی طرح جتنی بہتر چیزیں ہیں ان میں یہ بات مذموم اور بری ہے اسواسطے کہ یہ بات قرآن کے اصل علم کے سیکھنے میں نقصان لاتی ہے اور اس سبب سے استاد اور شاگرد دونوں کا ذہن منتشر ہو جاتا ہے اسی واسطے اس آیت سے استنباط کیا ہے یعنی اس حکم کو نکالا ہے کہ علم کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ کتاب کی عبارت پڑھنے کے وقت جو استاد کے قائم مقام ہے سننے والوں پر لازم ہے کہ سوائے سننے کے دوسری طرف مشغول نہ ہوویں اور قاری کے ساتھ پڑھنے نہ لگیں پھر قاری کے پڑھنے کے بعد اگر چاہیں تو اس کو دہرالیں پھر جب استاد یا قاری ترجمہ تحت اللفظ بیان کرنے لگے تو اسوقت بھی مالہ اور ماعلیہ کی تحقیق نہ کرنے لگیں پھر جب لفظ کی صحت یعنی عبارت صحیح قاری پڑھ چکا اور لفظی ترجمہ بھی بیان ہو چکا پھر اس وقت مالہ اور ماعلیہ کی تحقیق شروع کریں یعنی اس عبارت میں یہ لفظ مناسب تھا اور فلانے لفظ پر یہ اعتراض ہوتا ہے اور اسی طرح بحث کے درمیان میں اعتراض سے معترض نہ ہوویں بلکہ بحث کے تمام ہونے کے بعد اگر کچھ شبہہ باقی رہے تو اس کی تحقیق کرلیں اور یہ سب چیزیں آدمی کی طبعی عجلت کے سبب سے ہیں یعنی آدمی کی خلقت اسی طرح پر ہوئی ہے چنانچہ قرآن شریف میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے کہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ یعنی پیدا کیا گیا ہے آدمی عجلت سے سو یہ امر فقط تمہارا خاصہ نہیں ہے بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ ۙ بلکہ تم سب اے آدمیوں دوست رکھتے ہو جلدی والے نفع کو

جو جلدی ہاتھ میں آوے اور شتابی حاصل ہووے سو یہ بات البشری جبلت کے تقاضے سے ہے اور اس چیز میں سب آدمی برابر ہیں اتنا فرق ہے کہ نیک لوگ اس جلدی حاصل ہونیوالی منفعت کو دوست رکھتے ہیں جو نیک ہے اور بُرے لوگ اس شتابی حاصل ہونیوالی منفعت کو دوست رکھتے ہیں جو بد ہے حضرت عبداللہ بن عباس اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت آئی ہے کہ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے سبب سے بہت تکلیف کھینچتے تھے اس سبب سے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے تھے اور قرآن شریف کی آیتوں کو پڑھنا شروع کرتے تھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ اپنی زبان اور لبوں کو آہستہ آہستہ جنبش دیتے تھے تاکہ ایسی آواز بلند نہ ہو کہ حضرت جبرئیل کا پڑھنا آپ کی سماعت میں نہ آوے اور آپ کو یہ بھی خیال رہتا تھا کہ ہر ہر لفظ جبرئیل علیہ السلام کی قرأت کے مطابق اپنی بھی زبان سے نکلے اور اسی طرح یاد رہے تو آپ کو یہ دونوں مختلف کام یعنی سُننا اور پڑھنا ایک ہی وقت میں بہت بھاری معلوم ہوتے تھے سو حق تعالیٰ جل شانہٗ نے اس تکلیف اور رنج کے دفع کرنے کے واسطے اس چیز کو منع فرمایا ہے کہ اس تکلیف میں مت پڑو اور خاطر جمعی بھی آپ کی فرما دی کہ تم کو بدون اس رنج اور تکلیف کے قرآن یاد رہے گا اور اچھی طرح تم سے پڑھا جائے گا پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رب العزت عز اسمہٗ کے ارشاد کے بموجب حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے وقت چپ رہتے اور کان دھر کے ان کی قرأت کو سُنا کرتے تھے اور جب حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑھ چکتے تھے تب بعینہٖ اسی عبارت کو بے تفاوت دوسرا کے ان کو سُنا دیتے تھے سو اس آیت سے یعنے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ سے اسی امر اور نہی کو تمام امورات خیر میں تقدیم اور تاخیر کی رعایت پر متفرع فرمایا ہے اور پھر اس سے منافع عاجلہ کے حب کی طرف انتقال فرمایا ہے اور حاصل مطلب یہ ہے کہ کتنا ہی امر نیک ہو لیکن اُسکے حاصل کرنے میں بہت جلدی نہ کرنا چاہئیے اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو اس جلدی سے کوئی دوسرا امر بہتر فوت ہو جاوے چنانچہ آدمی دنیا کی محبت میں آخرت سے غفلت کرتے ہیں اسی سبب سے اس عبارت میں تمام آدمیوں کی طرف خطاب فرمایا ہے کہ تم سب منافع عاجلہ کی یعنی دنیا

کی منفعت کی محبت میں گرفتار ہو وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ اور چھوڑتے ہو آخرت کو اور اس کی فکر کچھ بھی نہیں کرتے ہو اس واسطے کہ تم اس کو دور سمجھتے ہو اور دنیا کے منافع کی محبت اور آخرت کے منافع سے غفلت کرنا بڑے فساد کا باعث ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ یعنی دنیا کی محبت اصل ہے سب برائیوں کی اور بڑی مشکل یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کی محبت ایک جگہ جمع نہیں ہوتی ہے بلکہ ایک کی محبت دوسری چیز کے بغض کا سبب پڑتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْيَاهُ فَاٰثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى یعنی جس شخص نے دوستی کی دنیا سے تو نقصان کیا اپنی آخرت کا اور جسنے محبت کی اپنی آخرت سے نقصان کیا اپنی دنیا کا پھر چاہیے کہ اختیار کرو اس چیز کو جو باقی رہنے والی ہے اس پر جو فنا ہونیوالی ہے اور حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے اَلدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِيَتْ اَحَدُهُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰى یعنی دنیا اور آخرت دونوں سوتنیں ہیں اگر ایک ان دونوں میں سے راضی ہوئی تو دوسری ناراض ہوگی اور اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ کو تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ پر عطف ملازمت فرمایا ہے وَلَا تُحِبُّوْنَ الْاٰخِرَةَ نہ فرمایا گویا یوں ہوتا ہے کہ اس عاجلہ کی محبت اس دوسرے کی محبت کے ترک کا سبب ہے اور حال یہ ہے کہ آخرت کی منفعت اور مضرت ہزاروں درجے اس دنیا کی منفعت اور معرفت سے بڑھ کے ہے یہاں تک کہ ان دونوں میں کچھ نسبت نہیں ہے اسواسطے کہ وُجُوْهٌ کتنے چہرے يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اس دن تر و تازہ اور روشن اور چمکتے ہوں گے اس سبب سے کہ ان کے نیک اعتقادوں کا نور اور نیک عملوں کی روشنی ان کے چہروں پر ظہور کرے گی اور ان کے باطن کا نور ظاہر پر نمودار ہوگا اور اس نور کی قوت کے سبب سے جو ان کی آنکھ کی روشنی کی مدد کرے گا اِلٰى رَبِّهَا اپنے پروردگار کے نور کی تجلی کی طرف نَاظِرَةٌ نظر کرنیوالے اور بڑی لذت پانے والے ہوں گے اور ان کی آنکھ اس تجلی کے دیکھنے سے ہرگز نہ چوندھیاوے گی اور متحیر اور خوفناک بھی نہ ہووے گی وَوُجُوْهٌ کتنے چہرے يَّوْمَئِذٍ اس دن حیرت اور دہشت میں پڑے ہوں گے اگرچہ اس تجلی کے سامنے کھڑے ہوں گے لیکن اس کو دیکھ

نہ سکیں گے پھر اس کے دیکھنے سے چین پانا اور لذت اٹھانا تو بہت دور رہا اسواسطے کہ وہ چہرے
اپنے حال میں گرفتار ہوں گے بَاسِرَۃٌ اداس رونی شکل کے ہوں گے سو یہ ظاہر اُن کا ایسا خراب
ہوگا اور ان کے دل میں عجیب طرح کا رنج اور غم غالب اور بھرا ہوگا کہ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِھَا فَاقِرَۃٌ
یقین رکھتے ہوں گے کہ کیا جائے گا اُن کے ساتھ معاملہ پیٹھ کی ہڈی توڑنے والا اور اس خیال سے
ان کے حواس بجا نہ ہوں گے تا کہ تجلی الٰہی کے نور کی رویت سے بہرہ مند اور مشرف ہوں
۲ چنانچہ حدیث صحیح متواتر میں جس کو بہت صحابیوں نے روایت کیا ہے آیا ہے کہ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ
رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ لَیْسَ دُوْنَہٗ حِجَابٌ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ تم دیکھو گے اپنے پروردگار کو یعنی قیامت کے دن جس طرح دیکھتے ہو چودھویں
رات کے چاند کو ایسے وقت میں کہ اس وقت میں بدلی یا دھواں یا غبار تمہارے اور چاند
کے درمیان میں حائل نہ ہو اور حق تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونے میں آپس میں ایک دوسرے
کا مزاحم اور مانع بھی نہ ہوگا جسطرح چاند کے دیکھنے میں ایک دوسرے کا اوٹ نہیں ہوتا
ہے اور یہ بھی حدیث صحیح میں آیا ہے کہ تم لوگ حق تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہو گے لیکن
اگر ہو سکے تو فجر اور عصر کی نماز کو بہت احتیاط سے اپنے وقت پر ادا کرتے رہو اس حدیث
سے معلوم ہوا کہ ان دونوں نمازوں کا نور حق تعالیٰ کے دیدار میں مدد اور اعانت کرے گا
اب یہاں پر جاننا چاہیے کہ یہ آیت صریح دلیل ہے اس بات پر کہ قیامت کے دن حقتعالیٰ
کا دیدار نیک لوگوں کو نصیب ہوگا اور حدیث صحیح متواتر جس کو بہت صحابیوں نے صحیح
اسنادوں سے روایت کیا ہے وہ بھی اس نص کے مضمون کی تاکید کرتی ہے تو حق تعالیٰ
کی رویت کا اعتقاد ہر مسلمان کو لازم و فرض ہے اور حق تعالیٰ کے دیدار کے منکر اس آیت
کے معنوں میں بہت گھبرائے ہیں اور ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور عجیب اور غریب باتیں کی
ہیں کہ اکثر وہ باتیں کتاب اللہ کی تحریف کو پہنچتی ہیں اور مفسروں پر تحریف کا رد واجب ہے اس
سبب سے اُن چیزوں کا ذکر اس مقام پر کرنا ضرور ہوا والا اس تفسیر کے طرز کے لحاظ سے اس
گفتگو کا لانا اس جگہ مناسب نہ تھا ناچاری سے ذکر کیا جاتا ہے اور اس ذکر کے پہلے ایک مقدمہ
ضروری بیان ہوتا ہے اس کو کان رکھ کے سننا چاہیے اور اس مقدمہ کا حاصل یہ ہے کہ کلام اللہ

کی تفسیر اس کو کہتے ہیں کہ تین چیزوں کی رعایت اس میں پائی جاوے اول یہ کہ ہر کلمہ کو قرآن شریف کے اس کے حقیقی معنوں پر حمل کرنا چاہیے یا مجاز متعارف اور مشہور پر دوسری یہ کہ اس کلمے کے سیاق اور سباق کو اور کلام کے نظم کو اوّل سے آخر تک ملاحظہ کرنا اور نگاہ رکھنا چاہیے تاکہ کلام بے نسق اور بے ربط نہ ہو جائے تیسری یہ کہ نزول وحی کے گواہوں کا فہم اس تفسیر کے مخالف واقع نہ ہو اور وہ گواہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں پھر اگر ان تینوں چیزوں سے ایک فوت ہو جاوے اور دوسری باقی رہیں تو اس کو تاویل کہتے ہیں سو اگر پہلی فوت ہو جاوے لیکن دوسری اور تیسری باقی رہیں تو اس کو تاویل قریب کہتے ہیں اور اگر دوسری فوت ہو جاوے لیکن پہلی اور تیسری باقی رہیں یا تیسری فوت ہو جاوے لیکن پہلی اور دوسری باقی رہیں تو ان دونوں صورتوں کو تاویل بعید کہتے ہیں اور اگر یہ تینوں فوت ہو جاویں تو اس کا نام تحریف اور نسخ ہے معاذ اللہ من ذلک پھر جب یہ مقدمہ معلوم ہو چکا تو اب جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت کے منکروں کے کلام میں جس کو وہ بہت عمدہ جانتے ہیں اور اس گروہ کے مفسر اس پر ناز اور فخر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ نَاظِرَۃٌ کو مُنْتَظِرَۃٌ کے معنوں میں کہتے ہیں چنانچہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ میں واقع ہوا ہے یعنی نہیں منتظر ہیں مگر اس کی تاویل کے اور مہلت دو ہم کو کہ ہم بھی سلگا لیں تمہاری روشنی سے اور اِلیٰ کو کہتے ہیں کہ یہ حرف جر کا نہیں ہے بلکہ نعمت کے معنوں میں ہے اِلاء کا مفرد ہے اصل میں اِلیٰ تھا تنوین کے ساتھ جب رَبِّهَا کی طرف اس کو مضاف کیا تو تنوین جاتی رہی اِلیٰ رہ گیا اس سبب سے حرف جر سے مشابہ ہو گیا تو اب ان کے نزدیک اس آیت کے معنی یوں ہوئے کہ اپنے پروردگار کی نعمت کے منتظر ہوں گے تو ان کے نزدیک اس آیت نے رویت پر دلالت نہ کی سو اب اس آیت کے معنوں میں تامل اور غور کرنا چاہیے کہ اوّل تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم کے یہ معنی مخالف ہیں بلکہ اس کہنے والے کے پہلے جتنے زمانے گذرے ہیں ان سب لوگوں کے یہ قول مخالف ہے کسی شخص کو یہ بات نہ سوجھی سوائے اس شخص کے اور دوسرے یہ کہ قرآن شریف کے استعمال کے بھی مخالف ہے اسواسطے کہ دو جگہ تو اسی سورۃ میں اِلیٰ کا لفظ واقع ہے چنانچہ اِلیٰ رَبِّكَ

یومئذٍ المستقر اور الی ربک یومئذٍ المساق اور سوائے اس کے اگر تمام قرآن شریف میں یہ لفظ تلاش کیا جاوے تو ہزار جگہ سے زیادہ نکلے گا چنانچہ الی ربک منتہاھا ارجعی الی ربک ارجع الی ربک الی ربہم یحشرون الی ربہم یرجعون وانھم الیہ راجعون اور سوائے اس کے بہت جگہ پر واقع ہے لیکن کسی جگہ ان ترکیبوں میں الی نعمت کے معنوں میں مستعمل نہیں ہوا ہے بلکہ الی کا لفظ تمام قرآن شریف میں نعمت کے معنوں میں واقع نہیں ہوا ہے اور خالص عرب کے کلام میں بھی یہ لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں ہے اور اکثر اہل عربیت نے اس لفظ کو تحقیق کیا ہے اور کہا ہے کہ آلاءُ کا مفرد اَلیٰ ہے ہمزہ کے فتحہ سے قفا کے وزن پر نہ اِلی معی کے وزن پر اور یہ جو کہتے ہیں کہ اعشیٰ نے اپنے شعر میں اس لفظ کو اسی وزن اور اسی معنوں میں استعمال کیا ہے چنانچہ اس کا شعر یہ ہے ابیض لا یرھب الھزال ولا یقطع رحما ولا یخون اِلیٰ یعنے گورا رنگ نہیں خوف کرتا ہے لاغری کا اور نہیں قطع کرتا ہے رحم کو اور نہ خیانت کرتا ہے نعمت میں سو یہاں پر کس دلیل سے ثابت ہوا ہے کہ اِلی اس شعر میں ہمزہ کے زیر سے ہے زبر سے نہیں ہے تاکہ دلیل درست ہووے اور سوائے اس کے اگر ایک شاعر نے اپنے شعر میں ایک نادر کلمہ کو استعمال بھی کیا تو وہ کلمہ وحشت اور غرابت سے نہ نکل جائے گا والا جرشی و مسرج کا لفظ بھی وحشی اور غریب نہ چاہیے ہو اور کلام اللہ جو انتہا درجے کی فصاحت اور بلاغت میں واقع ہے سو اس کو غریب وحشی کلموں کے استعمال پر مشتمل کرنا اس کی فصاحت اور بلاغت میں بٹا لگانا ہے خصوصاً ایسے مقام پر جہاں راجح اور مشہور تر ترکیب کے استعمال کا گمان غالب ہووے بلکہ یقین ہووے وہاں وحشی غیر مستعمل کی طرف پھیرنا گویا قرآن شریف پر چیستان اور پہیلی کی تہمت لگانا ہے حاشا کلام اللہ من ذٰلک یعنی بہت دور ہے کلام الٰہی ایسی چیزوں سے قرآن شریف کا نزول تلبیس اور اشتباہ کے دفع کرنے کے واسطے ہے نہ فریب دینے اور غلطی میں ڈالنے کے واسطے سو اِلیٰ کے معنی حقیقی نعمت کے کہنا مجاز اور کنایت سے ہزاروں مرتبہ بعید ہے بلکہ اِلی کو اپنی اصل سے خارج کرنا ہے یعنی حرفیت سے نکال کے اسمیت میں داخل کرنا ہے اور جس طرح غیر حقیقی اور غیر متعارف معنوں پر کسی کلمہ کو حمل کرنا تاویل کے مرتکب اور دلیر ہونے کا سبب ہے

اسی طرح کسی کلمہ کو ایسے معنوں پر حمل کرنا جس کے سبب سے وہ کلمہ اپنی اصلیت سے نکل جاوے جیسے حرفیت سے جو رائج اور مشہور ہے نکل کے اسمیت یا فعلیت میں داخل ہووے جو غیر متعارف اور غیر مشہور ہے یہ بھی تاویل کا مرتکب ہونا ہے بلکہ یہ تحریف ہے مثل زَیْدٌ وَ جَارِیَۃٌ مِنْ بَطْنِ عُصْفُوْرٍ اور باوجود ایسی مخالفتوں کے اس کلام کی ابتدا سے یعنی بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ سے اس آیت کے آخر تک کوئی لفظ نہیں ہے جو ان معنوں کو مدد نہ کرے اور جس غرض کے واسطے یہ کلام لایا گیا ہے سو یہ معنی اس غرض کے بالکل منافی اور مخالف ہیں اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَ کا مضمون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تم لوگ ناکارہ چیز کو دوست رکھتے ہو اور عمدہ چیز کو ترک کرتے ہو سو آئندہ کلام میں آخرت کی عمدگی کے واسطے اگر ایسی چیز جو مخصوص آخرت کے واسطے ہو اور دنیا میں نہ پائی جاتی ہو بیان نہ کریں تو یہ دعویٰ درست نہ ہو اور جب یہ بیان فرمایا کہ بہت لوگوں کو قیامت کے دن حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا اور یہ ایسی چیز ہے کہ کوئی نعمت اور کوئی ترقی اس سے بڑھ کے آدمی کے وہم اور خیال میں نہیں آسکتی ہے تو آخرت کی عمدگی ثابت ہوئی اور اگر نعمت الٰہی کے انتظار کو بیان کریں تو اس غرض کے منافی اور مخالف ہو جاوے اس واسطے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کا انتظار دنیا میں بھی حاصل ہے بلکہ بروں کو نیکوں سے زیادہ حاصل ہے اس واسطے کہ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ یعنی دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کا باغ ہے اس واسطے کہ چہروں کی تازگی اور رونق اور چمک اور دمک رنگ کی عقبیٰ کافروں کو حاصل ہے ایمانداروں کو ہرگز میسر نہیں ہے تو آخرت کی زیادتی دنیا پر کیا ہوئی جس کے واسطے دنیا کی محبت اور آخرت کے ترک پر ملامت فرماتے ہیں بلکہ اس وقت میں تو بروں کو کہنے کی جگہ ہے کہ ہم لوگ دنیا کو اس سبب سے دوست رکھتے ہیں اور آخرت کی فکر کچھ بھی نہیں رکھتے کہ چہروں کی بشاشت اور تازگی اور گوناگوں نعمتوں کا انتظار ہم کو دنیا میں حاصل ہے اور دنیا کی نعمتیں نقد اور نزدیک ہیں اور آخرت کا حال معلوم نہیں ہے کہ یہ نعمتیں ہم کو وہاں حاصل ہوں یا نہ ہوں اور سوائے اس کے آخرت موعود اور نسیہ ہے پھر بعد اس کے وجوہ کے لفظ میں قیاس کرنا چاہیے کہ اگرچہ وجوہ کے لفظ سے اس جگہ ذات اور اشخاص مراد ہیں لیکن بلاغت والوں کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی

چیز کو ساتھ کسی لفظ کے تعبیر کرتے ہیں تو جو کچھ اس لفظ کے مناسب ہوتا ہے لاتے ہیں جیسے اس کی صفتیں یا اس کے کام چنانچہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ اور وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ اور قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ میں واقع ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ وُجُوْهٌ کا کام نظر کرنا اور دیکھنا ہے نہ انتظار کرنا نعمتوں کا اسواسطے کہ یہ قلب کا کام ہے سو اگر انتظار مراد ہوتا تو یوں کہنا تھا کہ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْتَبْشِرَةٌ نِعْمَةَ رَبِّهَا مُنْتَظِرَةٌ یعنی بہت دل اس دن خوش ہوں گے اپنے رب کی نعمت کے منتظر پھر يَوْمَئِذٍ کے لفظ میں تامل کرنا چاہیے اس واسطے کہ جو چیز کہ خاص اس دن کے واسطے ہے اسی کو یہ لفظ چاہتی ہے سو اگر نَاظِرَةٌ مُنْتَظِرَةٌ کے معنوں میں ہو اور الٰہی نعمت کے معنوں میں تو یہ چیزیں اس دن سے کچھ خصوصیت نہیں رکھتی ہیں اسواسطے کہ دنیا میں بھی نعمت الٰہی کا انتظار حاصل ہے اور نضارت اور تازگی منہ کی بالیقین دنیا اور آخرت میں مشترک ہے اگر ایسی کوئی چیز بیان نہ کی جاوے جو اس دن کے واسطے خاص ہے تو يَوْمَئِذٍ کا لفظ بالکل بے کار ہو جاوے پھر ناظرۃ کے لفظ میں غور کرنا چاہیے کہ چہرے کی تازگی اور چمک اور رنگ لذت کے حاصل ہونے میں ہوتی ہے یا حصول کے انتظار میں بلکہ لذت کے حصول کا انتظار تو خود ایک عذاب ہے جس سے روحی رنج حاصل ہوتا ہے پھر یہ عذاب کس طرح چہرے کی تازگی اور خوشی کا سبب پڑے گا چنانچہ شاعر کہتا ہے شعر ہندکی تیغ روم کا خنجر، نہ کرے جو کہ انتظار کرے، پھر اس کے مقابلے میں وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ میں تامل کرنا چاہیے اسواسطے کہ یہ مضمون کمال جدائی پر ان دونوں گروہوں کی دلالت کرتا ہے پھر اگر اچھے بھی انتظار نعمت کے رنج میں گرفتار ہو ویں تو رنج میں بروں کے شریک ہو ویں اگرچہ بروں کو بلا کا انتظار ہے اور نیکوں کو عطا کا اسواسطے کہ انتظار عطا کا بھی رنج کا سبب ہے جس طرح بلا کا انتظار رنج کے حاصل ہونے میں ان دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے انتہیٰ اور ایک دوسرا فرقہ منکر رویت کا ہے اس نے یوں کہا ہے کہ کسی طرف آنکھ کے متوجہ کرنے کو نظر کہتے ہیں پھر خواہ وہ نظر میں آوے یا نہ آوے چنانچہ عرب لوگ بولتے ہیں نَظَرْتُ اِلَى الْهِلَالِ فَلَمْ اَرَاهُ یعنے نظر کی ہم نے چاند کی طرف پر نہ دیکھا ہم نے اس کو اور قرآن شریف میں بھی آیا ہے تَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ

یعنے تم دیکھتے ہو ان کو کہ وہ دیکھتے ہیں تمہاری طرف اور وہ ہرگز نہیں دیکھتے تو اب اس تاویل سے اس آیت کے معنی یوں ہو گئے کہ اپنے پروردگار کی طرف نظر کو متوجہ کریں گے اگرچہ اس کو نہ دیکھیں گے اور وہ دیکھنے میں نہ آوے اب اُن کے اس کلام میں عاقل کو تامل کرنا چاہیے کہ کیا لوچ بکتے ہیں اسواسطے کہ ان لوگوں نے انکار رویت کا اسواسطے کیا تھا کہ دیکھنے کے واسطے مقابلہ اور جس کو دیکھتا ہے اُس کا مکان اور آنکھ سے اشارہ کرنا اس کی طرف اور شعاع کا پہنچنا اس تک ضرور ہے اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں لیکن جب انہوں نے نظر کا متوجہ کرنا حق تعالیٰ کی طرف جو نیک لوگوں سے آخرت میں واقع ہوگا جائز رکھا تو گویا یہ سب چیزیں حق تعالیٰ کے حق میں ثابت کر چکے تو اب ان پر وہی عرب کی مثل سچی ہوئی کہ فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَ وَقَفَ تَحْتَ الْمِیْزَابِ یعنی برسات کی بوندوں سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے جا کھڑا ہوا اور علاوہ اس کے یہ ہوا کہ کلام الٰہی نے اس بے حاصل کے تصرف سے رکاکت پیدا کی اسواسطے کہ کسی مرغوب چیز ڈھونڈھنا اور پھر نہ پانا یہ نہایت رنج اور بے مزگی کا باعث ہوتا ہے پھر ایسی چیز کو نیکوں کی تعریف میں بیان کرنا کیا مناسب تھا اور یہ بھی سہی لیکن ان چہروں کی تازگی اور روشنی کی کیا وجہ اسواسطے کہ باوجود سعی اور تلاش کے ان کو حرمان اور ناامیدی حاصل ہے اور یہ خود ترش روئی اور رنجیدگی کا سبب ہے پھر خوشی کی کیا وجہ ہے اور بعضے دوسرے جو رویت کے منکر ہیں انہوں نے یوں کہا ہے کہ اس جگہ مضاف محذوف ہے اصل میں یوں تھا کہ اِلٰی ثَوَابِ رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ یعنی اپنے رب کے ثواب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے یہ اس سے بھی زیادہ پوچ اور بے معنی ہے اسواسطے کہ نعمت کا دیکھنا خوشی اور چہرے کی تازگی کا سبب نہیں ہوتا ہے بلکہ نعمت کا حاصل ہونا البتہ ان چیزوں کا سبب پڑتا ہے سو چہروں کی تازگی کی وجہ میں نعمت کے دیکھنے کو بیان کرنا بلاغت کے منافی ہے اور اسی طرح بعضے دوسرے اس فرقے کے یوں کہتے ہیں کہ نَظَرْتُ اِلٰی فُلَانٍ توقع اور طمع کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ فلانا فلانے کے ہاتھ کو دیکھتا ہے یعنی اس سے انعام کی توقع رکھتا ہے اسواسطے کہ طمع اور توقع تشویش اور تردد کے سبب پڑتے ہیں نہ خوشی اور سرور کے اور اس لفظ کو اکثر اس جگہ پر استعمال کرتے ہیں جہاں اس چیز کے حصول کا یقین بالکلیہ نہیں ہوتا

ہے چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎ اِلَیَّ اِلَیْکَ لِمَا وَعَدْتَ لَنَاظِرٌ + نَظَرَ الْفَقِیْرِ اِلَی الْغَنِیِّ الْمُوْسِرِ
یعنی میں تیری طرف بسبب وعدہ دینے تیرے کے دیکھنے والا ہوں یعنی منتظر ہوں جس طرح فقیر
محتاج دیکھتا ہے غنی توانگر کی طرف اور دوسرے شاعر نے یوں کہا ہے ؎ وَجُوْهٌ نَاظِرَاتٌ
یَوْمَ بَدْرٍ + اِلَی الرَّحْمٰنِ یَاْتِیْ بِالْفَلَاحِ + یعنی بہت منہ دیکھنے والے ہیں بدر کے دن رحمٰن کی طرف
کہ لاوے گا فلاح کو عرب لوگ جب کوئی تنگی اور فکر میں پھنس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عَیْنِیْ مَمْدُوْدَةٌ
اِلَی اللّٰہِ وَاَنَا شَاخِصُ الطَّرْفِ اِلٰی فُلَانٍ + یعنی میری آنکھ دراز ہے اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی حقیقت
میں امید اسی سے ہے اور میں دیکھنے والا ہوں فلانے کی طرف سو جتنی یہ مثالیں مذکور ہوئی ہیں
ان سب میں خوف اور رجا کی مزاحمت مرعی اور منظور ہے اب اس تاویل سے اس آیت
کے معنوں میں دوسرا اختلاف پیدا ہوا وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اب تک اپنے حال کا یقین حاصل
نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا پھر باوجود ایسی بے یقینی کے ان لوگوں کے دل کے پیالے
کہاں سے خوشی اور بے غمی کی شراب سے لبریز اور چھلکتے ہوں گے جس کے سبب سے اس
طرح کی خوشی اور خرمی اور تازگی اور سرخی رنگت کی اُن کے چہروں سے پھوٹی نکلتی ہوگی غرض
کہ ایسی باتیں چیلانا اور ایسا بیہودہ دیکھنا بلاشبہہ کتاب اللہ کی تحریف کرنا ہے اور حق تعالیٰ کے
حکم کو پھیرنا ہے نعوذ باللہ من ذٰلک اور جو اس کلام میں آدمی کی فہمید کا حال بیان ہوا کہ اس سبب
سے لوگ دنیا کی محبت میں گتھے ہوئے ہیں اور آخرت کی فکر سے غافل اور بے خبر ہیں اور دنیا
کو نزدیک اور نقد بوجھتے ہیں اور آخرت کو دور اور نسیہ جانتے ہیں اسواسطے نقد کو چھوڑ کے نسیہ
کی طرف مائل نہیں ہوتے سو اب اس فاسد اعتقاد پر زجر اور توبیخ اور جھڑکی ہوتی ہے کہ کلّا
آخرت کو ہرگز دور مت سمجھو اسواسطے کہ آخرت اس سفر کا نام ہے جس میں روح کو اپنے پروردگار
کی طرف مسافرت کرنا ہے اور اس سفر کی ابتدا موت کا وقت ہے گویا روح اسوقت اپنے
گھر سے نکل کے اس سفر کی منزلیں طے کرنے میں مشغول ہوتی ہے اور انتہا اس سفر کی قیامت
کے دن حق تعالیٰ کی قہری تجلی کے ظہور کی صورت میں ہوتا ہے چنانچہ اس سورۃ میں اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِنِ
الْمُسْتَقَرُّ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے اور سفر کی دوری اور نزدیکی ابتدا سے شمار کرنا چاہیے نہ اس
کی انتہا سے اور اس سفر کی ابتدا بہت نزدیک ہے کہ دنیا کی زندگانی سے ملی ہوئی ہے جسوقت

یہاں سے قدم اٹھایا بس وہاں پر رکھا سو حقیقت میں آخرت کا سفر شروع اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ لا اس وقت ہے کہ جب پہنچتی ہے آدمی کی جان اس کے سینے کی ہڈیوں میں جو گردن کے متصل ہے اور اس وقت کو احتضار اور سکرات اور غرغرے کا وقت کہتے ہیں اور اس وقت روح حیوانی اپنے مسکن اور ٹھکانے سے باہر نکلتی ہے یعنی دل سے اگرچہ اب تک تمام بدن سے باہر نہیں نکلی ہے جس طرح جب مسافر اپنے گھر سے باہر نکلا اگرچہ بستی کے گلی کوچے سے نہیں نکلا ہے اور شہر کے دروازے سے باہر نہیں ہوا لیکن مسافر ہو چکا اور روح حیوانی وہی متعلق نفس کے ہے اور یہ روح جب تک بدن میں اپنے مقام پر ہے تب تک زندگانی دنیا کی حاصل ہے اور جب اپنے ٹھکانے سے بے ٹھکانے ہوئی تو زندگی بھی منقطع ہوئی چنانچہ ایسے وقت میں اپنے بیگانے سب مایوس ہو جاتے ہیں اور بوجھ لیتے ہیں کہ اس میت کی روح نے آخرت کا سفر کیا وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ ۙ اور اس وقت کہا جاتا ہے کہ کون ہے جھاڑنے پھونکنے والا تاکہ اس روح بے ٹھکانے ہوئی کو اپنے ٹھکانے پر پھیرے اور ایسے وقت میں حکیموں کی تدبیر سے اور مزاج کے علاج سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اس گمان سے کہ یہ سخت واقعہ غیب سے لاحق ہوا ہے تو شاید ارواح غیبیہ کا توسل جو افسون پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے اس امر کے دفع کرنے میں کچھ کام آوے اور بعضے مفسروں نے جیسے حضرت عبداللہ بن عباس اور کلبی اور سوائے ان کے رضی اللہ عنہم نے ایسا کہا ہے کہ مَنْ رَاقٍ ان فرشتوں کا کلام ہے جو ملک الموت کے ساتھ روح نکالنے کے وقت آتے ہیں اور وہ سات ہوتے ہیں سات اندام کے عدد کے برابر یا زیادہ ہوتے ہیں اور وہ اس واسطے ہمراہ آتے ہیں تاکہ ملک الموت روح کو قبض کر کے ان کے حوالے کر دیں پھر وہ فرشتے آپس میں پوچھتے ہیں کہ مَنْ رَاقٍ یعنی کون اس مردے کی روح لے جائے گا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے سو اس صورت میں راق مشتق رقی سے ہوگا جو اوپر چڑھنے کے معنوں میں ہے نہ رقیہ سے جو افسوں کے معنوں میں ہے وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ اور گمان کرتا ہے وہ شخص خود بھی یعنی جو روح کا صاحب ہے کہ یہ وقت جدائی کا ہے گھر بار سے اہل و عیال سے مال اسباب سے اور ظن کے لفظ کو جو گمان کے معنوں میں ہے اس مقام پر ایک لطیفہ تہکمی کے واسطے استعمال فرمایا ہے گویا ایماءً یوں ارشاد ہوتا ہے کہ آدمی دنیا کی زندگانی پر اور اس کی لذتوں

کے حاصل کرنے پر ایسا شدت سے حریص ہے کہ اس حرص کے سبب سے اس حالت میں
بھی موت کے آنے کا یقین نہیں کرتا ہے انتہا درجہ یہ ہے کہ گمان غالب اسوقت حاصل ہوتا ہے
وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ اور لپٹنے لگی پنڈلی پنڈلی سے یعنی اس مردے کی ایک پنڈلی دوسرے
سے لپٹ گئی اسواسطے کہ نیچے کے بدن سے روح کا اثر بالکل منقطع ہوچکا پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک
دوسرے سے جدا رکھنا اس کے اختیار میں نہ رہا اور بعضے مفسرین نے یوں کہا ہے کہ عرب کی
اصطلاح میں ساق کا لفظ کنایہ ہے سخت مصیبت سے سو معنی اس آیت کے یوں ہیں کہ ملی ایک
سختی دوسری سختی کے ساتھ اسواسطے کہ مردے کو اسوقت میں دو سختیاں اکٹھا پیش آتی ہیں پہلی
شدت دنیا سے جانا اور مال واسباب اہل وعیال اور جاہ وحشم سب کو چھوڑنا اور دشمنوں کی
خوشی اور طعنہ زنی اور دوستوں کا رنج اور دوسری شدت آخرت کے احوال کی جیسے منکر ونکیر کا
سوال اور گور کی تاریکی اور فرشتوں کی زجر اور توبیخ یعنے جھڑکی اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ ۝
تیرے پروردگار کی طرف ہے اس دن کھینچ لے جانا جیسے بھاگے ہوئے کو اس کے خاوند کے
پیادے کھینچ لے جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ آخرت کی ابتدا اسی دن سے شروع ہوتی ہے یعنی
موت کے دن سے اگرچہ انتہا اس کی قیامت کے دن واقع ہوگی جس کا بیان اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ
الْمُسْتَقَرُّ ۝ میں گذر چکا ہے لیکن افسوس کہ آدمی اس آخرت کی نزدیکی کو نہیں بوجھتا اور اپنے توشہ
کی فکر سے جو سفر میں کام آوے اور ہدیہ اور سوغات سے جو اپنے خاوند کی حضوری میں مشرف ہونے
کے بعد اس کی سرخروئی اور مالک کی خوشی کا سبب پڑے بالکل غافل ہے فَلَا صَدَّقَ سو نہ
سچا جانا قرآن کی آیتوں کو اور حق تعالیٰ کے رسولوں کو تاکہ اس سبب سے اعتقاد تو درست اپنے
ساتھ لے جاتا اور قرآن اور پیغمبر اس کے شفیع ہوتے وَلَا صَلّٰى ۝ اور نہ نماز پڑھی اسواسطے کہ
حضرت رب العالمین کی حضوری میں سب کے پہلے اسی عبادت کی پرسش ہوگی چنانچہ
حدیث شریف میں آیا ہے اَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ مِنْ اَعْمَالِهِ الصَّلٰوةُ یعنی پہلے جس
چیز سے کہ حساب کیا جائے گا بندہ اپنے عملوں سے وہ نماز ہے اور اس مضمون کو کسی شاعر
نے کہا ہے **شعر** روز محشر کہ جان گداز بود + اولیں پرسش نماز بود + تاکہ فی الفور پہلی ہی
پرسش میں خجل اور شرمندہ ہو اور یہ بھی ہے کہ یہ عبادت نشان ہے جدائی کا کافر اور ایماندار

میں یعنی اگر نماز پڑھتا ہے تو ایمانداروں کے گروہ میں شامل ہوگا اور یہ بھی ہے کہ یہ عبادت توجہ الی اللہ کی صورت ہے اس عبادت کا بجالانا گویا بھاگنے سے رجوع کرنا ہے جس طرح کوئی غلام اگر اپنے خاوند سے بھاگا ہو لیکن جب اپنے خاوند کا مکان دیکھتا ہے تو اس کو سلام کرلیتا ہے اور اس کی تعظیم بھی کرتا ہے تو یہ بات خاوند کے غضب کے جوش کو کچھ تھوڑا ہلکا کردیتی ہے اور اس عبادت کے نہ کرنے پر اکتفا نہ کیا وَلٰكِنْ كَذَّبَ ولیکن جھٹلایا قرآن کی آیتوں کو اور پیغمبروں کی خبروں کو عوض میں سچا جاننے کے وَتَوَلّٰى ۙ اور پیٹھ دی اور منہ پھیرا عوض میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے ثُمَّ پھر باوجود ایسی تقصیروں کے نادم نہ ہوا بلکہ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۙ گیا اپنے گھر کی طرف اینٹھتا اور اکڑتا ہوا گویا پیغمبر اور قرآن کو جھٹلانے اور نماز کے ترک کرنے میں حق تعالیٰ سے لڑائی اور مقابلہ کرکے جیت آیا سو اپنی قوت بازو پر پھول رہا ہے اور اکڑتا ہے تو ضرور ایسے شخص سے مرنے کے بعد کہا جائے گا کہ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۙ خرابی ہو تیری پھر خرابی ہو تیری یہ دونوں خرابیاں قہر اور غضب کے عالم میں اس کے واسطے موعود ہیں پہلے نہ سچا جاننے اور نماز کے چھوڑنے پر اور دوسری جھٹلانے اور منہ پھیرنے پر ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۙ پھر قیامت کے دن خرابی ہو تیری یہ دونوں خرابیاں اس کے واسطے ان ہی دونوں سببوں سے قیامت کے دن موعود ہیں اور یہاں تک بیان کیا گیا کہ آدمی اس طرح قیامت اور موت سے غفلت میں گرفتار ہے کہ ہرگز کسی کے خبردار کرنے اور نصیحت کرنے سے آگاہ نہیں ہوتا اور اس غفلت کی نیند سے ہشیار نہیں ہوتا تو اب جھڑکی سے اس سے پوچھتے ہیں کہ تجھ کو ایسی غفلت کس سبب سے ہے کونسے شبہے نے تیرے دل میں قرار پکڑا ہے اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۙ کیا گمان کرتا ہے آدمی کہ چھوڑ دیا جائے گا جانوروں کی طرح کہ جو چاہتے ہیں سو وہ کرتے ہیں اور ان سے اس بات کی پرسش نہیں ہے نہ مرنے کے بعد نہ حشر کے دن سو آدمی کا یہ گمان غلط ہے اور فساد اس کا ظاہر ہے اس واسطے کہ اگر اپنی خلقت میں تامل اور غور کرے تو دریافت کرسکتا ہے کہ جب میں مکلف ہوا یعنی کرنے نہ کرنے کی مجھ کو تکلیف دی گئی تو مجھ کو ہر عمل کی جزا کا چکھنا اور ہر ہر چیز کی پرسش مجھ سے ہونا ضرور ہی ہوا نہایت اس کی یہ ہے کہ اعمال کی جزا کی پرسش لوگوں کے مرنے اور بہت مدت ان پر گذرنے کے بعد زندہ کرنے پر موقوف تھی اور یہ یعنی اس

مدت دراز کا گذرنا پھر زندہ ہونا کچھ تردد اور انکار کی جگہ نہیں ہے اس واسطے کہ اس کا سچا ہونا ادنیٰ غور اور تامل سے معلوم ہو سکتا ہے اَلَمۡ یَکُ کیا نہ تھا آدمی اپنے باپ کی پیٹھ میں نُطۡفَۃً قطرہ یعنی ذرا سی بوند مِّنۡ مَّنِیٍّ منی کے پانی کا جو چوتھے ہضم کا فضلہ ہے یعنے باقی ماندہ ہے اور طبیعت اس سے مستغنی اور بے پروا ہو چکی ہے اور حیوان کے فضلات حیات کے قبول کرنے سے بہت دور ہوتے ہیں بخلاف اس کے اخلاط کے اس واسطے کہ اس کو طبیعت بدن کا جز کر دیتی ہے اور زندگانی کی خلعت پہناتی ہے خصوصاً وہ منی کا قطرہ جس سے انسان پیدا ہوتا ہے اور حیوان کے بدن میں بھی نہیں رہتا ہے تاکہ زندگانی کا قبول کرنا اس سے متوقع ہو بلکہ یُّمۡنٰی ۙ ٹپکایا گیا جماع کی حرکت کے سبب سے انثیین اور قضیب کی راہ سے اور حکمت کا قاعدہ ہے کہ جس چیز کو اس کے معدن اور ٹھکانے سے جدا کرتے ہیں تو پھر معدن کی طبیعت اس کی تدبیر اور پرورش سے دست بردار اور علٰحدہ ہو جاتی ہے جس طرح شاخ درخت سے جدا ہوئی نشو ونما نہیں قبول کرتی ہے اسی سبب سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَا اُبِیۡنَ عَنِ الۡحَیِّ فَھُوَ مَیِّتٌ یعنی جو عضو جدا کیا گیا زندے سے وہ مردے کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے جیسے دنبہ کی چکی اور اونٹ کا کوہان کہ اگر ان کو ان کی زندگی میں کاٹ لیں تو کھانا حرام ہے اور دودھ کے حلال ہونیکا سبب یہ ہے کہ اس کو طبیعت بچہ کی غذا کے واسطے پیدا کرتی ہے یہ نہ دودھ والی کا جز ہے اور نہ اس کا فضلہ ہے جیسے درخت کا میوہ حیوان کی غذا کے واسطے درخت میں پیدا ہوا اسی طرح دودھ ایک حیوان کی غذا کے واسطے دوسرے حیوان کے بدن میں پیدا ہوا ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً پھر ہوا وہ ٹپکا ہوا پانی لہو کی پھٹکی سو وہ بھی حیات کی قابلیت نہیں رکھتی ہے بخلاف رقیق بہنے والے لہو کے جس کو دم مسفوح کہتے ہیں اور وہ رگوں میں اور نسوں میں دوڑتا پھرتا ہے اور وہ حیوان کی غذا کے بھی کام آتا ہے اور اس کے بدن کا جز بھی ہوتا ہے فَخَلَقَ پھر پیدا کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے اگرچہ زندگانی کی استعداد مطلق نہ رکھتا تھا فَسَوّٰی ۙ پھر اس کو برابر مزاج کا معتدل کر دیا یہاں تک کہ تمام حیوانوں سے اعتدال حقیقی کے یہ بہت نزدیک ہو گیا اسی سبب سے نفس ناطقہ کے تعلق کی لیاقت پیدا کی اور ہو سکتا ہے کہ اعضا کی برابری ان منافع کے واسطے ہو جو منافع ان اعضا سے مقصود ہیں یا اعضا کے مقدار کی برابری مراد ہو جو قریب قریب ہیں یعنی ایک

ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کے ساتھ اور پاؤں کو پاؤں کے ساتھ اور آنکھ کو آنکھ کے ساتھ اور کان کو کان
کے ساتھ اور دانتوں کو دانتوں کے ساتھ برابر کیا تاکہ بدنما نہ معلوم ہوویں اور تصویر اور تشکیل کی
باریکیوں کو انسان کی پیدائش میں مرعی فرمایا سو ایک نطفے سے اتنی چیزیں مختلف کہ ہر ایک کے منافع
علٰحدہ ہیں پیدا کیں اور وہ کام جو انتہا درجے کا آپس میں اختلاف رکھتے ہیں وہ اس نطفے سے لیے
چنانچہ سننے اور دیکھنے میں کس قدر تفاوت زمین اور آسمان کا ہے اسی طرح ہر عضو کا کام دوسرے
عضو میں ممتنع الحصول ہے نظم پاؤں سے کب ہو سکے ہے سر کا کام + جبیہ کا کب لے سکے
ہے آنکھ نام + کان کب دیدار کا پاوے مزہ + کیا تیری قدرت ہے اے رب العلا + بلکہ آدمی
کی اصل پیدائش میں کس قدر اختلاف کر دیا ہے جس کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے فَجَعَلَ مِنْهُ
الزَّوْجَيْنِ پھر کر دیا آدمی کی جنس سے دو قسمیں الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ؕ نر اور مادہ کہ ہر ایک کی
صورتیں جدا ہیں اور اعضا جدا اور صفتیں جدا ایک قسم کے کام دوسری قسم سے ممکن نہیں ہیں
مردوں کے کام عورتوں سے نہیں ہو سکتے اور عورتوں کے کام مردوں سے اور اسی طرح کا آپس
میں تفرقہ اور امتیاز کر دیا ہے کہ کسی طرح ایک دوسرے میں حل نہیں سکتے اگر ایک قسم والا ہزاروں
تدبیریں کر کے چاہے کہ اپنے تئیں دوسری قسم میں ملاوے تو ہرگز اس کی تدبیر چل نہیں سکتی اور
دوسری قسم میں حل نہیں سکتا سو حق تعالیٰ نے یہ تدبیر عجیب دنیا کے آباد کرنے کے واسطے کی ہے
تاکہ عورت خانگی اور جزئی کام سرانجام دیوے جیسا کھانا پکانا اور کپڑے کا قطع کرنا اور سینا اور دھاگے
بٹنا اور اولاد کو پرورش کرنا اور گھر میں جھاڑو دینا فرش بچھانا اور گھر کے اسباب کو اپنے موقع سے
نگاہ رکھنا اور سوائے اس کے اسی قسم کی چیزیں بہت ہیں اور مرد معاش کی تلاش کرے اور
کلی کاموں کو سرانجام دیوے جیسے زمین کو کھود کے سونا چاندی جواہرات نکالنا کھیتی کرنا درختوں
کو لگانا تاکہ میوے کی کثرت ہووے نہر اور کوئیں کا کھودنا دشمنوں سے لڑائی اور قتال کرنا علم
کو حاصل کرنا پھر اس کو لکھ رکھنا معاندوں اور دشمنوں کو مغلوب اور مقہور رکھنا چوروں اور
لٹیروں کو دفع کرنا اور سوائے اس کے اس قسم کے کام بہت ہیں أَلَيْسَ ذَٰلِكَ کیا نہیں ہے
ع ۲ ایسا خالق زبردست جس نے دنیا کی آبادی کے واسطے آدمی کو اس قسم کا پیدا کیا بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ
۱۸ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ؕ قادر اس بات پر کہ زندہ کرے مردوں کو آخرت کی تعمیر اور اس جہان کی آبادی

کے واسطے اور اس جہان کی زندگانی میں بھی لوگوں کو مختلف کرے کسی کو کامل کرے اور کسی کو ناقص
بعضوں کو دوزخ بھرنے کے واسطے اور بعضوں کو بہشت کے چین اور مزے اڑانے کے
واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم جب اس
آیت کو تلاوت فرماتے تھے بعد اس کے یہ کلام فرماتے تھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بَلٰى یعنی پاک
ذات ہے تیری اے اللہ اس سے کہ تو اس کام کی قدرت نہیں رکھتا ہے البتہ تو قادر ہے
اس پر اسی سبب سے ہر قاری کو سنت ہے کہ اس آیت کی تلاوت کے بعد اس دعا کو پڑھے
نماز میں ہو خواہ باہر نماز کے لیکن آواز بدل کے اس طرح پڑھے کہ عوام لوگوں کو اس طرح کا شبہہ
نہ ہو کہ یہ بھی قرآن کی آیت ہے اور اگر نماز میں ہے تو آہستہ اس دعا کو پڑھے۔

سُوْرَۃُ الدَّھْرِ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں اکتیس آیتیں اور دو سو بیالیس کلمے اور ایک ہزار چار سو حرف ہیں اور اس کا نام سورۂ انسان ہے اور اس کو سورۂ دہر بھی کہتے ہیں اور سورۂ ابرار بھی اور اس سورۃ کے ربط کی وجہ سورۂ قیامت کے ساتھ یہ ہے کہ سورۂ قیامت میں قیامت کی علامتیں اور اس کے وقائع بیان کرتے کرتے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس دن آدمی دو قسم پر ہو جائیں گے چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ وَوُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ بَاسِرَۃٌ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِھَا فَاقِرَۃٌ ٥ اور دوسری قسم کا احوال یعنے نافرمانوں کا تھوڑا اس سورۃ میں تفصیل کے طور پر بیان ہوا اور پہلی قسم کا احوال یعنے فرمان برداروں کا باقی رہا تھا سو اس سورۃ میں پورا تفصیل سے بیان فرمایا اور ان دونوں سورتوں کے متفرق مضمونوں میں بھی مناسبت اور اتحاد موجود ہے چنانچہ انسان کی خلقت اس سورۃ میں اس عبارت سے مذکور ہوئی ہے اَلَمْ یَکُ نُطْفَۃً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی فَجَعَلَ مِنْہُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی اور اس سورۃ میں اس عبارت سے بیان ہوئی ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا اور اس سورۃ میں ارشاد ہوا ہے کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَ ٥ اور اس سورۃ میں یوں ارشاد ہوا ہے کہ اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَھُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ٥ اور اس سورۃ میں فرمایا ہے وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اور اس سورۃ میں فرمایا ہے وَلَقّٰھُمْ نَضْرَۃً وَّسُرُوْرًا ٥ اور اس سورۃ میں اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ واقع ہوا ہے اور اس سورۃ میں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ٥ اور سوائے اس کے دوسری بھی مناسبتیں ہیں اور مفسروں کو اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی اور صحیح یہ ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ٥ سے آخر سورۃ تک بلا شبہ مکی ہے اور اس کے سوائے جو باقی ہے اس میں احتمال اس بات کا ہے کہ مدنی ہو اور آیت یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ جو قصہ حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم میں ہے سو اسکے سبب نزول

کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں مدنی ہیں واللہ اعلم اور اس سورۃ کا نام سورۂ انسان اسواسطے رکھا ہے کہ اس سورۃ کی ابتدا میں دو فائدے مذکور ہیں جو انسان کی خلقت سے حضرت رب العالمین کو منظور ہیں سو ہر ایک انسان کو چاہیے کہ اپنی ذات میں دیکھے اگر وہ فائدہ اپنے میں پاوے تو اپنے تئیں انسان جانے اور انسانیت پر رہے والا قالین کے شیر اور لکڑی کے گھوڑے کی طرح فقط نام کو اپنے تئیں انسان جانے اور حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے اور انسان کو یہ بھی لازم ہے کہ اپنی ابتدائے پیدائش سے انتہائے آسائش تک جو بہشت میں پاویگا اپنی ترقیات کو ملاحظہ کرے اور جانے کہ حقیقت میں انسان وہی لوگ ہیں جو اس آسائش اور آرام کو پہنچے ہیں اور نہیں تو دنیا میں جو مجمع برائیوں اور رنج کا اور گھر غم اور روگوں کا ہے گدھے اور بیل کی طرح رنج اٹھانا اور غم میں مبتلا رہنا کیا فائدہ اور اگر اس دوڑ دھوپ سے کچھ لذت چاروں کی ہزاروں کدورت اور رنج بھری حاصل ہوتی تو بھی دوسرے حیوانوں سے کچھ امتیاز اور جدائی نہ ہوتی اس واسطے کہ وہ بھی اسی قسم کی لذتیں اٹھاتے ہیں اور باز پرس کا خوف نہیں رکھتے اور اس سورۃ کا نام سورۂ دہر اسواسطے رکھا ہے کہ اس سورۃ کے شروع میں دہر کے عقیدے کو باطل کیا ہے اسواسطے کہ اس باطل عقیدے کا حاصل یہ ہے کہ جو کچھ اختلاف اور تجدد عالم میں حادث ہوتے ہیں وہ سب آسمان اور ستارے اور زمانے کی گردش سے ہوتے ہیں جو عالم سفلی میں تاثیر کرتے ہیں بعضی وضعیں ہر دن اور رات میں متبدل ہوتی ہیں اور بعضی ہر مہینے اور ہر برج میں اور بعضی ہر فصل میں اور بعضی ہر سال میں اور بعضی قرانات میں کبیرہ ہوں وہ قران یا صغیرہ ہوں وسطی ہوں یا عظمیٰ اور طرح طرح کے انقلاب اور قسم قسم کے تغیر اور تبدل ہوتے جاتے ہیں اور بعضی وضعیں وہ ہیں جو بہت قرنوں میں متبدل ہوتی ہیں جن کو اکوار اور ادوار کہتے ہیں سو وہ بڑے بڑے انقلابوں کی سبب پڑتی ہیں اور عجیب وغریب قسموں کے تولد کی باعث ہوتی ہیں چنانچہ دریا کی جگہ خشکی ہو جاتی ہے اور خشکی کی جگہ دریا اور آبادی کی جگہ ویرانہ ہو جاتا ہے اور ویرانہ کی جگہ آبادی اور پہاڑ جنگل ہو جاتے ہیں اور جنگل پہاڑ اور انسان کی قسم اور دوسرے تمام حیوانات پیدا ہوتے ہیں اور بعضی نوعیں منقطع اور فانی ہو جاتی ہیں سو جب ثابت ہوا کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ نوع انسان کا نام بھی نہ تھا اور کوئی اس کا ذکر بھی نہیں کرتا تھا تو یہ معلوم ہوا

کہ اس نوع کا تولد کسی زمانہ کی خواہش سے نہیں ہے والا وہ وضع کسی وقت میں ان وقتوں سے اس نوع کے تولد خواہش کرتی اور لوگ اس نوع کے تولد اور انقطاع کے بعد دوسری مرتبہ اس کو یاد کرتے کہ فلانے دور میں یہ نوع ظاہر ہو کے منقطع ہو گئی تھی بھلا اور نہیں جنات اور فرشتے تو ضرور نام اور نشان سے اس قسم کو پہچانتے اور اگر دہریے یوں کہیں کہ جو وضع اس نوع کے تولد کی خواہش کرتی ہیں اس کے پہلے زمانے کی گردش میں نہ ہوئی تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ امر تمہارے مذہب کے خلاف ہے اس واسطے کہ تمہارے نزدیک ہر نوع قدیم ہے ان معنوں سے کہ اگلے زمانے کی گردش کی وضعوں نے بھی اس نوع کی خواہش کی تھی اگرچہ درمیان میں منقطع ہو گئی ہو اور یہ بھی ہے کہ زمانے کی گردش کی وضعیں تمہارے نزدیک اجل کی طرف انتہا نہیں رکھتی ہیں تو ضرور ہوا کہ ہر وضع صدہا مرتبہ واقع ہوئی ہو اور اپنے آثار اور نشانیوں کو خواہش کیا ہو اور وضع جدید کا ظہور جس کی مثل نہ پائی گئی ہو تمہارے نزدیک محال ہے اور یہ بھی یقینی معلوم ہے کہ زمانے کی گردش کی وضعیں اس قسم کے انقلابوں کے وقوع کے وقت میں اور انواع کے تولد اور جمع کثیر کی ہلاکی کے وقت میں تقویم اور زائچ کے قواعد کے موافق استقرار قدرت اور تجربہ پن نہ رکھتی تھیں کہ وہ وضع یا اس کے مانند یا اس سے قوی کبھی واقع نہ ہوئی تھی تا کہ پھر دوسری مرتبہ پائی جاوے بلکہ کثیر الوقوع ہیں اور کثیر الثبوت تو معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں فاعل مختار کے ارادے اور خواہش کی سبب سے ہیں کہ عالم کے حوادث رنگارنگ اور انقلابات گوناگوں اسی کی قدرت سے وابستہ ہیں اور اس سورۃ کے سورۂ ابرار ہونے کی وجہ ظاہر اور کھلی ہوئی ہے کچھ بیان کی احتیاج نہیں ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ کیا گذرا ہے انسان پر کوئی وقت زمانے سے کہ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ نہ تھی کوئی چیز جو ذکر کی جاتی حاصل اس کا یہ ہے کہ ایک وقت ایسا تھا کہ انسان کی نوع کا عالم میں وجود نہ تھا بلکہ اس کا نام اور نشان بھی ذہن میں

اور زبان پر فرشتوں اور جنوں کی جاری نہ تھا یعنے وجود ذہنی اور وجود لفظی بھی نہ رکھتا تھا اور جب یہ صورت محال ہو تو پھر وجود خارجی کہاں سے پایا جاتا اور اصل میں شئی ثابت چیز کو کہتے ہیں جیسے موجود اور عندالاطلاق یعنی بلا قید جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو ثبوت اور تحقق خارجی جو آثار کا مبدأ ہے بوجھا جاتا ہے اور کبھی قید کے سبب سے وجود ذہنی اور لفظی کو بھی شامل ہوتی ہے جس طرح اس آیت کریمہ میں مذکور کی صفت کے ساتھ مقید ہونے کے سبب سے بوجھا گیا اور نفی قید کی طرف راجع ہوئی اور مطلق شیئیت کا سلب جو خارجی ہے وہ تو بطریق اولی بوجھا گیا گویا یوں ارشاد ہوا کہ ایک وقت ایسا تھا کہ انسان نہ وجود ذہنی رکھتا تھا نہ لفظی پھر وجود خارجی کا کیا ذکر ہے اور یہ سلب مطلق علم الٰہی میں انسان کی تحقیق کے منافی نہیں ہے اسواسطے کہ علم الٰہی ظرف ذہن سے بالاتر ہے اور اسی طرح شیون ذاتیہ اللہ تعالیٰ کے مرتبے میں اور اعیان ثابتہ کا مرتبہ بھی اس سلب مطلق کے منافی نہیں ہے اسواسطے کہ اس جگہ وجود انفکاکی کی نفی ہے اور اس مرتبے میں وجود اتحادی رکھتا تھا اسی واسطے حضرت امیرالمومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت سے مروی ہے کہ جب اس آیت کو قاری سے سنتے تھے تو فرماتے تھے یَا لَیْتَهَا تَمَّتْ یعنی کاش کہ یہ حالت تمام ہووے اور جس مکان سے سفر کر کے آئے ہیں ہم وہاں پھر جاکے پہنچیں اور اہل کثرت وحدت کے متلاشی ہوں اور ملجاویں اور حباب کی طرح دریائے بے پایاں ازل میں نیست اور نابود ہو جائیں ہم اور علمائے ظاہر اس روایت کو دوسرے معنوں پر حمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مراد حضرت امیرالمومنین کی اس کلام سے یہ ہے کہ کاش وہی حالت ہمیشہ رہتی اور انسان مخلوق نہ ہوتا تو اس خوف اور رجا کے بھنور میں کاہے کو پھنستا اور اس تکلیف کا بوجھ کاہے کو اٹھاتا اور اس بلا میں کاہے کو گرفتار ہوتا لیکن عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان کے پیدا کرنے میں جتنی حکمتیں ہیں وہ ایسے کامل عارفوں کے ہر وقت سامنے رہتی ہیں پھر ایسی آرزو ان سے کسی طرح متصور نہیں ہے اور جو جواب اس سوال یعنے ہل اتی الخ کا مخاطبوں کو اپنی عقل کی طرف تھوڑا سا توجہ کرنے میں معلوم ہو سکتا تھا اس واسطے جواب کے ذکر سے عدول فرما کے مقصد کی طرف متوجہ ہو کے فرماتے ہیں کہ انسان کو نیستی کے پردے سے باہر نکال کے ظہور کے تخت پر جلوہ گر کرنے والے ہم ہیں اور ہماری قدرت

کے ہاتھ نے اس کو یعنی اس کے دل کو آئینہ مصفّٰے کیا ہے تاکہ غیب کی شعاعوں کا عکس اس میں پڑ سکے
خلافت کبریٰ کے لائق ہو اور تمام موجودات کا خلاصہ اور سب غایتوں کی انتہا ہو اور اگر انسان
اپنی نوع کی ابتدائے خلقت سے خبر نہیں رکھتا ہے کہ کس کس عالم کی تسخیر کے واسطے اُسکو پیدا
کیا ہے اور کون کون لطیفہ اس میں تعبیہ کیا ہے لیکن اس قدر تو ظاہر اور کھلا ہوا ہے کہ اِنَّا خَلَقْنَا
الْاِنْسَانَ بیشک پیدا کیا ہم نے آدمی کو جس کی پیدائش کو تم سب دیکھتے ہو اور اس کی کیفیت کو خوب
پہچانتے ہو مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ بیچ باپ ماں کے نطفے سے جو مختلف اور مرکب ہے یعنے جو مل کے
بنا ہے تمام موالید سے یعنی جتنی بڑھنے والی چیزیں ہیں اسواسطے کہ نطفہ غذا سے ہوتا ہے اور
غذا ماں باپ کی غلہ اور گوشت اور دودھ اور دہی اور گھی اور نمک اور مصالحہ زمین سے پیدا ہوئے
ہوں یا پہاڑ سے یا باغ سے غرض کہ سب چیزیں جمع ہو کے انسان کے تمام اعضا میں ہضم کے
مرتبے طے کر کے پہنچتی ہیں اور پیدائش کے کارخانے کے مؤکل ہر ہر عضو سے خلاصہ ان کا کھینچ
کے نطفہ کر دیتے ہیں بس معلوم ہوا کہ معادن اور نباتات اور حیوانات کہ مختلف الطبائع ہیں اپنے
اجزاء متبائنہ سے وہ سب مفردات ہیں اس معجون کے اور بسیط ہیں اس مرکب کے اور جو خلاصہ
غذا کا تمام اعضا میں سیر کرتا ہے تو ہر عضو کی روح اس میں اثر کرتی ہے اور وہ روح اس قوت
کی حامل ہے جو اس عضو کی خاص ہے جیسے تعقل اور تخیل اور توہم اور احساس یعنے دریافت
خواہ آنکھ سے ہو یا کان سے یا ناک سے یا زبان سے چکھ کر یا ہاتھ سے ٹٹول کر اور تیری قوتیں
جتنی عالم میں ہیں سب کو محیط ہیں خواہ عالم ملک ہو یا ملکوت ہو یا اور اس کے اوپر اور وہ روح اس
کے حالات مختلفہ کی بھی حامل ہے جیسے شہوتیں اور غضب اور حیا اور حلم اور طیش یعنی سب کی
اور محبت اور خوف اور عشق اور ذلت یعنی عشق کی زیادتی میں عقل سے خارج ہو جانا بس وہ
خلاصہ ان سب کاموں کی استعداد اور لیاقت پیدا کرتا ہے اور یہ امر اس خلاصہ میں ایسے پیچیدہ
اور لپٹے ہوئے ہوتے ہیں جیسے درخت کے اجزا درخت میں پیچیدہ اور لپٹے ہوئے ہوتے
ہیں اور عجیب خواص اس کی گٹھلی اور بیج میں ظاہر ہوتے ہیں اسی سبب سے وحدت اس کی
ایسی کثرت پر مشتمل ہے جس کی انتہا پائی نہیں جاتی بخلاف نطفہ دوسرے حیوانوں کے کہ نہ
ان کی غذا میں یہ تمام موالید کا پورا جمع ہونا پایا جاتا ہے اور نہ ان کی ارواح اور قوای میں اس

قسم کا احاطہ تمام عالموں پر ہے یہی سبب ہے کہ علما کی اولاد سے علم کی استعداد کی توقع بہت ہوتی ہے اور اولیا اور مشائخ کی اولاد سے خدا کی درگاہ کا سلوک اور سلوک کے مرتبوں کو طے کرنے کی امید زیادہ ہوتی ہے اور جری اور شجاعوں کی اولاد سے لڑائی پر جرات کرنے کی امید زیادہ ہوتی ہے اور تیز طبیعت غیور سے چالاک غیرت والے پیدا ہوتے ہیں تو معلوم اور ثابت ہوا کہ اس مخلوق کو جو اشرف اور اجمع تمام موالید کا ہے بے فائدہ اور بیکار نہیں پیدا کیا ہے ہم نے بلکہ بڑا فائدہ اس کے پیدا کرنے سے منظور ہے اور فائدہ یہ ہے کہ **نَّبْتَلِيْهِ** آزماتے ہیں ہم اسکو اور اس ابتلا اور آزمائش کی حقیقت یہ ہے کہ ایک چیز کو اختیار اور شعور دے کر نیک کام کا حکم کرتے ہیں ہم اور بد کام سے منع کرتے ہیں ہم تاکہ دوسری مخلوقات دیکھیں کہ یہ شخص اپنے اختیار سے کیا کام کرتا ہے پھر اگر موافق ہمارے حکم کے بجالایا تو ثواب اور انعام کا مستحق ہوا اور اگر اس کے خلاف کیا تو ذلت اور اہانت اور عذاب کے لائق ہوا اور اگر ابتلا اور آزمائش سے یہ معنی مراد نہ ہوویں تو حضرت عالم الغیب والخفیات کے حق میں امتحان اور آزمائش کچھ معنی نہیں رکھتے ہیں اور جو یہ فائدہ اس مخلوق کی پیدائش سے ہم کو منظور تھا کہ تو بوجھنے اور سمجھنے کے اسباب بھی اس کو دینا ضرور ہوا **فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا** ۝ پھر کر دیا ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ انسان کو اس قدر شنوائی اور بینائی میں فراخی اور کشادگی دی ہم نے کہ اس کے مقابلے میں دوسرے حیوانات گویا شنوائی اور بینائی نہیں رکھتے ہیں اندھے اور بہرے ہیں اسواسطے کہ یہ مخلوق آواز کے ساتھ حروف اور لفظوں کے مخرجوں کے دقیقوں کو بھی سنتا ہے اور الحان میں تمیز کرتا ہے اور ان لفظوں کے معنوں کو اور اس الحان کے خواص کو بھی بوجھتا ہے اور ہر لفظ کی مختلف وضعوں کو بھی سمجھتا ہے یہی سبب ہے کہ اس کا مرتبہ اس بلندی کو پہنچا کہ جناب رب العالمین کا مخاطب ہوا اور حق تعالیٰ جل شانہ کی ہمکلامی کی خلعت سے سرفرازی پائی بخلاف دوسرے حیوانوں کے کہ وہ سوائے آواز محض کے اور کچھ نہیں بوجھتے اور اسی طرح ہر چیز کی روشنی اور رنگ کے دیکھنے کے ساتھ اس صنعت اور شکل کے دقیقے اور روشنی کے مرتبوں کو اور رنگ کو خوب غور اور تامل سے دریافت کرلیتا ہے اور خط کے نقشوں کو بوجھتا ہے اور اس سبب سے جو مر چکے ہیں ان کے علموں

سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور اگلے زمانے کے لوگوں کے احوال پر جو ہزاروں برس اس سے پہلے گذرے ہیں مطلع اور خبردار ہوتا ہے اور عجیب اور غریب استنباط اس سے ہوتے ہیں یعنے ایک چیز پر قیاس کر کے دوسری چیز کا حکم اُس سے نکالتا ہے اب اسی جگہ سے معلوم ہوا کہ الزامِ حجت اور اتمام نعمت کے مقام میں اکثر جگہ قرآن شریف کے درمیان میں ان دونوں حاسوں کا ذکر یعنی سمع اور بصر کا جو آیا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ عالم امکان کے حقائق کے دریافت کا طریقہ اپنے غیر سے اور اس دریافت کو اپنے غیر پر القا کرنا یعنی دوسرے کو سکھلانا اس حقائق کا لفظی وجود ہے یا وجود خطی ہے جو لفظوں کے مقابلے میں وضع کیا گیا ہے اور یہ دونوں طریق ان ہی دونوں حاسوں سے یعنے سمع اور بصر سے مسلوک اور رواں ہوتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ معرفت اور عبادت کا طریقہ یا انبیا اور اولیا اور عارفوں اور عالموں کے کلام سُننے سے ماخوذ ہوتا ہے یعنی نکالا جاتا ہے یا ان کے طور اور وضع دیکھنے سے ان کی زندگانی میں یا حدیث کی کتابیں اور مشائخوں کے ملفوظات اور علما کی ہر فنون میں کتابیں جمع کی ہوئیں اور حقائق اور معارف کے رسالے عارفوں کے ان کے مرنے کے بعد مطالعہ کرنے سے سو یہ دونوں کام بھی ان ہی دونوں حاسوں سے یعنی سمع اور بصر سے تعلق رکھتے ہیں بخلاف دوسرے حواسوں کے کہ معرفت اور عبادت کی تحصیل میں یہی دونوں چیزیں ابتلا سے مقصود ہیں کہ وہ کچھ دخل نہیں رکھتے ہیں اکثر ان حاسوں کی انتفاع معاش کے ضروریہ امور کے دریافت میں ہے سو اس امر میں دوسرے حیوان بھی شریک ہیں اسواسطے کہا ہے کہ دلیل یا نقلی ہے یا عقلی سو نقلی دلیل دیکھنے سے ہرگز دریافت نہیں ہوتی مگر سمع کے حاسہ سے البتہ دریافت ہوتی ہے اور دلیل عقلی جو معرفت اور عبادت کی راہ کے سلوک کو اکثر ممد اور معاون ہوتی ہے وہ انبیاؑ کے معجزے دیکھتا ہے یا اولیا کی کرامات دیکھتا ہے اور یہ دونوں چیزیں بینائی کے حاسے سے علاقہ رکھتی ہیں اور حق تعالیٰ کی قدرت کے عجائب اور غرائب مصنوعات کا دیکھنا بھی اسی حاسے سے تعلق رکھتا ہے اور نقلی دلیلوں پر مطلع ہونا جو اگلے لوگ کتابوں میں اور رسالوں میں جمع کر کے لکھ گئے ہیں وہ بھی اسی حاسے سے حاصل ہوتا ہے سو آدمی کو ان دونوں حاسوں کے کامل ہونے کے بعد دین کی معرفت اور راہ خدا کے سلوک میں چنداں احتیاج باقی نہیں

رہتی ہے مگر فہم اور عقل البتہ چاہیے سو یہ دل کا کام ہے نہ ہاتھ پاؤں کا اور جو اس امر میں نقلی دلیلوں سے زیادہ احتیاج ہوتی ہے اور کلام الٰہی کا سُننا اور اسی طرح کلام رسول کا سُننا اور واعظوں اور ناصحوں کا کلام سُننا اور عالموں کی تقریر اور خطیبوں کی پند اور ارشاد اور اولیاء اللہ کی رمزیں اور عارفوں کے حقائق اور معارف ان سب چیزوں کو اس کام میں بڑا دخل ہے اور یہ سب چیزیں سمع کے حاسے سے علاقہ رکھتی ہیں اور اس حاسے کو جا بجا ہدایت اور ارشاد کی نعمت کے بیان میں بصر کے حاسے پر مقدم لاتے ہیں چنانچہ اس آیت کریمہ میں بھی یہی طور موجود ہے اور یہ بھی ہے کہ حاسہ سمع کا ایسی خاصیت رکھتا ہے کہ کسی دوسرے حاسے میں وہ خاصیت پائی نہیں جاتی ہے اور وہ خاصیت یہ ہے کہ جتنے دوسرے حاسے ہیں جیسے بصر اور شم اور ذوق اور لمس ان سب کے مدرکات اسی کے توسط سے دریافت ہوتے ہیں پس اس حاسے کا حکم حواس خمسہ میں ایسا ہے جیسے ہوا کا حکم عناصر اربعہ میں اور عطارد کا حکم سبعہ سیارہ میں یعنی خود بھی کارآمدنی ہیں اور غیر کے احوال کو بیان کرنے والے بھی ہیں چنانچہ بصر کے مدرکات کو ان لوگوں کو جو از روئے زمان یا مکان کے اس سے دور ہیں پہنچاتا ہے تو بصر کا کام بھی بدون اس کے تمام نہیں ہے اور وہ یعنے سمع مدرکات بصری کے ادراک کا وسیلہ ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ وسیلہ مقصد پر مقدم ہوتا ہے اور جو دانش اور بینش کے اسباب اس مخلوقات میں جس کو آزمائش کے واسطے پیدا کیا ہے اس قدر جمع ہوئے ہیں کہ اگر حق تعالےٰ کی معرفت اور عبادت کی راہ ان اسباب کے وسیلے سے ڈھونڈھنے اور اپنے منعم کے شکر کے ادا کرنے کا طریقہ جاننا چاہیے تو بدون تبلانے کے بھی یہ بات اس کو ممکن ہے لیکن حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا اور اسی قدر پر اکتفا نہیں کی اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ بیشک ہم نے ہدایت کی اس کو یعنی تبلادی اس کو اپنی معرفت کی راہ اور اپنے شکر کے ادا کرنے کا طریقہ اور اس راہ کے تجسس اور تلاش کو اسی کے ذمہ پر نہیں چھوڑا تاکہ اپنے قصور میں بہانے نہ کرے پھر اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجا ہم نے اور ان کے ہاتھوں سے معجزے دکھلائے ہم نے اور ایسی کتابیں نازل کیں ہم نے جن کی دلیلیں واضح ہیں اور جو اس کتاب کی مجمل اور متشابہ آیتیں ہیں ان سے جو کچھ مراد ہے اس کے بیان کو رسولوں کی زبان پر حوالے کیا ہم نے اور

اُن کے بعد جو ان کے شاگرد رشید ہیں یعنے ہر وقت کے مجتہد عالموں کے بیان پر موقوف رکھا ہم نے تاکہ شنوائی اور بینائی اُس مخلوقات کی بدون رنج اور کلفت اٹھانے کے ہماری عبادت اور معرفت کے کلام میں مصروف ہووے اور ہم نے جو اس کو پیدا کیا ہے اور ہدایت کی ہے اس کا شکر ادا کرے لیکن یہ مخلوق باوجود ایسی ہماری نعمتوں کے ایک راہ نہ چلا بلکہ دو قسم پر ہو گیا اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ٥ یا شکر ادا کرنے والا ہے ہماری خلقت اور ہدایت کی نعمت کا اور اس نعمت کو قبول کرنے والا اور یا ناشکری اور حق ناشناسی اور کفران نعمت کرنے والا ہے اور کبھی راہ پر نہ آنے والا ہے بلکہ اس راہ کو قبول نہیں کرتا ہے اور اس راہ کے باطل کرنے کے واسطے وہمی شبہے اور شیطانی گمراہی مقابلے میں لاتا ہے اور اپنی شنوائی اور بینائی کو ہماری مخالفت اور عناد میں خرچ کرتا ہے اس لیے اس کے ساتھ امتحان اور آزمائش کا معاملہ شروع کرتے ہیں ہم اسواسطے کہ اگر اس عناد اور مخالفت پر اس کو سزا نہ دیں ہم تو دوسری مخلوقات کی نظر میں امتحان اور آزمائش کا فائدہ کچھ بھی ظاہر نہ ہووے اور ہماری حکمت اور عدالت میں بٹا لگ جاوے اسواسطے بالضرور اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ بیشک ہم نے آمادہ اور تیار کر رکھی ہیں اپنی ہدایت کی نعمت کے ناشکروں کے واسطے سَلٰسِلَاۡ دنیاوی علاقوں کی زنجیریں تاکہ دنیا کی زندگی میں ان ہی زنجیروں میں مقید رہیں اور معرفت اور عبادت کی راہ ہر گز نہ چل سکیں پھر بعضوں کو مال کی محبت کے سلسلے میں اور بعضوں کو عورت اور اولاد کی محبت کے سلسلے میں اور کسی کو باغوں اور کھیتوں کے سرسبز کرنے اور نئی عمارات بنانے کی محبت میں باندھ دیا اور کسی کو فوج اور لشکر جمع کرنے کی اور ملکوں کو فتح اور اپنا حکم جاری کرنے کی محبت میں جکڑ دیا ہم نے اور بہتوں کو وہمی متخیلہ منفعتوں کے فوت ہو جانے کے رنج اور فکر اور غم میں گرفتار کر دیا ہم نے اور بعضوں کو نئی نادر صنعتوں کے نکالنے میں اور ریاضی فن کے عجائب آلات بنانے کی محبت میں اور اسی طرح ہر ایک کو ایک سلسلے میں گرفتار اور مقید کر دیا ہم نے پھر یہی سلسلے قیامت کے دن آگ کی زنجیروں کی شکل ہو کے ان ناشکروں کے تمام بدن میں لپٹیں گے اور یہ لوگ ان زنجیروں میں جکڑ جائیں گے چنانچہ دوسری جگہ قرآن شریف میں ارشاد ہوا ہے ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ٥ اور جو ان چیزوں

کے ناشکروں کو جو دنیاوی علاقوں کو محبت کی زنجیروں میں گرفتار ہیں بدون توسل کسی عمدہ اپنی بنی نوع سے جس کے پاس یہ چیزیں موجود ہو ویں یہ چیزیں میسر نہیں ہو سکتی ہیں سو ناچار ان ناشکروں کے واسطے ایک چیز دوسری بھی تیار کر رکھی ہے ہم نے وَاَغْلٰلًا اور طوق بھاری جو ان کی گردنوں میں ہوں گے تاکہ سر نہ اٹھا سکیں اور معرفت اور عبادت کی راہ کی طرف التفات بھی نہ کر سکیں بلکہ داہنے بائیں بھی اس راہ کے دیکھ نہ سکیں سو بعضوں کی گردنوں میں امیروں اور بادشاہوں کی نوکری کا طوق ڈالا ہے اور بعضوں کی گردنوں میں ساہوکاروں اور مہاجنوں کی خوشامد اور چاپلوسی کر کے قرض لینے کا طوق ڈالا ہے اور بعضوں کی گردنوں میں قاضیوں اور مفتیوں کی منت کا اور حیلہ ساز روایت ضعیف نکال دینے والوں کی خوشامد کا طوق ڈالا ہے اور بعضوں کی گردنوں میں دفتر کے منصدیوں کی اور عاملوں چکلہ داروں کی حاضر باشی کا طوق ڈالا ہے اور دوسروں کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے یہاں تک کہ بعضوں کی گردنوں میں کنچنیوں کی بندگی اور غلامی کا طوق اور بعضوں کی گردنوں میں اونٹ گھوڑے خچر گائے بیل کی خدمت کا طوق ڈالا ہے ہم نے سو یہ جتنے طوق ہیں قیامت کے دن سب آگ کے طوق ہو جاویں گے اور ان لوگوں کی گردنوں کو گرانبار اور بھاری کر دیں گے اور جو اکثر ناشکروں کو باوجود ان طوقوں کے پہننے کے اور ان علاقوں میں پھنسنے کے بھی مطلب حاصل نہ ہوگا اور اگر کچھ تھوڑا مطلب حاصل ہوا تو بھی ان کی حرص اور آرزو کے موافق حاصل نہ ہوا سو ناچار ان کے واسطے ایک دوسری چیز بھی تیار کی ہے ہم نے وَسَعِيْرًا ۱۰ اور سوزش اور جلن سینہ کی اپنے مطلب کے نہ ملنے کے رنج کے سبب سے تاکہ جب تک دنیا میں رہیں اسی سوزش میں جلتے رہیں جیسے کیمیا کے مہوس اور اگر ایک طرف سے سوزش کم ہوتی ہے تو دوسری طرف سے اور بھڑکتی ہے سو ہم یہ ان کی لطیف پیدائش انسانی کو درہم برہم کر دیتے ہیں نیچے کا بدن زنجیر سے گرفتار ہے اور اوپر کا بدن طوق سے گرانبار اور بیچ کا بدن یعنی سینہ اور دل سوزش سے بیقرار ہے اور یہ وہی سوزش ہے جو قیامت کے دن دوزخ میں آگ کی صورت بن کے ان کے اندر اور باہر کو جلا دے گی سو اس دن اپنی پیدائش کی نعمت کی اور ہدایت الٰہی کی نعمتوں کی ناقدری کی سزا چکھیں گے اور اگر یہاں پر کسی کے دل میں شبہہ گذرے کہ ان علاقوں میں گرفتار ہونا اور ان طوقوں کا

پہننا اور دنیا کے مطالب حاصل ہونے کے سبب سے رنج اور سوزش کا ہونا دنیا کی زندگانی کے لوازمات سے ہے اور حق تعالیٰ کی نعمت کے شکر گذاروں کو بھی اسی دنیا میں اپنی زندگانی کے دن کاٹنا ہیں اور دنیا میں بدون گرفتاری ان علاقوں کے اور بدون پہننے ان طوقوں کے اور بدون سہنے اس سوزش کے گذر کرنا ممکن نہیں ہے پھر ان چیزوں کی تخصیص ناشکروں کے ساتھ ہونے کی کیا وجہ ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ شاکروں کو اگرچہ ان علاقوں کی گرفتاری کے اسباب اور ان طوقوں کے پہننے کے باعث اور ان سوزشوں کا چکھنا دنیا کی پیدائش کے تقاضے سے درپیش ہوگا اور آگے آوے گا لیکن ان کو زنجیروں کی گرفتاری اور طوق کا پہننا اور سوزش حاصل نہ ہوگی اسواسطے کہ شاکر لوگ تین گروہ ہیں ایک ابرار جن کا اصحاب الیمین بھی لقب ہے اور دوسرے مقربین اعمال جن کا عباد اللہ اور عباد الرحمٰن بھی لقب ہے اور تیسرے مقربین احوال جن کو مقربین مطلق بھی کہتے ہیں اور سابقین بھی ان کا لقب ہے سو پہلے ہم ابرار کا حال بیان کرتے ہیں جو پس خوردہ کھانے والے مقربین اعمال کے ہیں پھر اُن کے بعد مقربین اعمال کے حال کے بیان کی طرف انتقال کریں گے ہم تاکہ مقربین احوال کا حال بطریق اولیٰ اس پر قیاس کر لیا جاوے اِنَّ الْاَبْرَارَ تحقیق نیکوکار جو ہرگز اپنے مقدور بھر کسی کا حق تلف نہیں کرتے اور اپنے حق میں اور اپنے دوسرے بنی نوع کے حق میں احسان منظور رکھتے ہیں اور حق تعالیٰ کی تمام امر اور نہی کی فرمان برداری کا قصد کرتے ہیں جب تک دنیا میں زندہ ہیں یَشْرَبُوْنَ پیتے ہیں ایک دو قطرے مِنْ كَاْسٍ اس پیالے سے جو محبت الٰہی کی شراب سے اور اس جناب کی حضوری کے شوق سے بھرا ہوا ہے مقربوں کے ہاتھ سے اور اس ایک دو قطرے پینے کے سبب سے ان کو بیخودی حاصل ہوتی ہے پھر دنیاوی علاقوں کیطرف التفات باقی نہیں رہتا ہے لیکن اس قدر پینا اتنی تاثیر ان میں نہیں کرتا کہ یہ حالت ہمیشہ ان میں باقی رہے سو تقویت کرنے اور اس شراب کے جام کے اثر ہمیشہ باقی رہنے کے واسطے كَانَ مِزَاجُهَا ہوگی ملونی اس کی یعنی اس شراب کے پیالے کی جیسے گلاب یا کیوڑا شربت کے اوپر سے ملا دیتے ہیں كَافُوْرًا کافور جو روح کا بھی مقوی ہے اور دل کا مفرح اور خوشبو بھی اس میں پائی جاتی ہے اور رنگ بھی نورانی رکھتا ہے اور دنیا کے مطلب حاصل

نہ ہونے کے رنج کو اور دنیاوی علاقوں کی طرف التفات کو سرد کر دیتا ہے اور فاسد نیتوں کی عفونتوں کو اور باطل خطروں کو اصلاح دیتا ہے شیخ بوعلی سینا نے قانون کی مفردات میں لکھا ہے کہ آدمی کے بدن اور روح میں کافور کی تاثیر ایسی ہے جیسے عالم میں شمالی ہوا کی تاثیر ہے کہ ہر چیز کے جوش کو بٹھا دیتی ہے اور بدبو کو بالکل دور کر دیتی ہے اور ہر فساد کی اصلاح کرتی ہے اور روح کے مزاج کو ایسا بار کر دیتی ہے کہ ہرگز جوش اور تیزی اس میں نہیں رہتی اور یہ طب کا قاعدہ ہے کہ جس دوا کی منفعت کسی خاص عضو کے واسطے ہوتی ہے اور چاہتے ہیں کہ اس دوا کی تاثیر جلد ہی اس عضو کو پہنچا دیں تاکہ کبدی اور معدی ہضم میں دیر نہ کھینچے اور اسکی قوت ضعیف نہ ہونے پاوے تو شراب میں ملا کے دیتے ہیں اسواسطے کہ شراب سرعت نفوذ میں اور مجاری کی تفتیح میں بے مثل ہے اور جو کافور کو شراب میں ملا کے ان کو دیں گے تو بہت ہی جلد اُن کے رگ اور پوست میں پہنچ جاوے گی اور اس کا اثر بہت قوی ہو کے روح اور دل کو پہنچے گا اور تجرد علاقوں سے اور دل سرد ہو جانا تمام خواہشوں سے اور مطلب کے حاصل نہ ہونے کا رنج پاس نہ آنا اور ان سب چیزوں کا استقرار اور رسوخ پیدا کرے گا لیکن یہ کافور دنیا کا کافور نہیں ہے جس کی تاثیر فقط ظاہر بدن میں اور اعضا اور اخلاط اور ارواح میں خاص ہے بلکہ ہماری مراد اس کافور سے عَیْنًا ایک چشمہ ہے عالم روحانی میں کہ ان ہی کیفیتوں اور خواصوں سے اس کا پانی پینا آدمی کے باطن میں کہ نفس کے لطیفے اور نفسانی قوتیں اس کی ہیں تاثیر کرتا ہے یَّشْرَبُ بِهَا پئیں گے اپنے پیالے بھرے چھلکتے ہوئے اور اس چشمہ کے پانی کی ملونی اس میں ملی ہوئی عِبَادُ اللّٰهِ اللہ کے خاص بندے جو کسی کی فرمانبرداری کا طوق اپنی گردن میں نہ رکھتے تھے اور اپنے ہر کام میں اور ہر حرکت اور سکون میں اپنی نظر کو اللہ تعالیٰ کی طرف رکھتے تھے اور اسی کی رضامندی کو چاہتے تھے بلکہ وہ اپنے عملوں پر بھی اعتماد نہ رکھتے تھے اور ثواب اور اجر کی طرف بھی ان کو التفات نہ تھا یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ۵ جاری کرتے تھے ان چشموں کو اپنے ہر عمل میں جیسا جاری کرنا چاہیے تو گویا وہ چشمہ خاص ان کی ملک ہے اور ان ہی کے تصرف میں ہے اور ہر عضو کے عمل اور ہر قوت کے پیدا کرنے میں اس چشمے کے پانی کا اثر کھینچ کے لے جاتے ہیں اس قدر دنیا کے علاقوں سے اور ماسوا اللہ کی طرف التفات

کرنے سے دل سرد ہوئے ہیں کہ ان کو اپنے نیک عملوں پر اور اپنی نیک عادتوں پر ہرگز اطمینان اور دل کا چین حاصل نہیں ہے بلکہ ان عملوں کی نامقبولی کا خوف اور ان عادتوں کی بے اختیاری کا ہراس جناب الٰہی میں اس قدر ان کے دل میں بیٹھ گیا ہے کہ کسی وقت یہ خیال ان سے علیحدہ نہیں ہوتا چنانچہ اس حال پر یہ بات ان کی گواہ ہے کہ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وفا کرتے ہیں نذر کو یعنی جو چیز کہ اپنے ذمے پر لازم کر لیتے ہیں جیسے نفل عبادت اور کوئی وظیفہ اور درود اور صدقہ اور خیرات سو اُن چیزوں کو جیسا لازم کیا ہے اسی طرح سب شرطوں کے ساتھ آخر عمر تک ادا کرتے ہیں پھر جب ایسی چیزیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے واجب نہ تھیں بلکہ اپنے ذمے پر خود آپ لازم کر لی تھیں اس کو اس احتیاط سے ادا کرتے ہیں تو وہ چیزیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر واجب ہوئی ہیں ان کو بطریق اولیٰ پورا کیا ہوگا اور باوجود ایسے مستقیم ہو کر تمام واجبات اصلی اور التزامی ادا کرنے پر بھی ان عبادتوں پر چنداں اعتماد نہیں رکھتے ہیں بلکہ ہمیشہ خائف اور ہراساں رہتے ہیں وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ○ اور ڈرتے ہیں اُس دن سے کہ ہوگا شر اس کا منتشر اور پھیلا ہوا جیسے طوفان اور ہوا کے دن کی آگ کا لگنا کہ تمام بستی کو اپنے اپنے گھروں کا خوف ہوتا ہے کہ مبادا ہوا کی شدت سے آگ اودھر آپہونچے اور ان لوگوں کو یہ خوف اور ہراس اس سبب سے ہوگا کہ شاید واجبات کے ادا کرنے میں کچھ ہم سے قصور واقع ہوا ہو جیسے سستی اور دل نہ لگنا اور اس سبب سے طبیعت کی تاریکی نے اِس طاعت میں بل کے کچھ خرابی کر دی ہو اور آج قیامت کا دن ہے اور اس دن کا شر گنہگاروں کی شامت سے اس قدر پراگندہ اور پھیل رہا ہے کہ بے گناہ بھی اس بلا میں گرفتار ہو رہے ہیں جیسے آسمان اور زمین اور پہاڑ اور دریا اور آفتاب اور ماہتاب اور باقی ستارے سو ایسے وقت شاید وہ طاعت اس تاریکی کے سبب سے قبول نہ ہو اور عتاب اور عقاب کا سبب پڑے سو اس قدر بے اعتمادی اُن کو اپنے عملوں پر صریح دلیل ہے اس بات پر کہ خوف کا غلبہ ان پر بہت ہوگا اور خوف دل کی سردی کی دلیل ہے جس طرح دل کی گرمی کے وقت میں جرأت اور بے باکی غلبہ کرتی ہے سو یہ اثر اسی کافور کا ہے جو شراب محبت میں ملا کے نوش کیا ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔ شعر۔ ازیں افیوں

کہ ساقی درمے افگند + حریفاں را نہ سرماند و نہ دستار + ہندی یہ کیا ساقی نے مے میں چیز ڈالی ہاکہ پیتے ہی ہوئے بدمست و سرشار + اور یہ چیز اسبات پر بھی دلیل صریح ہے کہ ان لوگوں کو ان عملوں کے ساتھ جو اپنے مطلوب کے شوق میں کیے ہیں کچھ علاقہ نہیں رہا اور ان عملوں سے دل سرد ہو گئے ہیں تو دنیاوی علاقوں سے جو ان کے مطلوب کے منافی تھے یقیناً انقطاع کلی رکھتے ہوں گے اور یہ اس بے خودی کا اثر ہے جو محبت الٰہی کی شراب پینے سے انہوں نے حاصل کی ہے اور ان کے ان احوال پر دوسرا گواہ یہ ہے کہ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ اور کھلاتے ہیں کھانے کو باوجود اس بات کے کہ نقد دینے سے کھانا پکا کر کھلانا بہت بھاری ہے اسواسطے کہ آدمی کا نفس جو چیز قریب النفع اور حاضر المنفعت ہے اس کے دینے میں بخیلی کرتا ہے بخلاف اس چیز کے جو منفعت مقصود سے دور واقع ہوئی ہے اسی واسطے غلے کا دینا اکثر آدمیوں کے نزدیک سہل ہے آٹا دینے سے اور آٹا دینا سہل ہے روٹی دینے سے اور کوئی وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کھانا دینے میں دلیری کرتا ہے اور نقد یا جنس دینے سے جی چراتا ہے سو اس کا سبب یہ ہے کہ کھانے سے اس وقت وہ سیر ہوتا ہے اور پکا کھانا سوائے کھا لینے کے اور کسی کام کا نہیں ہے اور جلدی بدبو کر اٹھتا ہے رکھ چھوڑنے کے قابل نہیں ہے بخلاف نقد اور جنس کے اسواسطے کہ یہ کام کی چیز ہے اور رکھ چھوڑنے کے بھی قابل ہے لیکن یہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں عَلٰی حُبِّہٖ باوجود اس کھانے کی محبت کے بھوک کی شدت اور قوت کی نایابی کے سبب سے اور ایسے وقت میں ع شلغم پختہ بہ زنقرۂ خام + ہوتا ہے۔ یا نفیس اور مزے دار ہونے کے سبب سے وہ کھانا محبوب ہوتا ہے اور باوجود بے احتیاجی کے بھی اس کو بے فائدہ صرف نہیں کرتے ہیں بلکہ رکھ چھوڑتے ہیں تاکہ دوسرے وقت اس کو کھا دیں یا اس شخص کو کھلاتے ہیں جس سے بڑی منفعت کی امید ہوتی ہے اور یہ لوگ اس کھانے کو محتاجی کی حالت میں کھلاتے ہیں مِسْکِیْنًا مسکین محتاج کو جو قوت کی تحصیل سے خود عاجز ہے اور اس سے کسی طرح کی منفعت کی توقع بھی نہیں ہے بلکہ اس کو ایکبار کھلانے کے سبب سے اس کی خو پڑ گئی کہ ہر روز قرض خواہ کی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا ہے اور سخت باتیں سنا کے دل کو مشوش کرتا ہے وَّیَتِیْمًا اور یتیم کو جو مسکین سے

بھی عاجز زیادہ ہے اسواسطے کہ مسکین بدن میں قوت رکھتا ہے اور عقل بھی کامل رکھتا ہے اگرایک وقت اس کو قوت میسر نہو تو دوسرے وقت کوشش کر کے گلی کوچے پھر کے کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت پیدا کر کے اپنی جان تھامنے کی تدبیر کرے گا اور یتیم نہ عقل کامل رکھتا ہے اور نہ بدن قوت والا اور نہ مانگ کھانے کا وقوف رکھتا ہے اور نہ اس سے کچھ منفعت کی توقع ہے وَّاَسِیْرًا اور قیدیوں کو جو کسی کی قید میں گرفتار ہیں اور کسی طرح سے قوت کے حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں بلکہ اس سے اتنا بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ مسکین اور یتیم کی طرح کسی کے سامنے جا کھڑا ہو دے تاکہ وہ شخص اس کا حال دیکھ کر کچھ رحم کرے اور اس کو کچھ دلوے اور باوجود اسبات کے کہ اس قسم کے لوگوں کو اپنی خواہش اور رغبت کے ہوتے ہوئے کھانا کھلانا بڑا احسان ہے اور خالص عبادت ہے جس میں ریا کا نام بھی نہیں ہے لیکن خدا کے خاص بندے اس عمل پر بھی اعتماد نہیں کرتے ہیں بلکہ ڈرا کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو اس کھانا کھلانے کے سبب سے مسکین یا یتیم یا قیدی کچھ ہماری تعریف یا تعظیم یا سلام یا کوئی اور ثنا اور صفت کریں اور اس سبب سے ہمارا النفس خوش ہووے تو پھر دہی طبیعت کی تاریکی اور یہ عمل مل جاوے اس واسطے کھانا کھلانے کے وقت کھل کے صراحۃً ان سے کہہ دیتے ہیں کہ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ بیشک سوائے اس کے نہیں ہے کہ ہم کھلاتے ہیں تم کو خالص حق تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کے واسطے لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً ہم نہیں چاہتے ہیں تم سے کچھ بدلہ اس کھانے کے بعد جیسے سلام کرنا یا تعظیم کرنا یا اپنے حق میں ترقی کی کچھ دعا چنانچہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب آپ کچھ صدقہ کسی کے اہل بیت کو بھیجتی تھیں تو آنے کے بعد اپنی خادمہ سے آپ پوچھتی تھیں کہ اس صدقہ لینے کے بعد اُن لوگوں نے کیا کہا تھا اگر خادمہ کہتی تھی کہ ان لوگوں نے یہ دعا آپ کے حق میں کی تھی تو جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس گھر کے حق والوں کے حق میں اسی طرح کی دعا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ یہ اسواسطے ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کی دعا میرے صدقہ کے عوض میں محسوب ہوجاوے اور میرے صدقے کے ثواب میں نقصان آجاوے سو اس واسطے ان کی دعا کی عوض میں میں نے بھی اُن کے واسطے دعا کر دی تاکہ دعا کا بدلہ دعا ہو جاوے اور میرے

صدقے کا ثواب برقرار رہے وَّلَا شُكُوْرًا ٥ اور نہیں چاہتے ہیں ہم تم سے شکر گذاری کہ لوگوں کے سامنے کچھ ہماری ثنا یا صفت کرتے رہو کہ فلانے نے ہمارے اوپر ایسا احسان کیا اور ایسا کھانا کھلایا اسواسطے کہ اگر یہ چیزیں ان کاموں سے چاہیں ہم تو پھر وہی طبیعت کی تاریکی اس میں درآوے اور وہی خوف پھر لاحق حال ہووے اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا بیشک ہم ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ٥ ایک دن اُداس سخت سے یعنی وہ ایسا دن ہے کہ اس میں بالکل اداسی چھائی ہوئی ہے اور یہ کنایہ ہے حق تعالیٰ کی قہری تجلی سے جو اُسدن ہوگی سو اس تجلی کے آداب کی رعایت سے اس دن کو عبوس اور قمطریر کر کے موصوف کیا اور جس طرح جو شخص عبوس قمطریر ہوتا ہے یعنی غصے میں بھرا ہوا ذراسی بات میں غصہ میں آجاتا ہے اسی طرح اس روز کہ نقیر اور قطمیر کا مواخذہ ہوگا یعنی ذرا ذرا بات پوچھی جائے گی اس سبب سے وہ دن خوفناک اور دہشت بھرا ہوا ہے اور یہ ان کا عمل کہ خوف شدید سے ہے۔ دونوں چیزوں پر دلیل صریح ہے یعنی ایک دنیاوی علاقوں کا انقطاع اور دوسری دل کی سردی اور بے اعتنادی کا غلبہ اس کے سبب نزول میں واحدی اور دوسری تفسیروں میں مذکور ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ بیمار ہوئے سو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت اور بیمار پرسی کے واسطے تشریف فرما ہوئے اور آپ کے ساتھ صحابۂ کرام بھی بہت آئے ان میں سے ایک شخص نے حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارے فرزندوں کو بہت سخت بیماری ہے تم کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی نذر اپنے اوپر مقرر کرو حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نے تین روزے خدا کے واسطے اپنے اوپر مقرر کیے حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے بھی تین روزے نذر اپنے اوپر مقرر کیے آپ کی لونڈی جس کا نام فضہ تھا اس نے بھی تین روزے اپنے اوپر مقرر کیے جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل اور کرم سے دونوں صاحبزادوں کو شفا دی تو تینوں شخص موافق نذر مقررہ کے روزہ دار ہوئے اس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں کھانے کی چیز کوئی نہ تھی آپ شمعون یہودی کے پاس جو خیبر کا رہنے والا تھا اور وہاں غلہ بیچا کرتا تھا تشریف لے گئے اور کچھ قرض اس سے طلب کیا اس نے اسلام کی عداوت کے سبب سے قرض دینے میں تامل کیا آخر کو جب تکرار

اور فہمائش سے بارہ سیر جَو آپ کو قرض دیے آپ نے وہ جو گھر میں آکر دیے حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے اس میں سے چار سیر جو چکی میں پیسے اور لونڈی نے گھر کے آدمیوں کی گنتی کے برابر پانچ روٹیاں پکا کر تیار کیں پھر افطار کے وقت وہ پانچ روٹیاں لا کے ان سب حضرات کے سامنے رکھیں انہوں نے چاہا کہ اس میں سے لقمہ توڑ کے منہ میں ڈالیں اتنے میں دروازے پر ایک فقیر نے آکر سوال کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ کی سلامتی تم پر ہو جیو اے اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فقیر مسلمان تمہارے دروازے پر آیا ہے اور اس کے گھر میں پانچ آدمی ہیں کچھ اس کو کھلاؤ حق تعالیٰ تم کو جنت کے خوانوں سے کھلاوے گا ان پانچوں حضرات نے وہ پانچوں روٹیاں اس فقیر سائل کے حوالے کر دیں اور آپ سب پانی پی کر سو رہے پھر صبح کو روزہ رکھا اور اسیطرح اس دن بھی چار سیر جو پیس کے پانچ روٹیاں پکائیں افطار کے وقت ایک یتیم آیا اس کو وہ روٹیاں دے دیں تیسرے دن ایک قیدی آیا اس دن اس کو حوالے کیں چوتھے دن صبح کو جو اٹھے تو بھوک کی شدت سے طاقت ہلنے کی نہ تھی اور مرغ کے چوزہ کی طرح بدن کانپتا تھا اس دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنینؓ کے دیکھنے کو جو تشریف لائے یہ حالت سب کی دیکھ کے آپ کو بہت بیتابی ہوئی پوچھا کہ میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کہاں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مصلے پر نماز میں مشغول ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ پیٹ پیٹھ سے لگ گیا ہے اور آنکھیں اندر گھس گئی ہیں یہ حالت دیکھ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو جاری ہوئے اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام یہ سورۃ لے کر نازل ہوئے اور کہا کہ لو اے پیغمبر اس سورۃ کو تم کو اور تمہارے اہل بیت کو مبارک ہو جیو اور یہ آیتیں پڑھ کے سنائیں پھر بعد اس کے حضرت رب العزت نے ظاہری فتوح عنایت کیے اور پھر کبھی فقر کی ایسی شدت میں مبتلا نہ ہوئے ایسا کہتے ہیں کہ ان تینوں دنوں میں فقیر اور یتیم اور اسیر کی شکل بنا کے حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تھے اہل بیت کے صبر کے امتحان کے واسطے اسی وجہ سے کہا ہے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ملک دنیا کو اپنی سنان سے لیا یعنی نیزے کی نوک سے یعنی جہاد کر کے اور ملک عقبیٰ کو سہ نان سے خرید کیا یعنی تین روٹیوں سے۔ اب یہاں پر جاننا چاہیے کہ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر کو وفا کرنا واجب ہے اگر وہ نذر گناہ نہ ہو اور اگر کسی گناہ کی نذر کی ہے تو اس نذر کی وفا واجب نہیں ہے بلکہ ممنوع ہے چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ مَنْ نَذَرَ اَنْ یُّطِیْعَ اللّٰہَ فَلْیُطِعْہُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ یَّعْصِیَ اللّٰہَ فَلَا یَعْصِہٖ یعنی جس نے نذر کی اللہ تعالیٰ کی طاعت اور فرمان برداری کی تو چاہیے کہ ادا کرے اس کو اور جس نے نذر کی گناہ اور خدا کی نافرمانی کی تو چاہیے کہ چھوڑے اس کو اور اس گناہ میں مبتلا نہ ہو اسواسطے کہ نذر کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز واجب نہیں ہے اس کو اپنے اوپر واجب کر لینا اور اگر وہ چیز گناہ ہوئی اور اُس نے اس کو اپنے اوپر لازم کیا تو حکم الٰہی کی مخالفت کی اور حق تعالیٰ کی مخالفت کرنا چاہیے اور اگر بالفرض کسی کے منہ سے ایسی بات نکل گئی اور گناہ کی نذر کی تو اس کو اسی وقت لازم ہے کہ اس سے توبہ اور استغفار کرے اور اس کو ہرگز ادا نہ کرے اور یہ بھی جان لینا چاہیے کہ نذر اُس چیز میں درست ہے جو طاعت کی قسم سے ہے جیسے نفل نماز اور نفل روزہ اور ذکر اور تسبیح اور قرآن کی تلاوت اور درود اور حج اور عمرہ اور نیک لوگوں کی زیارت اور دینی علم کی طلب اور جہاد اور صدقہ اور خیرات اور وقف اور جو اس قسم سے ہو لیکن جو چیز طاعت کی جنس سے نہیں ہے اس میں نذر منعقد نہیں ہوتی یعنی کہنے سے لازم اس پر نہیں ہو جاتی جیسے فلانا کھانا کھانا اور دھوپ میں بیٹھنا اور کھڑا رہنا اور منہ سے نہ بولنا اور سایہ کے نیچے نہ آنا اور سوائے اس کے اور اس میں کچھ اس کے ذمے پر لازم نہیں ہوتا اور اگر نذر مبہم کی ہے جیسے یوں کہا کہ اگر میں یہ کام کروں تو مجھ پر نذر ہے پھر وہ کام کیا تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوتا ہے اور یہی حکم ہے اس نذر کا جو اس کی طاقت سے خارج ہے اور یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانا عبادت ہے پھر وہ مسکین اور قیدی اہل اسلام سے ہو یا کافر ہو لیکن زکوٰۃ اور نذر اور کفارے کا کافر کو دینا درست نہیں ہے اور اگر مسکین اور قیدی اور کافر واجب القتل ہوں تو بھی اُن کو کھانا کھلانا باعث اجر کا ہے اسواسطے کہ واجب القتل کو بھوکا قتل کرنا درست نہیں ہے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو قید کر کے لاتے تھے اور مسلمانوں کے حوالے کرتے تھے اور

فرمادیتے تھے کہ ان کے ساتھ احسان کرنا یعنی کھانے پینے کی تکلیف نہ دینا بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے وہ مسلمان ان قیدیوں کو اپنے گھر والوں سے بہتر اور زیادہ خوش رکھتے تھے اور خود سے اچھا کھانا کھلاتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں قتل کرنے کا یا لونڈی غلام کر رکھنے کا یا مال لے کے چھوڑ دینے کا یا بے لیے چھوڑ دینے کا حکم فرماتے اور یہی حکم ہے جس کے ذمے پر قصاص واجب ہوا ہو اور قتل کا مستحق ہوا ہو اس کو بھی بھوکا پیاسا مارنا جائز نہیں ہے اور ان آیتوں میں ذکر کیا گیا کہ حق تعالیٰ کے خاص بندوں کو قیامت کے دن کے شر کے پھیل پڑنے سے ہمیشہ خوف رہتا ہے اور باوجود ایسے عمدہ عملوں کے جو آمیزش ریا سے بالکل خالص ہیں ہمیشہ ہراساں اور خوف زدہ رہتے ہیں سو اسواسطے ضرور ہوا کہ اس خوف کا ثمرہ جو آخرت میں دیکھیں گے بیان کیا جاوے پھر اس کے بعد انکے عملوں کی جزا کے بیان کی طرف انتقال کیا جاوے سو پہلے ان کے خوف کے ثمرے کے بیان میں ارشاد ہوتا ہے کہ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ پھر بچاوے گا ان کو اللہ تعالےٰ اس دن کی برائی سے باوجود اس بات کے شر اس دن کا پراگندہ اور پھیلا ہوا ہوگا اور اس بچانے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ لوگ صفت رضا کی تجلی سے سرفراز ہوں گے اور ان کو اس تجلی کے مشاہدے کے استغراق میں مشغول کر دے گا چنانچہ سورۂ قیامت میں تصریح سے بیان ہو چکا ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور فرشتوں کے جھنڈ کے جھنڈ ان کے پاس آویں گے اور ان کو خوش خبری سناویں گے چنانچہ سورۂ انبیا میں مذکور ہوا ہے لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یعنی نہ غمگین کرے گی ان کو گھبراہٹ بڑی اور ملاقات کریں گے ان سے فرشتے اور کہیں گے کہ یہ تمہاری بہتری کا دن ہے جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے اور حدیث صحیح قدسی میں واقع ہے کہ اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ جَلَالِيْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ یعنی حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں آپس میں دوستی کرتے تھے ہماری راہ میں ان کے لئے قیامت کے دن منبر ہوں گے نور کے اس طرح کی عظمت کے کہ رشک کریں گے ان کا حال دیکھ کے پیغمبر اور شہید اسواسطے کہ پیغمبروں کو اور شہیدوں کو

امت پر گواہی دے کر ان کو موقف سے اور اس دن کے ہول سے خلاص کرنے کی فکر ہوگی
اس سبب سے کہ وہ تشویش میں ہوں گے اور ان لوگوں کو اسی سے علاقہ نہ رکھنے کے سبب
سے فراغت کلی حاصل ہوگی اور یہ سب بزرگی ان کو دنیا کے علاقوں کو منقطع کرنے کے
سبب سے حاصل ہوگی وَ لَقّٰهُمْ اور آگے لاوے گا ان کو وہ جو دنیا میں اس دن کی
ترش روئی اور برائی سے خوف کیا کرتے تھے نَضْرَةً تازگی اور چہرے کی رونق جو ظاہر ان
کے بشرے پر نمودار ہوگی وَّ سُرُوْرًا اور خوشی دل کی جو ان کے باطن میں بھری ہوگی عوض
میں اس غم اور اندوہ کے جو اپنے دین کے واسطے دنیا میں رکھتے تھے اور ہمیشہ آخرت
کی فکر میں اپنی اوقات گذارتے تھے اور فقط اسی قدر نعمت پر ان کے حق میں اکتفا نہ کی جاوے گی
یعنے اس دن کے شر کا خوف ان سے جاتا رہے اور امن اور چین ان کو حاصل ہووے
اسواسطے کہ یہ تو ان کے ترس اور خوف کا پھل ہے بلکہ ان کے دوسرے عملوں کو بھی حرمت
کی نظر سے دیکھیں گے اور ان کے سب عملوں کا مدار صبر پہ پاویں گے وہ صبر جو دنیا کی
علاقوں اور جسمانی لذتوں کے ترک کیا تھا اور طاعتوں کی مشقت کے تحمل پر اور آفتوں اور
بلاؤں کے کھینچنے پر جو صبر کیا تھا پھر ان کے صبر کی جزا منظور ہوگی وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا
اور جزا دے گا ان کو ان کے صبر کرنے پر کہ پر فضا مکانات اور دل لگن باغات اور عمدہ
عمارتوں کے ساتھ اپنے دل کو متعلق نہیں کیا تھا جَنَّةً بہشت کشادہ اور بافضا جس کا عرض
زمین اور آسمان کے عرض کے برابر ہے اور محل اور مکانات منقش اور رنگین وَّحَرِيْرًا
اور کپڑا ریشمین جو ان کی پوشاک میں صرف ہوگا اور فرش فروش میں بھی اور در و دیوار اور
پردے اور چھت گیری کی پوشش میں اور ہانڈیوں اور جھاڑوں اور دیوار گیریوں کے
غلاف میں ان کے کام آوے گا اور یہ ان کے اس صبر کی جزا ہے جو دنیا میں پھٹے پرانے
پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور آستین اور دامن دراز نہیں کرتے تھے اور خالص ریشمی
کپڑے سے دنیا میں پرہیز کرتے تھے ان سب چیزوں کے عوض میں یہ حریر ان کو ملے گا
اور بہت سی روایتوں میں ایسا آیا ہے کہ ادنی بہشتی کو ہر صبح اور شام کو ستر جوڑے حریر کے
جن کے رنگ مختلف ہوں گے اور نفیس اور منقش سو اس کے خادم اس کے سامنے

لایا کریں گے تاکہ ان میں سے جو مرغوب اور خوش معلوم ہووے وہ اس کو پہنے اور باریکی میں وہ کپڑے ایسے ہوں گے جیسے پھول کی پتی مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْاَرَائِكِ تکیے دیے بیٹھے ہوں گے اس بہشت میں تختوں پر اور ریشمیں توشکیں ان تختوں پر بچھی ہوں گی اور وہ تخت سایہ دار ہوں گے جیسے دنیا کے بادشاہوں کے تخت ہوتے ہیں اور یہ بدلا ہے ان کے اس صبر کی جو دنیا میں تنگ اور تاریک حجروں میں اور خانقاہوں میں اور مدرسوں میں چٹائیوں پر بیٹھے رہا کرتے تھے اور علوم دینی کے درس کی مجلسوں میں اور ذکر اور توجہ کے حلقوں میں سب کے پائیں میں بیٹھا کرتے تھے لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا نہ دیکھیں گے اس جنت میں گرمی آفتاب کی اور نہ سردی چلے کے جاڑوں کی اسواسطے کہ جنت کی ہوا معتدل ہوگی نہ گرمی ہوگی نہ سردی اور آفتاب وہاں نہ ہوگا تاکہ اس کے نزدیک ہونے کے سبب سے گرمی زیادہ ہووے اس کے دور ہو جانے کے سبب سے سردی کچھ ضرر پہنچاوے بلکہ عرش معلی کا نور اس عالم کو ہمیشہ روشن رکھے گا اور جس وقت پردے اٹھا دیں گے تو جانیں گے کہ دن ہوا اور سیرگاہوں میں نکلیں گے اور بازار قائم ہوں گے اور آپس میں ایکدوسرے کی ملاقات کریں گے اور خدمت کے واسطے لڑکے اور غلمان حاضر ہوں گے تو معلوم کریں گے کہ رات ہوئی اور حوریں ان کے آرام اور صحبت کے واسطے حاضر ہوں گی اور یہ جزا ہے اُن کے اس صبر کی جو دنیا میں حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کیا تھا جیسے روزے کی گرمی اور جمعہ کے دن دوپہر کو جامع مسجد میں جانا اور حج اور عمرہ اور جہاد اور طالب علمی اور بزرگوں اور نیکوں کی زیارت کے واسطے سفر کرنا اور ان کی صحبت سے ظاہری اور باطنی فیض کو لینا یعنے یہ چیزیں دنیا میں گرمی کے دنوں میں کر کے گرمی پر صبر کیا تھا اور اسی طرح سردی کے دنوں میں وضو یا غسل تہجد کے وقت اور فجر یا عشا کی نماز جماعت سے ادا کرنے کے واسطے اور حج اور عمرہ اور جہاد اور طالب علمی اور بزرگوں کی زیارت کا سفر جاڑوں میں کرتے تھے اور اس رنج پر صبر کیا کرتے تھے حدیث شریف میں آیا ہے کہ هَوَاءُ الْجَنَّةِ سَجْسَجٌ لَا حَرَّ وَلَا قَرَّ یعنے بہشت کی ہوا نہایت اعتدال کی ہے نہ اس میں گرمی ہے نہ سردی اور زمہریر لغت میں بہت سردی کو کہتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ میم اور ہ اس میں اصلی ہیں اس

واسطے کہ اگر کوئی ان دونوں سے زائد ہوتا تو کلام عرب میں اس لفظ کا نظیر نہ نکلتا اور فعلیل کے وزن بہت پائے جاتے ہیں چنانچہ قمطریر جو اوپر بیان ہو چکا ہے اور بہشت کی ہوا کے معتدل ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہاں کے رہنے والوں نے دنیا میں اپنے اعمال اور اخلاق معتدل کیے تھے اور بہشت وہی دنیا کے اعمال اور اخلاق معتدلہ کی صورت ہے افراط اور تفریط نہیں ہے یعنے زیادتی اور کمی اس میں کسی طرح ممکن نہیں ہے وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا اور نزدیک ہوگا ان پر سایہ اس بہشت کے درختوں کا اور یہ ان کے اس صبر کی جزا ہے جو غریبوں اور مسافروں اور مظلوموں اور یتیموں کو اپنے سایہ دار مکانوں میں جگہ دیتے تھے یا اپنے عدل اور انصاف اور حمایت اور رحمت کے سایہ میں ان کو رکھتے تھے اور اس جگہ مفسروں کا ایک اشکال مشہور ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ بہشت میں جب آفتاب نہ ہوا پھر سایہ کہاں سے ہوگا اسواسطے کہ حقیقت میں معنی بالذات یا معنی بالعرض کے ثانی ضو کو سایہ کہتے ہیں جو روشن کرنے والے اور روشن ہونیوالے کے درمیان میں جسم کثیف کے حائل ہونے کے سبب سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ آفتاب کا نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسرا نور بھی نہ ہووے اور نور سایہ نہ پیدا کر سکے لیکن یہ البتہ ہے کہ وہ نور اس جنس سے نہیں ہے کہ رنج دیوے اور لوگ اس سے سایہ میں بھاگیں بلکہ کبھی درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھنا لذت اور آرام لینے کے واسطے ہوتا ہے نہ گرمی کی اذیت دفع کرنے کے واسطے سو بہشتیوں کا درختوں کے سایہ کے نیچے بیٹھنا اسی قسم سے ہوگا اور بعضے مفسروں نے یوں کہا ہے کہ بہشت کے درخت اس طرح ان کی طرف جھکیں گے اور ان درختوں کی شاخیں اور پتے اور پھل ایسے ان بہشتیوں کے نزدیک ہو جاویں گے کہ اگر بالفرض آفتاب وہاں ہوتا تو سایہ ان درختوں کا ان کے نزدیک بہت ہوتا اور کسی مفسر نے بہشت کے درختوں کا سایہ نزدیک ہونے کے معنی ذکر نہیں کیے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر سایہ نے کسی شخص کو گھیر لیا تو نزدیک اور دور دونوں برابر ہے اور اگر نہ گھیرا تو وہ سایہ نہ دور ہے نہ نزدیک بس تحقیق بات یہ ہے کہ بہشت کے درخت شعور اور ارادہ رکھتے ہیں اور جب بہشتیوں کو جو اپنے آراستہ تختوں پر مجلسوں یا مکانوں میں بیٹھے ہوں گے

وہ درخت چاہیں گے کہ اپنے پھل اور پتوں سے ان کو نفع پہنچاویں تو اس ارادے سے قصداً حرکت کر کے ان بہشتیوں کے نزدیک ہو جاویں گے اور اپنے پھول اور کلیاں اُنکے سامنے کریں گے تاکہ ان کو توڑ کے کھاویں پس وہاں کے درختوں کے سایہ کے نزدیک ہونے کے یہی معنی ہیں چنانچہ اس آیت کی انتہا اسی بات کو چاہتی ہے کہ وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ہ اور تابع کیے گئے میوے اس بہشت کے بہشتیوں کے واسطے جیسا چاہیے تابع کرنا یعنے پست کر دیے گئے خوشے اس کے جیسے ہلا ہوا جانور بار بار اپنے خاوند کے پاس آتا ہے اور سواری یا کھیل یا جو نفع اس جانور سے اس کے خاوند کو منظور ہے وہ ادا کیا چاہتا ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ بہشت کے میوے ایسے نزدیک ہو جاویں گے کہ اگر کھڑا ہوا چاہے تو اُس کے بھی نزدیک اور اگر بیٹھا ہوا چاہے تو اُس کے بھی نزدیک اور اگر لیٹا ہوا چاہے تو اس کے بھی نزدیک ہوں گے اسواسطے کہ خود بخود میوے بہشتیوں کے منہ میں پہنچیں گے اور یہ اُن کے اس صبر کی جزا ہے جو دنیا میں پرہیزگاری اور احتیاط کے سبب سے دنیا کے میووں سے احتراز رکھتے تھے کہ شاید میوے والوں کے مالوں میں کچھ آمیزش مشتبہ یا حرام کی ہو اس سبب سے نہ کھاتے تھے اور صبر کرتے تھے اور گاجر اور شلغم ہی پر قناعت کرتے تھے اب یہاں تک بہشتیوں کی وہ نعمتیں مذکور ہوئیں جو تمام روح نباتی کی تسخیر سے اور اس کے نفس کے استخدام سے ان کے کام کے واسطے پیدا ہوں گی اور جس طرح دنیا میں ان کو خلافت کبریٰ عنایت ہوئی تھی کہ تمام عالم کے اجزا اور ارکان میں تصرف کرتے تھے اور ان سے نفع لیتے تھے اسیطرح بہشت والوں میں بھی ان اجزا اور ارکان کی روحیں ان کے واسطے مسخر اور تابع کر دیں گے پس وہ اُن کے خادم ہوں گے لیکن دنیاوی اور بہشتی تسخیر میں فرق اتنا ہوگا کہ دنیا کی تسخیر جبری اور قہری اور کد اور کاوش پر موقوف تھی اور بہشت کی تسخیر ارادی اور اختیاری ہوگی اس میں بہشتیوں کو کچھ بھی رنج اور محنت نہ ہوگی اور ایک فرق یہ بھی ہے کہ دنیا کی تسخیر عام تھی مسلمان اور کافر اور نیکوکار اور بدکار سب کو شامل تھی اور بہشت کی تسخیر خاص ایماندار اور نیکوکاروں کے واسطے ہوگی اسواسطے کہ وہ جزا امتیاز کے واسطے ہے چنانچہ سورۂ اعراف

کی آیت میں یہی مضمون ارشاد فرمایا ہے قال اللہ تعالیٰ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ یعنے کہو تم اے محمد کس نے منع کی ہے رونق اللہ تعالیٰ کی جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی تم کہو وہ ہے ایمان والوں کے واسطے دنیا کی زندگی میں نری اُن کی ہے قیامت کے دن یوں بتاتے ہیں ہم آیتیں جن لوگوں کو بوجھ ہے فائدہ یعنے نعمتیں سب مسلمانوں کے واسطے ہیں دنیا میں کافر بھی شریک ہو گئے قیامت میں نری ان ہی کیواسطے ہیں اور ریشم اگرچہ ظاہر میں حیوانی معلوم ہوتا ہے اسواسطے کہ کیڑے کے لعاب سے نکلتا ہے لیکن تحقیق یہ بات ہے کہ ریشم کی پیدائش درختوں کے پتوں کے نچوڑ سے ہے جس کو ریشم کا کیڑا اپنے واسطے مکڑی کے جالے کی طرح تنتا ہے اور اس کیڑے کو سوائے اس تن دینے کے اور کچھ دخل نہیں ہے ریشم اس کیڑے کا جز نہیں ہوتا تاکہ ریشم حیوانات میں شمار کیا جاوے بخلاف گوشت اور کھال اور اون اور بال اور دودھ اور گھی کے کہ یہ سب حیوانوں کے جز ہیں اور شہد کا حال بھی اگرچہ مثل ریشم کے ہے لیکن شہد کی مکھی اس کو غذا کے واسطے مہیا کرتی ہے سو اس راہ سے شہد کا حیوانی ہونا غالب ہوا نباتی ہونے سے

اب یہاں سے بہشتیوں کی وہ نعمتیں بیان ہوتی ہیں جو معدن کا نفس کلیہ اس میں خادم اور مسخر ہو کے مہیا اور موجود کرے گا وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ اور بار بار لائے جاتے ہیں اُن کے سامنے برتن مِّنْ فِضَّةٍ چاندی سے اُن کے اس صبر کے عوض میں جو دنیا میں استنجے اور غسل اور وضو کے واسطے برتنوں میں پانی بھر کے طہارت کی ہمیشگی کے واسطے بار بار لاتے تھے اور ان نجاستوں سے بچاتے تھے اور اگر غسل اور وضو کا برتن کچھ مستعمل ہو جاتا تھا تو احتیاط کے واسطے اس کو بدل ڈالتے تھے سو اس سبب سے ان کو کچہ بازار میں پھرنا پڑتا تھا وَّاَكْوَابٍ اور آبخورے بغیر ٹونٹی اور دستے کے یہ ان کے اس صبر کے عوض میں ہوگا جو بار بار پانی کے سرد کرنے کے واسطے مٹی کے آبخورے بازار سے لا کے پانی بھر کے رکھتے تھے تاکہ گرمیوں کے روزہ کے افطار کے وقت کام آویں لیکن ان کو

بہشت میں جو آبخورے ملیں گے وہ نزاکت اور صفائی میں کانت قواریرا ہو رہے ہوں گے شیشے سے کہ اندر کی چیز ان کے باہر سے معلوم ہووے اور نظر آوے لیکن حقیقت میں وہ شیشے نہیں ہیں بلکہ قواریرا من فضۃ وہ شیشے چاندی سے بنائے گئے ہیں تاکہ سفیدی اور چمک دمک میں چاندی ہوویں اور شفافی اور صفائی اور شکل میں شیشہ ہوویں اور ان کو چاندی سے اسواسطے بنایا ہے کہ عوض میں وضو کے برتنوں کے ان کو دیں گے اور وضو کا پانی ان کے وضو کے اعضا کو سفید چمکتے نورانی کر دے گا چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے اِنَّ اُمَّتِیْ یَاْتُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیشک میری امت کے لوگ آویں گے قیامت کے دن اس شکل سے کہ ان کے چہرے سفید اور روشن ہوویں گے اور دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں بھی سفید روشن ہوویں گے وضو کے آثار کی وجہ سے پھر جو برتن وضو کے برتنوں کے عوض میں ان کو دیا جاوے گا وہ بھی سفید اور روشن ہوگا لیکن چاندی سے ہوگا نہ سونے سے اور چاندی کے ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ پانی اور عتنی پینے کی چیز ہے جس قدر سفید شفاف برتن میں لطف اور رونق دیتی ہے اس قدر سونے کے برتنوں میں رونق نہیں دیتی اور سونے کا رنگ پیلا ہے اور چاندی کا رنگ سفید ہے اور زردی شرمندگی اور ندامت کا نشان ہے اور منہ کا سفید اور روشن ہونا مطلب حاصل ہونے کا نشان ہے اور دنیا میں سونا جو چاندی سے گراں قیمت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ دنیا میں سونے کی کان کمیاب ہے اور چاندی کی کانیں بہت ہیں اور عالم آخرت میں کسی چیز کی کمیابی نہیں ہے تاکہ اس سبب سے سونے کی قیمت بڑھ جاوے اور نفیس ہو جاوے اور ان کے آبخورے بھی جنت میں چاندی کے بیان فرمائے ہیں اسواسطے کہ ان آبخوروں میں شراب قوی السکر ان کو دینا منظور ہے چنانچہ اس کا بیان آگے آتا ہے اور جامع بغدادی میں لکھا ہے کہ تفریح اور تقویت میں چاندی کا اثر قریب ہے یاقوت کے اثر سے اور شراب جب چاندی کے برتن میں رکھی جاتی ہے تو وہ شراب بہت جلد نشہ کرتی ہے اور اس کے نشہ میں بہت تلذذ اور مزہ ہوتا ہے انتہی اور جہاں کہیں شراب کا پلانا منظور نہیں ہے تو وہاں سونے کے آبخورے بیان فرمائے

ہیں چنانچہ سورۂ زخرف میں ارشاد ہوا ہے کہ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّأَكْوَابٍ یعنے لیے پھرتے ہیں ان پاس رکابیاں سونے کی اور آبخورے اور دنیا کے آبخوروں میں جو فارسی شراب بھرلاتے ہیں تو ان میں ایک عیب ہوتا ہے کہ پینے والے کی رغبت سے کبھی کم ہوتی ہے اور کبھی زیادہ سو اس عیب کے دفع کے واسطے ارشاد ہوتا ہے کہ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ اندازہ کرکے بنایا ہے ان آبخوروں کو معادن کی ارواح کے کاریگروں نے اچھا اندازہ کرنا بہت احتیاط سے اسواسطے کہ وہ آبخورے ان کو ان آبخوروں کے عوض میں عنایت ہوئے ہیں جو مٹی کے آبخورے افطار کے واسطے پانی یا شربت بھر کے رکھتے تھے اور دنیا میں باوجود شدت رغبت کے اسراف سے پرہیز کرتے تھے اور اعتدال کی راہ چلتے تھے سو اسواسطے وہاں بھی ان کے ساتھ اعتدال کا معاملہ کیا جاوے گا بلکہ وضو کے برتنوں میں بھی اعتدال کی رعایت کرتے تھے اور اسباغ کی حد سے کم نہ کرتے تھے اسراف بھی نہ کرتے تھے سو ان برتنوں میں بھی اعتدال کی رعایت ہوگی وَيُسْقَوْنَ اور پلائے جائیں گے وہ لوگ فِيْهَا ان آبخوروں میں جو چاندی کے ہیں شفاف جیسے شیشہ كَأْسًا شراب اور کاس کی لفظ اگرچہ اصل میں پیالہ کا نام ہے لیکن اکثر عرب کی اصطلاح میں شراب کے معنوں میں مستعمل ہوتی ہے كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝ ہوگی ملونی اس شراب کی سونٹھ جو شراب کو خوش ذائقہ اور مزیدار کر دیتی ہے اور شراب کی ثقالت کو اس کی سوزش ہلکا کر دیتی ہے اور نشہ کی زیادتی اور پاکیزگی کا سبب پڑتی ہے اور بدن میں حرارت پیدا کرتی ہے اور یہ سونٹھ کی آمیزش اسواسطے ہے تاکہ دیدار الٰہی کا شوق ان پر غلبہ کرے اور اس غلبہ کے سبب سے اس نعمت دیدار کی آگ بھڑکے اور اس غلبہ میں اس نعمت سے جو مشرف ہوویں تو خوب لذت حاصل کریں اسواسطے کہ جو چیز شوق اور طلب کے بعد حاصل ہوتی ہے تو بہت لذت دیتی ہے لیکن وہ سونٹھ یہ دنیا کی سونٹھ نہیں ہے جس کی تاثیر آدمی کے فقط ظاہر بدن میں پائی جاتی ہے اس سونٹھ سے مراد ہماری عَيْنًا فِيْهَا ایک چشمہ ہے بہشت میں جو تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝ نام رکھا جاتا ہی سلسبیل اور اس نام رکھنے کا سبب یہ ہے کہ اصل میں وہ چشمہ مقربین احوال کے واسطے خاص ہے اور مقربین اعمال کو ملونی کے طور پر تھوڑا تھوڑا اس میں سے دیتے ہیں اور مقربین احوال جو ہیں وہ ہمیشہ

شوق کے غلبہ میں مستغرق ہیں اور ان کو ہرگز ٹھہرنا کسی حال اور کسی مقام میں گوارا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ترقی کی طلب میں رہتے ہیں اور ان کی زبان حال ہمیشہ اس کلام کو رٹ رہی ہے اور اس ترانہ سے مترنم ہے کہ سَلْ سَبِیْلًا یعنی پوچھ اپنے معشوق کی راہ اس سبب سے اس چشمہ کا نام بھی یہی رکھدیا تاکہ اشارہ ہو اس بات کی طرف کہ جو اس چشمہ کا پانی پیتا ہے اس کو اس راہ کی طلب کا شوق غلبہ کرتا ہے جس طرح شیراز میں ایک پہاڑ ہے بہت بلند اس کا نام اللہ اکبر رکھا ہے اس واسطے کہ جو شخص اس پر چڑھتا ہے تو اس کی بلندی دیکھ کے بے اختیار اس کے منہ سے اللہ اکبر نکلتا ہے اور بعضے مفسروں نے یوں کہا ہے کہ سلسبیل مشتق ہے سلاست سے جو نرمی اور آسانی کے معنوں میں ہے چنانچہ عرب لوگ بولتے ہیں مَآءٌ سَلَسٌ وَسَلْسَلٌ وَسَلْسَالٌ وَسَلْسَبِیْلٌ یعنے پانی شیریں آسانی سے گوارا ہو کے اتر جانیوالا حلق اور حلقوم میں سو اب اس صورت میں بے اور یے زائد ہو گی مبالغہ کے واسطے اور اس زیادتی کے سبب سے یہ کلمہ خماسی ہو گیا لیکن اس وجہ میں ایک خدشہ باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ حروف زوائد میں سے نہیں ہیں غرض کہ اس تفسیر کے بموجب یہ کلام یعنے تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا اس وہم کے دفع کے واسطے ہے جو زنجبیل کی لفظ سے پیدا ہوتا ہے یعنی جب شراب میں سونٹھ کی ملونی ہوئی تو گلے کو جلا دے گی اور آسانی سے نہ اترے گی سو اس وہم کے دفع کے واسطے یہ کلام فرمایا کہ وہ سونٹھ اس سونٹھ سے منافع رکھتی ہے لیکن اس میں سوزش اور گلوگیری نہیں ہے بلکہ اس چشمہ کا نام ایسا ہے جو سوزش اور گلوگیری کے منافی ہے اور جب معادن کی روح کی خدمت سے جو بہشتیوں کے واسطے ہو گی اور وہ فرشتے جو معادن پر مقرر ہیں ان کی خدمت بھی بہشتیوں کے واسطے جو ہو گی اس سبب کے بیان سے فراغت پائی تو اب ان نعمتوں کا بیان ہوتا ہے جو آسمان کے ستاروں کی روحوں کی تسخیر اور تابعداری سے ان کو نصیب ہو گی اور اس تسخیر کی صورت یہ ہے کہ ستاروں کی روحیں ان کے جرموں سے جدا ہوں گی پھر ان میں جو قوی التاثیر ستاروں کی روحیں ہیں اور نفوس واسعہ اور خیالی قوی افراد کثیر محیط رکھتی ہیں وہ بہشتیوں کی ارواح سے مختلط ہو کے ان کی عقل اور خیال اور حرکات اور اعمال میں مدد کریں اور جو ضعیف التاثیر ستاروں کی روحیں ہیں وہ ان انسانی ہیکلوں کے

لباس میں درآویں گی جو کم عمر ہوں گے اسواسطے کہ اس عمر میں دوڑ دھوپ اور جامہ زیبی اور دلفریبی اور سادہ پن اور حسن جمال اور رنگ کی تازگی بہت ہوتی ہے سو وہ روحیں ان ہیکلوں میں درآکے بہشتیوں کی خدمت کے واسطے مستعد ہوں گی اور ان کو اپنی ہم جنسی کے سبب سے ان کی خدمت کرنے میں انس اور محبت بھی ہوگی سواب یہ مضمون ارشاد ہوتا ہے کہ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ اور پھریں گے اور آمد ورفت کریں گے ان کی حضوری میں ان کی خدمت کے واسطے جیسے پانی کے آبخورے اور شراب کے جاموں کو لانا اور لے جانا وِلْدَانٌ لڑکے خوش رو جو مُخَلَّدُونَ ہمیشہ اسی لڑکپن کی عمر میں رہنے والے ہوں گے کبھی جوان اور بڈھے نہ ہوں گے اور ان کا حسن اور جمال جوانی کی سختی اور بڈھے پن کی ضعیفی اور سستی سے متغیر اور متبدل نہ ہوگا اور کسی کام میں دیر نہ لگانا اور بہشتیوں کے سامنے خوش خرم اٹکھیلی سے دوڑ کے جانا اور دوڑ کے آنا ان سے ہمیشہ ہوا کرے گا اسواسطے کہ اُن کے بدنوں کی مدبر ستاروں کی روحیں ہوں گی جو ایک حالت کو بدن میں نور اور ضیا اور فہم اور فراست کی کثرت اور قوت کے ساتھ ہمیشہ محفوظ رکھ سکتی ہیں اور سیر اور دوڑ بے انتہا اور کھانے پینے سے بے احتیاجی اور جائے ضرور اور پیشاب اور جتنے فضلات حیوانی ہیں اُن سے پاکی اور بدن کو گھٹنے اور پرانے ہونے اور پھٹنے اور ٹوٹنے اور گلنے اور سڑنے اور جتنی آفتیں عنصری مزاجوں میں پائی جاتی ہیں خصوصاً حیوانی ہیں ان سب سے بچائے رہتے ہیں وہ کمال رکھتی ہیں اِذَا رَأَيْتَهُمْ جو دیکھے تو ان نئی عمر کے لڑکوں کو کہ باوجود اس حسن اور جمال اور نزاکت اور صفائی اور چمک اور دمک رنگ کے خدمت کے واسطے مستعد ہیں ایک جاتا ہے اور دوسرا آتا ہے ایک کسی خدمت کے واسطے ایک طرف کھڑا ہوا ہے اور دوسرا دوسری خدمت کے واسطے دوسری طرف کھڑا ہے ایک کے چہرے کا عکس دوسرے کے چہرے میں پڑتا ہے جس طرح ایک آئینہ دوسرے آئینہ کے مقابل ہوتا ہے حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا گمان کرے تو ان لڑکوں کو جیسے موتی کے دانے چھٹکے ہوئے اور ایک کی روشنی کا عکس دوسرے میں پڑنے سے اُن کے رنگ کی چمک دونی ہوگئی ہے اور نظر کو ہر طرف سے لذت ملتی ہے بخلاف موتی کے دانوں کے کہ ان کو لڑی میں گوندھ کے جو دیکھتے ہیں تو

یہ کیفیت انہیں تھیں ہوتی ہے اور یہ حکمت کا قاعدہ ہے کہ جب لذت کی تجدید منظور ہوتی ہے تو ہر حاسہ کے مدرکات لذیذہ کو منتشر اور متفرق کر دیتے ہیں تاکہ وہ مدرکات بار بار حس مشترک پر وارد ہوویں اور اس کے واسطے سے حس کو ہر لحظہ نیا مزہ حاصل ہووے اور جب لذت کا دوام منظور ہوتا ہے تو اس وقت ہر حاسہ کے مدرکات لذیذہ کو مجتمع اور منتظم کرتے ہیں تاکہ خیال اور حافظہ اس صورت اور معنی کو اپنے میں جگہ دے کے بار بار نفس پر عرض کرے اور اس لذت کو یاد دلاوے اور اس مقام میں لذت کی تجدید منظور ہے نہ دوام اس کا اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ اور اگر دیکھے تو اُس مقام کو کہ سلسبیل کا چشمہ اس جگہ جاری ہے اور مقربین احوال جو اُس کے مالک ہیں وہ اپنے اپنے مرتبے سے درجہ بدرجہ بیٹھے ہوئے ہیں رَاَیْتَ نَعِیْمًا دیکھے تو ایک نعمت کو جس کا وصف ہرگز بیان نہیں ہو سکتا اور مقربین اعمال کی جتنی نعمتیں اوپر بیان ہو چکی ہیں ان سب سے یہ بڑھ کے ہیں وَّمُلْكًا كَبِیْرًا ۝ اور دیکھے تو ایک عمدہ بڑی بادشاہت کو اسواسطے کہ وہ لوگ ابرار اور مقربین اعمال پر بھی حاکم ہیں اور اپنے اس چشمہ سلسبیل سے بیواسطہ یا بواسطہ ان لوگوں کو بلونی کے واسطے دیتے ہیں اگرچہ مقربین اعمال اور ابرار بھی خلافت کبری کا استحقاق اور حکومت علی الاطلاق رکھتے ہیں اسواسطے کہ تمام روحیں معادن اور نباتات اور ستاروں کی اور سب فرشتے خادم اور فرمانبردار ہیں پس ابرار اور مقربین اعمال کا حکم ایسا ہے جیسے بادشاہوں کا حکم ہوتا ہے اپنے اپنے ملکوں پر اور مقربین احوال کا حکم ایسا ہے جیسے شاہنشاہوں کا حکم ہوتا ہے ہفت اقلیم پر اور ان کو یہ مرتبہ اسمائے الٰہی کے تخلق سے حاصل ہوتا ہے اور ان اسماؤں کی تحقیق سے انکے درمیان میں اس طور سے کہ اسمائے الٰہی ان کے صفات ہو گئے ہیں بلکہ ان کے لباس ہو گئے ہیں چنانچہ عَالِيَهُمْ اُن کے اوپر یعنے جیسے بادشاہوں کے خلعت عنایت کیے ہوئے کو کپڑوں کے اوپر سے پہن لیتے ہیں ثِيَابُ سُنْدُسٍ کپڑے ہیں ریشم کے چمکتے ہوئے بہت باریک اسواسطے کہ جو اسمائے لطیفۃ الظہور ہیں انہوں نے اس جامہ کی شکل ہو کے ان کو آراستہ کیا ہے سبز رنگ تاکہ ان کی سرسبزی پر دلالت کریں وَّاِسْتَبْرَقٌ اور کپڑے ریشم کے چمکتے ہوئے گاڑھے سنگین اسواسطے کہ جو اسمائے تامۃ الظہور ہیں انہوں

نے اس جامہ کی شکل ہو کے ان کو مزین کیا ہے وَحُلُّوٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور زیور پہنایا جاوے گا ان کو کنگن بہشت کی چاندی کے جو وہاں کی تمام معدنیات سے افضل ہے تاکہ اُن کی دوستی کی صفائی پر دلالت کرے وہ دوستی جو حق تعالیٰ سے رکھتے تھے اور طبیعت کی خواہشوں اور وہم اور دوسری کدورتوں سے وہ دوستی صاف تھی وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ اور پلاوے گا ان کو حق تعالیٰ اپنی ذات پاک اور قدرت کے ہاتھ سے بغیر واسطے لڑکوں اور غلمانوں اور فرشتوں کے شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ شراب جو پاک کرنیوالی ہے اندر اور باہر کو اور نفس کا لگاؤ بھی باقی نہیں رکھتی ہے تاکہ کسی طرف سے وہ ظاہر ہونے پاوے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ادنیٰ بہشتی کو ہزار سال کی راہ کی سلطنت دیویں گے اور وہ بہشتی اپنی جگہ سے اپنے تمام ملک اور خادموں اور عیش و عشرت کے سامان اور اسباب کو دیکھے گا اور اپنے آخر کے ملک کو ایسا دیکھے گا جیسا اپنے نزدیک کو دیکھتا ہے یعنے دور اور نزدیک یکساں معلوم ہوگا اور کوئی مخلوق بدون اس کی پروانگی کے اس کے ملک کی حد میں قدم نہ دھریگا اور جو بہشتی کی خاطر میں گزرے گا وہ اسی وقت ہو جائے گا اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ بہشتی جب کھانے پینے سے اور میوے خوری اور شراب پینے سے فراغت حاصل کریں گے تو آخر کا جام حضرت رب العالمین کی حضوری سے ان کو عنایت ہوگا وہ لبالب شراب طہور سے ہوگا اس کے پیتے ہی جتنا کھایا پیا ہے سب عرق ہو کے نکل جاوے گا اور اس عرق کی خوشبو ایسی ہوگی جیسے مشک کی اور پھر اُن کے پیٹ خالی ہو جاویں گے اور کھانے پینے کی خواہش ہوگی اور ان سب نعمتوں سے علاوہ اور سب سے بڑھ کے ایک نعمت دوسری ہے وہ یہ ہے کہ بہشتیوں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے پیغام پہنچاویں گے کہ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً بیشک یہ سب نعمتیں تھیں واسطے تمہارے تمہارے عملوں کی جزا جس کے تم مستحق ہو چکے تھے اس قسم کی یہ نعمتیں نہیں ہیں کہ بے عمل کیے حقتعالیٰ نے تم کو دی ہوں اور بخشش محض کی ہو وَّكَانَ سَعْيُكُمْ اور ہوئی کوشش تمہاری جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور اس کے اخلاقوں کی عادت ڈالنے میں اور دنیوی علاقوں سے صبر کرنے میں اور اس کی راہ کے مقامات اور احوال کی سیر میں تم نے کی تھی مَّشْكُوْرًا ۝

قدر دانی کی گئی یعنے ہر ایک عمل نیک تمہارے پر ہزار دس ثواب عنایت ہوئے اور تمہارے عمل بہت مقبول ہوئے پس اس مژدے کے سننے سے بہشتیوں کو خوشی پر خوشی حاصل ہوگی اور ان نعمتوں کی لذت دونی ہوجائے گی رَزَقَنَا اللہ تَعَالیٰ ذٰلِکَ بِمَنِّہٖ وَکَرَمِہٖ یعنے عنایت کرے اللہ تعالیٰ یہ نعمت ہم کو بھی اپنے کرم اور فضل سے یہاں پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بہشت میں پینے کی چیزیں جو قرآن شریف میں جابجا متفرق مذکور ہیں ان سب کی تفصیل یہ ہے کہ ایک نہر کوثر ہے بہشت میں اور وہ خاص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہے چنانچہ اس کی شرح سورۂ کوثر میں مذکور ہے اور چار نہریں دوسری ہیں متقیوں کیواسطے ایک نہر پانی کی اور دوسری نہر شہد کی اور تیسری نہر دودھ کی اور چوتھی نہر شراب کی چنانچہ سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ چاروں مذکور ہیں اور دو چشمے جاری ہیں مقربین میں خوف والوں کے واسطے چنانچہ سورۂ رحمٰن میں مذکور ہیں کہ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ یعنے ان دونوں بہشتوں میں دو چشمے ہیں بہتے ہوئے اور دو چشمے دوسرے ہیں اصحاب الیمین کے واسطے جو اُن میں خوف والے ہیں وہ بھی اسی سورۃ میں مذکور ہیں فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ یعنی ان دونوں بہشتوں میں دو چشمے ہیں ابلتے ہوئے اور ایک شراب رحیق مختوم ہے ابراروں کے واسطے جس کا ذکر سورۂ مطففین میں ہے اور ایک چشمہ تسنیم کا ہے وہ مقربوں کا ہے لیکن ابرار کی شراب رحیق میں اُس کو بھی ملاویں گے اس کا بھی ذکر اسی سورۃ میں ہے اور ایک چشمہ کافور کا ہے جو اس سورۃ میں عباد اللہ کے واسطے مقرر ہے اور ابرار کو اس میں ملا کے پلاویں گے اکثر مفسروں کے نزدیک یہ چشمہ بہشت میں ہے اگرچہ دنیا میں بھی کمال والوں کو اس سے معنوی حصہ ملتا ہے اور ایک چشمہ زنجبیل کا ہے جس کو سلسبیل بھی کہتے ہیں وہ عباد اللہ کے واسطے ملونی اور اوپر سے ڈالنے کے واسطے مقرر ہے کہتے ہیں کہ اصل اس چشمہ کی اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اُن کے متوسل مقربین احوال ہیں اور شراب طہور بھی اُن کے واسطے موعود ہے اور محققوں نے یوں کہا ہے کہ وہ شراب صرف شہود ہے غیریت کا لگاؤ اور دوری کا امکان اس کے کھانے سے باقی نہیں رہتا ہے اور گندے وجود سے گندگی بالکل پاک کرکے وجود قدسی کی سرحد کو پہنچا دیتی ہے اور حق بات یہ ہے

کہ اس شراب کے پینے کے قبل اس کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی ع ذوق این مے نشناسی بخدا تا نچشی مینڈی لذت اس مے کی نہ پہچانو گے جب تک نہ پیو + ہم قسم کھا کے خدا کی یہ کہے دیتے ہیں + **فائدہ** اوّل سورۃ سے یہاں تک سات عمدہ مطالب وضاحت و تفصیل سے بیان کئے گئے چونکہ ان سے غفلت اور بے توجہی کا احتمال ہے اس لئے اجمال کے طور پر پھر اُن مطلبوں کو بتلائے دیتے ہیں تاکہ بھول نہ پاویں سو پہلا مطلب یہ ہے کہ انسان معدوم محض تھا پھر اس کو پیدا کیا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک آدمی کو ایسے نطفے سے پیدا کیا ہے جو خلاصہ ہے موالید ثلثہ کا اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی پیدائش تکلیف اٹھانے اور امتحان اور آزمائش کے واسطے ہوئی ہے بخلاف دوسری مخلوقات کے اور چوتھا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو جو امتحان اور آزمائش کے واسطے ضروری تھا وہ سب اس کو عنایت ہوا ہے بلکہ اس کے سلوک کی راہ بھی بتلادی ہے اس طور سے کہ کسی طرح کا عذر باقی نہیں رہا اور پانچواں مطلب یہ ہے کہ انجام کار آدمی کا دو حالت سے خالی نہیں ہے یا شکر ہے یا کفران یعنی ناشکری اور چھٹا مطلب یہ ہے کہ شکر نیک جزا اور ثواب کا مقتضی ہے اور کفران سزا اور عقاب کا سبب ہے اور ساتواں مطلب یہ ہے کہ شاکر لوگ ادائے شکر کے مرتبے میں مختلف اور متفاوت ہیں اور رنگارنگ کمالات رکھتے ہیں اور ایسے مرتبے والے ہر ایک قرب اور منزلت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک حد متعین رکھتے ہیں جو اُنکی جزا کے اندازے سے ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ کو انسان کی پیدائش سے اور امتحان اور آزمائش کا معاملہ اس کے ساتھ کرنے سے ان کمالات کے ظہور کا بیان منظور ہے ان سب ساتوں مطلبوں کو مدِنظر رکھنا چاہیے اسواسطے کہ اکثر قرآن شریف میں ان ہی مطلبوں کا شرح اور بسط سے بیان ہے اور اگر ان مطلبوں میں خوب طرح سے غور اور تامل کیا جاوے تو تمام مسئلے مبدا اور معاد اور وسط کے جن کا نام شریعت اور دین ہے ظاہر اور کھل جاویں واللہ الموفق یعنی توفیق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے مفسروں نے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید میں جو جنت کی نعمتیں بیان ہوئی ہیں ان کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کرنا اور آیتوں کو سُنانا شروع کیا تب کافر اس مضمون کو سُن کے آپس میں بیٹھ کے یہ مشورہ کرنے لگے کہ اس

شخص کو یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نعمت اور عیش کی رغبت پیدا ہوئی ہے اسی واسطے بار بار ان ہی لذتوں کا ذکر کرتا ہے اور لوگوں کو ایسی لذتوں کا وعدہ دے کے اُن کے دین اور آئین سے پھراتا ہے سو آؤ ان ہی لذتوں کی طمع اور لالچ اس کو دے کر اس کام سے باز رکھیں تا کہ لوگوں کو اپنے دین اور آئین سے پھیرنے سے باز آوے اور مطلب کو پہنچے یہ تدبیر ٹھان کے دو سرداروں کو اُن میں سے جن کے اس کام کے واسطے مقرر کیا ایک عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس اور دوسرا ولید بن مغیرہ مخزومی پھر وہ دونوں سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم تم سے بہت نزدیکی کی قرابت رکھتے ہیں اور ہمارا اور تمہارا گوشت پوست سب ملا ہوا ہے کسی طرح کی جُدائی ہمارے تمہارے میں نہیں ہے سو خدا کے واسطے ہم تم سے ایک بات کہتے ہیں کہ اگر تم کو خوبصورت عورتوں کا اور دنیا کی نعمتوں کا شوق ہوا ہو جیسے عمدہ کھانے اور پاکیزہ لباس اور موتی اور چاندی اور سونا اور کم عمر لڑکے خدمت کے واسطے جن کا ذکر بار بار کیا کرتے ہو اور ان چیزوں کی طرف تمہارے دل نے رغبت کی ہو تو بے تکلف ہم سے کہدو کہ ہم سب یہ چیزیں موجود کر دیں چنانچہ عتبہ نے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے کہ حُسن اور جمال میں اس کا ثانی اس شہر میں نہیں ہے وہ لڑکی مع جہیز اور اسباب بے شمار تم کو دیتا ہوں اور تمہارے ساتھ اس کا نکاح کر دیتا ہوں اور ولید نے کہا کہ میری مالداری کا حال تم کو خوب معلوم ہے کہ مکہ معظمہ سے طائف تک تمام باغات اور زراعت اور مواشی میرے ہیں اور سوائے اس کے میں نے موتیوں کی بھی تجارت شروع کی ہے اور غوطہ خوروں کو نوکر رکھا ہے سو وہ دریا سے عمدہ موتی نکالتے ہیں اور میں شام اور مصر کی طرف اُن کو بھیجتا ہوں اور اس میں بے انتہا نفع حاصل ہوتا ہے سو میں آدھا اپنا مال اور موتی تم کو دیتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ بت پرستی سے لوگوں کو منع مت کرو اور ہمارے بتوں کی اور ہمارے بزرگوں کی بُرائی ہر جگہ پر بیٹھ کے مت کیا کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ اُن کا کلام سُن کے نہایت متحیر ہوئے کہ ان لوگوں نے آیات قرآنی کی تبلیغ کو کس چیز پر حمل کیا جو ایسا سوال مجھ سے کرتے ہیں اب اگر میں ان کو کچھ زجر اور توبیخ کرتا ہوں تو بن نہیں پڑتی ہے اس واسطے کہ قرابت کا علاقہ درمیان میں ہے اور اتنا بڑا سردار عمدہ اپنی بیٹی کو کھل کے مجھ کو دیتا ہے اگر قبول

نہیں کرتا ہوں تو اپنے قبیلے کے لوگ مجھ کو طعنہ دیویں گے اور اگر قبول کرتا ہوں تو ایک شرط فاسد اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور ایک جھوٹی تہمت اس کے ہمراہ ہے آپ اسی سوچ میں تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیتیں لے کے نازل ہوئے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۞ بے شک ہم نے نازل کیا ہے تم پر اس قرآن کو آہستہ آہستہ تدریج سے تاکہ رفتہ رفتہ آہستگی سے تم کو ملک اور ملکوت کی حقائق پر خبرداری اور ذات اور صفات کی حقیقت اور معاد اور کاملین کے مراتب کے احوال اور ان کے صفات محمودہ پر اطلاع حاصل ہووے اور اپنے کو تم بھی ان ہی صفتوں سے متصف کرو اور جو کچھ بہشتیوں کی نعمت اور لذتوں کا حال قرآن شریف میں بیان کیا ہے ہم نے سوجان بوجھ کے کیا ہے پھر تم کو اس کی تبلیغ میں عار کی کیا وجہ ہے اسواسطے کہ تم اپنے پروردگار کا کلام بیان کرتے ہو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ہو تاکہ اس بیان کرنے میں کچھ تمہاری طمع ان چیزوں میں بوجھی جاوے اور اگر بالفرض یہ کافر تم پر اس بات کی تہمت کرتے ہیں فَاصْبِرْ تو صبر کروان کی اس تہمت اور ظلم پر لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے پروردگار کے حکم کی فرمانبرداری کے واسطے اسواسطے کہ تابعدار کو اپنے خاوند کے حکم کی فرمانبرداری کرنا چاہیے اگرچہ اس میں طمع اور حرص کی تہمت بھی ہووے چنانچہ شاعر کہتا ہے **بیت** اگر طمع خواہد زمن سلطان دیں + خاک بر فرق قناعت بعد ازیں + یعنی مالک قناعت پسند ہے اسواسطے قناعت کرنا بہتر ہے اور اگر مالک کو طمع پسند ہو تو پھر جو قناعت کرے وہ بڑا احمق ہے غرض کہ جس شخص کو اپنے محبوب کی فرمانبرداری کا خیال ہے اس کو معاندوں کے طعن اور تشنیع پر صبر کرنا ضرور ہے **بیت** ہر آنکہ عشق یکے درویش گرفت قرار + روا بود کہ تحمل کند جفائے ہزار + یعنی جس کسی کے دل کو عشق نے چور کیا تو اس کو نازبرداری معشوق کی ضروری ہوئی چنانچہ اسی سورۃ میں اللہ کے بندوں کے صبر کی جزا سن چکے ہو اور جو کچھ دنیوی علاقوں کو قطع کرنے میں ان کو عنایت ہوا ہے اس کو بھی معلوم کر چکے ہو سو تم کو بھی چاہیے کہ ان لوگوں کی قرابت اور دوستی کے علاقوں کے قطع کرنے پر صبر کرو وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۞ اور ہرگز تابعداری مت کر یعنے کہا مت مان ان میں سے کسی گنہگار ناشکر کا کہتے ہیں کہ مراد آثم سے عتبہ ہے جو فسق و فجور میں انتہا درجے کو پہنچا تھا اور مراد کفور سے ولید ہے جو کفر میں

بہت سخت تھا اور باوجود اس قدر بے انتہا نعمتوں کے جو حق تعالیٰ نے اس کو دی تھیں ہرگز شکر نہ کرتا تھا اور حرص اور طمع کی تہمت کو اپنے سے دفع کرنے کے واسطے ایک کام دوسرا کیا کرو تاکہ اس کے سبب سے یہ تہمت بالکل تم سے دور ہو جاوے اور ان لوگوں کو بالکل یقین ہو جاوے کہ یہ شخص دنیا کی طرف ہرگز میل اور خواہش نہیں رکھتا ہے اور ان نعمتوں اور لذتوں کا ذکر محض واسطے تبلیغ قرآن کے کرتا ہے اور وہ کام یہ ہے کہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور یاد کر نام اپنے پروردگار کا نماز میں خواہ تہلیل اور تکبیر میں اور خواہ ذکر قلبی میں بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا یعنی صبح اور شام کو مراد اس سے ہمیشگی ہے جو غیر کی محبت کو دل سے بالکل قطع کرنے والی ہے اور دنیوی علاقوں کے تعلق کو دل سے نفی کر دینے میں تریاق اعظم ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سِيْرُوْا سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ قَالَ الَّذِيْ خَفَّفَ الذِّكْرُ عَنْهُمْ اَثْقَالَهُمْ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ سیر کرو اس واسطے کہ مفرد لوگ سبقت لے گئے صحابہؓ نے عرض کیا کہ مفرد کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہ اور دنیاوی علاقوں کے بوجھ ذکر الٰہی نے ہلکے کر دیے یعنی اسقدر ذکر میں مشغول ہوئے کہ دنیا اور مافیہا سے غفلت حاصل ہوئی اسی واسطے مشائخ نے اجماع کیا ہے اس بات پر کہ خدا کی راہ کے سلوک میں جس کا حصول علاقوں کے قطع اور خطرات کی نفی پر موقوف ہے کوئی عمل بہتر ذکر سے نہیں ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ اور تھوڑی رات سے اٹھ کے سجدہ کیا کر اپنے پروردگار کے واسطے تاکہ تجھ کو اس درگاہ کا قرب اور رب الارباب کی حضوری حاصل ہووے اسواسطے کہ دن بے پردگی اور دوسرے کاموں کا وقت ہے حضوری سے غیبت کا حکم رکھتا ہے سو اس وقت میں ذکر مناسب ہے اور رات خلوت اور بے شغلی کا وقت ہے مجرا اور تعظیم اس وقت مناسب ہے گویا کہ حضوری اس وقت حاصل ہے وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا اور تسبیح کر اپنے پروردگار کی بہت رات تک اس حکم سے مراد یہ ہے کہ تہجد کی نماز میں ہر چار رکعت کے بعد ترویح کرنا چاہیے اور اس ترویحہ میں تسبیح میں مشغول ہونا چاہیے اور پھر اس نماز سے فراغت ہونے کے بعد بھی اسی طرح تسبیح میں مشغول ہونا چاہیے اور ان تسبیحوں میں دیر تک مشغول رہنا چاہیے اور جب

تم دن اور رات دونوں عملوں سے اپنی اوقات کو معمور رکھو گے تو یہ لوگ خود بخود تمہاری صحبت سے نفرت کریں گے اور دوستی اور قرابت کا علاقہ جو ان سے ہے خود بخود منقطع ہو جائے گا اس واسطے کہ یہ لوگ تمہاری دوستی اور قرابت کی لیاقت نہیں رکھتے ہیں اسواسطے کہ دوستی اور قرابت آدمی اسی واسطے چاہتا ہے کہ اگر کوئی سخت کام یا کوئی مشکل بات کو ارادہ کرے تو دوست اور قرابتی اس میں اس کی مدد کریں سو یہ لوگ ہرگز اس قابل نہیں ہیں بلکہ انکی صحبت اور بھی ضرر کا سبب ہے اس واسطے کہ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ بیشک یہ گروہ یعنی کفار قریش کے جو تم سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں اور تم ہمیشہ ان ہی میں رہے ہو اور اُن کے ساتھ دوستی اور محبت رکھتے ہو یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ دوست رکھتے ہیں دنیا کی لذتوں کو اور جو چیز کسی کی محبوب ہوتی ہے اس کا چھوڑنا اس کو مشکل ہوتا ہے علی الخصوص جس وقت اس ترک کے ساتھ نامرغوب چیز کا متحمل ہونا بھی ہووے چنانچہ بیان ہے کہ دنیا کو چھوڑنا نفس سے مجاہدہ کرنا اور ذکر کی مداومت کرنا اور شب بیداری کرنا ہے وَیَذَرُوْنَ اور چھوڑتے ہیں وَرَآءَهُمْ پیچھے پیٹھ اپنی کے یَوْمًا ثَقِیْلًا ہ دن سخت بھاری کو اور ہرگز اس دن کی فکر نہیں رکھتے ہیں اور حال یہ ہے کہ اس دن کو اگرچہ یہ لوگ پیٹھ پیچھے ڈالتے ہیں لیکن وہ دن آگے آگے انکے آتا ہے نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ ہم نے پیدا کیا ہے ان کو چنانچہ اسی سورۃ کی ابتدا میں کہا ہے ہم نے کہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ سو ان کی استعداد کے مرتبوں کو بھی جانتے ہیں ہم اور جس چیز کی طرف ان کا دل میلان کرتا ہے اور اس چیز کا چھوڑنا ان پر دشوار ہے اس کو بھی جانتے ہیں ہم وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ اور ہم نے خوب سخت اور مضبوط کر دی ہے گرفتاری اور پابندی ان کی دنیائے فانی کی لذتوں میں اور دنیا کی عیش و عشرت کی محبت میں چنانچہ اس سورۃ کی ابتدا میں کہہ چکے ہیں ہم کہ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا سو ان سے خدا کے دین کی اعانت اور مدد کی امید ہرگز نہیں ہے اور ذکر پر مداومت کرنا اور شب بیداری اور نفس کا مجاہدہ کہ یہی تمہارا کام ہے سو اس کی تقویت کی بھی امید ان سے نہیں ہے وَاِذَا شِئْنَا اور جب چاہیں گے ہم کہ اس تمہارے قبیلے سے دین کی مدد اور تمہارے کام کی تقویت اور اعانت کرا دیں ہم بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ ان

کے بدل میں لادیں گے ہم اسی قبیلہ سے اُن لوگوں کو جو اسی قسم کے ہوں گے حسب اور نسب میں اور ہمت کی بلندی اور ذہن کی تیزی اور فہم کی سرعت میں تَبۡدِیۡلًا بدل لانا ظاہر میں جس کو ہر شخص دیکھے گا اور بوجھے گا چنانچہ یہی ہوا کہ حذیفہ کو عتبہ کی عوض میں لائے ہم کہ وہ مہاجرین اولین سے ہوئے اور زہد و تقوای اور پرہیزگاری اور نفس کے مجاہدے میں وہ ایک آیت تھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے اور خالد بن ولید کو ولید بن المغیرہ کے عوض میں لائے ہم کہ صدہا لڑائیاں کفار کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کی وفات کے بعد اُن کے ہاتھ سے فتح ہوئیں یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سَیۡفٌ مِّنۡ سُیُوۡفِ اللّٰہِ کر کے ملقب کیا اور عکرمہ بن ابوجہل کو ابوجہل کے عوض میں لائے ہم جو جہاد ظاہری اور باطنی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم معاملہ میں بشارت ہوئی تھی کہ اُنکے واسطے انگور کے خوشے بہشت میں موجود ہیں اور اسی طور سے دوسرے لوگ اسی قریش کے قبیلے سے پیدا ہوئے کہ دین کے ہر کام کو خوش انجام دیا اور دوسرے لوگوں کو تلوار کے زور سے مار مار کے اور تقریر اور صحبت سے اور وعظ اور نصیحت سے دین کی راہ پہ لائے اور ایک جہان کو انوار ظاہری اور باطنی سے منور کر دیا اور سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخر میں جو مذکور ہے کہ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ یعنے اگر تم پھر جاؤ گے تو بدلے میں لاویگا اللہ تعالیٰ لوگ سوائے تمہارے پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح سو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہاری طرح کے گردن کش اور ناشکر اور نافرمان حق بات نہ ماننے والے نہ ہوں گے اور مماثلت جو اس جگہ مذکور ہے اس سے حسب اور نسب اور نیک خلقی اور جوانمردی اور بات کا پورا ہونا اور ذہن کی تیزی کی مماثلت مراد ہے اس واسطے کہ یہ چیزیں اسی قبیلے کے واسطے مخصوص ہیں بس اس جگہ پر نقض کا وہم کرنا بے جا ہے اِنَّ هٰذِهٖ بیشک یہ قرآن کی آیتیں تَذۡکِرَۃٌ پند اور نصیحت ہیں جن میں قرب الٰہی کے فوائد اور اس درگاہ سے دوری کے نقصان بیان کیے گئے ہیں یہ کچھ کھانے کا حصہ اور برادری کا سلوک نہیں ہے کہ اپنے قبیلے سے ہر ایک کو پہنچایا جاوے اس پند اور نصیحت اور ہدایت اور ارشاد کی تقسیم میں استعداد اور رغبت کی رعایت کرنا چاہیے فَمَنۡ شَآءَ پھر جو چاہے اپنا ہو یا بیگانہ دور ہو یا نزدیک اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ

سَبِیۡلًا ۝ ہے اپنے پروردگار کی طرف ایک راہ ان راہوں سے جس سے اس جناب پاک تک پہنچنا ممکن ہو یعنی خواہ اس راہ کو اختیار کرے خواہ عباد اللہ کی جو مقربین ہیں وَمَا تَشَآءُوۡنَ اور تم اپنی خودی سے اس راہ پر نہیں چل سکتے ہو اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ مگر یہ کہ چاہے اللہ اسواسطے کہ تمہاری مشیت اس کی مشیت کے تابع ہے لیکن حق تعالیٰ نے ہر شخص کے واسطے نہیں چاہا ہے کہ اس راہ کے سلوک کی خواہش کرے اسواسطے کہ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۝ بیشک ہے حق تعالیٰ دانا حکمت والا پھر اگر بے استعدادوں کو بھی اس راہ کی خواہش جبر اور قہر سے دیوے تو امتحان اور آزمائش کی حکمت درہم برہم ہو جاوے اسواسطے کہ مجبوری اور بے اختیاری میں امتحان اور آزمائش نہیں ہے امتحان اور آزمائش کے واسطے اختیار ضروری ہے اور باوجود اس کے اس کارخانہ کو بیکار بھی نہیں رکھا ہے اور مستعد لوگوں کو امداد غیبی سے محروم نہیں رکھتا ہے بلکہ یُّدۡخِلُ مَنۡ یَّشَآءُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں یعنی جس کو اس راہ کے سلوک کا مستعد جانتا ہے تو اس کو اس راہ کے سلوک کی توفیق عنایت فرماتا ہے اور دمبدم غیب سے الہام خوشی کے اس کو پہنچاتا ہے تاکہ اس کی خواہش قوی ہوتی جاوے اور اس سلوک کو تمام کرے اور قرب اور وصول کی حد کو پہنچے وَالظّٰلِمِیۡنَ اور ظالموں کو جو حق تعالےٰ کی ہدایت اور ارشاد کی نعمت کو تلف کرتے ہیں اور اپنے منعم کا شکر بجا نہیں لاتے ہیں اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۝ مہیا اور تیار کیا ہے ان کے واسطے عذاب دکھ دینے والا تاکہ دونوں اس کے کارخانے یعنی رحمت اور عذاب کے سرانجام پاویں اور دونوں کارخانے بہشت اور دوزخ کے معمور ہوویں اور جو چیز آدمی کی پیدائش سے مقصود ہے وہ ظاہر ہووے ۔

سُوْرَۃُ الْمُرْسَلَاتِ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں پچاس آیتیں اور اکاسی کلمے اور آٹھ سو سولہ حرف ہیں اور اس سورۃ کے ربط کی وجہ سورۂ دہر سے یہ ہے کہ سورۂ دہر کی ابتدا میں کافروں کو سخت وعید فرمائی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ اور اس سورۃ کے آخر میں بھی ظالموں کے واسطے عذاب الیم کا وعدہ کیا ہے سو اس وعدے کی تحقیق میں کافر اور ظالم لوگ شک کرتے تھے اسواسطے کہ دنیا میں وہ امر ہونے والا نہیں ہے اور عالم برزخ کو کوئی دیکھ کے پھرا نہیں تاکہ وہاں کی تحقیق بات معلوم ہووے سو حقتعالیٰ اس وعدے کے وقوع کے وقت کی قسم کھا کے فرماتا ہے کہ اس کے وقوع کا وقت یوم الفصل ہے نہ دنیا اور برزخ اور دوسرے متفرق مضمون بھی ان دونوں سورتوں کے آپس میں مناسبت اور اتحاد رکھتے ہیں چنانچہ اس سورۃ کی ابتدا میں آدمی کی پیدائش کو اس عبارت سے بیان فرمایا ہے کہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝ اور اس سورت میں اس عبارت سے بیان فرمایا ہے کہ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ آخر تک اور اس سورۃ میں ابرار مقربین کے حق میں جن کا لقب عباد اللہ ہے یوں فرمایا ہے کہ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ اور اس سورۃ میں متقیوں کے حق میں ارشاد ہوا ہے کہ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ اور اُس سورۃ میں قیامت کے دن کے حق میں یوں ارشاد ہوا ہے کہ يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ اور اس سورہ میں اس دن کے حق میں یوں ارشاد ہوا ہے کہ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ پس اس سورۃ میں اُس دن کی عبوست اور ثقل کی شرح بیان ہوئی ہے جو اُس سورۃ میں مجمل تھی تو گویا یہ سورۃ اُس سورۃ

کی شرح کے حکم میں ہے اور وہ سورۃ گویا متن کے حکم میں ہے اور قال اقوال کی ترتیب میں متن کو
شرح پر مقدم کرتے ہیں اور متن کے پیچھے شرح کو لکھتے ہیں اور اس سورۃ کا نام سورۂ مرسلات
اسواسطے رکھا ہے کہ اس سورۃ کے اول میں ہوا کے ایسے پانچ کاموں کی قسم کھائی ہے کہ ہر ایک
کام ان میں سے سبب پڑا ہے احسان کے منقلب ہونے کا انتقام کے ساتھ بس یہ دلیل
ہوئی اس بات پر کہ حق تعالیٰ کا معاملہ بندوں کے ساتھ منقلب ہوگا اور پرورش اور رحمت واحسان
سے پھر کے خرابی اور ہلاکی اور انتقام اور غضب کی طرف رجوع کریگا اور جس کام کو اول
اس سورۃ میں یاد فرمایا ہے اور اس کو مرسلات کرکے تعبیر کیا ہے وہ ان پانچوں میں زیادہ تر
عوام کے فریب کھانے اور غرہ ہونے کا سبب ہے اور سب اس کو خیر محض جانتے ہیں
اور کسی طرح سے وہم بھی نہیں آتا کہ اس کام سے کچھ خرابی یا برائی ظاہر ہوگی اور جو حق تعالیٰ
کے کام آدمیوں کے ذہنوں میں ہوا سے بہت مشابہت رکھتے ہیں اس لیے کہ افعال الٰہی
ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منقلب ہونے کے باعث ہوتے ہیں اسیواسطے
بولتے ہیں کہ اس زمانے میں جہاں کی ہوا پھری ہوئی ہے یا بدلی ہوئی ہے اور یوں بھی
بولتے ہیں کہ ٹھہرو تاکہ ہوا صاف ہو جاوے اور اس وقت کی ہوا کو فلانا دیکھتا ہے سو اس
واسطے ہوا کے افعال مختلفہ کرکے دلیل پکڑنا بہت مناسب ہوا تاکہ اس ہوا کے اختلاف
سے افعال الٰہی کے اختلاف کی طرف پہنچ جاویں اور حق تعالیٰ کے انتقام کے وعدے
کے منکر نہ ہوویں اور یہ سمجھیں کہ حق تعالیٰ کی مخلوقات میں ایک ادنی چیز ہوا ہے اس میں اسطرح
کا زور اور قوت ہے کہ ایک جہان کے تغیر اور تبدل کا سبب پڑتی ہے پھر حق تعالےٰ کے
افعال تو بطریق اولیٰ یہ کام کر سکتے ہیں اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عناصر اربعہ میں ہوا بہت
لطیف اور بے رنگ ہے اور اس کی .... اکثر تابع اس چیز کے ہوتی ہیں جس چیز پر یہ گذر کرتی
ہے اسی واسطے کہتے ہیں کہ اَلرِّیحُ اٰخِذَۃٌ مِمَّا تَمُرُّ بِہٖ نَتْنًا مِنَ النَّتْنِ وَطِیْبًا مِنَ الطِّیْبِ یعنے
ہوا لیتی ہے اثر اس چیز کا جس پر سے گذرتی ہے بدبو سے بدبو اور خوشبو سے خوشبو سو یہ اس کے
کمال لطافت کے سبب سے ہے بخلاف آگ کے کہ وہ اپنی ذات میں حرارت اور یبوست
کی کیفیت غالب رکھتی ہے سوائے جلانے اور ہلاک کرنے کے کچھ اور اس سے نہیں

ہوتا اور مرکبات کے مزاج کو درہم برہم کر دیتی ہے بخلاف پانی اور خاک کے کہ یہ دونوں اپنی کثافت اور بھاری پن کے سبب سے دوسرے مخلوقات کی کیفیات کو متحمل نہیں ہو سکتے ہیں اور حرکت کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور ایک مخلوق کی کیفیت دوسری مخلوق کو پہنچانا ان سے ممکن نہیں ہے اگرچہ پانی اس امر میں خاک کی نسبت سے کچھ فوقیت رکھتا ہے اور ہوا کے ساتھ کچھ مشابہت رکھتا ہے لیکن جو لطافت ہَوا میں ہے کہ ہر چیز کے اندر در آسکتی ہے وہ بات اس میں پائی نہیں جاتی اسی واسطے حق تعالیٰ نے اس عنصر کو یعنے ہوا کو بعضی مخلوقات کی کیفیتوں کو بعضے دوسرے کی طرف پہنچانے کے واسطے تعین فرمایا ہے اور تین حاسے جو بڑے عمدہ ہیں یعنے سمع اور بصر اور شامہ ان کے ادراک کا آلہ اسی عنصر کو گردانا ہے اس واسطے کہ سمع کو ادراک نہیں ہوتا ہے مگر اصوات کے واسطے سے اور کچھ کیفیتیں اصوات کو لاحق ہیں ان کو سمع درک نہیں کر سکتی ہے مگر ہوا کے تموج اور بہنے سے اور کان تک اس سبب سے پہنچنے اور اس کیفیت کو کان کے سوراخ تک پہنچانے کے سبب سے اور بصر کو بینائی حاصل نہیں ہوتی ہے مگر شعاع کے خروج کے سبب سے مذہب قوی کے موافق اور شعاع کا حامل سوائے عنصر لطیف بے رنگ کے کوئی نہیں ہو سکتا سو ایسا عنصر نہیں ہے مگر ہوا اور شامہ کا ادراک بھی ہوا کے سبب سے ہے اسواسطے کہ ہر بو والی چیز پر ہوا گذرتی ہے اور اس کی کیفیت کو ناک کے اندر پہنچاتی ہے یعنے اپنے تئیں قوت شم کے محل کے متصل پہنچاتی ہے اور لمسی احساس میں بھی امداد اور اعانت ہوا کی بہت ہے اسواسطے کہ ہر چیز کی حرارت اور برودت اور رطوبت اور یبوست کو یہ خود اٹھا کے جلد کے مسام کے اندر پہنچاتی ہے پس ہوا دو وجہ سے لمس کو مدد کرتی ہے اول تو یہ کہ دور کی چیزوں کی حرارت اور برودت اور رطوبت اور یبوست لامس کو دریافت نہیں ہو سکتی مگر اسی عنصر کے توسط سے دوسری وجہ یہ ہے کہ بدن کے اندر کے اعضا کو ان کیفیتوں پر اطلاع حاصل نہیں ہو سکتی مگر مساموں کے اندر ہوا کے در آنے سے اور علاوہ ان سب چیزوں کے ہر ذی حیات کے دم کی آمد و رفت اسی عنصر پر موقوف ہے اور یہ عنصر گویا روح ہوائی کی پہلی غذا ہے کہ زندگی اسی سے قائم ہے اسی واسطے

کہا ہے **نظم** سُبْحَانَ مَنْ خَصَّ الْقَدِیْدَ بِعِزَّةٍ ؛ وَالنَّاسُ مُسْتَغْنُوْنَ عَنْ اَجْنَاسِہٖ ؛ وَاَذَلَّ اَنْفَاسَ الْهَوَاۗءِ وَکُلُّ ذِیْ ؛ نَفَسٍ مُفْتَقِرٌ اِلٰی اَنْفَاسِہٖ ؛ یعنے پاک ذات ہے اس کی جس نے خاص کیا گوشت خشک کو ساتھ عزت کے اور لوگ بے پروا ہیں اس کی جنس کے سبب سے یعنے تازہ گوشت ملنے کے سبب سے اور ذلیل کیا ہوا کے نفسوں کو یعنے ہر ذلیل اور خبیث پر گذرنے کے سبب سے لیکن ہر جاندار محتاج ہے اس کے نفسوں کا یعنے بے ہوا زندگی محال ہے کہ اگر جاندار کو جیتے جی زمین میں دفن کریں یا پانی میں غوطہ دلویں اس طور سے کہ ہوا اس تک نہ پہنچے تو اسی وقت مر جاتا ہے اور اسکا دم منقطع ہو جاتا ہے بس ربوبیت الٰہی کا ظہور حیات کی بقا کی طرف سے اور احساس حواس سے اسی عنصر میں ہے اور بعضے مخلوقات کو بعضے دوسرے مخلوقات کی کیفیت سے فائدہ پہنچانا اسی عنصر کا کام ہے سو یہ عنصر اپنے تاثیرات اور افعال میں غیبیہ قدسیہ تاثیروں کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا ہے اور اس کا انقلاب کھلی ہوئی دلیل ہے افعال الٰہی کے انقلاب کی اسی واسطے اس سورت کی ابتدا میں اس عنصر کے پانچ کاموں کی قسم کھا کے اپنے انقلاب کے وعدے کو حق تعالےٰ نے ثابت کیا ہے ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ قسم کھاتا ہوں میں ان ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں خلق اللہ کے نفع کے واسطے اور خلق اللہ کے نفع جو ہیں وہ اسقدر ظاہر اور کھلے ہوئے ہیں کہ ان کے بیان کرنے کی کچھ احتیاج نہیں ہے چنانچہ اوّل ہر جاندار کے دم کی آمد و رفت اسی کے سبب سے ہے دوسرے بدن کے اندر ٹھنڈک پہنچانا اور زمین کے اندر کا بڑھنا اور درخت پر میوے کا لگنا اور ہر ایک سبزی کا زمین پر جمنا اور بڑھنا اسی کے سبب سے ہے تیسرے بدلی کا آنا اور پانی کا برسنا اسی کے سبب سے ہے چوتھے سمندر میں کشتیوں کا چلنا ہر چار طرف تجارت اور دوسری منفعت کے واسطے اسی سے ہے پانچویں وہ چیزیں

جو ہوا کے چلنے پر موقوف ہیں وہ بھی اسی سے ظاہر ہوتی ہیں فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ پھر تند ہونے والیاں اپنے چلنے کے وقت میں زور سے جس کے سبب سے انقلاب عظیم ظاہر ہوتا ہے اور نیکی بدی سے متبدل ہو جاتی ہے اور کھیتی کا غلہ کملا جاتا ہے اور درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں اور میوہ خراب ہو جاتا ہے اور آدمیوں کے بدنوں میں ریاح اور بخارات غلبہ کرتے ہیں اور زخم سر نو سے تازے ہو جاتے ہیں گویا اسی وقت صدمہ پہنچا ہے اور پانی کا برسنا بالکل موقوف ہو جاتا ہے اور کشتیاں ڈوبنے کے قریب ہو جاتی ہیں اور مسافروں کو راہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے اور تمام سبزہ زمین کا خشک ہو جاتا ہے اور درختوں کے پتے جھڑ پڑتے ہیں ننگے بدن کی طرح وہ درخت بے رونق ہو جاتے ہیں اور سبزے کا رنگ زرد اور سرخ رنگ سیاہ ہو جاتا ہے اور جو پہلے ہوا کا بہنا آہستگی سے ہوتا ہے اسی سے ہزاروں منفعتوں کی امید ہوتی ہے پھر رفتہ رفتہ وہی ہوا آندھی اور طوفان ہو کے خرابی کر دیتی ہے اسی واسطے فا کے لفظ کو فالعاصفات میں لائے ہیں گویا ان دونوں کاموں کی مل کے قسم کھاتے ہیں یعنی آہستہ آہستہ چلنا ہوا کا اور پھر تند ہو کے چلنا اور ایک حال بدل کے دوسرا حال ہو جانا اس کو سمجھاتے ہیں اور یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہوا کے نرم اور آہستہ بہنے پر فریب نہ کھانا چاہیے اسواسطے کہ وہی ہوا یہ کام بھی کرتی ہے

وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ اور قسم کھاتے ہیں ہم ان ہواؤں کی جو منتشر کر دیتی ہیں منتشر کرنا اور ہوا کا عمدہ کام منتشر کرنا ہے اس واسطے کہ ہر چیز کے لطیف جزوں کو لے کے اپنے ساتھ اڑاتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے گویا ہوا ہر مخلوق کے اجزا کو لوٹنے والی ہے کہ ہر نفیس جنس لوٹ کے لے جاتی ہے اور ایک بستی سے دوسری بستی میں پہنچاتی ہے اور یا مثل بنجارے کے ہے کہ ایک شہر کا اسباب خرید کے دوسرے ملک میں پہنچاتا ہے اور اگر یہ واسطہ ہوا کا درمیان میں نہ ہو تو ہرگز کوئی مخلوق دوسرے مخلوق کے اجزا سے بہرہ ور نہ ہووے اور ایک کا حال دوسرے کو معلوم نہ ہووے اور جمع اور تالیف کا کارخانہ بند ہو جاوے اور کیفیتوں کی نقل اور تحویل کا ظہور نہ ہووے ایسی کیفیتیں جس کے حامل اجزائے لطیفہ ہر مخلوق کے ہیں فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ پھر جدا اور فرق کرنے والیاں فرق کرنا کر کے

کیفیت اور کیفیت والی چیز کے درمیان میں اور لطیف اور کثیف کے درمیان میں ایک ہی چیز کے اجزا سے اور یہی فرق اور جدائی ہے جس کے سبب سے کہتے ہیں کہ فلانی چیز تر خشک ہے اور فلانی چیز گرم سرد اور فلانی چیز نرم سخت ہے اور دانہ بھوسی سے صاف ہوا اور پانی کا گندلاپن گیا اور جو متفرع اور مترتب ہیں فرق انتشار پر ہے اسواسطے ان دونوں کے درمیان میں فا کو لائے تاکہ تفرع اور ترتیب پر دلالت کرے اسواسطے کہ فرق اور جدائی ایک مکان میں اجزا جمع شدہ کے منتشر ہو جانے کے سبب سے ہے یعنے جو منتشر ہو گئے وہ باقی ماندہ سے متفرق ہو گئے اور ان دونوں فعلوں کو بھی ایک ہی قسم میں لائے اور ایک بڑے انقلاب کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو چیز کے اجزا میں ان دونوں فعلوں سے مل کر واقع ہو گا فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا پھر قسم کھاتے ہیں ہم ان ہواؤں کی جو ذکر کو القا کرتی ہیں اور یہاں ذکر عبارت ہے کلام اللہ کے لفظی وجود سے جس کو قرآن متلو بھی کہتے ہیں چنانچہ قرآن شریف میں جابجا اسی لفظ سے قرآن کو تعبیر کیا ہے اور اصل لغت میں اگرچہ ہر چیز کے لفظی وجود کو ذکر کہتے ہیں اور ہوا ہر چیز کے لفظی وجود کے پہنچانے میں یکتا ہے اور اگر ہوا نہ ہو تو لفظی وجود کسی چیز کا جہاں میں ظہور نہ کرے اسواسطے کہ بات کرنا ایک کیفیت ہے جو آواز کو عارض ہوتی ہے اور آواز ہوا پر سوار ہو کے کان کے سوراخوں میں پہنچتی ہے لیکن کلام اللہ کے وجود لفظی کو پہنچانا بڑا عمدہ منصب ہے جو ساتھ اسی پیک رواں کے مخصوص ہے گویا کہ یہ عنصر سب عنصروں میں حق تعالیٰ کے رسالت کی خدمت رکھتا ہے اور کلام اللہ کو ہر شخص کے کان میں پہنچاتا ہے یعنی قرآن کے احکام اور کتاب کو پہلے سننے والے کے کان میں پہنچاتا ہے پھر بعد اس کے خیال میں پھر خیال کے بعد عقل میں پھر وہاں سے دل میں پھر دل اپنی استعداد کے موافق اس سے اثر قبول کرتا ہے اور فائدہ مند ہوتا ہے پس یہ عنصر گویا ایک شعبہ ہے حقیقت جبرئیل علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے شعبوں سے اب اس جگہ سے بھید اس بات کا ظاہر ہو گیا کہ حقیقت جبرئیلی کو اس عنصر کے ساتھ کیا مناسبت ہے جو شرع شریف میں وارد ہوا ہے کہ جِبْرَئِيْلُ مُوَكَّلٌ عَلَى الرِّيَاحِ یعنی جبرئیل موکل ہیں ہوا پر اور سامع کے کان میں کلام الٰہی کے پہنچنے کے سبب

سے ایک انقلاب عظیم اس کی روح میں پیدا ہوتا ہے پھر اس سبب سے یا خیر کی طرف میلان کرتا ہے اور ابدی سعادت حاصل کرتا ہے یا شر کی طرف جھکتا ہے اور ہمیشگی کے زیاں میں پڑ کے خرابی حاصل کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے عُذْرًا عذر کرنے کو یعنی کلام الٰہی یا عذر کرنے کے واسطے ہے تاکہ اعمال کی باز پرس کے وقت اس شخص کے واسطے عذر اور دستاویز ہووے کہ میں نے یہ کام حق تعالےٰ کے حکم کے بموجب کیا اور اس کام کو اس کے حکم بموجب ترک کیا سو یہ اس صورت میں ہے کہ کلام الٰہی حکموں اور امر اور نہی کو متضمن ہووے یا صحیح اعتقادوں کو متضمن ہووے ذات اور صفات کے مبحث سے یا نبوت اور معاد کے مبحث سے اَوْ نُذْرًا یا ڈر سنانے اور خوف دلانے کے واسطے ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب کلام الٰہی اگلی امتوں کے قصص اور اخبار کو متضمن ہووے یا قبر اور حشر اور نشر اور عملوں کے وزن اور صراط سے گذر کرنا اور بہشت کی نعمتوں اور دوزخ کے ہول اور عذاب کے بیان کو متضمن ہووے اسو اسطے کہ بیان ان چیزوں کا فقط خوف اور ڈرانے کے واسطے ہے اور بشارت کا بیان اس جگہ پر نہ فرمایا اسواسطے کہ اس صورت میں خاص کفار مخاطب ہیں اور کفار بشارت کے قابل نہیں ہیں اور یہ بھی ہے کہ عذر دونوں چیزوں کو شامل ہے یعنے عذاب سے نجات پانا اور عمدہ مرتبوں کو پہنچنا اس واسطے کہ احکام الٰہی پر عمل کرنا ان دونوں چیزوں کے طلب کی دست آویز ہے جس سبب سے آدمی قیامت کے دن یہ دونوں چیزیں طلب کرے گا اب یہاں پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ہواؤں کی پہلی صفت یعنے وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا یہ ایک شعبہ ہے میکائیلی حقیقت کے شعبوں سے جس سے بدلوں کی پرورش اور کھیتی کی اصلاح اور رزقوں کا پہنچانا متعلق ہے اور دوسری صفت یعنے عَاصِفَاتِ یہ ایک شعبہ ہے عزرائیلی حقیقت کے شعبوں سے کہ بدلوں کی خرابی اور منتظم جزوں کا بگاڑنا اور ملے ہوئے جزوں کو جدا کرنا اسی سے علاقہ رکھتا ہے اور تیسری اور چوتھی صفت یعنی نَاشِرَاتِ اور فَارِقَاتِ یہ ایک شعبہ ہے اسرافیلی حقیقت کے شعبوں سے کہ صور کا پھونکنا اور ارواحوں کا منتشر کرنا تاکہ اپنے اپنے بدلوں میں درآویں پھر فرق کرنا ہر مذہب اور ملت والوں میں اور ہر طریقے اور ہر خلق اور عمل والوں میں ان ہی کا کام

ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور دنیا میں بھی ارواح کا منتشر کرنا تاکہ پیٹ کے اندر کے بچہ کے بدن میں درآوے اور فرق اور امتیاز کرنا روحوں کے درمیان میں کہ اس روح کو فلانے بدن میں متعلق کرنا چاہیے اور اس روح کو فلانے بدن میں یہ سب ان ہی کا کام ہے اور پانچویں صفت یعنے فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا یہ ایک شعبہ ہے حقیقت جبرئیلی کے شعبوں سے کہ پہنچانا احکام الٰہی کا اور ڈر اور خوف کا کلام حق تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسل کے دل پر القا کرنا تاکہ وہاں سے لوگوں کے کانوں میں پہنچے یہ سب ان ہی کا ذمہ ہے اور جو یہ صفت بہت عالی قدر اور بلند مرتبہ ہے تو اسواسطے فا تعقیب کی اس پر لائے گویا یوں ارشاد ہوا کہ پہلی چاروں صفتوں کے بعد اس صفت کی قسم کھانے میں ہم بخلاف اس تعقیب کے جو فَالْعَاصِفَاتِ اور فَالْفَارِقَاتِ میں لائی گئی ہے اسواسطے کہ وہ فا فعل کی تعقیب کے واسطے ہے پہلے فعل پر نہ واسطے تعقیب قسم کے قسم پر سو اس کلام میں تین قسم حقیقت میں مذکور ہیں اور ہر قسم ساتھ دو فعل کے ہے چنانچہ پہلی قسم ہوا کے نرم بہنے اور تند بہنے پر اور دوسری قسم کو ساتھ نشر اور فرق کے اور تیسری قسم ساتھ عذر کرنے اور خوف دلانے کے لیکن تیسری قسم کو پہلی اور دوسری قسم پر فا کے ساتھ عطف کیا ہے تاکہ قسم میں ترقی پر دلالت کرے اور پہلی اور دوسری قسم کے دونوں فعلوں کو بھی ساتھ حرف فا کے عطف کیا ہے تاکہ دلالت کرے اس بات پر کہ ایک متفرع ہے دوسرے فعل کی اور تیسری قسم کو مجمل ایک ہی کلمہ سے بیان کر کے حرف او کے ساتھ تقسیم کیا ہے تاکہ خبردار کرے اس بات پر کہ یہ ذکر ان دونوں قسموں پر منقسم ہے واللہ اعلم باسرار کلامہ یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اپنے کلام کی تہ کو اور مفسروں کو ان پانچوں فعلوں کے ماصدق علیہ کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے بعضوں نے ان پانچوں کو ہواؤں پر حمل کیا ہے اس تفصیل سے کہ مرسلات عرفا وہ ہوائیں ہیں جو بدن کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور عاصفات وہ تند ہوائیں جو بدن کو نقصان پہنچاتی ہیں اور کشتیوں کو ڈبوتی ہیں اور ناشرات اور فارقات اور ملقیات وہ ہوائیں ہیں جو پانی برسانے پر مقرر ہیں سو پہلے ابر کے مادے کو جو بیچ یعنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے منتشر کرتی ہیں اور پھر جب بدلی برس کے فارغ

ہوتی ہے تو اس بدلی کو چیر پھاڑ کر ادھر اُدھر کر دیتی ہیں اور بارش کے سبب سے لوگ ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں سو لوگوں کا ذکر اس وقت میں دو غرض میں سے ایک کے واسطے ہوتا ہے یعنے یا شکر ادا کرنے کے واسطے اگر برسات بہتر اور نافع ہوئی تو ان کا عذر اس نعمت کے ادا کرنے میں ہوتا ہے اور یا خوف اور ڈر کے واسطے ہوتا ہے اگر برسات سے کچھ ضرر اور نقصان ہوا اور حضرات صوفیہ کہتے ہیں کہ مرسلات عرفاً سے ربّانی دواعی اور الہامات مراد ہیں جو سالک کے نفع کے واسطے اُس کے دل پر آتے ہیں تاکہ راہ خدا میں سلوک کی اعانت کریں اور عاصفات سے جذب اور کشش کے ریاح مراد ہیں جو سالک کے دل سے ماسوی اللہ کے حب کو دور کرتے ہیں اور اُس کے شوق کی آگ کو اور بھڑکاتے ہیں اور ناشرات سے اشغال اور اذکار مراد ہیں جو اپنے آثار اور انواروں کو ذاکر اور شاغل کے تمام جوارح اور اعضا میں منتشر کرتے ہیں اور فارقات سے واردات الٰہیہ مراد ہیں جو ناسوتی وجود کے فنا کے سبب پڑتے ہیں اور حقیقی اور مجازی وجود میں تفرقہ اور جدائی کرتے ہیں اور ملقیات ذکراً سے وہ معارف اور علوم مراد ہیں جو بعد حاصل ہونے مرتبۂ بقا کے فائض ہوتے ہیں اور اس سبب سے مستفید دل کو ذکر حق تعالیٰ کا حاصل ہوتا ہے خواہ محبت کے طریق سے یعنے عذر سے یا خوف کی راہ سے یعنی نذر سے اور لعض یوں کہتے ہیں کہ ان پانچوں چیزوں سے فرشتوں کے گروہ مراد ہیں چنانچہ مرسلات عرفاً سے اُن فرشتوں کے گروہ مراد ہیں جو کسی کام کے سرانجام کے واسطے بھیجے جاتے ہیں اور اس صورت میں عرفاً کے معنی اجتماع کے واسطے پے درپے آنے کے ہوں گے چنانچہ عرب کے استعمال میں بولتے ہیں کہ جَآءُوْ عُرْفًا اَحَدًا یعنی آئے اکٹھا ہو کر پے درپے اور اصل میں یہ لفظ نکالی گئی ہے عُرْفُ الْفَرَسِ سے جو گھوڑے کے ایال کے معنوں میں ہے اور گھوڑے کے ایال میں بال بہت سے مجتمع ہوتے ہیں اور نظر میں پے درپے آتے ہیں جس طرح بہت لوگ کسی کام کے واسطے شتر قطار کی طرح چلیں تو ان بالوں کے مشابہ ہوں گے اور جب کسی جگہ کسی کام کے واسطے بہت لوگ ازدحام کرتے ہیں تو وہاں بھی عرب لوگ بولتے ہیں کہ هُمْ عَلَيْهِ كَعُرْفِ الضَّبُعِ یعنی انہوں نے اس کام پر ایسا ہجوم

کیا ہے گویا بجو کے ایال کے بال ہیں اور عاصفات سے وہ گروہ فرشتوں کے مراد ہیں جو کسی کام کے واسطے بہت تیز اور تند ہو جاتے ہیں اور یا مرسلات عرفاً سے رحمت کے فرشتے مراد ہیں اور عاصفات سے عذاب اور غضب کے فرشتے مراد ہیں جو کسی ملک یا لشکر یا گھر کی خرابی کے واسطے آتے ہیں اور ناشرات سے وہ گروہ فرشتوں کے مراد ہیں جو وحی اور الہام اور دوسرے حکم الہی کے آثار اور انوار اور برکات اور نیک الہامات تمام عالم میں صلحا اور مومنین کے دلوں میں منتشر کرتے ہیں اور فارقات سے بھی یہی گروہ مراد ہیں یا دوسرے فرشتے جو حق اور باطل اور فرمانبردار اور سرکش میں فرق کرتے ہیں یا سحر اور معجزے میں امتیاز اور فرق کر دیتے ہیں اور ملقیات ذکراً سے وہ فرشتے مراد ہیں جو انبیاؤں کی طرف وحی کو القا کرتے ہیں یعنے لاتے ہیں تاکہ اہل حق کے واسطے عذر ہووے اور نافرمان اور بدمذہبوں کے واسطے خوف اور ڈر ہووے اور بعضے واعظ یوں کہتے ہیں کہ ناشرات سے وہ فرشتے مراد ہیں جو قیامت کو مردوں کو زندہ کریں گے اور فارقات سے وہ فرشتے مراد ہیں جو حشر کے میدان میں ہر ملت اور مذہب والوں کو جدا جدا کر کے چلاویں گے اور قاری لوگ یوں کہتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیتوں کی جو پانچ صفتیں ہیں وہ اس سے مراد ہیں یعنی قرآن کی آیتیں خلق اللہ کے نفع کے واسطے پے درپے نازل ہوئی ہیں اور جتنے باطل ملت اور مذہب والے ہیں اُن پر تندی اور شدت کرتی ہیں اور اُن کے معتقدات کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہیں جیسے طوفان کی ہوا کہ پرانی عمارتوں کو ڈھا دیتی ہے اور کھو کھلے درختوں کو اکھاڑ کے پھینک دیتی ہے اور ہدایت اور حکمت کے انوار کے آثاروں کو عالموں اور مستعدوں کے دلوں میں منتشر کرتی ہیں پھر حق اور باطل اور خطا اور صواب کے درمیان میں فرق کرتی ہیں پھر حقتعالیٰ کی یاد کو ہر مومن کے دل میں بٹھا دیتی ہیں اور یہ کام قرآن کی آیتوں کے ہیں پھر جو مومن ہیں اور ان آیتوں کے موافق عمل کرتے ہیں اور ان ہی آیتوں پہ بھروسا کرتے ہیں اُن کے واسطے عذر ہیں اور جو اس سے اعراض کرتے ہیں اور نہیں مانتے ہیں اُن کے واسطے نذر ہیں اور بعضے ارباب قصص نے یوں کہا ہے کہ ان سے انبیا اور مرسلین کی صفتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق اللہ کے احسان اور نفع کے واسطے بھیجے گئے

میں اور مخالفوں اور معاندوں کو غضب اور قہر کرتے ہیں اور دعوۃ الی اللہ کو تمام خلائق میں منتشر کرتے ہیں اور حق اور باطل میں فرق کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور توحید لوگوں کو القا کرتے ہیں تاکہ اُن کے واسطے عذر ہووے تبلیغ اور رسالت کے حق کے ادا کرنے میں یا خوف دلانا ہو گنہگاروں اور منکروں کو اور بعضے اہل تفسیر نے ان پانچوں صفتوں کو کئی موصوفوں پر حمل کیا ہے چنانچہ پہلی دونوں صفتوں کو ہواؤں پر اور پچھلی تینوں صفتوں کو فرشتوں پر اس واسطے کہ ہواؤں اور فرشتوں میں بہت مناسبت پائی جاتی ہے چنانچہ یہ دونوں یعنے ہوا اور فرشتے لطافت اور بے رنگی اور نظر نہ آنے میں اور حرکت کی سرعت اور قوی عملوں کے قادر ہونے پر باوجود لطافت بینہ کے ایک دوسرے کے مشابہ ہے اور عطف کا سیاق کلام الٰہی میں اس (یعنے جسم ۱۲) حمل کو تائید دیتا ہے یا پہلی صفت کو رحمت کے فرشتوں پر اور دوسری صفت کو عذاب کے فرشتوں پر اور باقی آیتوں کو قرآنی آیتوں پر حمل کرتے ہیں حاصل کلام یہ کہ جب قسم کی تاکید سے فراغت پائی تو اب مطلب ارشاد ہوتا ہے اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ تحقیق جو کچھ تم وعدہ دیے جاتے ہو اپنے نیک اور بد کاموں پر جن کو تم ہوائی سمجھتے ہو کہ ان کاموں کو کوئی ہم سے نہ پوچھے گا اور یہ ایسے عرض ہیں کہ ہرگز باقی نہ رہیں گے جو کوئی بازپرس کرے اور یہ نہیں سمجھتے ہو کہ یہ اعمال کس انقلاب کی اچھائی یا برائی کے سبب پڑیں گے لَوَاقِعٌ البتہ واقع ہونے والا ہے جس طرح ہوا اچھائی یا برائی کا سبب پڑتی ہے اور بڑا انقلاب کر دیتی ہے اور کسی کے گمان میں نہیں آتا ہے کہ ہوا عالم کی اچھائی یا برائی کی کس طرح سبب پڑے گی فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۵ پھر جب ستارے بے نور کر دیے جاویں اور جو روح ستاروں کے جرموں کی مدبر تھی اور ستاروں کا نور اس کی تاثیر سے قائم تھا وہ روح ان جرموں سے جدا ہو جاوے جس طرح بینائی کی روح موت کے وقت جدا ہو جاتی ہے اور آنکھوں سے کچھ سوجھ نہیں پڑتا اور اسی حالت میں دوسری جگہ قرآن شریف میں اس عبارت سے ارشاد ہوا ہے کہ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ یعنی جب ستارے میلے ہو جاویں پھر بعد اس کے ستاروں کے جرم اپنے اپنے ٹھکانوں سے کمزور ہو کے گر پڑیں گے اور پراگندہ ہو جاویں گے اور اس حالت سے دوسری جگہ پر یوں ارشاد ہوا ہے وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ یعنی اور جب ستارے جھڑ پڑیں اور جو نجوم

کی لفظ میں اصل لغت کے بموجب ظہور اور طلوع مفہوم ہوتا ہے اسواسطے طمس اور انکدار کے بیان میں نجوم کی لفظ ارشاد ہوئی اور کواکب کے لفظ میں اصل لغت کے بموجب ثبوت اور استقرار پوچھا جاتا ہے اس واسطے پراگندہ ہونے اور گرنے کے بیان کی جگہ کواکب کی لفظ کو اختیار فرمایا ہے تاکہ حالت لاحقہ اور حالت سابقہ میں منافات روشن اور ظاہر ہو جائے اور جب کواکب کی روح ان سے جدا ہو جائے گی تو اس روح کا اثر بنی آدم کے صور مثالیہ کے اظہار اور تنویر کے واسطہ اُن کے عقلیہ اور خیالیہ مدارک پر غالب ہوگا وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ہ اور جب آسمان پھاڑا جاوے اور اس حالت کو دوسری جگہ پر انفطار اور انشقاق کر کے تعبیر فرمایا ہے اور اس حالت میں پہلے آسمان کو سستی اور جوڑ بند کا ڈھیلا پن لاحق ہوگا جس کو سورۂ حاقہ میں یوں بیان فرمایا ہے فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ اور نفوس سماویہ چونکہ اُن کے جرموں سے منقطع ہو جاویں گے اور بنی آدم کے نفوس کے مدد اور معاون ہوں گے اس سبب سے بنی آدم کی عقلی اور خیالی دریافت دونی ہو جائے گی بلکہ بہت ترقی قبول کرے گی اور افعال غیر متناہیہ کی قوت بھی انکو حاصل ہو گی شدت میں بھی اور درازگی میں بھی اور تعداد میں بھی اور ہمیشگی کی جزا کے چکھنے کے قابل ہوں گے وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ہ اور جسوقت پہاڑ ہوا میں اڑائے جاویں عرب کی بولی میں منسف اس چیز کو کہتے ہیں جس سے غلہ کو گھاس اور کوڑے وغیرہ سے پاک کرتے ہیں اور اس کو ہندی بولی میں چھاج کہتے ہیں اور پہاڑوں کے حق میں قرآن مجید میں کئی طرح کی عبارت واقع ہوئی ہے چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں یہی معنی ارشاد ہوئے ہیں کہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا یعنے پوچھتے ہیں تجھ سے حال پہاڑوں کا سو تو کہہ کہ ان کو بکھیریگا میرا رب اڑا کر اور دوسری سورۃ میں دوسری طرح کی عبارت آئی ہے ان سب مضامین مختلفہ میں جمع کی وجہ یہ ہے کہ پہلے زمین کے زلزلے کے سبب سے پہاڑ آپس میں ٹکراویں گے چنانچہ سورۂ حاقہ میں ارشاد ہوا ہے کہ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً اور پھر پہاڑ رنگین اُون دھنی ہوئی کی طرح ہو جاویں گے چنانچہ سورۃ القارعۃ میں بیان ہوا ہے پھر ہباء کے مانند ہو جاویں گے چنانچہ سورۂ واقعہ میں واقع ہوا ہے فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا یعنی

ہو جاویں گے پہاڑ جیسے گرد اُڑتی پھر ہواؤں کو پہاڑوں پر مسلط کریں گے اور اسی حالت کا نام نسف ہے اور پہاڑ اپنے اپنے ٹھکانوں سے اٹھ جاویں گے پھر جو دور سے ان کو دیکھے گا کہے گا کہ پہاڑ ہیں اور جب نزدیک پہنچے گا تو اس وقت وہ محسوس کرے گا کہ سختی اور ٹھوس پن اُن کے جزوں میں باقی نہیں رہا ہے بدلی کی طرح ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں چنانچہ سورۂ نمل میں اس کا مذکور ہے کہ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ یعنی اور دیکھے تو پہاڑوں کو تو جانے تو کہ وہ جم رہے ہیں اور وہ چلیں گے جیسے بدلی اور سورۂ تساؤل میں بھی مذکور ہے کہ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا پھر جو زمین پہاڑوں کے نیچے دبی تھی وہ ظاہر ہووے گی چنانچہ سورہ کہف میں مذکور ہے کہ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً یعنی اور جس دن ہم چلاویں پہاڑ اور تو دیکھے زمین کھل گئی اور پہاڑوں پر یہ حالت طاری ہونے کے سبب سے زمین کے اجزا جو سخت ہیں وہ زمین سے جدا ہو کے بنی آدم کے بدنوں میں مختلط ہو جائیں گے پھر انسان کا بدن ان اجزا کے ملنے کے سبب سے طول اور عرض اور قوت اور سختی میں بہت زیادہ ہو جائے گا جس کا وصف بیان ہو نہیں سکتا وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جب رسولوں کا وقت مقرر کر دیا جاوے تاکہ آگے پیچھے اس اپنے وقت مقرر کے موافق اپنی اپنی امتوں کے ساتھ حشر کے میدان میں آکے حاضر ہو دیں اور حساب اور عملوں کا وزن کرنا اور مظلوموں کا حق ظالموں سے پورا دلانا اور پلصراط سے پار اتارنا رسولوں کی حاضری اور گواہی سے ظہور پاوے اور جن لوگوں نے رسولوں کے پیغام کو قبول کر کے اس کے موافق عمل کیا تھا وہ جدا ہو جاویں ان لوگوں سے جنہوں نے رسولوں کے کہے کو نہ مانا تھا اور اس پر عمل نہ کیا تھا غرضیکہ جو جس لائق ہے اور جس چیز کا مستحق ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کیا جاوے گا اور اذا جو حرف شرط کا ہے اس کی جزا محذوف ہے اور محذوف پر قرینہ ماسبق کا دلالت کرتا ہے یعنی جب یہ امور واقع ہوں گے تو وہ وعدہ بھی واقع ہوگا اور اگر قیامت کے جو منکر ہیں وہ پوچھیں کہ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ کس دن کے واسطے ان چیزوں کی تاخیر کی ہے اسی وقت کیوں نہیں یہ چیزیں واقع ہوتی ہیں تاکہ جزا کا وعدہ بھی ثابت ہو جاوے اور ہمارا شک اور انکار بھی دفع ہو جاوے تو اس کے جواب

میں چاہیے کہنا کہ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ؕ واسطے آنے روز فصل کے ان چیزوں کی تاخیر کی گئی ہے اور
فصل کا دن اس طرح کا نہیں ہے کہ اس کی تاخیر کے بھید کو آسانی سے بوجھ لو چنانچہ سورۃ
تساؤل میں اس دن کے تاخیر کی بعضی وجہیں مذکور ہیں وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ؕ اور کیا
جانا تو نے کہ کیا ہے دن فصل کا اس واسطے کہ عقل اس کی دریافت سے عاجز ہے اور اگر
غیب کی طرف سے اس کو بیان کریں تو اس کا بیان نہ ہوگا مگر ان ہی عظیم حادثوں کے ساتھ
جو اس میں واقع ہوں گے سو پھر یہ کہیں گے کہ ان حادثوں کو کس واسطے اس روز پر موقوف رکھا
ہے اس واسطے یہی اولی اور انسب ہے کہ اس روز سے خوف دلایا جاوے اور کہا جاوے کہ
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۔ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کو اب اس جگہ پر جاننا چاہیے
کہ قیامت کے منکروں کو اس واقعہ کے واقع ہونے کے وقت دس طرح سے سختی آگے آوے گی
پہلی سختی یہ کہ جس چیز کی امید نہ تھی وہ یکایک آن پہنچی اور اس کے آنے سے مدہوش اور متحیر
ہو جاویں گے اور یہی وہ سختی ہے کہ ہر ایک قیامت کے منکر کو قیامت کے آنے کے وقت
لازم ہے اور سخت مصیبت سے جو اس آیت میں مذکور ہے یہی سختی مراد ہے اور اس کے بعد
دوسری نو سختیاں جو قیامت کے منکروں کے واسطے خاص ہیں اور اُن کے آگے آویں گی
سو اس سورۃ کے آخر تک بیان فرمائی ہیں اور ان سختیوں کے اسباب کی طرف بھی اشارہ کیا
ہے پس اس آیت کو اس سورۃ میں فقط تاکید کے واسطے مکرر سمجھنا تامل اور فکر کے قصور سے ہے
سو دوسری اور تیسری اور چوتھی سختی کی وجہ یہ ہے کہ منکر لوگ اپنے جہل مرکب پر اور مقدمات
مزخرفہ کے فساد پر یکایک مطلع اور خبردار ہوویں گے جن مقدمات کے انکار پر بہت اصرار کرتے
تھے سو اس وقت اپنی غلط فہمی اور تصور دانش پر آگاہ ہوویں گے اور معلوم کریں گے کہ ہم کو ذات
اور صفات الٰہی کے عقائد دنیا میں ہرگز متیقن نہ تھے اور حق تعالیٰ کی قدرت اور اس کی تاثیر
سے بالکل بے خبر رہے ہیں پس دوسری وجہ اس سختی کی یہ ہوگی کہ وہ لوگ دنیا میں حق تعالے
کو ایسا قادر نہ جانتے تھے کہ کروڑوں بلکہ بے انتہا آدمیوں سے بدلہ لے سکے گا اور کہتے
تھے کہ یوم الفصل کے آنے کو انبیا اور رسول بعد بالکل ہلاک ہو جانے نوع انسان کے
بیان کرتے ہیں اور یہ بات کسی کی عقل میں نہیں آتی ہے کہ تمام نوع انسان کی ایک

وقت میں فنا ہو جاوے اور ہلاک ہو جاوے اسواسطے کہ جو حادثہ دنیا میں واقع ہوتا ہے تو اس سے بعضے لوگ اپنی قوت کے زور سے یا مکان کی مضبوطی سے یا کسی تدبیر اور حیلے سے نجات پاتے ہیں کبھی دنیا میں ایسی آفت نہیں آئی ہے کہ اس آفت میں گرفتار ہو کے ہلاک ہو جاویں سو حق تعالیٰ اُن کے اس شبہہ کے جواب میں ایک تمثیل بیان فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اس بات کا سمجھنا اور شبہے کا دفع کرنا تم پر بہت آسان ہے اسواسطے کہ ہلاک کرنا ایک آدمی اور ہزار آدمی کا برابر ہے اور جو تم نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کا مرنا مختلف زمانوں میں دیکھا اور سُنا تو اسی پر قیاس کر لو کہ نوع انسان کی ایک وقت میں روح سلب ہو سکتی ہے چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ یعنی نہیں ہے پیدا کرنا تمہارا اور نہ مار کے پھر جلانا تمہارا مگر جیسے ایک جان کا مارنا اور جلانا اور اگر تم کو لاکھوں کروڑوں کے ہلاک میں جو مختلف زمانے میں ہلاک ہوئے ہیں کچھ شبہہ ہووے تو ہم کہتے ہیں کہ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ؕ کیا نہیں ہلاک کیا ہم نے پہلوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے اب تک سب مسلوب الروح اور ہلاک ہو چکے ہیں ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝ پھر اُن کے پیچھے لے جاتے ہیں ہم پچھلوں کو اسواسطے کہ ہر وقت میں مردے مرتے چلے جاتے ہیں اور جب ہلاکی اس قدر انبوہ کثیر کی مختلف زمانوں میں ثابت ہوئی تو ثابت ہوا کہ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ایسا ہی کریں گے ہم گنہگاروں کے ساتھ پہلے مرتبہ صور کے پھونکنے کے وقت یعنے سب کی روح ایک ہی وقت میں سلب ہو گی اور اس کے پہلے سب نوع انسان کی روح جو ایک وقت میں سلب نہیں ہوتی ہے سو اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں بیگناہ بھی بہت ہوتے ہیں اور گنہگار نیک نطفے کو اپنی پیٹھ میں رکھتے ہیں اور اس کی نسل سے معرفت اور عبادت کی امید ہے اور جس وقت نفخ صور کا ہو گا اسوقت سب گنہگار ہونگے اور سلسلہ توالد اور تناسل کا منقطع ہو جائے گا اسواسطے کہ چالیس برس پہلے سے بنی آدم میں عقم لاحق ہو گا یعنی سب عورت مرد بانجھ ہو جاویں گے نیک اولاد کی امید بھی نہ رہے گی اس سبب سے سب قابل ہلاک کے ہوں گے چنانچہ صحیح حدیثوں میں مضمون موجود ہے کہ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يَبْقٰى فِى الْاَرْضِ اَحَدٌ يَقُوْلُ اللّٰهَ اللّٰهَ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ

وسلم نے فرمایا ہے کہ نہ قائم ہوگی قیامت یہاں تک کہ نہ باقی رہے گا زمین پر کوئی جو کہے گا اللہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کو اپنے عقیدوں کے فساد پر اور اپنے شبہوں کے بطلان سے خبردار ہونے پر جس کو اگر دنیا میں چاہتے تو ادنیٰ تامل سے دور کر سکتے تھے سو نہ کیا اور وہاں اپنے ہاتھوں کو ندامت سے کاٹیں گے لیکن فائدہ نہ ہوگا اور تیسری سختی کی وجہ اس دن یہ ہوگی کہ کافر دنیا میں یہ اعتقاد نہیں رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرے گا تو گویا حق تعالیٰ کی دوام ربوبیت کے اپنے نزدیک منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ آخرت کے انتقام کو دنیا کے انتقام پر قیاس کر کے کہتے ہو اور اس سبب سے آخرت کے انتقام کو ثابت کرتے ہو لیکن یہ قیاس مع الفارق ہے اسواسطے کہ دنیا میں انتقام زندوں سے ممکن ہے کہ ان کو رنج اور دکھ پہنچا سکتے ہیں بلکہ ہلاک بھی کر سکتے ہیں لیکن مرے ہوؤں سے کسی طرح عوض لینا ممکن نہیں ہے مگر دوسرا کے زندہ کرنے کے بعد اور زندگی کے واسطے شرط ہے کہ مادہ قابل زندگانی کے ہووے لکڑی اور پتھر کو زندہ کرنا ممکن نہیں ہے اور مردوں کا بدن قیامت کے آنے تک سڑگل کے ریزہ ریزہ ہو کے منتشر ہو جائیگا اور زندگی کے قبول کرنے سے بہت دوری پیدا کرے گا پھر زندگانی کا اعادہ اس میں کس طرح تصور کیا جاوے سو حق تعالیٰ ان کی اس غلط فہمی اور ان کی کوتہ نظری پر ان کو خبردار کرتا ہے کہ یہ عقیدہ تمہارا باطل ہے قیامت کے دن اس عقیدے کا فساد اور اس شبہے کی سستی تم کو معلوم ہووے گی اسواسطے کہ اپنی پیدائش کی ابتدا کو خوب جانتے ہو کہ کیسی گندہ بدبودار چیز سے ہوئی ہے اَلَمۡ نَخۡلُقۡکُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ کیا نہیں پیدا کیا ہم نے تم کو ایک پانی حقیر بے قدر سے اور وہ نطفہ ہے کہ پیشاب کی راہ سے نکلتا ہے اور بدن اور کپڑا اس کے سبب سے نجس ہو جاتا ہے اور اس کی بدبو دماغ کو پریشان کرتی ہے اور وہ اس طرح کا بیقدر رہے کہ جتنے مرتبے ہضم کے ہیں ان کو طے کر کے آخر ہضم کا فضلہ ہوا ہے اور طبیعت نے اپنے خالق کے اذن سے اس کو ہر ایک عضو سے کھینچ کے خصیتین کی راہ سے نائزہ کے سوراخ سے باہر ڈالا ہے اسواسطے کہ بدن کی غذا کے قابل اس کو نہ پایا سو اس سے بے پروا ہو کے پائخانے اور پیشاب کی طرح اس کو باہر ڈال دیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر طبیعت اس میں کچھ بھی زندگی کی

قابلیت پاتی تو اس کو اس طرح ڈھیل کر کے پھینکنے میں بخل کرتی جس طرح خون اور دوسرے خلطوں میں کرتی ہے کہ ان کو ہر گز اس حقارت سے نہیں پھینکتی ہے فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ پھر کر دیا ہم نے اس بقدر پانی کو اپنی عنایت سے ایک ٹھہراؤ کی جگہ محفوظ میں جو مکان ہونے کی قابلیت رکھتی ہے یعنی ماں کا رحم جس کو ہندی میں بچہ دان کہتے ہیں اور وہ ایک عضو ہے عصبانی اس کا طول بدون حمل کے بارہ انگلیوں کے برابر ہوتا ہے اسی شخص کی انگلیوں سے اور معدہ کے متصل مثانہ کے نیچے آنتوں کے اوپر مستقیم ہے اور اس میں دو خانے بنائے ہیں توامین کے تولد کے واسطے اگر اتفاق پڑے اور ہر خانہ اسکا ایک سوراخ رکھتا ہے ناف کی طرف چھاتیوں تک کہ بچے کی غذا کے واسطے خون اور حیض اسی راہ سے آتا ہے اور جب بچہ اس میں پیدا ہوتا ہے تو طول اور عرض میں اس بچہ کے جسم کی برابر وہ بھی بڑھتا ہے اور اس عضو کی پیٹھ رباطات سے مضبوط باندھ دی ہے سو ان ہی رباطات کے سبب سے بچہ جننے کے وقت پیٹ سے نکل آتا ہے اور اس کا منہ فرج کے سوراخ کے متصل ہے اور مرد کا نائزہ جماع کے وقت اس میں داخل ہوتا ہے سو نطفہ ایسے محفوظ مکان میں پیٹ کے اندر اعصاب کی طنابوں سے مضبوط بندھا ہوا ہے جیسے سنگین حویلی ناف شہر کے محلہ میں اور کوچہ غیر نافذہ میں سب آفتوں سے بچی ہوئی ہوتی ہے ایسی جگہ اس کو رکھا ہم نے اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ایک مدت معین تک کہ اکثر وہ مدت نو مہینے کی ہوتی ہے کمی بیشی اس میں بہت کم ہوتی ہے فَقَدَرْنَا پھر اندازہ کیا ہم نے اتنی مدت میں ہر چیز کا یعنے جو شرطیں اور لوازمات اس کی زندگی کے کمال میں مطلوب اور ضرور تھے فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ پھر کیا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں ہم اسواسطے کہ اتنی مدت میں کوئی چیز ضروری رہ نہیں جاتی ہے اور کوئی چیز زائد اور بیکار پیدا نہیں ہوتی بخلاف دوسرے اندازہ کرنے والوں کے جب کسی مہم کی برآورد کرتے ہیں تو اس میں بعضی ضروری چیزیں رہ جاتی ہیں اور بعضی زائد اس میں مل جاتی ہیں اسیواسطے جب اس کام سے فراغت ہوتی ہے تو برآورد اور واقع میں بڑا تفاوت ظاہر ہوتا ہے اور پھر جمع اور خروج کے تغیر اور تبدل کی طرف محتاج ہوتے ہیں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب بچہ دان عورت کا معتدل منی سے پُر ہو جاتا ہے تب اس کا منہ بند ہو جاتا ہے پھر کوئی چیز اس

کے اندر جا نہیں سکتی تاکہ اس منی کو فاسد نہ کر دیوے پھر اس منی سے جو بچہ دان کے اندر کی جلد سے ملی ہوئی ہوتی ہے اس کو باریک چمڑے کی صورت کر دیتے ہیں جس کو عربی میں غشا اور ہندی میں جھلی کہتے ہیں تاکہ اس میں جان کی رگیں در آسکیں اور ان کے در آنے کے سبب سے خون کا پہنچنا آسان ہووے اور اس جھلی کو عرب لوگ مشیمہ کہتے ہیں اور ہندی لوگ جھڑ کہتے ہیں اور اس جھلی کے اندر ناف سے مثانہ تک ایک پردہ دوسرا اسی طرح کا تن دیا جاتا ہے تاکہ فضلات کو دفع کرتا رہے اور پھر اس کے اندر ایک پردہ اور رطوبات کی محافظت کے واسطے بنایا جاتا ہے اور فِی ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ جو سورۂ زمر میں واقع ہوا ہے اس سے بھی تینوں پردے مراد ہیں اور جو اس منی کا خلاصہ ہوتا ہے وہ بچہ دان کے اندر کے خالوں میں جو اس کے منہ سے ملے ہوئے ہوتے ہیں چپک جاتا ہے اور آہستہ آہستہ جمنا شروع ہوتا ہے اور اس جمنے کے وقت میں اس مکان کی حرارت کے سبب سے جوش بھی مارتا ہے پھر اس جوش سے کف نکلتا ہے اور وہ کف اس کے بیچ میں ٹھہر جاتا ہے وہی دل ہوتا ہے اور یہ کف منی کے رحم میں جانے کے بعد تیسرے دن ظاہر ہوتا ہے پھر چوتھے روز ایک سیاہ نقطہ اس کے اوپر ظاہر ہوتا ہے وہ دماغ ہوتا ہے پھر چھٹے روز ایک نقطہ دوسرا پیدا ہوتا ہے داہنی طرف اس کف کے جس نے بیچ میں قرار پکڑا ہے اور یہ جگر ہوتا ہے سو اس مدت تک کہ اکثر دسویں روز امر واقع ہوتا ہے اس نطفۂ منی کو رغوہ اور کف کہتے ہیں پھر اس ہفتہ کے گذر جانے کے بعد رگوں کے خط کھینچے جاتے ہیں اور اکثر دسویں روز یہ امر واقع ہوتا ہے اور رنگ منی کا اس وقت میں سرخی پر آتا ہے غرضکہ پندرھویں روز خوب سرخ ہو جاتا ہے پھر اسوقت اس کو علقہ کہتے ہیں یعنی خون جما اسواسطے کہ سوائے ان تینوں جھلیوں کے باقی سب سرخ ہو جاتا ہے اسواسطے بعضے ماہر طبیبوں نے کہا ہے کہ وہ تینوں پردے جو خاص عورت کی منی سے ہوتے ہیں مرد کی منی سے نہیں ہوتے اور جب ستائیسواں دن آتا ہے تب وہ خون بستہ جس کا نام علقہ ہے سخت ہونے لگتا ہے اور دماغ دونوں کاندھوں سے جدا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اعضا کا ڈول بڑھنے لگتا ہے یہانتک کہ اکتالیسویں دن مختلف اعضا کی صورتیں نمودار ہو جاتی ہیں پھر اس وقت اعضائے رئیسہ سے اعضائے خادمہ جمتے ہیں اور شرائین یعنی رگیں جان کی پیدا ہوتی ہیں اور ان پردوں میں در آکے

رحم کی شرائین میں چپک جاتی ہیں اور سینسٹھ دن گذرنے کے بعد خون سے غذا لینا شروع کرتا ہے اور دموی اعضا جیسے گوشت وغیرہ پیدا ہونا شروع ہوتے ہیں اور اس کے اور وہ مانگے اور وہ سے مل کے خون چوسنا شروع کرتے ہیں یہاں تک کہ تہتر روز تمام ہونے کے بعد اس کا تمام بدن گوشت اور پوست کی پوشش سے تیار ہو جاتا ہے اس کا منہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے اور دونوں ہتھیلیاں اس کے ہاتھ کی اس کے دونوں زانووں پر اور دونوں طرف دونوں پاؤں کے درمیان سر کو جھکا کے بیٹھتا ہے اور جس قدر روز بڑھتا جاتا ہے اسی قدر بچہ دان بھی کشادہ ہوتا جاتا ہے اور روح طبعی اور حرارت اس کے بڑھانے میں مشغول ہوتی ہے پھر منی کے وقوع سے نوے دن گذرنے کے بعد حیوانی قوتیں اسمیں پیدا ہوتی ہیں سو پہلے مہینے میں معادن کا حکم رکھتا تھا کہ کسی طرح حرکت نہ کر سکتا تھا پھر دوسرے مہینے میں مانند گھانس کے تھا کہ بڑھنے اور غذا کرنے کی حرکتیں اس سے بے ارادہ ظاہر ہوتی تھیں پھر تیسرے مہینے میں حیوان کا حکم پیدا کیا پھر جب سو دن پورے ہوتے ہیں تو اس کی حیوانی قوت دماغ کو پہنچتی ہے اور حرکت ارادی ضعیف سی اس میں پیدا ہوتی ہے جس طرح کوئی لقیبہ یا ضعیف کہ ہلنے ڈلنے کی قوت نہ رکھتا ہو اور پھر ایک سو دس دن کے بعد اس شخص کے مانند ہوتا ہے جو کچھ جاگتا اور کچھ سوتا ہے یہاں تک کہ ایک سو بیس دن کے بعد قوت حیوانی اس میں کامل ہو جاتی ہے اور جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ تین چلے گذرنے کے بعد بچے میں روح آتی ہے اور جان پڑتی ہے سو اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ بعد گذرنے ایک سو بیس روز کے روح انسانی اس میں آتی ہے اسواسطے کہ حقیقت میں روح وہی ہے اور پہلے اس کے ایک حیوان تھا دوسرے حیوانوں کی طرح کا اور جب اس حد سے تجاوز کرتا ہے تو حرکت اس کی پیٹ کے اوپر سے معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ سات مہینے میں ہمیشہ اس کے ہلنے ڈلنے کے سبب سے اس کے اعضا سخت ہو جاتے ہیں اور کچھ قوت پکڑتے ہیں گویا کہ اننے دن اب سے ورزش اور محنت لیتے تھے پھر بعد اس کے جھلی کے تینوں پردے پھاڑنے پر قادر ہوتا ہے اور اپنی رگوں کو ماں کی رگوں سے جدا کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے پھر چاہتا ہے کہ کسی طرح میں اس تنگ مکان سے نکلوں یہاں تک کہ نویں مہینے حق تعالیٰ کے حکم سے باہر آتا ہے اور نجومی لوگ یوں کہتے ہیں

کہ جب تک نطفہ پانی کی شکل جما ہوا رہتا ہے تب تک زحل اور مشتری کی تربیت میں رہتا ہے
زحل کی برودت اور مشتری کی رطوبت کی تاثیر سے اور جب سرخی پکڑتا ہے اور خون کا سا رنگ ہوتا
ہے تب مریخ اس کا سبب ہوتا ہے اور یہ تینوں ستارے لمبا دور کرنے والے ہیں پھر اُنکے بعد
جن ستاروں کا دور نزدیک ہے وہ اس کی تربیت کرتے ہیں اور وہ ستارے آفتاب اور زہرہ
اور عطارد ہیں اور جب اس میں روح پھونکی جاتی ہے تب چاند کی تربیت میں آتا ہے پھر زحل کی
تربیت میں آتا ہے اسواسطے کہ وہ نواں گھر نقل اور حرکت کا ہے اور یہ اندازہ معین جو بیان کیا
گیا ہے یہ اسصورت میں ہے کہ کوئی دوسری خصوصیات اس کو لاحق نہ ہوویں جیسے والدین
کے مزاج کی حرارت یا منی کی حرارت یا موسم گرمی کا ہووے یا شہر جنوبی ہووے یا ان
سب کی ضد ہوویں تو ان سببوں سے اس بچہ کے بچہ دان میں رہنے کی مدت میں کمی زیادتی
لاحق ہووے گی اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ نقل اور تاثیر میں برودت سے حرارت قوی اور زبردست
ہے اور تاثیر یعنی اثر کے قبول کرنے میں رطوبت یبوست سے اقوی ہے سو اگر ماں باپ اُس
کے جوان ہوں گے اور ان کا مزاج بھی محرور ہوگا اور منی بھی شہد یا دوسری کوئی گرم چیز سے پیدا
ہوئی ہوگی اور گرمیوں کے دنوں میں نطفہ ٹھہرا ہوگا اور شہر بھی گرم ہوگا تو اس میں حرارت اور
یبوست بہت ہوگی اور اس کے عکس میں برودت اور رطوبت کا غلبہ ہوگا سو ان چاروں کیفیتوں میں
سے دو کیفیتوں کے جمع ہونے سے حمل کی مدت میں تفاوت ہو جائے گا لیکن چھ مہینے سے
کم اور دو سال سے زیادہ اور بعضی روایت میں چار سال سے زیادہ کبھی واقع نہیں ہوا ہے اور
جو زندہ کرنا نطفے کا باوجود اس حقارت اور ناچیزی کے اور لوئے بد اس میں سے آنے کے
اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں رکھتا ہے بلکہ کس مرتبہ اور کمال کو اس کو پہنچاتا ہے پھر
مُردوں کی سڑی ہوئی ہڈیاں اور گلے ہوئے اجزاؤں کو مدت دراز گذرنے کے بعد زندہ
کرنا اس کے نزدیک کیا چیز ہے اسواسطے کہ نطفے کا حال بھی مُردوں کے بدن اور ہڈیوں
سے کم نہیں ہے پھر نو مہینے پیٹ میں رہنے سے کس قدر کمال کو پہنچتا ہے پھر اسی طرح
مردوں کے بدن بھی کچھ مدت زمین میں رہ کے اگر انتہا درجے کے کمال کو پہنچیں تو یہ بات کچھ
عقل کے خلاف نہیں ہے سو جب یہ بات ظہور پاوے گی پس وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ۝

بڑی خرابی ہے اس دن اس قدرت کے منکروں کی کہ باوجود اس قدرت کے آثار دن رات دیکھنے کے کہ ہمیشہ لوگ پیدا ہوتے جاتے ہیں پھر بھی متنبہ اور خبردار نہیں ہوتے ہیں اور چوتھی وجہ اس دن کی سختی کی منکروں پر یہ ہے کہ یہ لوگ افعال الٰہی کو اپنے اسباب مالوفہ کا مقید بوجھتے ہیں اور اس مالک الملک علی الاطلاق کو اپنی طرح اسباب اور آلات کا مقید جانتے ہیں گویا کہ اسباب کو تاثیر میں اسکا شریک گردانتے ہیں اور بدون اسباب کے اس کو عاجز سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے جو کہتے ہیں کہ نطفے کا ماں کے پیٹ میں جانا اور کامل ہو کے نکلنا بچہ دان کی خاصیت سے ہے اسواسطے کہ اگر نطفہ کو زمین پر ڈال دیویں تو آدمی کی پیدائش اس سے کسی طرح متصور نہ ہووے سو حق تعالیٰ اُن کے اس عقیدے کو بھی باطل کرتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ قیامت کے دن اس اپنے عقیدے پر بھی بہت افسوس کریں گے اور اپنی غلط فہمی اس روز بوجھیں گے کہ ہم نے دنیا میں کچھ بھی غور اور فکر نہ کی اور یہ نہ بوجھے کہ زمین بھی ماں کے بچہ دان کی خاصیت رکھتی ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۙ کیا نہیں کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والی اَحْيَآءً بہت سے زندوں کو جیسے حشرات کہ بغیر ماں کے بچہ دان کے پیدا ہوتے ہیں وَّ اَمْوَاتًا ۙ اور بہت سے مُردوں کو یعنی جمادات کو جو اپنی خوش وضعی اور خوش رنگی میں اور مرغوب اور محمود ہونے میں کچھ زندہ آدمیوں سے کم نہیں ہیں جیسے یاقوت اور الماس اور زمرد اور نمک کی کانیں اور دوسری کانیں اور چیزیں جو تاثیر میں تمام نباتات سے بہتر ہیں سو جب زمین کی تربیت سے ایسی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں پھر اگر مردوں کی سڑی ہوئی ہڈیوں کو تربیت کر کے زندہ نکالے تو کیا عجب ہے اور اگر منکر لوگ یوں کہیں کہ زمین اگرچہ تربیت زندوں اور مردوں کی کرتی ہے جیسے حشرات اور کانی چیزیں کہ یہ البتہ پیدا ہو سکتی ہیں لیکن انسان کا تولد اُس کی تربیت سے کسی طرح ممکن نہیں ہے اسواسطے کہ انسان کا جسم ایسی چیزوں سے مرکب ہے جو آپس میں بڑا اختلاف رکھتی ہیں چنانچہ بعضی چیزیں نہایت سخت اور کرخت اس میں واقع ہیں جیسے ہڈیاں اور بعضی بہت ہی لطیف اور باریک ہیں جیسے ہوائی روح اور بعضے ان دونوں کے درمیان میں ہیں منعقد اور جمی ہوئی جیسے دوسرے اعضا اور بعضی بہنے والی اور جاری ہونیوالی ہیں جیسے غلیظ فضلات یعنے پیشاب اور غلیظ وغیرہ سو زمین بے شعور کی طبیعت سے اس قسم کے افعالِ

مختلف اور تصویریں رنگارنگ کس طرح یقین کریں ہم کہ زمین ایسی چیز پیدا کر سکتی ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ہاں زمین باوجود اس بے شعوری کے اس قسم کے عجائبات پیدا کر سکتی ہے جس طرح بچہ دان عورت کا اسواسطے کہ بے شعوری میں دونوں برابر ہیں دونوں میں افعال کا رنگ برنگ ہونا ہمارے ارادے اور خواہش سے ہے وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ اور کردیے ہم نے زمین میں پہاڑ بہت بلند جن کی بلندی انتہا کو پہنچی اور ان پہاڑوں کے نیچے نہریں اور چشمے جاری کیے ہم نے وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ؕ اور پلایا ہم نے تم کو ان ہی پہاڑوں کے دامن سے پانی بہت میٹھا جو تمہاری پیاس کو بجھاتا ہے تو معلوم ہوا کہ زمین کی تربیت سے بھی بعضی چیزیں بہت سخت جیسے پتھر اور بعضی بہت نرم اور لطیف جیسے پانی پیدا کرنا ممکن ہے پھر جب یہ ثابت ہوا تو وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی جو آدمی کے زندہ ہونے کا زمین سے انکار کرتے ہیں اور یہ نہیں بوجھتے ہیں کہ زمین میں لطیف اور کثیف دونوں قسم کی چیزیں موجود ہیں اور ہر ایک چیز ان میں سے زمین کی طبیعت کی خاصیت سے دوسری قسم کا لباس پہنتی ہے پھر کیا تعجب ہے کہ مردوں کے بعضے جز نطفہ ہونے کی لیاقت پیدا کریں اور بعضے لطیف ہو کے روح ہوائی ہو جائیں اور بعضے کثیف اور غلیظ ہو کے اعضا اور ہڈیوں اور رگ پٹھوں کی شکلیں ہو جاویں اور پھر صور کا پھونکنا ارواح مجردہ کے بدنوں کے ساتھ متعلق ہو جانے کا سبب پڑے جس طرح پیٹ کے بچے کے اندر روح پھونکی جاتی ہے اور پانچویں وجہ اس دن کی سختی کی منکروں کے واسطے یہ ہو گی کہ آفتاب کو اس دن نزدیک لاویں گے اور دوزخ کی گرمی اور اس کے بخارات اٹھتے ہوئے یہ سب جمع ہو کے حشر کے میدان کو تنور کی طرح دھویں اور چنگاریوں سے پُر کر دیں گے اور لوگ اس گرمی سے تنگ ہو کے سایہ کے ڈھونڈھنے کو ادھر ادھر دوڑیں گے اور کہیں سایہ کا نشان نہ پاویں گے تاکہ کچھ آرام پاویں اور جو مومن کامل الایمان ہوں گے وہ حق تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں جگہ پاویں گے اور کافروں کے سامنے عذاب کے فرشتے آگ کے گرزے کے خوفناک شکلوں سے نمودار ہوں گے اور کہیں گے کہ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ آؤ چلو اس چیز کی طرف جس کا تم انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ہرگز ہونے والی نہیں ہے اور وہ

چیز جدائی اور امتیاز اور تفرقہ ہے نیکوں اور بدوں کے درمیان میں اور پہلی چیز امتیاز اور جدائی کی آج کے دن تم دونوں فرقوں میں یہ ہے کہ نیک لوگ کیسے عمدہ سایہ میں ہیں جس کے سبب سے جناب رب العالمین کا قرب اُن کو حاصل ہے اور تم لوگ اس بلا میں مبتلا ہو اور تمہارے واسطے جو سایہ مقرر ہوا ہے اس کا حال چل کے دیکھو اِنْطَلِقُوْآ اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ؕ چلو سائے ندھارے یعنی تین شاخوں والے کی طرف قتادہ اور دوسرے مفسروں نے روایت کی ہے کہ کافروں اور منکروں کے سایہ کے واسطے ایک دُھواں دوزخ سے اٹھے گا کہ ہر شخص کو ان میں سے تین طرف سے گھیرے گا ایک ٹکڑا سر کے اوپر سائبان کی طرح ٹھہریگا اور ایک ٹکڑا داہنے اور ایک ٹکڑا بائیں ہو جائے گا اور تمام حساب سے فراغت ہونے تک وہ لوگ اسی سایہ کے نیچے رہیں گے اور ایماندار نیک کردار عرش معلیٰ کے سایہ کے نیچے آرام سے کھڑے ہوں گے اور محققین عاقلوں نے یوں کہا ہے کہ وہ آگ کا دھواں جو منکروں کو گھیرے گا وہ اُن کے بُرے علموں کی صورت مثالی ہو گی جو اس تاریک شکل سے ظاہر ہو کے ان کو تین طرف سے آگھیرے گی جس طرح دنیا میں ان کے نفس کو ان ہی تینوں طرف سے گھیرا تھا چنانچہ ایک شیطانی قوت کی تاریکی اور اس سے وہ عقل مراد ہے جو وہم میں پھنسی ہوئی ہے اور اس کا منشاء دماغ ہے اور سب بدن کے اوپر ہے اور دوسری غضبیہ قوت جس کا منشا دل ہے جو بدن کے بائیں طرف واقع ہے اور تیسری شہویہ قوت جس کا منشاء جگر ہے جو بدن کی داہنی طرف واقع۔ حضرات صوفیہ قدس اللہ سرہم کے نزدیک قوت غضبیہ اور شہویہ دونوں دل میں ہیں لیکن قوت غضبیہ داہنی طرف دل کے متعلق ہے اور قوت شہویہ بائیں طرف دل کے متعلق ہے اس سبب سے جو دھواں کہ قوت غضبیہ کی تاریکی سے اٹھے گا وہ بدن کی داہنی طرف ٹھہرے گا اور جو دھواں قوت شہویہ اور حرص کی تاریکی سے اٹھے گا وہ بدن کے بائیں طرف ٹھہرے گا اور ابو مسلم اصفہانی نے کہا ہے کہ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ کے معنی یہ ہیں کہ وہ دھواں تین صفتیں رکھتا ہو گا یعنے ایک صفت اس کی لَا ظَلِیْلٍ اور دوسری صفت اس کی لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ اور تیسری صفت اس کی اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ لیکن اس کی صورت میں اِنَّهَا کی تانیث کی واسطے کوئی وجہ چاہیے کہ لفظ ظل کا جو اسکا مرجع

ہے وہ مذکر ہے لیکن یوں کہہ سکتے ہیں کہ ظِلٌ کو جو ذِی ثَلٰثِ شُعَبٍ کر کے موصوف کیا تو ان
صفتوں کے سبب سے جمع کے معنی اس میں پائے گئے تو معنوں کی راہ سے وہ لفظ مؤنث
ہوا اسواسطے کہ جو جمع ہے وہ مؤنث کے حکم میں ہے اور بعضوں نے یوں کہا ہے کہ اِنَّھَا
کی ضمیر شُعَبٍ کی طرف راجع ہے ظِلٌ کی طرف نہیں ہے فقط اور جو ظل کا حال بیان فرمایا کہ
ہرگز راحت اس سے حاصل نہ ہوگی اور آگ کے شعلوں کو دفع نہ کرے گا اور اس کی تعلیم
کے مقام میں ترقی کے طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ تینوں شعبے بڑی بڑی چنگاریاں پھینکیں گے
پھر ایسے سایہ سے نفع کی امید کس طرح رکھا چاہیے غرضکہ ہر طرح سے کافروں کا سایہ اسدن
مومنوں کے سایہ کے خلاف ہوگا چنانچہ لَّا ظَلِیْلٍ نہ منع کرے گا یعنے نہ روکے گا وہ سایہ
آفتاب کی گرمی کو یہ مشتق ہے ظل ظلیل سے جو عرب کا قول ہے یعنی سایہ بہت انبوہ کا
ہے اور اس میں سوراخ ہیں جن کی راہ سے آفتاب کی شعاع پہنچتی ہے اور سایہ کے
فائدہ میں نقصان کرتی ہے وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّھَبِ ۃ اور نہ دفع کرے گا آگ کے شعلوں
سے کچھ یا اندر کی طپش کو جو پیاس کے غلبہ سے ہوگی اور سایہ میں ان ہی چیزوں کا فائدہ ہے
یعنی اوپر کی گرمی کو بچانا اور اندر کی سوزش کو تسکین دینا پھر جب یہ دونوں چیزیں اس میں نہ ہوویں
تو گویا وہ سایہ ہی نہیں ہے بلکہ دوزخ کی آگ کا دھواں ہے اور جو بدلی اور سائبان کی صورت
دور سے نمودار ہوگا اسواسطے کہ اِنَّھَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ بیشک وہ دوزخ پھینکے گی بڑی بڑی چنگاریاں
کو ہر ایک چنگاری اس کی طول اور عرض میں کَالْقَصْرِ ۃ جیسے بادشاہوں اور امیروں کا محل کہ
دنیا میں بہت عمدہ سایہ ان ہی کے محل کا ہوتا ہے اور ہوا کی گرمی کے وقت کافر اکثر ایسے
محلوں اور مکانوں کی آرزو کیا کرتے تھے سو اسوقت ان کی وہ آرزو اس شکل سے سامنے
آوے گی اور جلدی اور پے درپے آنے میں وہ چنگاریاں کَاَنَّہٗ گویا کہ وہ چنگاریاں جِمٰلَتٌ
صُفْرٌ ۃ زرد رنگ کے اونٹوں کی قطار ہیں کہ ایک کے بعد ایک جلدی چلے جاتے ہیں اور
دنیا میں کافر جب جنگل میں یا سفر میں ہوتے تھے تو یہ بھی آرزو کرتے تھے کہ کاش کہ بادشاہوں
اور امیروں کی طرح ہمارے ساتھ بھی اونٹوں کی قطار ہوتی اور اس پر خیمے اور نمگیرے اور
سائبان لدے ہوئے ہوتے کہ جہاں چاہتے ہم وہاں اترتے اور اُن کے سایوں میں آرام

کرتے چنانچہ شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎ پہاڑ اور بن میں عاجز صاحب نعمت نہیں ہرگز
بنالیا دیگر خیمے سے اپنے چاہے وہ جس جا + سو یہ آرزو بھی اُس دن اس صورت سے اُن
کے آگے آوے گی اور دونوں قسم کا سایہ یعنے سفری اور مقامی اُن کے واسطے اس دھویں میں
موجود ہوگا اور جمال جمل کی جمع ہے جمع کے معنوں کی تاکید کے واسطے تے کو زیادہ کرکے استعمال
کرتے ہیں اور جمالہ کہتے ہیں چنانچہ حجارۃ جو حجر کی جمع ہے اس میں بھی تے کو زیادہ کیا ہے اور جو
قیامت کے دن پہلا تفرقہ اور امتیاز نیک وبد میں ہوگا یہی اور جس جس چیز کا وقوع کا اُس دن
وعدہ دیا گیا تھا اس کا وقوع اور ظہور شروع ہوگا وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۝ بڑی خرابی ہے اُس
دن منکروں کے حال پر اسواسطے کہ اوّل اس طرح کا رنج اور غم دیکھیں گے اور دوسرے
اس بات کو بوجھ لیں گے کہ جو کچھ اس دن کی سختی اور مصیبت اور وحشت اور نیکوں اور بدوں
میں جدائی کا احوال ہم سنتے تھے وہ سب واقع ہونے والا ہے گویا اس وقت تک اُس دن
کے انکار کی حسرت میں اور اپنے معتقدات کے بطلان میں سختی اور مصیبت کھینچی تھی اور اس
دن کے وقائع اور حادثوں کی فکر جو بہت ہی سخت اور مشکل ہے اُن کے گریبان حال
کو پھاڑے گی اور سختی پر سختی زیادہ کرے گی چھٹی اس دن کی سختی کی وجہ منکروں کے حق میں
یہ ہوگی کہ جب کوئی شخص یکایک کسی مصیبت میں پھنس جاتا ہے اور یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ اس
کے بعد دوسری مصیبت اس سے بھی سخت اور آنے والی ہے تو سب کاموں سے پہلے
اس مصیبت کے دفع کرنے اور آنے والی کے روکنے میں دل وجان سے متوجہ ہوتا ہے
اور اگر کوئی شخص کسی گناہ یا کسی چوری میں پکڑا جاتا ہے تو پہلے چاہتا ہے کہ کسی تقریر سے اُس
کا انکار کروں اور کوئی بات بنا کے اس الزام کو اپنے اوپر سے دور کروں پھر جب دیکھتا
ہے کہ انکار بن نہیں پڑتا تو عذر پیش کرتا ہے کہ مجھ سے تقصیر ہوئی تاکہ اُس کے مواخذہ سے
درگذر کریں اور اپنی چرب زبانی سے اس بلا سے خلاصی پاوے سو ہر شخص پہلے اسی طور
سے دفع کرنا چاہتا ہے اسواسطے کہ یہ طورِ دفع آسان ہے اور اس میں دوسرے کی طرف
استعانت کی حاجت نہیں پڑتی ہے سو کافر بھی جب قیامت کی آمد دیکھیں گے بلکہ اس کی
نشانیاں بھی بعض دیکھیں گے جیسے سایہ کی تقسیم کہ ایماندار وں کے واسطے یہ عزت ہوئی اور

اُن کے واسطے ایسی کالی بلا درپیش ہوئی تو ارادہ کریں گے کہ اپنے گناہوں کے واسطے کوئی عذر
پیش کریں اور بعضے گناہوں سے انکار کر بیٹھیں سو ان کو اس تدبیر فریب آمیز سے بھی مایوس
کر دیتے ہیں کہ ھٰذَا یہ دن جس کا اس کلام فیض انجام میں مذکور ہے اور اسی واسطے اس دن
کو حاضر قرار دے کے ساتھ اسم اشارہ کے جو قریب متوسط کے واسطے ہے متعین فرمایا
یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ۙ ایسا دن ہے جس میں ہرگز دم نہ ماریں گے اور بات نہ کر سکیں گے کہ
ہم سے ایسی کونسی تقصیر صادر ہوئی ہے جس کے سبب سے ہم کو اس دھوئیں کے سایہ
میں لیے جاتے ہیں طرح طرح کے رنج اور عذاب ہم کو دکھلاتے ہیں نافع بن الازرق
نے جو خارجیوں کے علماء میں سے ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا
کہ اس آیت میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ کافر اس دن بات نہ کر سکیں گے اور دوسری
آیتوں میں اس کے خلاف ارشاد ہوا ہے چنانچہ سورۂ انعام میں ارشاد ہوا ہے کہ قَالُوْا
وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ یعنے کہیں گے کافر کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو رب ہے ہمارا
کہ نہ تھے ہم مشرک اور سورۂ زمر میں یوں فرمایا ہے کہ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ
یعنی پھر تم اے کافرو حق تعالیٰ کے روبرو آپس میں جھگڑو گے تابع اپنے پیشواؤں کو ملامت کریں گے
اور پیشوا اُن کے اپنے تابعداروں سے بیزار ہوں گے اور دوسری آیتوں میں بھی کافروں
کا بات کرنا اور جھوٹے عذر پیش کرنا بہت مذکور ہے پھر ان آیتوں کے مختلف مضمونوں
میں تطبیق کس طرح ہو سکتی ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ
قیامت کے دن مقامات مختلف اور مجلسیں متعدد درپیش ہوں گی سو بعضی جگہوں اور بعضی مجلسوں
میں کافروں کو بات کرنے کی ممانعت نہ ہوگی سو ان جگہوں میں کچھ بیہودہ گوئی کریں گے اور
بعضی جگہوں اور بعضی مجلسوں میں اُن کو بات کرنے کا حکم نہ ہوگا سو وہاں لب بھی نہ ہلا سکیں
گے پس اس مضمون کا اختلاف زمانے اور وقتوں کے اختلاف کے سبب سے ہے
اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اس خارجی کے جواب میں ایسا کہا ہے کہ جو کافر
اور بدکار دلیل مضبوط اور عذر سننے کے قابل نہ لا دیں گے تو ان کا بات کرنا اور نہ کرنا دونوں
برابر ہوا اور اسی طرح سے عذر نامسموع کا پیش کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہے سو کسی جگہ پر اُنکی

ظاہر بے فائدہ گفتگو کے لحاظ سے ان کو بولنا ٹھہرایا ہے اور ان کی واہیات اور پوچ باتیں بیان فرمائی ہیں اور بعضی جگہ پر حقیقت اور اصل معنوں پر لحاظ فرما کے ان کو گونگا اور ساکت ٹھہرایا ہے تو اب ان دونوں مضمونوں میں تناقض اور اختلاف نہ رہا وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ اور نہ پروانگی دی جاوے گی اُن کو اپنے گناہوں کے عذر کے بیان کرنے کی اسواسطے کہ یہ تو اوّل سے معلوم ہے کہ یہ لوگ کوئی عذر قابل سننے کے اپنے پاس نہیں رکھتے ہیں کچھ بے فائدہ بکیں گے فَیَعْتَذِرُوْنَ پھر عذر بیان کریں اسواسطے کہ عذر صحیح مسموع اُن کے پاس نہیں ہے اور عذر واہی نامسموع وہاں کوئی نہ سنے گا یہاں پر موافق عربیت کے قاعدے کے ایک اشکال مشہور ہے وہ یہ ہے کہ فَیَعْتَذِرُوْا کیوں نہ فرمایا یعنے نون کو نصب کے سبب سے ساقط کیوں نہ کیا تاکہ نفی کا جواب ہو سکتا جس طرح وَلَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا میں واقع ہوا ہے اور اس اشکال کا حل یہ ہے کہ اگر نون کو حذف کر کے ارشاد ہوتا تو معلوم ہوتا کہ ان کا عذر کرنا اسی سبب سے تھا کہ ان کو اجازت نہ ہوئی والا عذر معقول اور مسموع ان کے پاس موجود تھے وہ پیش کرتے اور حال یہ ہے کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر نہیں ہوگا تاکہ اس پر اعتماد کریں اور اس کو پیش کریں سو کلمہ فا کا فَیَعْتَذِرُوْنَ میں فقط عطف کیواسطے ہے بدون سببیت کے پھر جب سبب کا ثبوت نہ ہوا تو نفی کا جواب بھی نہیں ہو سکتا ہے اسواسطے کہ نفی کے جواب کے واسطے سببیت ضروری ہے حاصل کلام یہ کہ اس دن کافر اس قسم کی چاپلوسی اور بات بنانے سے اور حیلہ اور فریب سے بھی عاجز ہوں گے وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ٥ بڑی خرابی ہے اسدن منکروں کی اسواسطے کہ اس دن کی مصیبتیں دفع کرنے کے واسطے کوئی حیلہ اور تدبیر بھی نہ پاویں گے بلکہ بالکل مایوس ہوں گے اور ساتویں وجہ اسدن کی سختی کی منکروں کے حق میں یہ ہوگی کہ جب سخن سازی اور حیلہ بازی سے بھی مایوس ہوں گے اور کسی طرح اُسدن کی مصیبتوں اور سختیوں سے اپنا بچاؤ نہ دیکھیں گے تب ناچار ہو کے اپنے ہم جنس اور بنی نوع کی طرف جھکیں گے اور اس بلا سے نجات کی تدبیر ان سے پوچھیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ جس طرح دنیا میں سخت مصیبت اور شدت میں پھنس جاتے تھے اور اس کے خلاصی کی کوئی تدبیر نہ سوجھنے کے وقت جو بڑے دانا

اور زور آور ہوتے تھے ان سے التجا کرکے اس کی خلاصی کی تدبیر لوچھ کے اس مصیبت سے
بچاؤ کی کوئی تدبیر کرلیتے تھے اسی طرح یہاں بھی شاید اس مشکل کی کشائش اس حیلہ سے ہو سکے
سو حق تعالیٰ ان کو اس تدبیر سے بھی مایوس اور ناامید کردے گا اور فرشتوں کی زبان سے
ان کو یہ حکم پہنچے گا کہ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ یہ دن فصل اور جدائی کا ہے بُرے لوگوں کی اچھوں
سے سو ہر چیز میں ہم جدائی اور امتیاز کریں گے ان دونوں میں اور فصل اور جدائی بغیر نیکوں اور
بدوں کے ایک مکان اور ایک زمان میں جمع کرنے کے متصور اور ممکن نہیں ہے اسواسطے
کہ جو معاملہ الٰہی کسی کے حق میں واقع ہووے اس کو سب خاص وعام دیکھ لیویں اور یہ بھی ہے
کہ بعضے نیکوں اور بدوں کے حقوق آپس میں ایک کے دوسرے پر ثابت اور متحقق ہیں اور
حقدار کا حق دوسرے سے دلوانا بدون حاضر ہونے مدعی اور مدعیٰ علیہ حکم کی مجلس میں ممکن
نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ بعضے نیکوں اور بدوں کا علاقہ مضبوط اور زبردست دوسرے
شخصوں سے ثابت ہے اور وہ لوگ اس علاقہ کے سبب سے بڑی بڑی امیدیں
اعانت اور شفاعت کی دوسروں سے رکھتے ہیں جیسے قرابت نسبی اور سسرالی اور دوستی
اور پیری اور مریدی اور استادی اور شاگردی اور پیشوائی اور پس روی اور سوائے اس کے
اور جس طرح یہ علاقہ اپنے ہمعصروں سے رکھتے ہیں اسی طرح اپنے اگلوں سے بھی رکھتے
ہیں بلکہ نسبی علاقہ اپنی نوع کے اول فرد سے یعنے حضرت آدم علیہ السلام سے متحقق ہے اور
اسی علاقہ کے سبب سے امداد اور اعانت کی امید رکھتے ہیں اسی واسطے اوّل دہلہ میں تمام
مخلوقات حضرت آدم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں گے اور کہیں گے کہ تم ہمارے سب
کے باپ ہو اور ہم سب اس بلا میں مبتلا ہیں ہماری خلاصی اور رہائی کی کوئی تدبیر کرو کہ اس بلا
سے ہم کو نجات ملے چنانچہ یہ مضمون حدیث صحیح سے ثابت ہے سو بدون جمع کرنے اولین
اور آخرین کے ایک مجلس اور ایک مکان اور ایک وقت میں نیکوں اور بدوں میں ایسی
جدائی اور فصل کہ پھر وہ حکم کسی سعی اور سفارش اور عرض اور معروض سے تغیر اور تبدل نہ
پاوے ممکن اور متصور نہیں ہے سو اس واسطے جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝ جمع کیا ہم نے تم
کو اور اگلوں کو اسواسطے کہ بلا میں پھنسنے اور اس کے دفع سے عاجز ہونے کے وقت اپنے

اگلوں کو ضرور یاد کرتے کہ اگر ہمارے پیشوا اسوقت میں ہوتے تو وہ کسی تدبیر سے ہماری اس
مصیبت اور مشکل کو ٹالتے اور اس وقت میں ہمارے کام آتے چنانچہ بادشاہ اپنے ملک کے
بندوبست سے عاجز ہونے کے وقت سکندر اور تیمور کو یاد کرتے ہیں اور وزیر لوگ ارسطو
اور بزرجمہر کو اور پہلوان رستم اور اسفندیار کو اور طبیب لوگ جالینوس اور بقراط کو اور نجومی
ابوریحان اور ابومعشر کو اور اسی طرح ہر فرقہ اپنے اگلوں کو جن کے کمال کے معتقد ہیں اپنی
عاجزی کے وقت یاد کرتے ہیں اور ہر مشکل کو ان کی قدرت اور کفایت پر حوالہ کرتے ہیں
یعنی یوں کہتے ہیں کہ افسوس اسوقت فلانے نہ ہوئے تاکہ اس کام کو بخوبی سرانجام کو پہنچاتے
سو حق تعالیٰ گویا فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے سب اگلوں اور پچھلوں کو اسوقت تمہارے
سامنے اکٹھا کیا ہے تاکہ اس دن کی مصیبتوں سے خلاصی کی تدبیر کے لیے اگر ان کی طرف
رجوع کرنا ہو تو کرو اور سب مل کے مشورہ کر کے کوئی بات نکالو فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ پھر اگر
ہووے واسطے تمہارے بچنے کے تمہارے پاس کوئی مکر اور حیلہ جس کے سبب سے آج
کی سختی تم سے دور ہو جاوے فَكِيْدُوْنِ ہ پھر وہ حیلہ یا مکر ہمارے ساتھ کرو اور دیکھو کہ وہ پیش جاتا
ہے یا نہیں سو جب کافر آپس میں دوڑ دھوپ کر کے اس قسم کے حیلے اور تدبیر سے بھی عاجز
ہو جاویں گے تو وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ہ بڑی خرابی ہے اس دن منکروں کی جو مصیبتیں دفع کرنے
کے واسطے ہر حیلے اور تدبیر سے عاجز اور مایوس ہوں گے اور آٹھویں وجہ اس دن کی سختی کی
منکروں کے حق میں یہ ہوگی کہ جتنے ان کے مخالف اور دشمن تھے ان سب کو اُنکے سامنے
طرح طرح کی عنایات اور مہربانی سے نوازیں گے اور ان کو یعنے کافروں کو کہیں گے کہ دیکھو
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ بیشک جو لوگ ڈرتے تھے حق تعالیٰ سے اور قیامت کے دن سے اور اس
خوف کے سبب سے جتنے گناہ اور بری چیزیں ہیں سب سے پرہیز کرتے تھے اور بندگی
اور عبادت میں ہمیشہ لگے رہتے تھے سو وہ آج کے دن فِيْ ظِلٰلٍ عمدہ سایوں میں ہیں پہلے
تو یعنی حشر کے میدان میں رب العالمین کے عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے پھر پلصراط سے
گذرنے کے وقت اپنے اپنے صدقوں اور خیراتوں کے سایہ کے نیچے ہونگے یہاں تک کہ اگر
کسی نے آدھا خرما خدا کی راہ میں دیا ہوگا تو اس دن وہی آدھا خرما اُس کے کام آویگا اور دوزخ

کی آگ کی لپک سے اُس کے واسطے ڈھال ہو جاویگا اور اُسکو بچاویگا پھر جب بہشت میں داخل ہونگے
تُوطوبیٰ اور دوسرے بہشت کے درختوں کے سایہ کے نیچے ہوں گے پھر جب اپنے ٹھکانوں اور مکانوں
میں داخل ہوں گے تو وہاں اپنے محلوں کے اور غرفوں کے تختوں کے سایہ میں ہونگے وَّعُیُوۡنٍ
اور جاری چشموں میں ایسے چشمے کہ کسی سے کافور کی خوشبو آتی ہے اور کسی میں سونٹھ کا مزہ ہوگا اور کسی
کا نام تسنیم ہوگا سو ان چشموں کے سبب سے ان کو ہرگز پیاس نہ ہوگی بخلاف تمہارے کہ آگ کے
دھوئیں کا سایہ تمہاری تشنگی اور سوزش کو اور بھی زیادہ کر رہا ہے وَّفَوَاکِہَ مِمَّا یَشۡتَہُوۡنَ ۞ اور میووں
میں اس قسم کی چیزیں کہ اُن کے دل رغبت رکھتے ہیں کھٹے اور میٹھے اور سرد اور گرم اور سردیری
اور گرم سیری بہار کے اور خزاں کے گدر اور پکے سب وہاں موجود ہوں گے تاکہ ان میوں
کے سبب سے بھوک کی گرمی اُن کے باطن میں بھی اثر نہ کرے بس ان کی ہوا اور اُنکا پانی اور اُن
کے میوے ہر ایک انکی گرمی کے دفع کرنیکے واسطے ایکدوسرے کے مدد اور معاون ہیں بخلاف
تمہارے کہ میووں کے عوض میں دوزخ کی آگ کے انگارے ہیں اور اندر اور باہر سے گرمی
اور جلن کی زیادتی ہے اور یہ سب تفرقہ اور جدائی اسواسطے ہے کہ تم لوگوں نے اس دن کے
شک اور انکار کی گرمی کو اپنے دل میں جگہ دی اور ان لوگوں نے یعنی مومنین نے یقین کی ٹھنڈک
سے اپنے دل کو چین میں رکھا سو اب یہاں ہر شخص کو وہی پیش آیا جو اُس نے اختیار کیا تھا اور
متقیوں کے حق میں علاوہ ان سب باتوں کے یہ زیادتی ہوگی کہ مہمانوں کی طرح تکریم اور تعظیم
ان کی ہوگی اور بار بار کھانے پینے کے واسطے تاکید اور تحریص کریں گے اور کہیں گے کہ کُلُوۡا
وَاشۡرَبُوۡا ھَنِیۡٓئًا کھاؤ اور پیو گوارا ہو جیو اور پچ جائیو تم کو بخلاف دنیا کے کھانے اور پینے کے کہ وہاں
ثقل اور بدہضمی اور ہیضے کا خوف پیچھے لگا ہوا تھا اور یہ کھانا اور پینا تمہارے واسطے بِمَا کُنۡتُمۡ
تَعۡمَلُوۡنَ ۞ عوض میں اُس کے ہے جو تم عمل کرتے تھے چنانچہ گرمیوں میں روزے رکھتے تھے اور خدا
کے واسطے روزے کے دنوں میں بھوکے پیاسے رہتے تھے اور اچھے اچھے کھانے اللہ تعالیٰ کی
راہ میں فقیروں محتاجوں کو کھلاتے تھے اور ٹھنڈا میٹھا پانی مسکین روزہ داروں کو پلاتے تھے اور وہ
عمل تمہارے دنیا میں اگرچہ چند روزہ تھے اُنکے عوض میں اسقدر جزا تمہارے خیال میں نہیں آتی تھی لیکن
ہماری عادت ایسی ہے جس کو ہم اُکی منفعت پہنچایا چاہتے ہیں سو اسکو اسیطرح وہ چیز جس میں نقصان کا

نام بھی نہ ہووے اور کمال کے ایسے اعلیٰ مرتبے کو پہنچے کہ اس سے زیادہ متصور نہ ہووے عنایت کرتے ہیں ہم اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ہ بیشک ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو کہ ایک کے عوض میں دس بلکہ سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ عنایت کرتے ہیں اور ہم فانی چیز کے عوض میں باقی اور دائم اور ناقص کے عوض میں کامل عنایت فرماتے ہیں۔ ان باتوں کے سننے کے سبب سے متقیوں پر گو خوشی پر خوشی زیادہ ہوگی اور اکرام عقلی ساتھ اکرام حسی کے جمع ہوگا اور انکو یقین ہوگا کہ ہمارے سب کام مقبول ہوئے اور اس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا ہے اور جو اس حال کے منکر لوگ دور سے اس حال کے دیکھنے سے یا اس کلام ارشاد نظام کے سننے سے معلوم کرینگے تو وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ہ بڑی خرابی ہے اسدن منکروں کی اس سبب سے کہ ان کو معلوم ہوگا کہ متقی لوگ جزا کے معتقد ہونے کے سبب سے اس نوازش سے سرفراز ہوئے اور ہم لوگ اس روز کے انکار سے اس رنج اور مصیبت میں گرفتار ہوئے اور نویں وجہ اس دن کے عذاب کی منکروں کو یہ ہوگی کہ دنیا میں قیامت کے انکار کرنے کے سبب سے طرح طرح کے کھانے اور پینے کی لذتوں کے مزے اڑاتے تھے اور اس امر میں بہت اسراف اور بیباکی کرتے تھے اور جب متقی پرہیزگاروں کو دیکھتے تھے کہ قیامت کے خوف سے دنیا کی اچھی مزیدار چیزوں سے کنارہ کش ہیں اور اس کی لذت سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں تب اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اسی عقیدے نے ان لوگوں کو دنیا کی لذتوں سے محروم رکھا ہے سو یہ بڑے نادان ہیں ہم لوگ بہت خوب سوچے ہیں کہ اس عقیدے کے معتقد ہی نہیں بلکہ اس سے ہم بیزار ہیں اسی سبب سے دنیا کی نعمتوں کی لذتیں اڑاتے ہیں اور خاطر خواہ چین کرتے ہیں سو قیامت کے دن ان سے کہا جاویگا كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا کھاؤ اور فائدہ لو دنیا کے حرام اور حلال سے بیباک اور بے دہشت ہو کے اور صیغہ امر کا اس جگہ پر ماضی کے معنوں میں ہے اور یہ عرب کا قاعدہ ہے کہ جب فعل ماضی کو ایسے مقام میں ذکر کرتے ہیں جہاں اس بات کا بیان کرنا منظور ہوتا ہے کہ یہ کام امر اور نہی کی لیاقت رکھتا ہے اس کو امر اور نہی کے صیغہ سے بیان کرتے ہیں چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے **شعر** اِخْوَتِيْ لَا يَبْعَدُوْا اَبَدًا ۔ وَبَلٰى وَاللّٰهِ قَدْ بَعُدُوْا ۔ یعنی بھائی میرے نہ دور ہوویں یعنی نہ دور ہوئے کبھی اور لیکن اللہ کی تحقیق دور ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا میں تم نے کھایا اور پیا اور فائدہ لیا قَلِيْلًا تھوڑے دنوں یعنی اپنی عمر بھر سو وہ تمہارا کھانا اور پینا اور بہرہ مند ہونا ایماندار متقیوں کی

نسبت سے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا ہے اسواسطے کہ ان کے پرورش کے زمانے کی امید کیطرف
انتہا نہیں ہے اور منتہی ہونیوالی چیز کو غیر منتہی کے ساتھ کیا نسبت ہے سو تم نے قدر قلیل فائدہ کو جو
خالص اور کامل بھی نہ تھا عوض میں ایسے عمدہ منافع کے اختیار کیا کہ کامل اور دائم اور غیر منتہی ہے
اور ایسی عمدہ چیز کو ہاتھ سے دے کر ایسی ناقص کو خرید کیا اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ ہ
بیشک تم لوگ گنہگار ہو چنانچہ اس کھانے اور پینے اور فائدہ لینے کو بھی تم نے گناہ میں صرف کیا سو یہ اور
بھی عذاب کی زیادتی کا سبب پڑا اور جب کافروں کو اس بات کی خبر ہو گی کہ قیامت کے انکار کرنے
کے سبب سے دنیا کا کھانا پینا اور عیش و عشرت کرنا سب ہمارے حق میں زہر قاتل ہو گیا اور جو کچھ
ہم نے کھایا اور پیا تھا وہ سب فاسد خلط ہو کے آگ کی صورت ہو گیا وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ہ
بڑی خرابی ہے اس دن منکروں کی جب اپنے معاملے کے نقصان اور زیان پر مطلع ہونگے اور
بوجھیں گے کہ ہم نے اپنے پاؤں میں آپ ہی کلہاڑی ماری اور کالے ناگ کو پھولوں کا ہار سمجھ کر
اپنی گردن میں ڈالا جس کے سبب سے اس مصیبت میں گرفتار ہوئے اور اس ادنیٰ منفعت
کو جو حقیقت میں مضرت تھی اختیار کر کے ان منافع حقیقیہ دائمیہ کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا سو یہ سب چیزیں
انکو اچھی بات نہ سننے کے سبب سے حاصل ہوں گی اسی سبب سے دسویں وجہ کافروں پر اسدن
کی سختی کی یہ ہو گی کہ اچھی بات نہ سننے پر اپنا ہاتھ کاٹیں گے اور افسوس کریں گے اسواسطے کہ ان
کافروں کی عادت دنیا میں یہی ہے کہ پیغمبروں کے فرمودہ کو ہرگز نہیں سنتے ہیں اور مرشدوں اور
واعظوں کا کہنا ہرگز نہیں مانتے ہیں بلکہ ضد سے ان کے کہنے کا الٹا کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر
کوئی سہل کام کا بھی حکم ان کو کرتے ہیں تو یہ بھی یہ قبول نہیں کرتے وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا اور
اور جب کہا جاتا ہے ان کافروں کو کہ رکوع کرو اپنی عبادت میں تاکہ مسلمانوں کے گروہ میں داخل ہو
اسواسطے کہ رکوع خاصہ ہے مسلمانوں کی عبادت کا اور سوائے مسلمانوں کے دوسروں کی عبادت
میں قیام ہے اور سجدہ رکوع نہیں ہے اور حقیقت میں رکوع دل کے انقیاد کا نام ہے امانت
الٰہی کے بوجھ کے اٹھانے کے واسطے اس شکل کو یعنے رکوع کو اس شریعت میں
عبادت گردانا ہے تاکہ رکوع کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہم نے امانت الٰہی کے بوجھ کو
اپنی پشت پر اٹھایا ہے باوجود اس بات کے کہ اس نے ہم کو مستقیم القامۃ پیدا کیا ہے لیکن

جو اس بوجھ اٹھانے کا ہم کو حکم کیا تو ہم نے اپنے قد کے سیدھا ہونے پر غرور نہ کیا بلکہ گھوڑے خچر اونٹ بیل کی طرح اپنی پیٹھ کو اس کے سامنے ٹیڑھا کر دیا ہم نے تاکہ وہ جو چاہے ہمارے اوپر لاد دیوے اسی واسطے قرآن شریف میں دوسری جگہ فرمایا یہ کہ اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ٥ پس رکوع کرنا نماز میں مسلمانوں کی علامت ہے اور کافر اگر اس چیز کو دنیا میں کرتے رہتے تو قیامت کو جو جدائی اور امتیاز کا دن ہے اس علامت کے سبب سے اہل اسلام کے گروہ میں شمار تو کیے جاتے لیکن یہ لوگ لَا يَرْكَعُوْنَ ٥ ہرگز رکوع نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنے تئیں مسلمانوں کی مشابہت سے دور رکھتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب رئیس لوگ بنی ثقیف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں آکر حاضر ہوئے اور اپنے اسلام کا اظہار کیا آپ نے ان کو نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی اور نماز پڑھنے کا طور انکو تعلیم کیا تب ان لوگوں نے کہا کہ ہم سب ارکان نماز کے بجالاویں گے لیکن رکوع نہ کریں گے اسواسطے کہ یہ فعل نہایت ننگ اور عار کا سبب ہے یعنے بنی آدم باوجود قد کی راستی کے جانوروں کی طرح اپنی پیٹھ کو ٹیڑھا کر کے اوندھا ہووے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا خَيْرَ فِي دِيْنٍ لَيْسَ فِيْهِ رُكُوْعٌ یعنے کچھ بھی بہتری نہیں ہے اس دین میں جس میں رکوع نہ ہووے اس واسطے کہ دین کی تحقیق انسانیت کے معنوں میں ہے اور انسانیت اسی بات کو چاہتی ہے کہ اپنے خداوند تعالے کے حکموں کو یعنی امر اور نہی کو منشی اور خوشی رضا اور رغبت سے قبول کرلے وہ اور اس بوجھے کے اٹھانے کے واسطے اپنی پیٹھ کو ٹیڑھا کر دیوے اسواسطے کہ عرف عام میں تعظیم اور سلام کے مقام پر اپنی پیٹھ کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں گویا اشارہ کرتے ہیں اس بات کی طرف کہ تمہارے احسان کا بوجھ اپنی پیٹھ پر رکھا ہم نے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن ہوگا اسواسطے کہ تجلی الٰہی سے کشف ساق کا ہوگا اور سب لوگوں کو حکم ہوگا کہ سجدہ کرو پس ایماندار اسی وقت سجدے میں گر پڑینگے اور منکروں کی گردن اور پیٹھ ایک لوہے کا تختہ ہو جائے گی کہ اس سبب سے ہرگز پیٹھ ٹیڑھی نہ کر سکیں گے چنانچہ سورۂ نون میں گذر چکا ہے لیکن اس تفسیر میں دو خدشے بڑے قوی اور زبردست وارد ہوتے ہیں پہلا خدشہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں رکوع کا ذکر ہے اور

سورۂ نون میں سجود کا ذکر آیا ہے سو رکوع اور چیز ہے اور سجود اور چیز ہے اس کا حمل اس پر کس طرح ہو سکتا ہے اور دوسرا خدشہ یہ ہے کہ لَا یَرْکَعُوْنَ سے بوجھا جاتا ہے کہ کافر اپنے اختیار سے رکوع نہیں کرتے ہیں اور سورۂ نون میں لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ مذکور ہے اس سے یہ بوجھا جاتا ہے کہ کافر نہ کرنے میں بے اختیار اور مجبور ہیں حاصل کلام یہ کہ قیامت کے دن رکوع اور سجدہ کرنے والوں کی جب بزرگی اور نوازش دیکھیں گے تب یاد کریں گے کہ ہمکو بھی دنیا میں آسان کا حکم ہوتا تھا جس کے سبب سے یہ نوازشیں اور سرفرازیاں ہوئی ہیں لیکن ہم نے نصیحت کرنیوالوں کا کہنا نہ مانا اور ان کی بات کو نہ سُنا اور ایسے چین اور آرام کو اپنے ہاتھ سے مفت کھو دیا وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ۝ بڑی خرابی ہے اس دن منکروں کی جو اپنی الٹی بوجھ پر اسدن افسوس کریں گے اور ہاتھ ملیں گے کہ ہم نے کیسی آسان چیز کے نہ کرنے سے ایسی عمدہ چیز اپنے ہاتھ سے کھو دی اور نہ خریدی اور جب یہ کافر اس طرح کے گدھے اور احمق ہیں کہ ایسے آسان حکم کو یعنے رکوع کو بجا نہیں لاتے ہیں اور اپنی پیٹھ ٹیڑھی نہیں کرتے ہیں فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ۝ پھر اب کونسی بات پر بعد اس کے ایمان لاویں گے اور کون کون تکلیف الٰہی کو اپنے اوپر قبول کریں گے اسواسطے کہ یہ ذراسی بات ہو نہیں سکتی ہے بس یہ شریر جانور کی طرح کے ہیں جو اپنی پیٹھ کو ٹیڑھا نہیں کرتا ہے پھر دوسرے بوجھ لادنے کی امید اس سے محال ہے اور بعضے مفسروں نے کہا کہ بعدہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اگرچہ اس کا مذکور اوپر نہیں ہوا ہے لیکن قرآن شریف کی تلاوت کے وقت ہر شخص کا ذہن اسی قرآن ہی کی طرف دوڑتا ہے یعنے جب قرآن شریف کے آنے کے بعد بھی یہ کافر ایمان نہ لاوے باوجود اس بات کے کہ قرآن کا بیان واضح ہے اور وہ کتب الٰہیہ کا خاتم ہے کہ اس کے بعد آسمان سے کوئی کتاب نازل ہونے کی امید باقی نہیں ہے اس پر بھی نہ مانا اور قائل نہ ہوئے پھر اب اس قرآن کے بعد کونسی بات کے منتظر ہیں جس پر ایمان لاویں گے اسواسطے کہ اب کوئی دوسری کتاب آسمان سے نازل ہونے والی نہیں ہے اور دنیا میں دوسری کتابیں جو آدمی لکھتے ہیں اس کلام میں تاثیر پائی نہیں جاتی ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اس آخر کی آیت کو پڑھے نماز میں یا نماز کے باہر اس کو

لازم ہے کہ اس کے بعد کہے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ یعنی ایمان لایا میں اللہ پر جو ایک ہے اور وحدہ لاشریک ہے فقط

خاتمۃ الطبع

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین ولاعدوان الا علی الظالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین وامام المرسلین ورسول رب العالمین وصاحب الشفاعۃ یوم الدین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین امابعد کتاب مستطاب پسندیدۂ ہر شیخ وشاب یعنی لبستان التفاسیر المعروف بہ تفسیر فتح العزیز مصنفہ شیخ الطریقۃ ومعدن السلوک والحقیقۃ وقطب دائرۃ المحققین وسلطان العارفین وبرہان الواصلین وصاحب الکشف والتحقیق والمرشد بسلیکہ الی اقوم الطریق ومحیی معالم الطریق بعد دروسہا ومظہر آیات التوحید بعد افول قمارہا وشموسہا سیدنا ومولانا جناب شاہ عبدالعزیز صاحب روح اللہ روحہ ونور مضجعہ چونکہ ایک عرصہ سے نایاب ہوگئی تھی اور شائقین کی کثرت نے اس بات پر مجبور کیا کہ اس گوہر بے بہا کو پھر چھاپ کر شائقین کی خواہش پوری کی جاویں لہذا حسب الحکم جناب حاجی محمد سعید صاحب تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ نمبر (۸۵) کمترین محمد شفیع نے اپنے اہتمام سے مطبع مجیدی واقع کانپور میں بماہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ مطابق اکتوبر ۱۹۲۶ء چھاپ کر شائع کیا شائقین وقارئین سے امید ہے کہ محرک و مہتمم و مصحح وغیرہم کو دعائے خیر سے یاد و شاد فرماتے رہیں وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

کاتب: میاں فضل الٰہی خوشنویس حضرت کیلیاں والہ شریف ضلع گوجرانوالہ